قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلموا الفرائض وعلموها الناس

سراجی

کی اردو میں بہترین شرح

مشکوٰۃ السراج

مع

متنِ متین

مصنف :- حضرت مولانا مفتی محمد صابر علی صاحب امروہوی مدظلہ العالی

معہ اضافات مفیدہ

۱- اشعار مفیدہ در علم منطق۔

۲- صاحبِ ایساغوجی، علم منطق۔

میر محمد کتب خانہ آرام باغ، کراچی

اشعارِ مفیدہ در علم منطق

منطق وحکمت زبہر اصطلاح — گر بخوانی اندکے باشد مباح
علم تصدیق وتصوّر ہر دو قسم آمد بداں — ہر یکے کسبی و بدیہی یادگیر اے پارسا
دلالت سہ قسم ست بمنطق تمام — تطابق، تضمن دگر التزام
بر تمام معنی وضعی دلالت شد یکے — ثانیش بر جزو معنی ثالثش بر ما سوا
پنج کلی یاد دار اے نیک نام — جنس وفصل ونوع وخاصہ عرض عام
جنس وفصل ونوع وخاص وعرض عام — جملہ را ایساغوجی کردند نام،
داں معرّف چار باشد حد تام رسم تام — حد ناقص رسم ناقص می شماری نیک نام
در تناقض ہشت وحدت شرط داں — وحدت موضوع ومحمول ومکاں
وحدت شرط واضافت جزو وکل — قوت وفعل ست در آخر زماں
گر ہمی خواہی کہ دانی طور عکس مستوی — در ہمیں یک شعر آں را من ہمی سازم ادا
وضع طرفین قضیہ در مقام یک دگر — چونکہ صدق وکذب آں راہمچناں باشد بقا
گر ہمی خواہی کہ دانی ساختن عکس نقیض — بشنو از من کیف آں را اے ذکی بے ریا
کن نقیض ہر دو طرفش را بجائے یکد گر — با بقائے صدق وکیف اے صاحب طبع رسا
صغریٰ را محمول سازی کبریٰ را موضوع نیز — شکل اول با تیقن می شمار ایں اے عزیز
گر بود محمول ہر دو شکل ثانی می شود — گر بود موضوع ہر دو شکل ثالث میشود
عکس اول شکل رابع حاصل آید بگماں — گفتہ ام ایں چند مصرع از برائے طالباں

صاحب ایساغوجی

نام ونسب اسم گرامی مفضل، اثیر الدین لقب، مولانا زادہ عرف اور والد کا نام عمر ہے۔ لفظا اثیر اثر بالحدیث اذا نقلہ، سے بفعیل بمعنی فاعل ہے ای الناقل، لیکن ظاہر تر یہ ہے کہ یہ اثرہ۔ اذا اختارہٗ سے فعیل مفعول ہے ای المختار

تحقیق ابہر آپ ابہر کے باشندے تھے جو روم میں ایک مقام کا نام ہے اس لئے نسبت میں ابہری کہلاتے ہیں۔ مولوی محمد بن غلام محمد نے میر ایساغوجی کے حاشیہ میں بحوالہ قاموس نقل کیا ہے کہ ابہر بفتح با و سکون ہا بلاد اصفہان کے ایک شہر کا نام ہے جو آب ہر بمعنی مار (رحی) کا معرب ہے۔ مفتی محمد عبد اللہ ٹونکی اپنی تعلیقات میں کہتے ہیں

کہ یہ محشی کی بھول ہے کیونکہ ابہرا حمر کے وزن پر ہے جس کی تصریح بحرالجواہر میں موجود ہے، منتخب میں ہے ان المشہور فی ہذا المعنیٰ سکون الباء الموحدۃ وفتح الہاء:

تعارف آپ بڑے عالم وفاضل اور بلند پایہ محقق ومنطقی تھے امام فخرالدین رازی سے آپ کو شرفِ تلمذ حاصل ہے جیساکہ علامہ ابن العربی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

تصانیف آپ نے بہت سی عمدہ اور قابل قدر کتابیں تصنیف کیں جیسے (۱) الاشارات (۲) زبدہ (۳) کشف الحقائق۔ منطق میں مختصر سی تصنیف ہے (۴) المحصول (۵) المغنی۔ علم جدل میں ہے (۶) ایساغوجی۔ منطق میں (۷) ہدایۃ الحکمۃ فلسفہ میں (۸) تنزیل الافکار فی تعدیل الاسرار، اس میں آپ نے قوانین منطقیہ وحکمیہ کی بابت اپنی آخری رائے تحریر فرمائی ہے اور بعض اصول مشہورہ کے فساد پر تنبیہ بھی فرمائی ہے آپ کی دو کتابیں ایساغوجی اور ہدایۃ الحکمت نہایت مقبول اور داخلِ درس ہیں۔

تحقیق ایساغوجی لفظ ایساغوجی یونانی کلمہ ہے بمعنی کلیات خمس یعنی جنس، نوع، فصل، خاصہ اور عرض عام قال بعضہم فی ضبطہ ؎

جنس وفصل ونوع وخاص وعرض عام ❊ جملہ را ایساغوجی کردند نام

میر سید شریف جرجانی نے حاشیہ ایساغوجی میں ذکر کیا ہے کہ یہ حکماء یونان میں سے ایک حکیم کا نام ہے جو معرفت کلیات میں مہارت تامہ رکھتا تھا، حواشی مطالع میں ہے کہ یہ ایک حکیم کا نام ہے جس نے کلیات کا استخراج اور ان کی تدوین کی تھی پھر مستخرج کو باسم مستخرج یا مدوّن کو باسم مدوّن موسوم کردیا گیا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک شخص کا نام ہے جو کسی حکیم کے پاس پڑھتا تھا اور ہر مسئلہ میں اس کے نام کے ساتھ مخاطب کرتا ہوا کہتا تھا، یا ایساغوجی! الحال کذا بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ اس کے معنیٰ اصل میں پانچ پنکھڑیوں والے پھول کے ہیں پھر اس کو کلیات خمس کا علم کردیا گیا کیونکہ حکیم نے ان کو پانچ اوراق میں مدوّن کیا تھا۔ بہرکیف بابِ کلیاتِ خمس منطق کے ابواب تسعہ میں سے ایک عظیم ترین باب ہے جس میں بہت سے لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں جیسے فرفوریوس حکیم، شیخ موفق الدین عبداللطیف بن یوسف بغدادی اور علامہ اثیرالدین ابہری:۔

وفات سنہ وفات میں مختلف اقوال ہیں صاحب کشف نے ۷۰۰ھ لکھا ہے اور فہرست کتب خانہ مصریہ میں ہے کہ ۷۰۰ھ کے حدود میں وفات پائی، جرجی زیدان نے ۶۶۳ھ مانا ہے، ایک قول ۶۶۱ھ کا بھی ہے صاحب معجم نے ۶۶۰ھ لکھا ہے اور یہی راجح معلوم ہوتا ہے۔

فہرست حواشی و شروح کتاب ایساغوجی

نمبر شمار	شرح	مصنف	سنہ وفات
۱	میر ایساغوجی	سید شریف علی بن محمد بن علی الجرجانی	سنہ ۸۱۶ھ
۲	شرح ایساغوجی	علامہ شمس الدین محمد بن حمزہ فناری	سنہ ۸۳۴ھ
۳	〃 〃	شیخ خیر الدین تبلیسی	
۴	〃 〃	شیخ شہاب الدین احمد بن محمد مشہور بالابدی	
۵	〃 〃	شیخ شریف نور الدین علی بن ابراہیم شیرازی	سنہ ۸۶۲ھ
۶	〃 〃	شیخ مصلح الدین مصطفیٰ بن شعبان سروری	سنہ ۹۶۶ھ
۷	المطلع	شیخ زکریا بن محمد انصاری قاہری	سنہ ۹۱۰ھ
۸	شرح ایساغوجی	فاضل عبد اللطیف عجمی	
۹	〃 〃	شیخ ابو العباس احمد بن محمد آمدی	
۱۰	〃 〃	حکیم شاہ محمد بن مبارک قزوینی	سنہ ۹۶۲ھ
۱۱	〃 〃	شیخ خیر الدین خضر بن عمر عطوفی	
۱۲	〃 〃	شیخ محمد بن ابراہیم حلبی	
۱۳	التحقیق المنطقی	مولانا برکت اللہ بن احمد اللہ لکھنوی	
۱۴	اشرح الشرح	مولانا قل احمد بن محمد بن خضر	
۱۵	قال اقول	مولانا حسام الدین حسن السکانی	سنہ ۷۶۰ھ

منظومات کتاب ایساغوجی

نمبر شمار	شرح	مصنف	سنہ وفات
۱	منظوم ایساغوجی	شیخ نور الدین علی بن محمد اشمونی	سنہ ۹۰۰ھ
۲	السلم المنورق	شیخ عبد الرحمٰن بن سیدی محمد	
۳	موزون المیزان	شیخ ابراہیم بن حسام مستبشری[1]	سنہ ۱۰۱۶ھ

[1] ان کی یہ شرح "یکروزی" کے نام سے بھی مشہور ہے کیونکہ موصوف نے اسکو صبح کے وقت شروع کر کے اسی روز مغرب کے وقت فراغت پالی تھی ۱۲م مشہور ہے یکروزی کا انتساب جو علامہ تفتازانی کی طرف کرتے ہیں یہ غلط ہے ۱۲ معجم المطبوعات، کشف الظنون، میر ایساغوجی وغیرہ ۱۲

علم منطق

لغوی معنی | منطق نُطق سے ہے۔ نُطَقَ (ض) نُطقاً، مَنطِقاً۔ بولنا، نُطق کا استعمال نطق خارجی (ظاہری) یعنی گفتگو پر بھی ہوتا ہے۔ مفرد ہو یا مرکب، مفید ہو یا غیر مفید، اور نطق داخلی (باطنی) یعنی فہم و ادراک کلیات پر بھی، منطق بروزن مضرب اسم ظرف ہے بمعنی جائے نطق یا مصدر میمی ہے بمعنی گویائی، لہجہ، خوش کلامی، گفتگو، کبھی انسان کے علاوہ کیلئے بھی بولا جاتا ہے قال تعالیٰ،، وعلمنا منطق الطیر، قال الزاغب ولا یقال لغیر الانسان الا علی التشبیہ نحو الناطق و انما یراد بالناطق مالہ صوت وبالصامت مالا صوت لہ

اصطلاحی تعریف | علم منطق جسکو علم میزان بھی کہتے ہیں، ایک ایسا علم عملی اور قانونی آلہ ہے جسکی رعایت ذہن کو خطاء فی الفکر سے بچاتی ہے قال السید الجرجانی فی التعریفات۔ المنطق آلۃ قانونیۃ تعصم مراعاتہا الذہن عن الخطاء فی الفکر فہو علم عملی آلی کما ان الحکمۃ علم نظری غیر آلی،،

وجہ تسمیہ | علم منطق کو منطق اسلئے کہتے ہیں کہ نطق کا اطلاق نطق ظاہری یعنی تکلم پر اور نطق باطنی یعنی ادراک معقولات پر بھی ہوتا ہے اور اس فعل کے مصدر و مظہر انفعال یعنی نفس ناطقہ پر بھی ہوتا ہے اور اس علم کے ذریعہ تکلم میں تقویت و ادراک میں تسدید آتی ہے جس کی وجہ سے نفس ناطقہ کو ہر دو کمال یعنی تکلم فصیح اور ادراک صحیح حاصل ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس کے ذریعہ سے نفس ناطقہ تکلم فصیح اور علی وجہ الصواب ادراک معقولات پر قادر ہو جاتا ہے (کذا فی شرح المطالع) پس لفظ منطق مصدر میمی ہے جو اس فن کے لئے بطور مبالغہ بولا جاتا ہے گویا منطق ہی بعینہ نطق ہے، یا اسم ظرف ہے بایں معنی کہ وہ محل نطق ہے، یا اسم آلہ ہے جیسا کہ اس کی تعریف مشہور،، آلۃ قانونیۃ،، سے مفہوم ہوتا ہے۔ اس صورت میں لفظ منطق کی میم کا فتحہ غلط ہوگا کیونکہ اسم آلہ کا میم مکسور ہوتا ہے، نیز جو لوگ منطق کی طاء کو مفتوح بولتے ہیں یہ بھی غلط ہے اسواسطے کہ نطق باب ضرب سے ہے جسکے ظرف میں ماقبل آخر مکسور ہوتا ہے،،

موضوع | معرف اور حجت یعنی وہ معلومات تصوریہ و تصدیقیہ جن سے مجہولات تصوریہ و تصدیقیہ کو معلوم کیا جائے،،

غرض و غایت | ذہن کو خطاء فی الفکر سے بچانا بالفاظ دیگر نظر و فکر میں غلطی واقع ہونے سے بچانا

تدوین | منطق ایک فطری علم ہے کسی مقصد پر دلیل و برہان پیش کرنا، قیاس کرکے نتیجہ نکالنا، افکار ذہنیہ کو خطاء سے بچانا، اسی کا نام منطق ہے، اور معمولی سمجھ کا آدمی بھی اسکی کوشش کرتا ہے لیکن اس علم کا باضابطہ اظہار سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوا، مخالفین کو عاجز و ساکت کرنے کیلئے بطور معجزہ اسکا استعمال کیا گیا، پھر اسکو یونانیوں نے اپنایا، یونان کے رئیس حکیم ارسطو نے جو سنہ ۳۸۴ قبل از مسیح

تھا، سب سے پہلے حکمت اور منطق دونوں کو مدوّن کیا اسی لئے اسکو معلم اول کہتے ہیں، پھر ہارون اور مامون کے عہد میں فلسفۂ یونانی عربی میں منتقل ہوا تو منصور سامانی نے ابونصر محمد بن محمد بن طرخان فارابی متوفی ۳۳۹ھ کو دوبارہ تدوین کا حکم دیا اسوجہ سے وہ معلم ثانی کہلاتا ہے، مگر چونکہ اسکی تحریر کچھ منتشر تھی اسوجہ سے سلطان مسعود نے شیخ ابوعلی حسین بن عبداللہ معروف بابن سینا متوفی ۴۲۸ھ کو تیسری بار منطق و فلسفہ کی تدوین کا حکم دیا اسلئے بوعلی سینا کو معلم ثالث کہتے ہیں اور اسی کی مدون شدہ حکمت و منطق اسوقت رائج ہے، تدوین منطق کی یہ اجمالی تاریخ ہے اسکی تفصیل انشاء اللہ حکمت و فلسفہ کے ذیل میں پیش کی جائے گی۔

علم منطق اور اسکی مستقل فنی حیثیت

حکمائے قدیم کے یہاں علم منطق علوم آلیہ کی حیثیت رکھتا تھا یعنی وہ خود مقصود بالذات علم نہ تھا بلکہ علوم حکمیہ کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ تھا، لیکن متاخرین حکما، اسلام نے اسمیں جو تغیرات کئے ان کی وجہ سے وہ ایک مستقل علم بن گیا اور سب سے پہلے امام رازی نے اسکو ایک مستقل علم بنایا چنانچہ علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں۔

ثم تکلموا فیہا وصغروہ من ذلک کلا مستبحرا ونظروا فیہ من حیث انہ فن برأسہ لا من حیث انہ آلۃ للعلوم فطال الکلام فیہ واتسع واول من فعل ذلک الامام فخر الدین الخطیب ومن بعدہ افضل الدین الخونجی

پھر متاخرین نے منطق کی جو شکل قائم کی اسمیں بڑے وسیع پیمانے پر کلام کیا اور اسکو اس حیثیت سے دیکھا کہ وہ ایک مستقل فن ہے، اسمیں بڑی لمبی چوڑی بحث پیدا ہوگئی اور سب سے پہلے ایسا امام رازی نے کیا اور انکے بعد افضل الدین الخونجی نے

پس منطق کی جو موجودہ شکل ہے اسکے بانی اول امام فخر الدین رازی ہیں۔

علم منطق رئیس العلوم ہے

ہم اس سلسلہ میں چند موثق و معتبر آراء پیش کرتے ہیں جن کی روشنی میں منطق کی بابت جو غلط فہمی اور بدگمانی ہے وہ دور ہوسکتی ہے۔

ملا کاتب چلپی نے کشف الظنون میں نقل کیا ہے کہ شیخ ابونصر فارابی نے علم منطق کو رئیس العلوم کہا ہے کیونکہ صحت و سقم اور قوت و ضعف میں علم منطق جملہ علوم پر حاکم ہے۔ اور چونکہ یہ غیر مقصود بالذات اور علوم کسبیہ نظریہ و عملیہ کی تحصیل کا آلہ و ذریعہ ہے اسلئے شیخ رئیس ابوعلی ابن سینا نے اسکو خادم العلوم ٹھہرایا ہے ..... حجۃ الاسلام امام غزالی فرماتے ہیں کہ۔ من لم یعرف المنطق فلا ثقۃ لہ فی العلوم اصلاً جو شخص علم منطق سے اچھی طرح واقف نہ ہو وہ علوم میں قابل وثوق نہیں ہے،

شیخ بوعلی ابن سینا نے تو یہاں تک تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ ”المنطق نعم العون علی ادراک العلوم کلہا وقد رفض ھذا العلم وجحد منفعتہ من لم یفہمہ“ علم منطق جملہ علوم کے ادراک و تحصیل میں معین و مددگار ہے جو شخص اسکو نہیں سمجھ پاتا وہی اسکو چھوڑتا اور اسکی منفعت کا انکار کرتا ہے
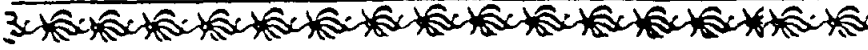
حضرت محی الدین مخدومی شیخ جلال الدین عارف رومی فرماتے ہیں ؎

منطق وحکمت ز بہر اصطلاح ——— گر نخوانی اندرکے باشد مباح

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وصیت نامہ کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں "خواندن حکمت فلاسفہ لاشئ محض است، کمال دراں مثل کمالِ مطربان است در علم موسیقی کہ موسیقی ہم فنے است از فنونِ حکمتِ ریاضی، مگر منطق کہ خادم ہمہ علوم است خواندنِ آں البتہ مفید است۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے ایک رسالہ میں جس میں آپ نے شاہ بخارا کے سوالوں کے جوابات دیئے ہیں منطق کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسکی حیثیت آلہ کی ہے اور آلہ کا حکم ہمیشہ اس چیز کا تابع ہوتا ہے جسکا اسے آلہ بنایا جائے، پھر آپ نے توپ وبندوق کی مثال دیکر فرمایا۔ اگر حرب مباد ست مثل جہاد ادنیز از قبیل عبادت خواہد شد"

ولبعضہم فی مدح النحو والمنطق ؎

ان رمت ادراک العلوم بسرعة * فعلیک بالنحو القویم ومنطق

ھذا المیزان العقول مرجح * والنحو اصلاح اللسان بمنطق

رسالہ "النور" ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ کی اشاعت میں حضرت تھانوی قدس سرہ کی رائے گرامی باین الفاظ درج ہے "ہم تو جیسا بخاری کے مطالعہ میں اجر سمجھتے ہیں میرزاہد امور عامہ کے مطالعہ میں بھی ویسا ہی اجر سمجھتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ نیت صحیح ہو جیسا کہ خود حضرت نے اپنے اس خیال کی توجیہ فرماتے ہوئے تصریح کی ہے کہ "کیونکہ اسکا شغل بھی اللہ کے واسطے ہے اور اس کا بھی"۔

کتب منطق (۱) محک النظر (۲) معیار العلم۔ یہ دونوں امام حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ کی ہیں (۳) جامع الدقائق فی کشف الحقائق۔ شیخ نجم الدین ابوالحسن علی بن عمر کاتبی متوفی ۶۷۵ھ کی عظیم الشان جامع اصول وحاوی فروع تصنیف ہے۔ (۴) عین القواعد۔ ابوالمعالی نجم الدین علی بن عمر بن علی قزوینی متوفی ۶۷۵ھ کی ہے (۵) بیان الحق۔ (۶) مطالع الانوار۔ یہ دونوں سراج الدین محمود بن ابی بکر ارموی متوفی ۶۸۲ھ کی ہیں (۷) نخبۃ الفکر۔ ابن واصل محمد بن سالم حموی شافعی متوفی ۶۹۷ھ کی ہے (۸) ناظرۃ العین۔ شمس الدین ابوالثناء محمود بن عبدالرحمٰن اصفہانی متوفی ۷۴۹ھ کی ہے (۹) البرہان فی اسرار علم المیزان (۱۰) لوامع الافکار۔ یہ دونوں کتابیں شیخ ایدمر بن علی الجلدکی (من رجال القرن الثامن) کی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہیں ان سب میں شیخ ابوعلی حسین بن عبداللہ معروف بابن سینا متوفی ۴۲۸ھ کی کتاب (۱۱) الشفاء اور (۱۲) الموجز الکبیر اس فن کی مایۂ ناز اساسی اور بنیادی کتابیں ہیں۔ موصوف کی شفاء اٹھارہ جلدوں میں بتائی جاتی ہے"۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تعلموا الفرائض وعلموها الناس

سراجی

کی اردو میں بہترین شرح

مشکوٰۃ السراج

مع

متنِ متین

مصنف:- حضرت مولانا مفتی محمد صابر علی صاحب امروہوی مدظلہ العالی

معہ اضافات مفیدہ
۱- اشعار مفیدہ در علم منطق۔
۲- صاحب ایساغوجی، علم منطق۔

میر محمد کتب خانہ آرام باغ، کراچی

1/2

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی شرع الفرائض والاحکام وبین قسمۃ المواریث والسہام وحدلنا عدد الفروض ومستحقیہا وعلمنا معرفۃ مراتب العصبات مقدمہا ومؤخرہا والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

حمد و صلوٰۃ کے بعد کمترین خلائق احقر العباد محمد صابر امروہوی غفرلہٗ ولوالدیہ عارض مدعا ہے کہ علم فرائض تمام علوم میں افضل و اشرف علم ہے جن تعالیٰ شانہٗ نے قرآن مجید میں خصوصی طور سے نہایت وضاحت کے ساتھ اسکی تعلیم فرمائی ہے اور ہر ایک وارث کا الگ الگ حصہ مقرر و معین فرما کر ارشاد فرمایا ہے کہ اس طرز کی تقسیم کی حکمتوں کو تم کما حقہٗ پوری طرح نہیں سمجھ سکتے ہو۔ خدا تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں۔ کیونکہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی بڑے علم و حکمت والے ہیں اس کے بعد فرمایا ہے کہ جو لوگ بلا چون و چرا ان احکام کی تعمیل کریں گے ہم ان کو ایسی بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے محلات کے نیچے نہریں جاری ہونگی اور وہ اسمیں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو لوگ ان احکام سے روگردانی کریں گے اور ہماری بات کو نہ مانیں گے تو ان کو دوزخ میں داخل کریں گے اس طور پر کہ وہ اسمیں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ پھر ان احکام کے خاتمہ پر ارشاد ہے کہ ہم نے یہ صاف اور صریح احکام اپنی طرف سے اس لئے مقرر فرمائے ہیں کہ تم لوگ گمراہ نہ ہو جاؤ۔ اسلئے کہ مال اور ترکہ کے بارے میں عدل و انصاف سے کام لینا بڑا مشکل ہے۔ ہر شخص اپنے نفع کو مقدم سمجھ کر اپنی طرف جھکتا ہے (سورہ نساء رکوع ۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم فرائض کو من حیث الثواب نصف العلم فرمایا ہے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ فَاِنَّهَا نِصْفُ الْعِلْمِ کہ علم فرائض خود تم بھی سیکھو اور دوسرے لوگوں کو بھی سکھلاؤ۔ اس لئے کہ وہ نصف علم ہے یعنی تمام علوم کے برابر اسمیں ثواب حاصل ہوتا ہے چنانچہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ فرائض کا ایک مسئلہ بتلانے پر دوسرے قسم کے سو مسئلوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔ نیز نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر بیان فرمایا کہ لوگو! میں تم میں ہمیشہ نہ رہوں گا۔ فرائض کو سیکھ لو۔ اور میرے بعد دوسرے لوگوں کو سکھلاتے رہو، وہ وقت قریب ہے کہ میں دنیا سے رخصت ہو جاؤنگا۔ وحی کا دروازہ بند ہو جائے گا اور علم کے معدوم ہونے کا ایسا زمانہ آئیگا کہ دو آدمی ایک فرائض کے مسئلہ میں جھگڑتے ہونگے اور کوئی فیصلہ کرنیوالا نہ ملے گا۔ دوسرے موقع پر آپنے ارشاد فرمایا ہے، اے لوگو! علم فرائض سیکھو، اس لئے کہ وہ نصف علم ہے اور سب سے پہلے جو علم میری اُمت سے اٹھا لیا جائے گا وہ علم فرائض ہے۔ آپ کے اس ارشاد کی تصدیق کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ جو لوگ علمائے دین کہلاتے ہیں ان میں سے بہت سے اس علم سے کورے نظر آتے ہیں۔ عوام کا تو تذکرہ ہی فضول ہے بہت سے دیندار لوگ جو نماز۔ روزہ وغیرہ کے اکثر ضروری مسائل سے خبردار ہیں وہ فرائض کا ایک بھی مسئلہ نہیں جانتے

رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے مَنْ قَطَعَ مِيْرَاثَ وَارِثِهٖ قَطَعَ اللّٰهُ مِيْرَاثَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔ یعنی جو شخص اپنے وارث کی میراث کاٹے گا تو خدا تعالیٰ قیامت کے دن اس کی میراث جنت سے کاٹ دیں گے۔ اس تاکید و وعید سے معلوم ہوا کہ علم فرائض کا سیکھنا فرضِ کفایہ ہے۔ اس علم شریف کی فضیلت اور تعلیم و تعلّم کی تاکید میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں جن کو طوالت کے خوف سے بیان نہیں کیا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات و تاکیدات کا اثر ہر زمانہ میں آپ کی امت کے علمائے کاملین میں بخوبی ہوا۔ چنانچہ انھوں نے خود بھی توجہ فرمائی اور دوسروں کو بھی سکھلایا اور رغبت دلائی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت زید بن ثابتؓ سب سے زیادہ علم فرائض کے عالم تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ و حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم اس فن میں کامل دستگاہ، خاص مہارت اور امتیازی شان رکھتے تھے۔ فرائض کی مشکلات کو حل کرتے اور اس کے قواعد و مسائل تعلیم فرماتے اور لوگوں کو اس کے سیکھنے کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ عول کا ضروری اور مفید قاعدہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تجویز فرمایا جو تمام صحابہ کے اجماع سے منظور ہو کر علم فرائض میں جاری ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! فرائض کو ایسی ہی محنت اور توجہ سے حاصل کرو جس طرح قرآن کریم کو سیکھتے ہو۔ اور کبھی فرماتے کہ مسلمانو! فرائض سیکھو۔ اس لئے کہ وہ تمہارے دین کا ایک ضروری علم ہے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جو شخص قرآن سیکھے اور فرائض نہ سیکھے وہ ایسا ہے جیسے بے چہرے کا سر ہو یعنی بغیر فرائض کے علم بے رونق بلکہ بیکار رہتا ہے۔
مجتہدین اور انکے بعد علماء نے اس ضروری علم کی طرف توجہ کرنے میں کمی نہیں کی۔ ہر شخص نے صحابۂ کرام کے اصول کو لے کر اسی کے مطابق ضابطے اور قاعدے مقرر کئے اور مسائل جزئیہ اور احکام تحریر فرمائے۔ علمائے حنفیہ نے اس میں خاص حصہ لیا۔ اگرچہ دوسرے علماء نے بھی کوتاہی نہیں فرمائی۔ مستقل کتابیں اس فن شریف میں لکھیں۔ ان میں جیسی کہ کتاب فرائض سجاوندی معروف بہ سراجی ہے۔ کہ باوجود کمال ایجاز و اختصار کے علم فرائض کے تمام اصول فروع اور مسائل کو حاوی اور محیط ہے۔ مثل اسکے آج تک کوئی دوسری کتاب اس علم میں شائع و ذائع نہیں ہوئی۔ احکام ارث میں بڑی مستند و مقبول ہے۔ حنفی مذہب کے مطابق مسائل میراث کو نہایت خوبی اور خوش اسلوبی اور تحقیق کے ساتھ لکھا ہے۔ منجملہ دیگر کتبِ درسیہ کے یہ کتاب بھی درس تدریس میں رکھی گئی ہے اور ہمیشہ درسیات میں داخل رہی ہے۔ شہرت و مقبولیت کی بیّن دلیل یہ ہے کہ اکابر علمائے متقدمین اور اجلہ فضلاء متاخرین عرب و عجم نے اسکی بہت سی شروح اور حواشی اور اسکی شروح پر حواشی لکھے ہیں لیکن ان میں اصل کتاب کی طرح شہرت اور قبولیتِ عامہ سید شریف جرجانی کی شرح یعنی شریفیہ کو حاصل ہوئی ہے۔ اس پر بھی متعدد حواشی لکھے گئے ہیں۔

بعض احباب کا خصوصاً عزیزی مولوی حمید احمد خان شروانی برادری سلمہٗ کا اصرار ہوا کہ سراجی فن فرائض میں ایک درسی کتاب ہے۔ چونکہ اکثر آدمی زبانِ عربی میں مہارت نہیں رکھتے اور طلباء کو ایجاز و اختصار کی بنا پر سخت تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس لئے اردو زبان میں اس کا ایسا حل لکھ دیا جائے جس سے شائقین

اور طلباء کو اس کا سمجھ لینا آسان ہو۔ لہٰذا احقر نے یہ شرح اور متن کا ترجمہ اُردو زبان میں لکھا۔ رفع انتشار کی وجہ سے صرف مسائل مفتی بہ کو اور کہیں کہیں اختلاف ائمہ بتلانے کو مسائل غیر مختار کو بھی لکھ دیا۔ متن کے ترجمہ اور شرح میں حتی الامکان ان باتوں کا التزام ملحوظ رکھا ہے۔

(۱) متن کی تمام و کمال عبارت کا ترجمہ سلیس زبان میں کیا گیا ہے تاکہ طلباء متن کے تمام فوائد جلی و خفی اور مطالب و مقاصد صوری و معنوی سے کما حقہ واقف ہوں (۲) ہر جگہ مقدرات و محذوفات کو ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

(۳) شرح میں عبارت آرائی کو چھوڑ کر سلیس مادری زبان کو استعمال کیا ہے۔

سراجی کے مصنف علامہ سراج الدین محمد بن محمد بن عبد الرشید سجاوندی حنفی ہیں جو فضائل و کمالات میں بڑے رتبہ کے مالک تھے مگر تعجب ہے کہ نہ تو مؤرخین نے ان کے حالات قلم بند کئے اور نہ اس کتاب کے شارحین ہی نے ان کے حالات بیان کئے "اکتفاء القنوع بما ہو مطبوع" سے ساتویں صدی میں ان کا ہونا مفہوم ہوتا ہے اور کشف الظنون سے جہاں اس کتاب کے شارحین کے نام درج ہیں اُن کا تیسری یا چوتھی صدی یا اس سے قبل ہونا سمجھا جاتا ہے۔ شمس الائمہ سرخسی کی بھی اس پر ایک شرح ہے جن کی سنہ ۴۹۰ھ میں وفات ہوئی ہے بعض نے لکھا ہے کہ سنہ پانسو کے درمیان گزرے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ مصنف کے صحیح حالات کا پتہ نہ چل سکا۔

اس شرح میں ان کتابوں سے مدد لی گئی ہے جو علم فرائض کی خاص کتابیں ہیں:- (۱) شریفیہ شرح سراجی (۲) حل المشکلات الفرائض (مصری) (۳) شرح شریفیہ مع حاشیۃ الفناری (مصری) (۴) فتح القریب المجیب دو جلد (مصری) (۵) التحفۃ الخیریہ (مصری) (۶) البقری شرح الرحبیہ (مصری) (۷) تدریب المبتدی (مصری) (۸) دلیل الحائض (مصری) (۹) البرق الوامض (مصری) (۱۰) کتاب فرات الفائض (مصری) (۱۱) کتاب احکام المواریث الشرعیہ (مصری) (۱۲) فتاوی المیراث (۱۳) علم الفرائض (۱۴) توریث القرآن (۱۵) مفید الوارثین (۱۶) کنز الفرائض (۱۷) جامع الفرائض (۱۸) جدول المیراث (مصری) یہ کتابیں احقر کی ذاتی ہیں۔ (۱۹) شرح القول المبہم فی مواریث الامم (۲۰) ضوء السراج (۲۱) شرح خلاصۃ الفرائض (۲۲) نور السراج شرح سراجی (۲۳) شرح سراجی اکمل (۲۴) شرح سراجی شمس الائمہ سرخسی (۲۵) شرح سراجی شہاب الدین احمد (۲۶) شرح سراجی گازرونی (۲۷) کفایۃ الفرائض (۲۸) شرح سراجی منظوم عبد الوہاب (۲۹) شرح المقرب عبد الملک بن عبد الوہاب مکی حنفی (۳۰) شرح السبط الرحبیہ (۳۱) شرح سراجی علامہ تفتازانی (۳۲) شرح سراجی خواہرزادہ۔ یہ کتابیں مستعار لی گئی تھیں

ناچیز نے حتی الامکان ترجمہ اور شرح کی تصحیح و تنقیح میں بڑی عرق ریزی اور جانفشانی کی ہے اور نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا ہے پھر بھی بحکم "الانسان مرکب من السہو والنسیان" کے جہاں کہیں ناظرین کرام غلطی پائیں عیب پوشی فرمائیں اور اس علم سے بہرہ ور ہو کر اس عاصی پُر معاصی کے حق میں دُعائے خیر فرمائیں۔

احقر العباد ناچیز محمد صابر امروہوی غفرلہٗ سابق نائب مفتی دار العلوم نانک واڑہ۔ کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ حَمْدَ الشَّاكِرِيْنَ

ترجمہ:- شاکرین کی تعریف کی مانند سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لائق ہیں جو ہر ہر عالم کے مربی ہیں

لہ بِسْمِ اللّٰهِ الخ مصنف علیہ الرحمۃ نے تبرک و تیمن حاصل کرنے کی غرض سے قرآن مجید فرقان حمید کا اقتداءً کرکے اپنی کتاب کو تسمیہ سے شروع کیا ہے کیونکہ قرآن شریف کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہی ہے نیز قرآن شریف کی طرح تمام آسمانی کتابیں تسمیہ سے شروع کی گئی ہیں۔ اس دعویٰ پر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَاتِحَةُ كُلِّ كِتَابٍ (یعنی ہر آسمانی کتاب کی افتتاح بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہوئی ہے) دلالت کرتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض علماء اس بات کے قائل ہو گئے کہ تسمیہ اس امت مرحومہ کی خصوصیات میں سے نہیں ہے۔ وہ اپنے اس دعوی کی شہادت میں باری تعالیٰ عز اسمہ کا یہ قول اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ (یعنی یہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے اور اس میں یہ ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم تم لوگ میرے مقابلے میں تکبر مت کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ) جو سورۂ نمل میں سلیمانؑ کیطرف سے بلقیس کے نام میں بطریق حکایت کے منقول ہے پیش کرتے ہیں۔ اور جو لوگ تسمیہ کو اس امت کی خصوصیات میں شمار کرتے ہیں ان کی مراد یہ ہے کہ عربی الفاظ کے ساتھ اس ترتیب خاص پر تسمیہ امت محمدیہ کے خصوصیات میں سے ہے۔ اور ابو بکر تونسیؒ سے منقول ہے کہ ہر مذہب اور ملت کے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی تمام کتابوں کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا ہے۔ نیز حدیث شریف پر عمل کرنے کی غرض سے اپنی کتاب کو تسمیہ سے شروع کیا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَمْ يُبْدَاْ فِيْهِ بِاِسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَبْتَرُ یعنی جو امر ذی شان اللہ تعالیٰ کے نام سے نہ شروع کیا جائے وہ ناتمام اور بے برکت رہتا ہے۔ اور ایک روایت میں اَبْتَرُ کی بجائے اَقْطَعُ آیا ہے۔ اور بعض روایتوں میں مَمْحُوْقُ الْبَرَكَةِ زیادہ ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے تسمیہ اور تحمید کو اس لئے جمع کیا جیسا کہ بعض نسخوں میں دونوں آئے ہیں۔ اور شارحین نے اسی نسخہ کو لیا ہے تاکہ دونوں کی روایتوں پر عامل اور دونوں کی فضیلت کو حاصل کرنے والا ہو جائے کیونکہ بعض روایتوں میں لَمْ يُبْدَاْ فِيْهِ بِاِسْمِ اللّٰهِ اور بعض روایتوں میں لَمْ يُبْدَاْ فِيْهِ بِحَمْدِ اللّٰهِ آیا ہے۔ اگرچہ ان دونوں میں سے ایک ہی پر اکتفا کرنا کافی ہے کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصود یہ ہے کہ تمام امور کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہونی چاہیئے۔ خواہ تحمید کے ساتھ ہو خواہ تسمیہ کے ساتھ۔ چنانچہ اس مقصود پر یہ روایت كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَمْ يُبْدَاْ فِيْهِ بِذِكْرِ اللّٰهِ دلالت کرتی ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ میں بار فعل محذوف مؤخر کے متعلق ہے اس کی اصل بِسْمِ اللّٰهِ اَكْتُبُ الْحَمْدَ وَالصَّلٰوةَ وَاُدَوِّنُ قَوَاعِدَ عِلْمِ الْفَرَائِضِ (یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کی مدد سے حمد و صلوٰۃ لکھتا ہوں اور علم فرائض کے قواعد

مدد ن کرتا ہوں - واضح رہے کہ بسم اللہ میں تین اسماء اسلئے ذکر کئے گئے ہیں کہ ہر کام کا شروع ان اسماء کے ساتھ پایا جاتا ہے - بسم اللہ میں ان ہی اسماء کی وجہ خصوصیت باوجودیکہ اسماء الٰہی اور بھی بہت سے ہیں یہ ہے کہ ہر کام کا حصول خواہ وہ کام دُنیوی ہو یا اُخروی تین چیزوں پر موقوف ہے - اوّل اس کام کے تمام اسباب کا مہیا ہونا - اور یہ امر اسم اللہ کے ساتھ جو تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے مناسبت رکھتا ہے - دوسرے ان اسباب کا از ابتدا تا انتہا باقی رہنا، اور یہ صفت رحمانیت کا ثمرہ ہے کیونکہ عالم کی بقاء اسی صفت کے ساتھ ہے تیسرے اسکا فائدہ حاصل ہونا، اور یہ صفت رحیمی سے وابستہ ہے کہ اپنے بندوں کی سعی و کوشش برباد نہیں ہونے دیتے - بعض محققین کے نزدیک لفظ اللّٰہ اسم اعظم ہے اور رحمٰن کا اطلاق اللہ کے سوا اور کسی مخلوق پر نہیں کیا جاتا بخلاف دوسرے اسماء کے جیسے سمیع و بصیر ہر انسان کے حق میں آئے ہیں - چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا اور رَحِيمٌ کا اطلاق بھی آدمیوں پر ہوتا ہے مگر اللّٰہ و رحمٰن کا معبودِ برحق کے غیر پر بولنا درست نہیں - عطاء خراسانی نے بیان کیا ہے کہ بسم اللہ پر بعد رحمٰن کے رحیم اس لئے آیا ہے کہ بعض کفارِ قریش نے رحمٰن کا اطلاق مسیلمہ کذاب پر کیا تھا، پس مجموعہ وصف الرحمٰن الرحیم خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے - ۱۲

ﻫ۲ اَلْحَمْدُ حمد کے لغوی معنی سراہنا تعریف کرنا ہیں - اصطلاحِ خاص میں خدائے تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی بیان کرنا لیکن محققین کے نزدیک تعظیم کے ارادہ سے محمود کی اختیاری خوبیوں کی زبان سے تعریف کرنا خواہ نعمت کے مقابلہ میں ہو یا غیر نعمت کے مقابلہ میں عام ہے کہ وہ اختیاری خوبیاں فضائل کی قسم سے ہوں یا فواضل کی قسم سے - فضائل ان اوصاف و خصائلِ حمیدہ کو کہتے ہیں جو محمود کی ذات کے لئے لازم ہوں اور ان کا اثر غیر کی طرف نہ پہنچے جیسے علم - تقدس - شجاعت وغیرہ - فواضل ان اوصاف اور صفات متعدیہ کو کہتے ہیں جن کا تحقق غیر کی طرف اثر پہنچنے سے ہو جیسے انعام - اکرام - رحم - تربیت وغیرہ ۱۲

ﻫ۳ اللّٰہ اس ذات واجب الوجود کا نام ہے جو تمام صفاتِ کمالیہ کی جامع اور تمام خوبیوں کی مستحق اور جملہ عیوب و نقصان سے منزہ ہے - بعض نے کہا ہے کہ لفظ اللّٰہ ذات کے واسطے علم نہیں بلکہ صفاتِ غالبہ میں سے ہے کیونکہ یہ کثیر الاستعمال ہے لیکن اصح مذہب یہی ہے کہ وہ اسم ذات ہے چنانچہ سیبویہ کا بھی یہی مذہب ہے، کہ وہ ذات واجب الوجود کا نام ہے، اور قرآن مجید میں یہ نام دو ہزار تین سو ساٹھ ۲۳۶۰ جگہ آیا ہے - لِلّٰہ میں لام اختصاص کے لئے ہے یا استحقاق کے لئے یا ملک کے لئے یا تعلیل کے لئے ہے - ۱۲

ﻫ۴ رَبِّ کسی چیز کے مالک، مربی، مصلح - جابر اور قائم کو رب بولتے ہیں - معبود کو بھی رب بولتے ہیں یہ سارے معنی حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات پاک میں موجود ہیں - رب کا استعمال غیر اللہ پر اضافت سے ہوتا ہے - جیسے رب المال، رب الدار وغیرہ بے اضافت خاص اللہ ہی کے لئے بولا جاتا ہے بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ نام اسم اعظم ہے ۱۲

ﻫ۵ حَمْدَ الشَّاكِرِيْنَ - اس میں حمد جو شاکرین کی طرف مضاف ہے - منصوب بنزع الخافض ہے اصل میں كَحَمْدِ الشَّاكِرِيْنَ یا مِثْلَ حَمْدِ الشَّاكِرِيْنَ (شاکرین کی حمد کی مانند) تھا اور خافض محذوف

کے متعلق ہے۔ اس کی اصل اَحْمَدُ کَحَمْدِ الشَّاکِرِیْنَ (میں شاکرین کی تعریف کی مانند اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں) ہے۔ بعض شراح نے اس کو اَلْحَمْدُ کا منصوب مانا ہے لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ اَلْحَمْدُ مصدر معرّف باللام ہے اور مصدر معرّف باللام کا عمل کرنا ضعیف ہے ہاں، ظروف اور انکے نظائر میں اسکا عمل کرنا جائز ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْءِ میں اَلْجَھْرَ مصدر معرف باللام نے بِالسُّوْءِ میں جو ظرف ہے عمل کیا ہے۔ شاکرین سے مراد انبیاء علیہم السلام و اولیائے کرام اور علماء صالحین ہیں۔ چونکہ ان حضرات کی حمد اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے۔ اس وجہ سے مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنی حمد کو ان حضرات کی حمد کے ساتھ مقرون کیا تاکہ اس کی حمد بھی بارگاہ ایزدی میں قبولیت کا شرف حاصل کرے۔ نیز حمدِ شاکر اقویٰ و اتم ہوتی ہے کیونکہ شاکر جب اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ کی تعریف کی طرف دل سے متوجہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ماتن رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ میں شاکر کی طرح دل سے متوجہ ہو کر حمدِ الٰہی کرتا ہوں۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے کَحَمْدِ الشَّاکِرِیْنَ کہا اور اس کی بجائے حَمْدَ الْحَامِدِیْنَ نہیں کہا باوجودیکہ ان دونوں میں اشتقاق بھی حاصل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شکر کے معنی میں عموم ہے خواہ دل سے ہو یا زبان سے یا جوارح سے۔ اس لئے کہ شکر اس فعل کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے منعم کی تعظیم کا قصد منعم ہونے کی حیثیت سے کیا جائے خواہ فعل لسانی ہو یا جنانی ہو یا ارکانی۔ اور حمد زبان کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ اس کی تعریف سے ظاہر ہے۔ پس شکر کے ذکر کرنے سے عموم کا فائدہ حاصل ہوگیا کلام الٰہی کا اتباع، حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اقتفاء اور سلف صالحین کی اقتداء کرکے اور نیز یہ خیال کرکے کہ اس فن شریف میں ایسی اعلیٰ درجہ کی تصنیف اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے جسکا شکریہ ادا کرنا حتی الامکان ضروری ہے لہٰذا مصنف علیہ الرحمۃ نے حمد کے ساتھ کلام شروع کیا۔ ۱۲

وَالصَّلٰوۃُ[۱] وَالسَّلَامُ[۲] عَلٰی خَیْرِ الْبَرِیَّۃِ[۳] مُحَمَّدٍ[۴] وَّاٰلِہِ[۵] الطَّیِّبِیْنَ[۶] الطَّاہِرِیْنَ

الرحمۃ واللطف ۱۲ — ھو البراءۃ عن النقائص ۱۲ — فعیلۃ من برا الہمزۃ بمعنی خلق ۱۲ — بدل او عطف بیان من خیر البریۃ ۱۲

اور رحمتِ کاملہ اور سلام بہترین مخلوق (یعنی) محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل پاک پر نازل ہو

---

[۱] صَلٰوۃ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہیں۔ جو تعظیم اور اہتمام شان کے ساتھ مقرون ہو، اگر فرشتوں کی طرف منسوب ہو تو استغفار کے معنی میں ہوتی ہے، اور اگر فرشتوں کے سوا اور بندوں وغیرہ کی طرف منسوب ہو تو تضرع اور دعا کے معنی میں آتی ہے۔ صلوٰۃ دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک مراتب کی بڑھانے والی دوسری گناہوں کی مٹانے والی۔ یہاں مراتب کی بڑھانے والی مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے سب گناہ بخشدیئے ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (یعنی ہم نے آپ کو فتح مبین عنایت فرمائی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیں) جب تمام گناہ مٹا دیئے گئے تو اب صلوٰۃ مراتب کی بڑھانے والی ہوئی، نہ گناہوں کی مٹانے والی۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے حمد کے بعد صلوٰۃ کو اس لئے ذکر کیا تاکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی ادائیگی میں سعی و کوشش کرے۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہدایت، نجات اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے نزولِ رحمت واعطاءِ نعمت کا ذریعہ و وسیلہ ہیں۔ اور نیز اس لئے ذکر کیا تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مورد قرار پائے چنانچہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا (یعنی جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے۔

۵۲ سلام۔ اس کے معنی تمام آفتوں سے سالم رہنا، اور بعض کے نزدیک نفس کا ہر محنت و مشقت اور ہر بلا و عیب سے بری ہونا ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں بدون صلوٰۃ کے تنہا سلام لانے کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیح یہی ہے کہ تنہا سلام لانا بھی آپ کے لئے جائز ہے لیکن صلوٰۃ وسلام دونوں کا لانا اولیٰ و انسب ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

۵۳ بَرِیَّۃ فَعِیْلَةٌ کے وزن پر ہے جس کے معنی مخلوق کے ہیں۔ اس کی جمع بَرَایَا آتی ہے مسلمانوں کے تمام فرقوں کا اجماع ہے کہ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (بہترین مخلوق) سے مراد ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہیں چنانچہ مسلم شریف اور ترمذی شریف کی یہ روایت اس کی شاہد ہے کہ واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِيْلَ وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِيْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ (یعنی اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب فرمایا۔ اور کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو منتخب فرمایا اور قریش کی اولاد میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا اور بنی ہاشم کی اولاد میں سے مجھ کو منتخب فرمایا۔ نیز یہ روایت بھی جس کو مسلم وغیرہ نے مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اس کی شاہد ہے اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا فَخْرَ (یعنی میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں، اس کو میں بطور فخر کے نہیں کہتا) اس روایت میں سیادت کو یوم قیامت کے ساتھ اس لئے مقید کیا ہے کہ اس دن آپ کی سیادت کے آثار کامل طور سے ظاہر ہوں گے۔ ورنہ آپ دنیا و آخرت میں تمام جہان والوں کے سردار ہیں وَبِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَّبِيٍّ يَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِيْ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ (اور قیامت کے دن میرے ہاتھ میں حمد کا نیزہ ہوگا۔ اور یہ بات میں فخر اور اترانے کے طور پر نہیں کہتا۔ اور قیامت کے دن آدم اور ان کے سوا تمام ہی دوسرے پیغمبر میرے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے اور قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا اور اس پر مجھ کو فخر نہیں) اور دارمی کی روایت

میں یہ ہے اَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عَلَی اللّٰہِ (یعنی میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اولین آخرین
سے زیادہ مکرم ومعظم ہوں) اگر یہ شبہ کیا جائے کہ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ کا اطلاق حدیث شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام
پر کیا گیا ہے چنانچہ مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی
خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اُس نے آپ کو یا خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ (اے بہترین مخلوق) کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے اس سے فرمایا کہ اس لفظ کے مصداق حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ حضرت
انسؓ کی یہ حدیث آپ سے تواضع پر محمول ہے یا یہ جواب دیا جائے کہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کا حضرت
ابراہیم علیہ السلام کو خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ کا مصداق بتلانا اُس وقت تھا جبکہ آپ کو اپنے سَیِّدِ وُلْدِ آدم یعنی اولاد آدم کے
سردار ہونے کا علم نہ تھا۔ جب آپ کو علم ہو گیا تو آپ نے تحدیث بالنعمۃ کے طور پر یا تبلیغ کے طور پر لوگوں کو اسکی اطلاع
دی ۲۔ **آل**، یہ اَوْل بروزن قول سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع (لَوٹنے) کے ہیں۔ جو شخص بھی آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کی اتباع کی جانب رجوع ہو وہ آپ کی آل ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے
کُلُّ مَنْ سَلَكَ عَلٰی طَرِیْقَتِیْ فَھُوَ اٰلِیْ یعنی جو شخص بھی میرے طریق پر چلا وہ میری آل ہے۔ تمام نے اپنے
فوائد میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا مَنْ اٰلُكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یعنی یا رسول اللہ!
آپ کی آل کون لوگ کہلاتے ہیں؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا اٰلِیْ کُلُّ تَقِیٍّ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ یعنی قیامت
تک جو شخص بھی متقی ہو وہ میری آل ہے۔ نیز قرآن شریف میں متبع کو آل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے
اس قول وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ (ہم نے فرعون کے متبعین کو غرق کر دیا) میں آل سے متبع مراد ہے کیونکہ تمام
مفسرین اور اہل سیر کا اجماع ہے کہ فرعون کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اور جو اولاد متبع نہ ہو اُس کے آل ہونے کی نفی
بھی قرآن شریف میں موجود ہے چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنے اس لڑکے کے حق میں جو کفار کے
ساتھ شریک تھا خدا تعالیٰ سے عذاب سے نجات دینے کے لئے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ
اَھْلِكَ یعنی وہ تمہاری اولاد میں سے نہیں۔ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ اس لئے کہ اس کے اعمال بُرے ہیں
نیز داؤد بن حسنؒ فرماتے ہیں کہ عبد الملک بن صالح مدینہ طیبہ کے امیر تھے تو ایک روز میں اُن کے پاس تھا اور
بنی طالب بنی عباس کی ایک جماعت مجلس میں موجود تھی ہم سب کو خطاب کر کے پوچھا کہ آلِ محمد صلے اللہ علیہ
وسلم آپ کے نزدیک کون لوگ ہیں؟ ہم نے عرض کیا کہ آپ ہی حضرات ہیں۔ عبد الملک نے کہا کہ اس مسئلہ
میں اختلاف ہے آپ لوگ اس بارے میں اطمینان بخش جواب نہ دے سکے۔ امام مالکؒ کو میرے پاس بلاؤ میں
اُن سے دریافت کروں گا۔ جب حضرت امام مجلس میں پہنچے تو عبد الملک نے اُن کو اپنے برابر بٹھلایا اور نہایت
ادب سے سوال کیا کہ آلِ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ حضرت امامؒ نے فرمایا کہ تمام اُمتِ محمدیہ۔ اور پھر
بطور استشہاد یہ آیت پڑھی۔ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (فرعون والوں کو مع فرعون کے نہایت
سخت عذاب میں داخل کرو) غرض یہ تھی کہ اس آیت میں آلِ فرعون سے فقط فرعون کی ذریت واولاد مراد نہیں بلکہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ[۵۱][۵۲]

الخ - وعلموها الناس فانها نصف العلم وهو ينسى وهو اول شیئ ینزع من امتی

ترجمہ :- رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم خود بھی علم الفرائض سیکھو۔

---

[۵۱] قال رسول اللہ الخ مصنف علیہ الرحمۃ نے مقصود کو کہ وہ علم الفرائض کے مسائل ہیں شروع کرنے سے پہلے جو حدیث نقل فرمائی ہے تو اسمیں تیمن اور برکت حاصل کرنے کے علاوہ علم فرائض کے سیکھنے اور سکھانے والو کو اس کے سیکھنے اور سکھانے کی زیادہ رغبت اور حرص دلانا مقصود ہے کیونکہ علم فرائض کا حاصل کرنا نہایت دشوار اور اسکا سمجھنا بہت ادق تھا۔ مصنف رح کو اندیشہ وخوف ہوا کہ لوگ اس سے بے اعتنائی برتیں گے اور اس کے حاصل کرنیکا اہتمام نہ کریں گے اس لئے انھوں نے اس فن شریف کے حاصل کرنے کی حرص و رغبت دلانے کے لئے پہلے حدیث ذکر کی تاکہ علم فرائض کی فضیلت اور بزرگی معلوم کرکے طالب کا شوق اور رغبت کا ذوق بڑھے اس پر اگر یہ شبہ کیا جائے کہ تخویف و وعید کی حدیث نقل کیوں نہیں کی۔ مثلاً نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اِنَّ مَنْ نَقَصَ عَنْ نَصِيْبِ اَوْ وَرَثَتِهٖ بِجَبْرِهٖ عَلَيْهِ فَقَدْ نَقَصَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْ نَصِيْبِهٖ مِنَ الْجَنَّةِ (یعنی جس شخص نے اپنی ناواقفی اور نادانستگی کی وجہ سے ورثہ کا حصہ گھٹا دیا تو اللہ تعالیٰ جنت سے اُسکا حصہ گھٹا دیگا

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) اس کے تمام متبعین مراد ہیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ لفظ صرف اولاد کے لئے مخصوص نہیں، امیر یہ سن کر امام کے قدموں پر گر پڑا (مناقب الامام مالک للزوادی ص۳) اس سے معلوم ہوا کہ آل متبع کو کہتے ہیں۔ اس بنار پر اصحاب بدرجۂ اولیٰ آل میں داخل ہیں۔ اسی وجہ سے مصنف علیہ الرحمۃ نے اصحاب کی تصریح نہیں کی۔ ۱۲

[۵۵] الطیبین الطاھرین بظاہر دونوں کلمے جو آل کی صفت ہیں مرادف ہیں چونکہ تکریر مفید تقریر ہوتی ہے اس لئے دونوں کا ذکر کیا گیا اور اسی لئے طیبین و طاھرین کو عطف سے نہیں لائے کہ یہ تکرار تاکید کے لئے ہے۔ تاکید علم معانی کی اصطلاح میں یہ ہے کہ لفظ کے بڑھانے سے کوئی معنی نہ بڑھیں بلکہ صرف پہلے معنی مخاطب کے ذہن میں ثابت متحقق ہو جائیں اس حیثیت سے کہ گمان غیر کا اسمیں احتمال نہ ہو۔ بعض نے طیبین و طاہرین میں فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ تکرار تاسیس کے لئے ہے جو علم معانی کی اصطلاح میں یہ ہے کہ لفظ کے زیادہ کرنے سے معنی بھی بڑھ جائیں، نہ یہ کہ صرف معنی اول کو سامع کے ذہن میں ثابت کر دینا اس سے مقصود ہو تو اس تقدیر پر طیبین سے مراد یہ ہے کہ ظاہر میں پاک ہیں یا اعمال و افعال میں پاک ہیں یا دُنیا میں پاک ہیں یا عمداً قلبی گناہوں سے پاک ہیں۔ اور طاھرین سے یہ مراد ہے کہ باطن میں پاک ہیں یا ارواح و اجساد میں پاک ہیں یا آخرت میں پاک ہیں۔ یا عصیان جوارح سے پاک ہیں۔ ان توجیہات سے یہ شبہ زائل ہوگیا کہ طیبین کے بعد طاہرین کا ذکر بے فائدہ ہے۔

تحریض اور ترغیب کی حدیث کو کیوں ترجیح دی ؟ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ تحریض تخویف سے اَوْقَعُ فِی الْقَلْبِ (دل میں زیادہ جاگزیں) ہوتی ہے اس وجہ سے تحریض کی حدیث کو تخویف کی حدیث پر ترجیح دی ۔ دوسرے براعت الاستہلال مطلوب ہے ۔ براعت استہلال کی تعریف یہ ہے کہ خطبہ میں ایسا مضمون لانا جو مقصود پر دلالت کرے پس خطبہ ہی سے معلوم ہو جائے کہ اس کتاب میں علم الفرائض کے مسائل بیان کرنا مقصود ہے ۔ تیسرے اس علم شریف کے نام کی طرف اشارہ ہے کہ اسکا نام فرائض ہے ۔ یہ حدیث جو ماتن رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل فرمائی فقہاء علیہم الرحمۃ کی روایت پر مبنی ہے لیکن بروایت محدثین اس طور سے ہے ۔ بیہقیؒ و حاکمؒ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْہُ فَاِنَّہٗ نِصْفُ الْعِلْمِ وَاِنَّہٗ یُنْسٰی وَھُوَ اَوَّلُ مَا یُنْزَعُ مِنْ اُمَّتِیْ (کذا فی الدر المنثور للسیوطی) یعنی حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم فرائض سیکھو اور اس کو سکھلاؤ اس لئے کہ وہ آدھا علم ہے اور بلاشک وہ بھلا دیا جائیگا اور لوگوں سے یہی علم سب سے پہلے سلب کیا جائیگا ۔ طبرانی نے اوسط میں مرفوعاً روایت کیا ہے تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ وَالْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْھَا النَّاسَ (یعنی قرآن شریف سیکھو اور فرائض بھی اور اس کو لوگوں کو بھی سکھاؤ ۔ دارمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ کَمَا تَعَلَّمُوْنَ الْقُرْاٰنَ (یعنی تم فرائض کو بھی سیکھو جس طرح تم قرآن شریف کو سیکھتے ہو) ایک روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ منقول ہیں تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ فَاِنَّھَا مِنْ دِیْنِکُمْ (یعنی فرائض کو سیکھو کیونکہ وہ تمہارے دین سے ہے) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَلْیَتَعَلَّمِ الْفَرَائِضَ (یعنی جو شخص قرآن پڑھتا ہو اس کو فرائض بھی سیکھ لینا چاہیئے) سنن دارمی میں اقتداء بالعلماء کے باب میں اس طرح ہے عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ) قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوْہُ النَّاسَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْہُ النَّاسَ فَاِنِّیْ امْرُءٌ مَقْبُوْضٌ وَالْعِلْمُ یُقْبَضُ وَیَظْھَرُ الْفِتَنُ حَتّٰی یَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِیْ فَرِیْضَۃٍ لَا یَجِدَانِ اَحَدًا یَفْصِلُ بَیْنَھُمَا (یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ مجھ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خود بھی علم سیکھو اور اس کو لوگوں کو بھی سکھلاؤ اور خود بھی علم فرائض سیکھو اور لوگوں کو بھی اس کو سکھلاؤ کیونکہ میں وفات پانے والا ہوں اور علم فرائض بھی عنقریب معدوم ہونے والا ہے پھر بہت سے فتنے ظاہر ہونگے یہانتک کہ دو شخص ایک ضروری مسئلہ (ترکہ کے مسئلہ) میں جھگڑا کرتے ہونگے اُن کو کوئی ایسا عالم دستیاب نہ ہوگا جو ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دے ۔ فرق یہ ہے کہ پہلی یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں نِصْفُ الْعِلْمِ آیا ہے اور ان دونوں روایتوں میں نِصْفُ الْعِلْمِ مذکور نہیں ہوا مگر آخری روایت میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوْہُ النَّاسَ (تم خود بھی علم سیکھو اور اس کو لوگوں کو بھی سکھلاؤ) فرمایا تو اسکے بعد تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْھَا النَّاسَ (تم علم فرائض سیکھو اور اسکو لوگوں کو بھی سکھلاؤ) فرمانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ فرائض بھی علوم میں سے ایک علم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کلمہ فرائض

یا تو سہام مقدرہ معینہ پر محمول ہے اس صورت میں علم کے بعد فرائض کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا نِصْفُ الْعِلْم (جو اوپر کی روایت میں صراحۃً موجود ہے) ہونے کی وجہ سے سمجھا جائے گا یا کلمہ فرائض کو ان فرائضِ الٰہیہ پر جن کا اللہ تعالےٰ نے بندوں کو مکلف بنایا ہے محمول کیا جائے گا اس صورت میں فرائض پہلے معنی یعنی سہامِ مقدرہ معینہ سے عام ہوگا اور ذکر میں اس کی تخصیص بعد التعمیم بوجہ مزید اہتمام قرار دی جائے گی - ۱۲

سے فَرَائِض - فریضہ کی جمع ہے جو فَعِیْلَۃ کے وزن پر فرض سے مشتق ہے - فرض کے لغت میں کئی معنی آتے ہیں ایک تقدیر جیسے اللہ تعالےٰ کے اس قول فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (جو تم نے مقرر کیا ہے اسکا آدھا) میں فَرَضْتُمْ بمعنی قَدَّرْتُمْ ہے دوسرے قطع جیسے اللہ تعالےٰ کے اس قول نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا (حصہ محدود) میں مفروض بمعنی مقطوع محدود ہے. تیسرے مَا یُعْطٰی مِنْ غَیْرِ عِوَضٍ یعنی بلا عوض کوئی شے مل جائے اس کو بھی فرض کہتے ہیں جیسے اہلِ عرب کا یہ مقولہ مَا اَصَبْتُ مِنْهُ فَرْضًا وَلَا قَرْضًا (یعنی اس سے مجھ کو کوئی چیز نہ بلا عوض ملی نہ بعوض) چوتھے انزال (اُتارنا) جیسے باری تعالےٰ کے اس قول اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ (تحقیق وہ ذات جس نے تم پر قرآن نازل فرمایا) میں فَرَضَ بمعنی اَنْزَلَ (اُتارا) ہے - پانچویں تبیین (بیان کرنا) جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول فَرَضَ اللّٰهُ لَکُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِکُمْ (یعنی تم لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسموں کا کھولنا بیان فرما دیا) میں فرض بمعنی بَیَّنَ (بیان کردیا ہے) چھٹے احلال (حلال کرنا) جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول مَا کَانَ عَلَی النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ (یعنی اس بات میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر کوئی الزام نہیں ہے جو چیز اللہ تعالےٰ نے آپ کے لئے حلال کردی ہے) میں فَرَضَ بمعنی اَحَلَّ (حلال کیا) ہے جبکہ علمِ فرائض میں یہ چھیوں معنی مذکورہ پائے جاتے تھے تو اس کو علمِ فرائض کے ساتھ موسوم کردیا گیا کیونکہ علمِ فرائض میں سہام مقدرہ، مقادیر مقطوعہ، محدودہ اور اعطائے بغیر عوض کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بارہ میں قرآن شریف نازل فرمادیا اور ہر وارث کا حصہ بیان کیا اور ہر وارث کے لئے اس حصہ کو حلال بھی کردیا ہے نیز فتاویٰ عالمگیری میں شرح مختار سے منقول ہے کہ فرائض فریضہ کی جمع ہے جس کے معنی سہام مقدرہ مبینہ مقطوعہ کے ہیں جو فرض سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی تقدیر، قطع اور بیان کرنے کے ہیں - شرع شریف کی اصطلاح میں فرض اسکو کہتے ہیں جو دلیلِ قطعی یقینی سے ثابت ہو. فقہ کے اس قسم کے مسائل کا نام فرائض اس لئے رکھا گیا ہے کہ اسمیں سہام مقدرہ، مبین مقطوع ہیں جو دلیل قطعی یقینی سے ثابت ہیں تو اس نام میں شرعی اور لغوی دونوں معنی جمع ہو گئے. انتہیٰ -

یہاں نحوی قاعدہ سے ایک شبہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب فرائض فریضہ کی جمع ہے تو یائے نسبت کے الحاق کے وقت فرضی (علم فرائض کا عالم) کہنا چاہیئے نہ فرائضی، کیونکہ یائے نسبت لاحق کرنے کے وقت جمع کو مفرد کی طرف رد کیا جاتا ہے اس لئے کہ جمع تعدد پر دلالت کرنے کی وجہ سے نسبت کے (جس سے مقصود تعیین ہوتی ہے) منافی ہے - پس فرائض کو فریضہ کی طرف رد کردیں گے پھر یا وتا کے حذف کرنے کے بعد یائے نسبت لاحق کریں گے تو فرضی ہو جائیگا جیسے ثقیفہ میں یا وتا حذف کرنے کے بعد یائے نسبت لاحق کرکے ثقفی کہتے ہیں۔

وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ فَاِنَّهَا نِصْفُ الْعِلْمِ

ترجمہ: اور اس (فرائض) کو اور لوگوں کو بھی سکھلاؤ اسلئے کہ وہ (علم الفرائض) آدھا علم ہے

لہ عَلِّمُوْهَا۔ اس میں ضمیر مؤنث (ھا) فرائض کی طرف راجع ہے۔ پس اگر فرائض سے مراد وہ فرائض الٰہیہ ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے بندوں کو مکلف بنایا ہے یا وہ سُنن ہوں جو اوامر و نواہی پر مشتمل ہیں تو ضمیر کا مؤنث لانا ظاہر ہے اسلئے کہ لفظ فرائض جمع ہے اور ہر جمع مؤنث ہوا کرتی ہے لہٰذا اس کے لئے ضمیر مؤنث لائے۔ اور اگر فرائض سے مراد علم فرائض اصطلاحی ہو جیساکہ کہا گیا ہے تو ضمیر کا مؤنث لانا اس اعتبار سے ہے کہ علم جو اسکا مرجع ہے مصدر ہے اور مصدر مذکر و مؤنث دونوں ہوتا ہے۔ اسی اعتبار سے بعض روایتوں میں عَلِّمُوْهَا ضمیر مؤنث کے ساتھ آیا ہے اور بعض میں عَلِّمُوْهُ ضمیر مذکر کے ساتھ آیا ہے ۱۲

لہ نِصْفُ الْعِلْمِ۔ علمائے کرام نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے فرائض کو نصف العلم فرمانیکی حقیقت میں اختلاف کیا ہے۔ ایک گروہ کا یہ قول ہے کہ ہم کو اس کے نصف العلم ہونے کی حقیقت معلوم نہیں۔ نہ ہم پر اس کا دریافت کرنا ضروری ہے اس لئے کہ ہم پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اتباع واجب ہے اس کے معنی ہماری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں اور تاویل میں خطا کے واقع ہونیکا احتمال ہے۔ صاحب ضوء السراج وغیرہ نے اس گروہ کا نام اہل السلامۃ رکھا ہے۔ دوسرے علماء نے تاویل کی ہے بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ آدمی کی دو حالتیں ہیں۔ ایک زندگی کی حالت اور دوسری مرنے کے بعد کی حالت۔ علم الفرائض کے علاوہ دیگر جملہ علوم میں زندگی کے پیش آئندہ واقعات اور متعلقہ احکام کا ذکر ہوتا ہے اور فرائض میں بعد الموت کی حالت کا اور ایک حالت دو حالتوں کے مجموعہ کا نصف ہے اس لحاظ سے فرائض نصف علم ہوا۔ بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ معاملات اور ملک کے بعض اسباب تو اختیاری ہیں جن میں بندہ کے اختیار کو دخل ہوتا ہے جیسے خرید و فروخت، ہبہ، وصیت وغیرہ اور بعض غیر اختیاری ہیں جن میں بندہ کے اختیار کو کچھ دخل نہیں ہے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ لفظ فرائض کو اصطلاح علم فرائض میں لفظ انصار کی طرح اعلام کے قائم مقام کر دیا جائے پس نسبت کرنے میں انصاری کی طرح فرائضی کہا جائے۔ انصار ناصر کی جمع ہے لیکن وہ انصار مسلمانوں کے ایک گروہ کا علم (نام) ہے جنھوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے اصحاب رضی اللہ عنہم کی جبکہ وہ مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے امداد و نصرت کی اس علم کو علم مواریث بھی کہتے ہیں۔ مواریث میراث کی جمع ہے۔ میراث اس حق کو کہتے ہیں جو میت کی طرف سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو۔ میراث کا نام فرائض اس لئے رکھا گیا کہ خدائے قدوس نے بذات خود میراث کو تقسیم کیا ہے یعنی ہر وارث کا حصہ آپ معین فرمایا ہے اسکی تعیین کسی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کے سپرد نہیں کی ہے بخلاف باقی احکام نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ کے کہ انمیں نصوص مجمل ہیں سنت نبویہ میں انکا بیان اور تفصیل واقع ہوئی ہے (کذا فی فتح د مجمع الانہر)

ان کو ضروری اور اضطراری کہا جاتا ہے جیسے ارث یعنی میراث جن میں لینے والے اور دینے والے کا کچھ چارہ نہیں۔ خواہ مخواہ ایک کی ملک سے نکل کر دوسرے کی ملک ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اگر کوئی وارث اپنا حصہ نہ لے تو حاکم اور قاضی کو اس کے قبول کرنے کے لئے اس پر جبر کرنا لازم ہے اور حاکم کو لازم ہے کہ اسکا حصہ اس کے مکان یا کوٹھڑی میں زبردستی ڈلوادے۔ فرائض میں چونکہ غیر اختیاری سبب سے مالک ہونے کی بحث ہوتی ہے۔ لہٰذا فرائض نصف علم ہوا اور باقی نصف وہ ہے جس میں اسباب اختیاری سے مالک ہونے کی بحث ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ علم الفرائض کے اہم اور مقصود اعظم ہونے کی وجہ سے معلمین اور متعلمین کو سیکھنے اور سکھانے کی رغبت و حرص دلانے کے لئے اس کو نصف علم فرمایا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس علم کی صورتیں اور پیش آنے والے مسائل اسقدر کثیر اور مختلف ہیں کہ گویا دیگر تمام علوم کے مسائل کے برابر اور مساوی ہیں۔ مسائل کی تعداد اور ذخیرے میں گویا نصف حصہ دیگر مسائل کا ہے اور نصف فرائض کے مسائل کا۔ بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ ثواب چونکہ اسمیں کثیر ہے اس لئے تمام علوم کے برابر ثواب اسمیں حاصل ہوتا ہے علماء نے فرمایا ہے کہ فرائض کے ایک مسئلہ بتلانے پر دوسرے قسم کے سو مسئلوں کے برابر ثواب ہوتا ہے۔ بیہقی نے روایت کی ہے کہ عموم بلویٰ اور کثرت احتیاج کی وجہ سے اسکو نصف علم کہا ہے۔ احکام شرعیہ بعض قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اور بعض قیاس و اجتہاد سے اور فرائض کے مسائل سب قرآن و حدیث سے مستنبط ہیں لہٰذا ایک خاص قسم اور بمنزلہ ایک نصف کے ہوئے اور چونکہ اس کے سیکھنے اور بتلانے میں بڑی مشقت اور محنت ہوتی ہے۔ پس گویا علم فرائض نصف علم ہے۔ جسقدر محنت تمام علوم پر کرنی ہوتی ہے اسقدر اس تنہا پر کرنی پڑتی ہے۔ بعض اکابر شارحین تحریر فرماتے ہیں کہ فرائض کا نصف العلم ہونا یا تو دو علموں کے اعتبار سے ہے یعنی علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس سے اسباب ارث کی معرفت حاصل ہو۔ دوسرے وہ کہ جس سے دیگر جمیع واجبات کی معرفت حاصل ہو یا تقدیر کے اعتبار سے نصف علم ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر علم فرائض کا کامل بسط کیا جائے تو اس کی فروع کا حجم دیگر تمام علوم کی فروع کے حجم کے برابر ہو جائے یا فرائض کا نصف علم ہونا ثواب و تعظیم کے اعتبار سے ہے یعنی فرائض کے ایک مسئلہ کی تعلیم میں آدمی سو نیکیوں کا مستحق ہوتا ہے اور مسئلہ فقہ کی تعلیم میں دس نیکیوں کا۔ پس اگر اس صورت میں تمام فرائض کے دس مسئلے فرض کئے جائیں اور تمام فقہ کے سو مسئلے تو دونوں کی نیکیاں برابر ہوں گی یعنی ہزار نیکیاں۔ گویا اس صورت میں فرائض ثواب کے اعتبار سے تمام علوم دینی کے ساتھ مساوی ہو گیا۔ دُرِ مختار میں مذکور ہے کہ بسبب تعلیم ربانی کے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے علم فرائض کا نام نصف العلم رکھا ہے کیونکہ اس علم کا ثبوت فقط نص سے ہے نہ غیر نص سے اور فرائض کے علاوہ اور علوم دینی کبھی تو نص سے ثابت ہوتے ہیں اور کبھی غیر نص سے۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ علم یا تو فقط نص سے ثابت ہوتا ہے یا نص اور غیر نص دونوں سے۔ جو علم فقط نص سے ثابت ہوتا ہے اسکو فرائض کہتے ہیں اور جو نص اور غیر نص دونوں سے ثابت ہوتا ہے وہ فرائض کے علاوہ اور علوم دینیہ ہیں اور نص سے مراد وہ ہے جو اجماع کو بھی شامل ہو۔ اس لئے کہ فرائض کے بعض مسائل

قَالَ عُلَمَاؤُنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى تَتَعَلَّقُ بِتَرِكَةِ الْمَيِّتِ

ای الحنفیۃ لان الترتیب عند الشافعیۃ بطریق آخر ۱۲

ترجمہ:- ہمارے علماء (احناف) رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مُردہ کے مال کے ساتھ

لہ چونکہ خارجی طور سے معلوم ہوگیا ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ حنفی المذہب ہیں اس لئے ان کے اس قول "قَالَ عُلَمَاؤُنَا" (ہمارے علماء نے فرمایا) سے مراد علماء حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں کیونکہ شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ترتیب دوسرے طریق پر ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ کے قول کا مقولہ تَتَعَلَّقُ بِتَرِكَةِ الْمَيِّتِ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق) اجماع امت سے ثابت ہیں۔ اس حدیث کی تمام تاویلات میں ابن صلاح کی تاویل عمدہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس حدیث میں نصف بمعنی احد القسمین ہے، جیساکہ نویں تاویل میں مذکور ہوا اسلئے جس شئے کے تحت میں دو نوع ہوں تو ان میں سے ہر ایک نوع نصف ہوتی ہے اگرچہ ان دونوں کی مقدار متحد نہ ہو چنانچہ حضرت امام احمدؒ کی اس حدیث اَلطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ میں نصف بمعنی احد القسمین ہے اسی کے قریب قریب عرب کا یہ قول نِصْفُ السَّنَةِ حَضَرٌ وَّ نِصْفُهَا سَفَرٌ یعنی سال کا کچھ زمانہ سفر میں گزرتا ہے اور کچھ زمانہ گھر رہ کر۔ قول مذکور میں سنہ دو زمانوں کیطرف منقسم ہوا۔

حضرات اکابر علماء کا قول ہے کہ فرائض ایسا عظیم الشان علم ہے کہ ہر انسان اسکا محتاج ہے حتیٰ کہ جنین بھی شکم مادر میں اپنے شرعی حصہ کا محتاج ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے وعید فرمائی ہے کہ جسنے وارثوں میں سے کسی وارث کا حصہ گھٹا دیا تو حق سبحانہ تعالیٰ اسکا جنت سے حصہ گھٹا دینگے چونکہ ہر علم و فن کے لئے شروع کرنے سے پہلے تین چیزوں کا جاننا ضروری ہے (۱) تعریف علم (۲) موضوع علم (۳) غرض علم مصنف علیہ الرحمۃ نے انکو بیان نہیں کیا اس لئے ہم اس جگہ ان تینوں کا بیان کئے دیتے ہیں۔ علم فرائض کی تعریف یہ ہے کہ فقہ اور حساب کے ان قواعد کا نام فرائض ہے جن کے ذریعہ ہر وارث کا حصہ ترکہ سے معلوم ہو جائے۔ اس علم کا موضوع ترکات ہیں اور اسکی غرض و غایت یہ ہے کہ اہل استحقاق کو ان کے حقوق پہنچ جائیں۔ اس علم کے تین ارکان ہیں۔ وارث، مورث، حق موروث۔ اور ان کی بھی شرطیں تین ہیں۔ مورث کی موت خواہ حقیقی ہو یا تقدیری جیسے مفقود کی موت تقدیری ہے یا حکمی ہو جیسے جنین کی موت جسمیں غرہ (یعنی غلام یا کنیز) واجب ہو۔ وارث کی حیات خواہ حقیقی ہو یا تقدیری جیسا حمل کہ اسمیں حیات تقدیری ہے۔ وجہ ارث کا علم اور اسکے موانع کا ذکر عنقریب آئیگا۔ اس علم کے استخراج کے تین اصول ہیں۔ اول تو کتاب اللہ کہ اکثر مسائل تو قرآن شریف ہی سے نکالے گئے ہیں۔ دوسرے حدیث شریف۔ چنانچہ نانی کی توریث حضرت مغیرہ اور ابو سلمہ رضی اللہ عنہما کی شہادت سے ثابت ہے۔ تیسری اصل اجماع امت ہے چنانچہ دادی کی توریث سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجتہاد سے ثابت ہے اور اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا ہے۔ قیاس کو فرائض میں کچھ دخل نہیں اسلئے قیاس مظہر ہے مثبت نہیں۔ اور یہاں کلام ان اصول میں ہے جن کی طرف قسمت بطور ثبوت کے مستند ہو نہ بطور ظہور کے۔ اس علم کا سیکھنا فرض کفایہ ہے۔ ۱۲

لے کر آخر کتاب تک ہے۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ بعض مسائل میں علماء حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔ پس ان میں ماتن رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول قَالَ عُلَمَاؤُنَا کیونکر صادق آسکتا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ جس قول میں مثلاً ابو حنیفہؒ و ابو یوسف رح متفرد ہیں وہ بھی منجملہ ہمارے علماء کے اقوال کے ایک قول ہے اگرچہ وہ ہمارے تمام علماء کا قول نہیں ہے۔

سے ۲ تَرِکَۃٌ تاء کے فتحہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ مصدر بمعنی مفعول ہے۔ یعنی لغت میں ترکہ متروکہ کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ طلبۃ طلوبہ کے معنی میں آتا ہے اور ترکہ میں تاء کو کسرہ یا فتح اور راء کو سکون دینا بھی جائز ہے بلکہ فَعِلَۃ کے وزن پر جو بھی اسم آئے اس میں فتح فاء اور کسرہ عین کے ساتھ فاء کو کسرہ و فتحہ اور عین کو سکون بھی جائز ہے۔ اصطلاح میں اس تمام مال و اسباب مملوکہ کو ترکہ کہتے ہیں جس کو مُردے نے چھوڑا ہو اور غیر کا حق اسکے ساتھ متعلق نہ ہو خواہ وہ مال و اسباب جس کو چھوڑ کر مُردہ رخصت ہوا ہے اس کو ماں باپ دادا وغیرہ کسی رشتہ دار کی طرف سے میراث میں پہنچا ہو یا زوجہ یا شوہر کی جانب سے ملا ہو یا اپنا روپیہ لگا کر محنت کر کے خریدا اور حاصل کیا ہو۔ غرض جو چیزیں بوقت مرگ آخری دم میں اس کی خاص مملوک تھیں خواہ کسی ذریعہ سے اُن کا مالک بنا ہو اور خواہ وہ چیزیں زمین، باغ، مکان، نقد، زیور کپڑا، جانور ہوں یا گھر کا اسباب و آرائش کا سامان، ہر ایک چھوٹی سے چھوٹی چیز ترکہ میں داخل ہے اور سب چیزوں سے وارثوں کا حق متعلق ہو جاتا ہے یہاں تک کہ مُردے کے بدن پر جو کپڑے ہیں وہ بھی اسمیں داخل ہیں سو اگر مُردہ کی جیب میں ایک الائچی بھی پڑی ہو تو کسی کو یہ جائز نہیں کہ بلا اجازت وارثوں کے اپنے منہ میں ڈال لے کیونکہ وہ وارثوں کا حق ہے کسی ایک آدمی کا حصہ نہیں۔ جو مال مُردے کو ایسے ذریعہ سے ملا ہو کہ شریعت نے اس پر ملک ہونیکا حکم نہیں لگایا یا غیر کا حق اسکے ساتھ متعلق ہے وہ ترکہ میں داخل نہ ہوگا۔ پس (۱) جو چیزیں میت نے کسی سے عاریت لی تھیں یا کسی نے اسکے پاس امانت رکھدی تھیں اُن میں میراث جاری نہ ہوگی کیونکہ وہ میت کی ملک نہیں (۲) اگر مُردے نے کسی کا مال غصب قبل ادائے ضمان یا چوری یا خیانت کر کے رکھ لیا تو اسمیں میراث جاری نہ ہوگی کیونکہ شریعت نے اس پر مالک ہونے کا حکم نہیں لگایا بلکہ دوسرے لوگ ان چیزوں کے مالک ہیں۔ (۳) علیٰ ہذا القیاس جو چیز میت نے خرید لی تھی لیکن قیمت ادا نہ کر سکا تھا اور ابھی تک اس چیز پر قبضہ بھی نہیں کیا تھا بلکہ بائع ہی کے پاس موجود تھی اور مُردہ نے اس کے سوا کوئی مال بھی نہیں چھوڑا وہ ترکہ میں داخل نہ ہوگی۔ ہاں اگر میت نے اس پر قبضہ کر لیا تھا اور قیمت ادا نہ کی تھی تو اس چیز کو بائع واپس نہیں لے سکتا یہ ترکہ میں داخل ہوگی اور اس کی قیمت بقاعدۂ قرض ادا کی جائے جس کا حال قرض کے بیان میں مذکور ہوگا۔ ایسے ہی وہ چیز جس کو مُردہ نے بعوض دَین کے رہن کر دیا تھا اور اس دَین کے ادا کرنے کے لئے اور کوئی مال بھی نہیں چھوڑا میت کے ترکہ میں داخل نہیں ہوگی اور میراث اسمیں جاری نہ ہوگی۔ یعنی جب مُردہ کے پاس اور کچھ مال ہی نہیں ہے تو وہ بائع جس نے اپنی چیز کی قیمت نہیں

باقی اور وہ قرضخواہ اور مرتہن جس کا قرض ابھی وصول نہیں ہوا ان چیزوں کو جو ان کے قبضہ میں ہیں بیچ دیں فروخت
کرا کر سب سے پہلے اپنا حق لے سکتے ہیں۔ ان کا حق ادا ہو جانے کے بعد فروخت شدہ کی قیمت میں سے اگر کچھ
باقی رہے تو وہ ترکہ سمجھا جائیگا اور اس میں تجہیز و تکفین، قرض و وصیت حسب قاعدہ جاری ہونگے۔ اور اگر
کچھ باقی نہ رہے تو عزیز و اقربا جن پر اسکا نفقہ واجب ہے اپنے پاس سے تجہیز و تکفین کریں اور درصورت نہ ہونے
ان لوگوں کے تجہیز و تکفین کا خرچ بیت المال سے دلایا جائے۔ بیت المال نہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں
سے چندہ کیا جائے۔ (۴) بیت المال سے یا ہمارے زمانہ میں سرکار انگریزی سے جو وظیفہ اور پنشن
ملتی ہے وہ جب تک وصول نہ ہو جائے اُس وقت تک ملک میں داخل نہیں ہوتی لہٰذا میت کا جو وظیفہ
اور پنشن وقت وفات تک واجب شدہ ہے اور ہنوز وصول نہیں ہوئی وہ ترکہ اور میراث میں داخل نہ ہوگی پس
بطور میراث کے اس میں وارثوں کے حصے اور حقوق جاری نہ ہونگے۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آجکل جو
چند ماہ کی واجب شدہ پنشن بعد وفات پنشن یاب سرکار سے وصول ہوتی ہے وہ اگر وارثوں کا حق نہیں
تو پھر کس کو دی جائے گی۔ اور اگر وارثوں کا حق نہیں تو ان کو وصول کرنا سرکار سے جائز ہے یا نہیں، جواب
یہ ہے کہ وظیفہ اور پنشن جس کو سرکار سے عطا ہو جائے اسی کی ملک اور حق ہو جاتا ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا انعام ہے
اُجرت نہیں۔ اب مستحق کی وفات کے بعد سرکار کو تو یہ یقین ہوتا ہے کہ مُردہ اس مال کو نہیں لیگا، اسی ارادہ
سے عطا ہوتا ہے کہ اس مستحق مُردہ کے وارث اس کو باہم تقسیم کریں لہٰذا از طرف سرکار یہی وارث اس کے
مالک ہونگے اور باہم تقسیم کریں گے۔ اور آئندہ کے لئے اگر یہ پنشن جاری رہے تو سرکار میں جس کا نام لکھ کر
عطا کی جائے وہی مستحق ہوگا جیسا کہ عنقریب مذکور ہوگا۔ یہ جواب از افادات علمائے محققین ہے غلط نہ خیال
کرنا چاہیئے۔ اس پر یہ نتیجہ ظاہرہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر مُردہ مقروض ہو تو اس روپے میں قرضخواہ دعوٰی نہیں
کر سکتا اور وصیت وغیرہ کے نفاذ میں اس مال کا شمار و اعتبار نہ ہوگا (۵) جس چیز کے ساتھ شرعاً کسی کا
حق متعلق نہیں لیکن مُردہ نے اپنی طرف سے اس شے کو کسی کے نامزد کر دیا ہے اور ابھی اپنی ملک سے نکال کر
اس شخص کی ملک اور قبضے میں نہیں دیا، میت کے انتقال کے بعد اس شے میں میراث جاری ہوگی اور سب وارثوں
کا حق سمجھی جائے گی جس کے نامزد کی تھی اس کی کوئی خصوصیت نہ رہے گی۔ لیکن اگر وارثوں کو وصیت
کر دی کہ جب میرا ترکہ تقسیم ہو تو فلاں فلاں شے فلاں وارث کے حصے میں لگا دینا تو اس وصیت کا پورا کرنا
بہتر ہے بشرطیکہ وہ اس کے حصے سے زیادہ نہ ہو اور مستحق وارث اس پر راضی بھی ہو۔ مثلاً زید نے اپنے بیٹے
کی شادی کے لئے نقد و جنس بہت کچھ جمع کیا تھا اور ارادہ تھا کہ اس کو خاص فلاں بیٹے کی شادی میں صرف
کرونگا یا بیٹی کے لئے زیور اور کپڑا تیار کیا تھا کہ جہیز میں دونگا اب اتفاق سے زید کا انتقال ہو گیا تو اس مال و
اسباب و زیور میں جملہ وارثوں کا حق ہوگا اس بیٹے اور بیٹی کا خاص استحقاق نہ ہوگا بلکہ بقاعدہ فرائض جس قدر
اسکا حق ہے وہی ملے گا۔ یا مثلاً مسجد تعمیر کرانے کے لئے یا کنواں بنانے کے واسطے یا فی سبیل اللہ تقسیم کرنے کے
ارادے سے روپیہ رکھا تھا۔ یا اینٹ پتھر وغیرہ خرید کر ڈالے تھے یا حج کرنے کے واسطے اشرفیاں خرید کر

رکھی تھیں اور بمقتضائے الٰہی سفرِ آخرت پیش آگیا تو یہ سب چیزیں داخلِ ترکہ ہو کر میراث میں تقسیم ہونگی۔ البتہ اگر ان چیزوں کے سرانجام کرنے کی وصیت کر گیا ہو تو بموجب قواعدِ وصیت اس پر عمل کیا جائے (۶) جو جاگیریں مدارس وخانقاہ وغیرہ کو سلاطین گزشتہ نے طلبا، و مساکین و فقراء کے اخراجات کے واسطے دیکر کسی خاص کے نامزد فرمادیں یا بطور معاش نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ عطا کر دیں ان میں میراث جاری ہوگی اور نامزد شدہ شخص کے ورثاء میں شرعی میں تقسیم ہونگی۔ البتہ اگر خاص وجوہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ شاہانِ سابق نے خاص اپنے مال سے وقف کرکے ان کو صرف متولی مقرر کیا تھا تو اس میں میراث جاری نہ ہوگی اور حقِ تولیت اسی شخص کو پہنچے گا جو قابل ولائق ہو جیسا کہ عنقریب آتا ہے یہانتک بیان ہوا کہ مُردہ کی تمام مملوکہ چیزوں میں میراث جاری ہوتی ہے لیکن یاد رہے کہ حقوق جو مُردہ کو حاصل ہیں اور جن کا اس کو مالک کہہ سکتے ہیں ان میں سے بعض میں میراث جاری ہوتی ہے مثلاً (۱) میت نے ایک مشترکہ مکان میں حصہ لیا تھا جس میں سب حصہ دار ایک ہی راستے سے آتے جاتے تھے اس راستہ میں آمد و رفت کا حق جیسے میت کو حاصل تھا اس کے وارثوں کو بھی حاصل رہیگا اور اس حق میں میراث جاری ہوگی یا کوئی مزروعہ زمین خریدی تھی جسمیں سب شرکاء کو ایک چشمے یا کنویں سے زراعت کو پانی دینے کا حق تھا۔ میت کا یہ حق اس کے وارثوں کو پہنچے گا اور میراث جاری ہوگی۔ (۲) میت کے پاس جو چیز رہن تھی اور جب تک قرض وصول نہ ہو جائے اس کے روکنے کا حق اس کو حاصل تھا اسکی وفات کے بعد وارثوں کو بھی یہ حق حاصل رہیگا کہ جب تک قرض وصول نہ ہو اس شئے مرہونہ کو مالک کو واپس نہ دیں۔

اور بعض حقوق ایسے ہیں جن میں میراث جاری نہیں ہوتی مثلاً (۱) زید کے ہمسایہ کا مکان فروخت ہوا اور زید نے حقِ شفعہ کا دعویٰ کرکے مکان لینا چاہا لیکن ابھی مکان اس کو دلایا نہیں گیا کہ قضا آگئی اور قبر میں جاکر حقِ ملک اور حقِ شفعہ سب بھول گیا اب اس کے وارثوں کو یہ حق نہیں پہنچے گا کہ شفعہ کا دعویٰ کرکے خریدار سے مکان لے لیں بلکہ وہ حقِ شفعہ بھی میت کے ساتھ دفن ہوگیا اب وہ مکان خریدار کے پاس ہی رہ جائیگا۔ البتہ اگر کبھی دوبارہ یہ مکان فروخت ہو تو اس وقت دوبارہ از سرِ نو اس میت کے وارثوں کو حقِ شفعہ حاصل ہوگا۔ (۲) میت نے جو چیز کسی سے مثلاً دو ماہ کے لئے مستعار لی تھی اور دو ماہ ختم ہونے سے پہلے مرگیا۔ اب وارثوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ دو ماہ اس چیز سے نفع اٹھا کر واپس دیں بلکہ بوقتِ وفاتِ میت فی الحال اصل مالک اپنی چیز واپس لے سکتا ہے (۳) میت نے کوئی چیز اس شرط پر خریدی تھی کہ تین روز تک مجھ کو واپس کر دینے کا اختیار ہے تو بعد وفات میت کے وارثوں کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ شرط کی وجہ سے اس شئے کو واپس کرسکیں خواہ تین روز ختم ہو گئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، اگر اس شئے میں کوئی عیب نکل آئے تو وارث اس کو واپس کرسکتے ہیں (۴) اگر میت مورث کسی قوم کا سردار یا شہر و محلہ کا امام یا خانقاہ کا سجادہ نشین تھا یا کسی وقف کا متولی تھا تو یہ حق اُسکے وارثوں کو نہ پہنچے گا۔ نہ سب کو اور نہ کسی ایک کو۔ بلکہ جو شخص اہلیت ولیاقت ان اُمور کی رکھتا ہو اور مسلمان اپنے اتفاق سے اس کو مقرر کر دیں یا حاکم وقت کی طرف سے متعین کر دیا جائے وہی حقدار ہو جائیگا میت کی طرف سے

حُقُوقٌ اَرْبَعَةٌ مُرَتَّبَةٌ اَلْاَوَّلُ يُبْدَأُ

فیجب ترتیبها کما یجب نفس الحقوق ۱۲

ترجمہ:- ترتیب دار چار حق متعلق ہوتے ہیں - پہلا حق یہ ہے کہ

لہ حُقُوقٌ اَرْبَعَةٌ چار حق میں منحصر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حقوق کا ثبوت یا تو نص سے ہوتا ہے یا اس سے جو نص کے قائم مقام ہے - اور نص سے چار ہی حق ثابت ہوئے ہیں - وجہ حصر عقلی اس طرح پر ہے کہ جو شئے ترکہ میت سے متعلق ہوتی ہے یا تو اس میں میت کا حصہ ہے یا نہیں، اوّل تجہیز و تکفین ہے دوسرے یعنی اگر اسمیں میت کا حصہ نہیں ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں - یا تو وہ موت سے پیشتر ثابت ہوگی یا موت سے پیشتر ثابت نہ ہوگی، اول قرض ہے - دوسرے یا تو اس کا ثبوت میت کی جانب سے ہوگا یا میت کی جانب سے نہ ہوگا بلکہ شارع کی جانب سے ہوگا اول وصیت ہے دوسرے تقسیم ترکہ درمیان ورثا - ۱۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق) بطور وراثت کے نہیں بلکہ عام مسلمین یا حاکم وقت کے مقرر کر دینے کی وجہ سے یہ نہ چاہیئے کہ بلا لحاظ قابلیت خواہ مخواہ مورث کی جانشینی کو مایۂ فخر سمجھ کر یا حصولِ زر کا ذریعہ خیال کر کے اس کے عہدہ کو حاصل کرنے کی کوشش کریں (۵) منجانب سرکار و حاکم وقت میت کی جو پنشن اور وظیفہ مقرر تھا اب بعد وفات میت بطور میراث کے اسکے وارث مستحق نہ ہونگے - ہاں اگر حاکم وقت آئندہ اپنی خوشی سے جاری رکھے تو جس کو وہ عطا فرمائے اور مستحق سمجھے وہی شرعاً حقدار سمجھا جائیگا - الحاصل بعض حقوق اور وہ تمام مال جس پر کسی دوسرے کا حق ثابت نہو اور شریعت نے میت کی زندگی میں اس کا مالک بنا دیا ہو اور میت اسکو چھوڑ کر مر جائے شرعاً ترکہ کہلاتے ہیں - ترکہ کی اس تعریف سے ایک شبہ کا جواب بھی ہوگیا جو کہ مصنف علیہ الرحمۃ کے اس قول تَتَعَلَّقُ بِتَرِكَةِ الْمَيِّتِ حُقُوقٌ اَرْبَعَةٌ (مُردہ کے مال کے ساتھ چار حق متعلق ہوتے ہیں) پر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ماتن کا یہ کہنا کہ ترکہ میت کے ساتھ چار حق متعلق ہوتے ہیں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے اس لئے کہ ہم ایک ایسا حق پاتے ہیں جو ان چاروں حقوق پر مقدم ہوتا ہے وہ حق ادائے حقوق متعلقہ بشئ معین ہے - یعنی اگر میت ایسے حقوق اپنے ذمہ چھوڑ کر مر گیا ہو - جو شئے معین سے ترکہ کے متعلق ہیں جیسے وہ دَین جو شئے مرہون سے متعلق ہے اسکی صورت یہ ہے کہ مُردہ نے ایک چیز کسی کے یہاں گرو رکھ کر قرض لیا تھا ابھی وہ ادا نہ ہوا تھا کہ اسکا انتقال ہوگیا اور اس شئے مرہون کے سوا اسنے اور کچھ نہ چھوڑا تو پہلے اس شئے مرہون کو بیچکر دَینِ مرتہن یعنی وہ دین کہ شئے مرہونہ سے متعلق ہے ادا کیا جائے یا جیسے وہ دَین کہ متعلق بہ مبیع ہے اسکی صورت یہ ہے کہ مُردہ نے کسی سے ایک چیز بطور قرض خریدی تھی اور اسکی قیمت ابھی ادا نہ کی تھی کہ مرگیا اور بائع نے اس مبیع کو اپنے دَین میں روک رکھا تھا اور مُردہ نے سوائے اس مبیع کے اور کچھ نہیں چھوڑا تو پہلے اس شئے مبیع کو فروخت کرکے بائع کا دین جو متعلق بہ مبیع ہے ادا کیا جائے یا جیسے وہ دین کہ متعلق بہ کرایہ مکان ہے تو اسکی صورت یہ ہے کہ مُردہ نے اپنا مکان کسی کو کرایہ پر دیا تھا اور چند سال کا زرِ کرایہ پیشگی

۵۲ ھٰذِہٖ مُرَتَّبَۃٌ۔ ترتیب وار یعنی بعض حق بعض پر مقدم ہے۔ تجہیز و تکفین قرض کی ادائیگی پر مقدم ہے قرض کی ادائیگی اجرار وصیت پر مقدم ہے اور اجرائے وصیت تقسیم میان ورثار پر مقدم ہے ہر ایک کی وجہ تقدیم انشاء اللہ تعالیٰ اسکے بیان میں لکھی جائے گی اور یہ ترتیب بھی نفس حقوق کی طرح واجب ہے۔ اگر یہاں یہ شبہ کیا جائے کہ تجہیز و تکفین اور ادائے دیون کے درمیان اور ایسے ہی ادائے دیون اور اجرائے وصیت کے درمیان ترتیب مسلم اور ممکن ہے لیکن تہائی مال میں اجرائے وصیت کے اور دو تہائی سابق کو ورثار میں تقسیم کرنے کے درمیان ترتیب توجیہ میں بظاہر معلوم نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان چند وجوہ سے ترتیب ہے۔ اول یہ کہ ورثار کے درمیان ترکہ کا تقسیم کرنا مال کے وصیت سے فارغ ہونے پر موقوف ہے جب تک وصیت سے مال متروکہ فارغ نہ ہوگا اس وقت تک ورثار کے درمیان تقسیم نہ کیا جائے گا۔ دوسرا یہ ہے کہ بعض وصیت میں کل ترکہ مستغرق ہو جاتا ہے مثلاً جبکہ ورثار تمام مال کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق) وصول کر لیا تھا اور قبل گزرنے اس مدت کے جسکا زر کرایہ پیشگی وصول کیا تھا مرگیا اور سوائے اس مکان کے اور کچھ نہیں چھوڑا تو پہلے اس مکان کو بیچکر کرایہ دار کا دین یعنی زر پیشگی وصول کردہ جو متعلق بہ کرایہ مکان ہے ادا کیا جائے کیونکہ مالک مکان کے مرنے سے اجارہ فسخ ہوگیا یا (۴) جیسے عبد جانی کی جنایت کی دیت اسکی صورت یہ ہے کہ غلام نے اپنے آقا کی زندگی میں کسی کو قتل کر دیا تھا اور دیت (خون بہا) کی ادائیگی سے بیشتر ہی آقا کا انتقال ہوگیا اور اسنے سوائے اس غلام کے اور کچھ مال نہیں چھوڑا تو پہلے اس غلام کو فروخت کر کے اسکے زر ثمن سے مقتول کے وارثان کو مقتول کی دیت ادا کیجائے (۵) یا جیسے عبد ماذون کے دیون لاحقہ، اسکی صورت یہ ہے کہ آقا نے غلام کو تجارت کی اجازت دے رکھی تھی، اسکی زندگی ہی میں لوگوں کے کچھ دیون غلام کے ذمے لازم ہوگئے تھے ابھی وہ دیون ادا نہیں ہوئے تھے کہ آقا مرگیا اور اسنے سوائے عبد ماذون کے اور کچھ مال نہیں چھوڑا تو اولاً اس غلام مذکور کو فروخت کر کے لوگوں کے دیون ادا کئے جائیں (۶) یا جیسے وہ غلام جو مرد نے اپنی بیوی کے مہر میں معین کر دیا تھا ابھی وہ اسی کے قبضہ میں تھا کہ اسکا انتقال ہوگیا اور اسنے اس غلام کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑا تو عورت غلام کے مستحق ہونے میں شوہر کی تجہیز و تکفین سے مقدم سمجھی جائیگی (۷) یا جیسے شئے مقبوض بہ بیع الفاسد، اسکی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کوئی چیز بطور بیع فاسد کے مول لی۔ ابھی بائع نے بیع کو فسخ نہ کیا تھا کہ اسکا انتقال ہوگیا، پس مشتری شئے مذکور کے مستحق ہونے میں بائع کی تجہیز و تکفین پر مقدم سمجھا جائے گا۔ اسی قیاس پر دوسری مثالوں کو بھی معلوم کر لینا چاہیئے جو بخوف طوالت احاطۂ تحریر میں نہیں لائی گئیں۔ دیکھو یہ حقوق تجہیز و تکفین پر مقدم ہوئے۔ لہٰذا مصنف علیہ الرحمۃ کا یہ کہنا کہ مُردہ کے مال کے ساتھ چار حق متعلق ہوتے ہیں صحیح نہیں رہا۔ اسی وجہ سے بعض علمائے فرائض نے کہا ہے کہ مُردہ کے مال سے پانچ حق بترتیب ذیل متعلق ہوتے ہیں (۱) ادائے دیون متعلقہ بشئ معین (۲) تجہیز و تکفین بلا کمی بیشی (۳) ادائے دیون غیر متعلقہ بشئ معین (۴) اجرائے وصیت (۵) تقسیم میان ورثہ۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ مال کا ترکہ ہونا مرنے کے بعد ہوتا ہے اور حقوق مذکورہ بالا مُردہ کے مرنے سے پہلے ہی اسکے مال سے متعلق ہیں لہٰذا وہ ترکہ کی تعریف کے اس جزء "بعض حقوق اور وہ تمام مال جس پر کسی دوسرے کا حق ثابت نہ ہو" سے خارج ہوگئے۔ ۱۲

کے ساتھ وصیت کی اجازت دیدیں۔ تیسرا شہر ہے یہ کہ جب کسی نے اپنے تمام مال کی کسی شخص کے لئے وصیت کردی تو اس صورت میں جب تک ورثار کی تہائی مال سے زیادہ میں وصیت جاری کرنے کی اجازت یا ان کا ردکرنا متعین نہ ہو جائے تو کچھ بھی ترکہ کو اور نہ دو ثلث کو ورثار کے درمیان تقسیم کرنے کا حکم نہ دیا جائیگا۔ ان کے علاوہ اور بھی ترتیب کی وجہ نکل سکتی ہیں اس کو خوب سمجھ لیں۔ ۱۲

سے یبدأ الخ یعنی پہلا حق چار حقوق مرتبہ مذکورہ میں سے مُردہ کی تجہیز و تکفین کے ساتھ بلا کمی وبیشی کے ابتدا کیا جاتا ہے۔ اس جگہ یُبدأ فعل مؤول بالمصدر ہے اور مصدر کے قائم مقام ہے۔ پس ضمیر کی جو مبتداء الاول کی طرف لوٹنے والی ہو حاجت نہیں ہے کیونکہ خبر اگرچہ جملہ ہے مگر معنی مفرد ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے اَلْاَوَّلُ اَلِابْتِدَاءُ بِتَکْفِیْنِہٖ الخ تجہیز و تکفین کے ساتھ ابتدا کرنے کی دلیل مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جب آپ کی وفات ہو گئی اور آپ نے ترکہ میں سوائے ایک چادر کے اور کچھ نہیں چھوڑا۔ چادر بھی اتنی کہ اگر اس سے آپ کا سر مبارک ڈھکتے تھے تو پاؤں کھلے رہ جاتے تھے اور اگر پاؤں ڈھکتے تھے تو سر مبارک کھلا رہ جاتا تھا اس پر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چادر سے ان کا سر ڈھک دو اور پاؤں پر اذخر گھاس رکھدو۔ پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی چادر میں کفنانے کا حکم دیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں دریافت فرمایا کہ قرض و وصیت کے لئے بھی کچھ باقی ہے یا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مُردہ کے مال سے اس کی تجہیز و تکفین کرنا ادائے قرض و اجرائے وصیت پر مقدم ہے چنانچہ شمس الائمہ سرخسیؒ نے مبسوط میں لکھا ہے کہ سب سے مقدم حتٰی کہ قرض سے بھی اول تعضیہ معقول اور شواہد اصول کے نزدیک مُردہ کے متعلق جو ضروری بات ہے وہ یہ ہے کہ اوّل اسکے ترکہ میں سے اسکی تجہیز و تکفین کیجائے کیونکہ کفن آدمی کی وفات کے بعد کا لباس ہے اور ظاہر ہے کہ اسکی حیات میں بھی ضرورت لباس کا اعتبار ہوتا ہے اور زندگی میں لباس قرض کی ادائیگی پر مقدم ہے یہانتک کہ قرض کی ڈگری کے اجراء میں مقروض کے بدن کے کپڑے اتار کر نہیں بیچے جاتے تو یہی موت کے بعد کے لباس میں بھی ہونا چاہیئے۔

واضح رہے کہ عورت کا اگر شوہر زندہ ہے تو اسکی تجہیز و تکفین امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شوہر کے ذمہ ہے خواہ عورت نے مال چھوڑا ہو یا نہ چھوڑا ہو۔ خواہ شوہر مالدار ہو یا تنگدست، عورت کے ترکہ میں سے اسکا خرچ نہ لیا جائیگا اگر شوہر نہیں ہے تو حسب معمول مرنے والی کے ترکہ و مال سے خرچ کیا جائے۔ امام ابو یوسفؒ نے اپنے قول پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ عورت کا کفن اسکی وفات کے بعد پوشاک و لباس ہے۔ پس اسکے اس لباس و پوشاک کو بمنزلہ حیات کے لباس و پوشاک کے اعتبار کیا جائیگا۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عورت کی تجہیز و تکفین شوہر کے ذمہ اس دلیل سے واجب نہیں کہ موت کی وجہ سے زوجیت منقطع ہو گئی لہٰذا اسکی تجہیز و تکفین اس عورت کے مال سے کیجائے۔ لیکن فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے ہی قول پر ہے جیسا کہ صدر الشہید قاضی خانؒ نے فرمایا ہے۔ اگر میت نے بالکل کچھ بھی مال اور ترکہ نہیں چھوڑا جس سے اس کی تجہیز و تکفین کیجائے تو اسکے وارثوں سے بموجب حصہ میراث چندہ جمع کیا جائے یعنی اگر مال ہوتا تو جس شخص کو زیادہ میراث ملتی اس سے اسی حساب سے کفن دفن کا چندہ زیادہ لیا جائے اور جس شخص کو کم میراث ملتی اس سے اب اسی اندازہ سے کفن و دفن کا خرچ کم لیا جائے اگر مُردہ کا کوئی رشتہ

رہی نہ ہو یا ہوں مگر تنگ دست ومحتاج ہوں یا اس جگہ موجود نہ ہوں، دور دراز مسافت پر ہوں تو تمام خرچ
تجہیز وتکفین کا بیت المال یعنی اسلامی بادشاہ کے خزانے سے دلایا جائے اور اگر اسلامی حکومت اور بیت المال
بھی موجود نہ ہو تو اہلِ محلہ واہلِ شہر میں ان لوگوں پر واجب ہوگا جن کو اس مُردہ کے حال کی اطلاع ہوئی وہ سب
چندہ جمع کر کے اسکا سامان کریں۔ اگر خود ان سب سے بھی نہ ہو سکے تو ان پر واجب ہے کہ دوسرے مسلمانوں سے
چندہ مانگ کر اس مُردہ مسلمان کی تجہیز وتکفین کریں لیکن چندہ اسی قدر جمع کرنا چاہیئے جو ضروریات کفن ودفن
کو کافی ہو جائے۔ سوال کے روپے سے کفن کی چادر اور جائے نماز بنانا جائز نہیں بلکہ ضروری خرچ کے بعد جو کچھ
باقی رہے شرعاً اس چندہ کا لوٹانا اور واپس کرنا واجب ہے۔ الغرض میراث پر جو چیزیں مقدم ہیں ان میں سب
سے اول تجہیز وتکفین ہے جب تک اس کے خرچ سے کچھ مال باقی نہ رہے تو نہ قرضخواہوں کو کچھ مل سکتا ہے
نہ وصیت میں خرچ ہو سکتا ہے نہ وارثوں کو پہنچ سکتا ہے۔ **مسئلہ** (۱) اگر کوئی شخص فی سبیل اللہ مُردہ
کے لئے اپنے پاس سے کفن یا قبر کی اُجرت دینا چاہتا ہے تو وارثوں کو اس کا قبول کرنا لازم نہیں۔ خواہ مُردہ
مقروض ہو یا نہ ہو قرضخواہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم دوسرے شخص کے دیئے ہوئے کو کیوں نہیں قبول کرتے۔
اور مُردہ کا مال کفن میں خرچ کر کے ہمارا کیوں نقصان کرتے ہو اس لئے کہ بقدر تجہیز وتکفین شریعت نے مُردہ
کے واسطے اس کے مال میں موت کے بعد بھی حق مقرر فرما دیا ہے اس میں قرضخواہوں کو دست اندازی جائز
نہیں۔ البتہ اگر بعض وارث نابالغ ہوں تو شخص مذکور کے فی سبیل اللہ کفن یا اُجرتِ قبر عطا کردہ کو قبول کرنا
ضروری ہے۔ لیکن اگر بالغ وارث کہیں کہ ہم اپنے مال سے تجہیز وتکفین کر دیں گے تو بھی دوسرے کے دیئے کو
قبول کرنا ضروری نہیں رہتا۔ اور اگر وارث خدا واسطے کے کفن کو خوشی سے منظور کر لیں تو جائز ہے علیٰ ہذا القیاس
وارثوں کے لئے ضروری نہیں کہ وہ مُردہ کو کسی عام قبرستان اور گورِ غریباں میں دفن کریں بلکہ اگر چاہیں تو بمقدار
قبر زمین خرید کر اسمیں دفن کریں کوئی وارث ہو یا قرضخواہ، اس سے مانع نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر وہ اپنی خوشی
سے عام گورستان میں دفن کر دیں تو جائز ہے۔ **مسئلہ** (۲) اگر قرضخواہ نے مُردہ کے مال پر جو دین میں مستغرق
تھا تجہیز وتکفین سے پیشتر ہی قبضہ کر لیا تو اس سے کفن ودفن کے لئے کچھ واپس نہ لیا جائے اس کو ابن کمال نے
ذکر کیا ہے۔۱۲ **مسئلہ** (۳) اگر اتفاق سے درندوں نے قبر اکھیڑ ڈالی اور کفن ضائع کر کے مُردہ کو نکال ڈالا
یا کفن چور نے مردہ کو نکال کر برہنہ ڈال دیا تو دوبارہ بھی کفن کا خرچ اصل ترکہ ومال سے دلایا جائے اگرچہ
وہ مقروض ہو۔ ہاں! اگر قرضخواہوں نے ترکہ پر قبضہ کر لیا ہو تو ان سے کفن کے لئے اس میں سے کچھ واپس
نہ لیا جائے۔ اور اگر مال تقسیم کر دیا گیا ہے تو ہر وارث کے ذمہ بقدر اس کے حصہ کے کفن دینا لازم ہے نہ قرضخواہ
اور اصحاب وصایا کے ذمہ۔ کیونکہ وہ اجانب ہیں۔ ابوالسعودؒ نے بیان کیا ہے کہ جب بھی تفسخ جسم سے پہلے
کفن کا ضائع ہونا معلوم ہو جائے تو مرۃً بعد اُخریٰ مکرر کفن دیا جائے۔۱۲ **مسئلہ** (۴) اگر مُردہ کفن
ضائع شدہ قبر سے نکلا ہوا تازہ ہی پایا گیا ہے تو اس کو مثل اُس مُردہ کے جو دفن نہیں کیا گیا پورا کفن دیا جائے
اور اگر وہ منفسخ ملا ہے تو اس کو ایک کپڑے میں کفن دیا جائے ۱۲ **مسئلہ** (۵) وارث کی بلا اجازت اگر

بِتَكْفِيْنِهٖ وَتَجْهِيْزِهٖ مِنْ غَيْرِ تَبْذِيْرٍ وَّلَا تَقْتِيْرٍ

بما يجوز لبسه فى حال الحيٰوة ١٢ ای بلا اسراف وافراط ١٢ ای بلا تقليل تفريط عند الآخرة

ترجمہ:- بلا افراط و تفریط اس (مُردہ) کی تجہیز و تکفین سے ابتدا کی جائے۔

ف١ تکفین و تجہیز: تکفین کے معنی کفن دینا ہے اور تجہیز کے معنی سامان کرنے کے ہیں۔ اور یہاں پر اس سے مراد مرنے کے وقت سے دفن ہونے کے وقت تک میت کا سامان کرنا ہے جیسے غسل و گورکنی اور دفن و کفن وغیرہ۔ ملا مسکین فرماتے ہیں کہ اگر ضرورت پیش آئے تو غسال، حمال و گورکن اور تابوت کی اجرت ترکہ سے دیجائے اور کچی اینٹیں لحد بند کرنے کے لئے اسی سے خریدی جائیں یہی صحیح ہے۔ انتہیٰ۔ پس اس معنی سے تکفین تجہیز میں داخل ہے اور تکفین کا تجہیز کے ساتھ ذکر کرنا تخصیص مع التعمیم ہے کیونکہ تکفین تجہیز کے اجزاء میں اہم اور مصارف کے اعتبار سے اکثر اور کمی بیشی کے اعتبار سے اشخاص و افراد میں متفاوت تھا بخلاف قبر و غسل وغیرہ کے کہ ان میں غنی و فقیر سب مساوی ہیں لہٰذا اہتمام شان کی بناء پر مصنف رحمہ اللہ اس تکفین کو ذکر میں جدا لائے۔

ف٢ غَيْرِ تَبْذِيْرٍ وَّلَا تَقْتِيْرٍ: یعنی بلا کمی و بیشی کیونکہ تبذیر و تقتیر دونوں حرام ہیں چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ تبذیر کے بارے میں فرماتے ہیں وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (یعنی اور مال کو بے موقع مت اڑاؤ۔ بیشک بے موقع اڑانے والے شیطان کے بھائی بند ہیں) اور اللہ تعالیٰ نے میانہ روی اختیار کرنے والوں اور فضول خرچی سے استغفار کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے ایک جگہ فرماتے ہیں وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔ یعنی جب وہ خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں۔ ان کا خرچ کرنا اسکے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا (یعنی اور ان کی زبان سے بھی تو اسکے سوا کچھ نہیں نکلا کہ انھوں نے عرض کیا اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو اور ہمارے کاموں میں حد سے نکل جانے کو بخشدیجئے) یہ کمی بیشی یا تو عدد کے اعتبار سے ہو مثلاً مرد کو تین کپڑوں سے زیادہ اور عورت کو پانچ کپڑوں

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

کوئی تجہیز و تکفین میں خرچ کردے تو وارث سے لینے کا مستحق نہیں ہے چنانچہ رد المحتار میں ہے لَوْ كَفَّنَهُ الْحَاضِرُ مِنْ مَالِهٖ لِيَرْجِعَ عَلَى الْغَائِبِ مِنْهُمْ بِحِصَّتِهٖ فَلَا رُجُوْعَ لَهٗ اِنْ اَنْفَقَ بِلَا اِذْنِ الْقَاضِيْ كَذَا فِيْ خَادِي الزَّاهِدِيْ وَاسْتَنْبَطَ مِنْهُ الْخَيْرُ الرَّمْلِيُّ عَلٰى اَنَّهٗ لَوْ كَفَّنَ الزَّوْجَةَ غَيْرُ زَوْجِهَا بِلَا اِذْنِهٖ وَاِذْنِ الْقَاضِيْ فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ یعنی اگر موجود نے مُردہ کو اپنے مال سے کفن دیدیا تو غائب پر رجوع کا دعوے نہیں کر سکتا جبکہ بغیر اجازت قاضی کے اس نے کفن دیا ہے جیسا کہ خادی زاہدی میں ہے اور اس سے خیر الرملی نے استنباط کیا ہے کہ اگر عورت کو شوہر کے علاوہ کسی اور نے شوہر یا قاضی کی بے اجازت کفن دیدیا تو وہ متبرع ہے شوہر سے پانے کا مستحق نہیں۔ ١٢

سے زیادہ کفن دینا بیشی میں داخل ہے اور مرد کو تین کپڑوں سے کم اور عورت کو پانچ کپڑوں سے کم کفن دینا کمی میں داخل ہے۔ یا قیمت کے اعتبار سے ہو مثلاً مردہ اپنی حالتِ حیات میں جس قیمت کے کپڑے پہنا کرتا تھا اسی قیمت کے کپڑے کا کفن اس کو دینا چاہیے۔ اگر اس سے زیادہ قیمت کا کفن دیا تو بیشی میں داخل ہوگا۔ اور اگر کم قیمت کا کفن دیا تو کمی میں داخل ہے۔ اور اگر مردہ اپنی حالتِ حیات میں تین قسم کے کپڑے پہنا کرتا تھا، ایک ایسے جن کو عیدوں اور شادیوں میں پہنتا تھا، دوسرے ایسے جن کو دوست واحباب کی ملاقات کے وقت پہنتا تھا۔ اور تیسرے ایسے جن کو اپنے گھر میں پہنتا تھا اس صورت میں دوسری قسم کے کپڑوں کی قیمت کا کفن دینا چاہیے کیونکہ اول قسم اعلیٰ اور تیسری ادنیٰ ہے لہٰذا متوسط یعنی دوسری قسم میں کفن دینا بہتر ہے۔ بعض متقدمین علمائے حنفیہ فرماتے ہیں کہ مردہ کو اس لباس کی قیمت کا کفن دیا جائے جس کو وہ جمعوں اور عیدوں میں پہنا کرتا تھا اور عورت کو اس لباس کی قیمت کا کفن دیا جائے جس کو وہ اپنے ماں باپ کے گھر جانے کے لئے پہنا کرتی تھی اس لئے کہ عورتوں کو جمعوں اور عیدوں میں جانا ممنوع ہے چنانچہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں عَلَيْكُمْ بِجُوْدَةِ الْكَفَنِ فَإِنَّ الْمَوْتٰى يَتَفَاخَرُوْنَ بِجُوْدَةِ الْكَفَنِ (یعنی اپنے مُردوں کو عمدہ کفن دینا لازم کرلو اس لئے کہ مُردے عمدہ کفن کی وجہ سے فخر کریں گے) بظاہر یہ حدیث اس فریق کی تائید کرتی ہے لیکن اگر بنظرِ دقیق دیکھا جائے تو فریق اول کی مؤید ہے اور حسن بصری رح فرماتے ہیں کہ کفن میں اس لباس کی قیمت کا اعتبار ہے جس کو آدمی اکثر پہنا کرتا ہے اس قول کو فقیہ ابوجعفر رح نے پسند کیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ میت کے ترکہ میں سے سب سے پیشتر اس کی تجہیز وتکفین شرعی طریقہ سے سنت کیمطابق اور اسکی حیثیت کے موافق کیجائے یعنی کفن کے پارچوں کی تعداد و مقدار سنت کے موافق ہو اور کپڑا ایسی قیمت کا ہو جس کو وہ اکثر پہن کر گھر سے باہر نکلتا اور لوگوں کے سامنے آتا ہو اور بازار اور مسجد وغیرہ میں پہن کر جاتا ہو۔ نہ اسقدر کم قیمت اور ردی کفن دیں جس سے اس کی تحقیر و تذلیل ہو اور نہ اتنا بیش قیمت دیں جس میں اسراف ہو اور وارثوں کے حق میں نقصان آئے۔ ایسے ہی معمولی کچی قبر بنائی جائے خواہ مردہ مالدار ہو یا غریب۔ نہلانے والے کی اُجرت اور گورکن و سامان وغیرہ کا خرچ بھی اسی طرح حسب حیثیت متوسط درجہ کا کریں۔ قبر کے لئے اگر عام مسلمانوں کے قبرستان میں جگہ نہ ملے یا کسی خاص وجہ سے اجازت نہ ہو تو قبر کے لئے زمین خرید لی جائے۔ اسکی قیمت بھی دیگر سامانِ تجہیز و تکفین کی مانند ترکہ میں سے محسوب ہوگی۔ واضح رہے کہ ہمارے نزدیک سنت کفن میں مرد کے لئے تین کپڑے ہیں۔ قمیص یعنی کفنی کندھوں سے قدموں تک بلا جیب وکلی اور آستینوں کے۔ ازار ایک چادر جو بجائے تہبند کے سر سے پاؤں تک ہوتی ہے۔ لفافہ جس کو پوٹ کی چادر کہتے ہیں جو ازار سے چار گرہ زیادہ ہوتی ہے اور امام شافعی رح کے نزدیک ازار اور دو لفافہ ہیں۔ رہی دستار، سو ہمارے علمائے متقدمین نے کفن میں سُنتِ فردیہ قوت ہونے کی وجہ سے اس کو جائز نہیں رکھا ہے۔ البتہ متاخرین نے ذی حیثیت مثلاً عالم و قطب وغیرہ کے لئے اس کو اس دلیل سے مستحسن سمجھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میت کے عمامہ باندھتے تھے اور اسکا چھوٹا چہرے پر چھوڑا کرتے تھے لیکن متاخرین پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور آپکے عمامہ نہ باندھا گیا حالانکہ آپ تمام مخلوقات سے اشرف تھے اسی وجہ

سے اس کی کراہیت کا حکم دیا جائیگا۔ اور عورت کے لئے سنت کفن میں پانچ کپڑے ہیں۔ تین تو یہی جو مرد کیلئے ہیں چوتھے خمار یعنی اوڑھنی جس کو سر بند بھی کہتے ہیں ڈیڑھ گز لمبی اور بارہ گرہ چوڑی ہوتی ہے جس کو سر پر اور سر کے اُن بالوں پر جو دو حصہ کر کے سینہ پر دائیں بائیں جانب ڈال دیئے جاتے ہیں اُوڑھا دیتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سر کے بالوں کے تین حصے کر کے پشت پر ڈال دیئے جائیں۔ پانچویں خرقہ یعنی سینہ بند جو دو گز لمبا سوا گز چوڑا ہوتا ہے زیر بغل سے ساق تک اس سے عورت کی چھاتیاں باندھتے ہیں کنیز اور آزاد عورت اس میں برابر ہے جیساکہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ خنثیٰ کو عورت کا کفن دیا جائیگا یعنی پانچ کپڑے جو عورت کے لئے مسنون ہیں وہی اس کو دیئے جائیں گے چنانچہ خنثیٰ کے کفن میں ہدایہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ کرنے میں مضائقہ نہیں ہاں، قیمت میں توسط چاہیئے اور ان سب میں مقدار ترکہ کا لحاظ ضروری ہے۔ از فتاویٰ مولانا عبدالحی صاحبؒ جلد اول۔ کفن کفایہ مرد کے لئے دو کپڑے ہیں نئے ہوں یا دھلے ہوئے۔ ازار اور لفافہ یا قمیص و لفافہ۔ اور عورت کے لئے تین کپڑے ہیں۔ ازار و خمار و لفافہ۔ سخت مجبوری و ضرورت میں ایک کپڑے میں بھی کفنانا جائز ہے جیساکہ حدیث مصعب بن عمیرؓ سے سابق میں گزر چکا۔ بلا ضرورت اور سخت مجبوری کے مکروہ ہے۔ اب مناسب ہے کہ بڑے شخص کے کفن مسنون کو یکجائی لکھ دیا جائے تاکہ زیادہ آسانی ہو۔

نام پارچہ	طول	عرض	انداز پیمائش	کیفیت
ازار[۱]	ڈھائی گز	سوا گز سے ڈیڑھ گز تک	سر سے پاؤں تک	چودہ یا پندرہ یا سولہ گرہ عرض کا کپڑا ہو تو ڈیڑھ پاٹ میں ہوگا۔
لفافہ[۲]	پونے تین گز	"	ازار سے چار گرہ زیادہ	" " "
قمیص[۳] یا کفنی	ڈھائی گز یا پونے تین گز	ایک گز	کندھے سے نصف ساق تک	چودہ گرہ یا ایک گز کے عرض کی تیار ہوتی ہے۔ دو برابر حصے کر کے اور چاک کھول کر گلے میں ڈالتے ہیں
سینہ بند[۴]	دو گز	سوا گز	زیر بغل سے ساق تک	
سر بند[۵]	ڈیڑھ گز	بارہ گرہ	جہاں تک آ جائے	سر کے بال دو حصے کر کے اور اس میں لپیٹ کر دائیں بائیں جانب سینہ پر رکھے جاتے ہیں۔

یہ بڑے آدمی کا کفن ہے اور بچہ کا کفن اس کے مناسب مثل سابق کے لیلو۔ جو بچہ علامت زندگی کی ظاہر ہو کر مر گیا ہو تو اس کا نام اور غسل اور نماز سب ہو گی۔ اور اگر زندگی کی کوئی علامت نہ پائی گئی تو غسل دیکر اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر بدون نماز دفن کر دیں گے۔ کفن مسنون اسی قدر ہے۔ بعض چیزیں کفن کے متعلقات سے ہیں جن کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

تہ بند۔ بدن کی موٹائی سے تین گرہ۔ بڑے آدمی کے لئے ڈیڑھ گز طول کا کافی ہے اور عرض میں ناف سے پنڈلی تک چودہ گرہ عرض کا کافی ہے۔ یہ دو ہونے چاہئیں۔ دستانہ۔ چھ گرہ طول اور تین گرہ عرض ہو بقدر پنجہ دست بنالیں یہ بھی دو عدد ہوں۔ چادر عورت کے گہوارہ کی جو بڑی عورت کے لئے ساڑھے تین گز طول اور دو گز عرض کافی ہے۔ بعض کپڑے لوگوں نے کفن کے ساتھ ضروری سمجھ رکھے ہیں حالانکہ وہ کفن مسنون سے خارج اور بالکل فضول ہیں۔ ترکہ میت سے ان کا خریدنا جائز نہیں ہے وہ یہ ہیں :-

جائے نماز۔ طول سوا گز، عرض چودہ گرہ جو امام کے لئے بچھائی جاتی ہے۔ پٹکا۔ طول ڈیڑھ گز عرض چودہ گرہ۔ یہ مُردے کو قبر میں اُتارنے کے لئے ہوتا ہے۔ بچھونا۔ طول ڈھائی گز، عرض سوا گز یہ چارپائی پر بچھانے کے لئے ہوتا ہے دامنی۔ طول دو گز، عرض سوا گز بقدر استطاعت چار سے سات تک محتاجین کو دیتے ہیں۔ جو محض عورت کے لئے مخصوص ہیں چادر کلاں۔ مرد کے جنازہ پر طول تین گز عرض پونے دو گز جو چارپائی کو ڈھانک لیتی ہے۔ البتہ عورت کے لئے ضروری ہے مگر کفن سے خارج ہے اس لئے اس کا ہم رنگ کفن ہونا ضروری نہیں ہے۔ پردہ کے لئے کوئی سا کپڑا بھی کافی ہے۔ پس اگر میت کے پاس ادائے قرض سے زیادہ مال نہ ہو یا وارث نابالغ ہوں تو یہ جائے نماز اور چادر وغیرہ بنا کر قرضخواہوں اور یتیموں کا نقصان کرنا ہرگز جائز نہیں سخت ممنوع ہے۔ بعض ناواقف لوگ اس مسئلہ کو سُن کر ہنسیں گے لیکن یہ سُن کر اُن کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ شریعت کی معتبر کتابوں میں یہانتک لکھا ہے کہ اگر میت زیادہ مقروض ہو تو وارثوں پر قرضخواہ جبر کرسکتے ہیں کہ صرف کفن کفایہ میں دفن کردو جو مرد کے واسطے دو اور عورت کے لئے تین کپڑے ہیں خواہ نئے ہوں، خواہ دُھلے ہوئے ہوں۔ یعنی کفن مسنون سے بھی مرد کے کفن سے ایک کپڑا اور عورت کے کفن سے دو کپڑے کم کراسکتے ہیں اور بعض فقہاء متقدمین نے کفن کفایہ پر اس توجیہہ کے ساتھ جس کو خصاف نے ذکر کیا ہے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب مدیون کے پاس بڑھیا کپڑے ہوں کہ اس سے کمتر قیمت پر اکتفا ممکن ہو تو اس صورت میں قاضی و حاکم بڑھیا کپڑوں کو فروخت کرکے قرض ادا کردے اور باقی قیمت میں ایسا کپڑا خریدے جو مُردہ کو کافی ہو جائے۔ پھر ان زائد چادر و جائے نماز وغیرہ کی تو کیا حقیقت ہے۔ ہاں، اگر کوئی غیر شخص یا کوئی خاص وارث بہت عمدہ اور کفن مسنون سے زائد اپنی طرف سے دیدے تو مضائقہ نہیں، یا یوں کہے کہ متوسط درجہ کے کفن کا خرچ ترکہ میں سے لیلو اور باقی زیادہ خرچ میں اپنی طرف سے دونگا تب بھی جائز ہے۔ کفن و دفن کے سامان میں اسراف و فضول خرچی کرتے ہیں یا تو وارثوں کے حصہ میں کمی آتی ہے، اگر میت کا مال صرف قرض ادا کرنے کی مقدار یا اس سے بھی کم ہے تو قرضخواہوں کا حق تلف ہوتا ہے کیونکہ کفن و دفن کے سامان میں جسقدر زیادہ صرف ہوگا مال کم رہتا جائیگا۔ پس معلوم ہوا کہ (۱) اگر میت کا مال قرض سے کم یا بالکل قرض کے برابر ہو تو کفن و دفن کے سامان میں زیادہ خرچ کرنا ہرگز جائز نہیں (۲) اگر کوئی وارث وغیرہ خود ایسا کریگا تو جس قدر خرچ بلا ضرورت اور زائد ہوا ہے اُسکو تاوان دینا پڑیگا۔ (۳) اگر میت کے ذمہ قرض ہی نہیں یا مال قرض سے زیادہ ہے تو اگر سب وارث بالغ ہیں

اور سب کی اجازت سے صرف کیا گیا ہے تو سب کے حصّے میں محسوب ہوگا۔ (۴) اگر وارث نابالغ ہیں تو ان کی اجازت کا اعتبار نہیں ان کے حصہ میں کمی نہ آئے گی بلکہ اجازت دینے والے بالغ لوگوں کے ذمہ اس فضول خرچی کا تاوان ہوگا۔ (۵) اگر سب نے اجازت نہیں دی تو جس جس نے اجازت دی ہے اُسکے ذمّہ اس کا تاوان پڑیگا۔

جس طرح کفن و دفن میں فضول خرچی ناجائز ہے اور اجازت دینے والے بالغوں کے حصہ پر اس کا تاوان پڑتا ہے اسی طرح دیگر صدقات وخیرات جو میت کی وفات کی بعد کئے جاتے ہیں جیسے غلہ اور پیسے اور کپڑے تقسیم کئے جاتے ہیں یہ ہرگز مصارف تجہیز وتکفین میں محسوب نہ ہونگے بلکہ کرنے والے اور اجازت دینے والے بالغوں کے ذمہ تاوان واجب ہوگا۔ اس معاملہ میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔ بعض دفعہ میت کے وارثوں میں چھوٹے چھوٹے بے خبر قابلِ رحم یتیم بچے ہوتے ہیں اور دوسرے رشتہ دار رسوم کی پابندی اور مالِ مفت دلِ بے رحم سمجھ کر خوب جا وبیجا صرف کرتے ہیں اور آخرت کا عذاب اپنے سر دھرتے ہیں۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ سلے ہوئے تیار شدہ تمام یا اکثر کپڑے میت کی طرف سے خدا واسطے دیدیئے جاتے ہیں حالانکہ خود وارث انکے محتاج اور مستحق ہوتے ہیں۔ شوہر مرجاتا ہے اور زوجہ اور بچے رہ جاتے ہیں تو زوجہ صاحبہ بے دھڑک اسکے مال میں سے فاتحہ درود کرتی ہیں یہ خبر نہیں کہ یہ مال معصوم بچوں کا حق ہے اگرچہ وہ ان کی ماں ہی ہے لیکن ان کے مال کو بلا ضرورت خرچ کرنے کی مختار نہیں۔

میت کی طرف سے صدقہ کرنا بے شک بہت پسندیدہ اور باعث ثواب ہے مُردہ منتظر رہتا ہے حقیر سے حقیر چیز بھی اس کو ثواب پہنچانے کے لئے خاص نیت سے خدا واسطے دی جائے تو اس کو اُس عالم میں نہایت نفع پہنچاتی ہے۔ عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے یا درجات بلند ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جب صحابہ عرض کرتے تھے کہ ہمارے صدقہ اور خیرات سے ہمارے والدین کو نفع ہوگا یا نہیں تو آپ ہمیشہ یہی ارشاد فرماتے تھے کہ ہاں، نفع ہوگا ان کی طرف سے صدقہ کرو۔ لیکن یہ صدقات اُسی وقت پسندیدہ ونافع ہوسکتے ہیں جبکہ شریعت کے موافق ہوں۔ شریعت تو حکم کرتی ہے کہ غریبوں یتیموں کے مال پر ہاتھ صاف مت کرو بلکہ جس کسی کو توفیق ہو اپنے حلال مال سے صدقہ کرے اور دل سے یا زبان سے کہہ لے کہ فلاں میت کو اسکا ثواب پہنچ جائے۔

یہ جو کئی جگہ وارثوں اور خرچ کرنے والوں کو تاوان لازم ہونے کا بیان ہوا یہ اُس وقت ہے کہ میت نے ان اُمور کی وصیت نہ کی ہو۔ اگر اُس نے وصیت کی ہے تو اسکا حکم وہی ہے جو وصیت کے بیان میں آوے گا ثلث مال سے اگر پورے ہوسکتے ہوں تو کردیں ورنہ وارثوں کو اختیار ہے۔ مثلاً اپنی حیثیت سے زیادہ بیش قیمت کفن کی وصیت کرگیا تو اسکی حسب حیثیت معمولی درجہ کے کفن کا خرچ اسکے ترکہ میں سے لیکر اب باقی مال کو دیکھیں کہ حیثیت سے بڑھ کر دینے میں جسقدر مال زیادہ خرچ ہوگا وہ اس باقی ماندہ مال کے ثلث میں پورا ہوسکتا ہے تو زیادہ خرچ کر کے اس کی وصیت کے موافق کفن دیدیا جائے۔ اور اگر وہ خرچ جو حیثیت سے زیادہ دینے میں بڑھے گا ثلث سے پورا نہیں ہوسکتا تو وارثوں کو اختیار ہے خواہ زیادہ خرچ برداشت کر کے اس کی وصیت کے موافق کفن دیں یا حسب حیثیت متوسط درجہ کا کفن دیں۔ اور اگر خلاف سنت وصیت کی ہو

ثُمَّ تُقْضٰى دُيُوْنُهٗ مِنْ جَمِيْعِ مَا بَقِيَ مِنْ مَّالِهٖ

هٰذا حق ثانٍ ۲ — بعد التکفین والتجہیز ۱۲

ترجمہ:- پھر (تجہیز وتکفین کے بعد دوسرا حق یہ ہے کہ) اس (مردہ) کے دیون (غیر متعلقہ بشئ معین) اس کے تمام مال سے جو (تجہیز تکفین کے خرچ سے) باقی رہا ہے ادا کئے جائیں.

۵۱ ثُمَّ تراخی (تعقیب) کے لئے ہے یہاں تجہیز وتکفین سے تراخی ہے۔ ثُمَّ سے اس بات کی طرف اشارہ ہوگیا کہ ادائے دیون تجہیز وتکفین پر مقدم نہ کیا جائے گا اگرچہ قرضخواہ اس کا مطالبہ بھی کریں ہاں، اگر وہ مردہ کے مال پر جو دین میں مستغرق تھا تجہیز وتکفین سے پہلے ہی قابض ہوگئے تو ان سے تجہیز وتکفین کے لئے کچھ بھی اس مال سے واپس نہ لیا جائے گا جس کو ہم سابق میں بیان کرچکے ہیں (کذا فی الطحطاوی ناقلاً عن الکمال)

قرض کا ادا کرنا تجہیز وتکفین سے اس لئے مؤخر ہے کہ مُردہ کا کفن اس کی وفات کے بعد لباس ہے۔ لہٰذا بمنزلہ لباس زندگی کے اسکا اعتبار کیا جائے گا جس طرح زندگی میں بدن کا لباس قرض سے مقدم ہے اور باوجود قرضدار کے کمائی پر قادر ہونے کے قرضخواہ اس کو نہیں لے سکتا اسی طرح بقدر کفن ودفن میت کا حق ہے۔ دائن کی رعایت سے وہ حق تلف نہ ہوگا۔ دیکھو اگر زندگی میں کسی پر مال سے زیادہ قرض ہے یا بالکل اسکے پاس مال نہیں ہے مگر بدن پر لباس ہے تو قرض کی ادائیگی میں اس کو فروخت نہ کیا جائیگا۔ اسی طرح وفات کے بعد کفن قرض پر مقدم کیا جائے گا اور دَین وصیت پر مقدم ہے اگرچہ نظمِ قرآنی میں وصیت کا ذکر دَین پر مقدم ہوا ہے چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ (یہ سب حصے) وصیت نکال لینے کے بعد کہ میت اس کی وصیت کر جائے۔ یا دَین (ادا کرنے) کے بعد (تقسیم) ہونگے۔ یا دَین کے وصیت پر مقدم ہونے کی دلیل (نقلی) حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم (قرآن میں) اس آیت کو پڑھتے ہو مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ (جس سے بظاہر وصیت کا دَین سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے) حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وصیت سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم دیا ہے اس کو ابن شیبہ واحمد وعبد بن حمید وترمذی وابن ماجہ ودارقطنی اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے یعنی قرآن شریف میں جو مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ پڑھتے ہو اس سے یہ نہ سمجھو کہ ذکر میں وصیت کے مقدم ہونے سے اس کا حکم بھی مقدم ہے بلکہ حکم قرض کا مقدم ہے۔ رہا یہ شبہ کہ وصیت کو ذکر میں دَین سے کیوں مقدم کیا گیا، حالانکہ ادا کرنے میں وہ پیچھے ہے سو اسکا جواب یہ ہے کہ اسکا ذکر مقدم صرف

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

مثلاً مرد نے کہا کہ مجھ کو پانچ کپڑے دینا، عورت نے کہا کہ مجھ کو سات آٹھ کپڑے دینا تو خلاف سنت اختیار کرکے اس قسم کی وصیت کو پورا کرنا ہرگز جائز نہیں۔ چنانچہ وصیت کے بیان میں اس کا ذکر آویگا۔

اس لئے ہوا کہ لوگوں کے دل میں اس کی عظمت بیٹھ جائے کیونکہ دَین کے مطالبہ کرنے والے تو آدمی ہیں وہ خود ہی وصول کریں گے اس میں کوتاہی کا احتمال کم ہے اور وصیت چونکہ دراصل تبرع اور ہبہ ہے ورثاء کو اس کا نکالنا شاق و ناگوار ہوگا اس میں کوتاہی کا زیادہ احتمال ہے اس لئے اہتمام اور تاکید کے لئے اسکا ذکر پہلے کیا گیا تاکہ اس کی ادائیگی کو قرض کی ادائیگی کے ساتھ برانگیختہ کرے اور تاکہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ وجوب ادا اور ادائیگی میں عجلت کرنے میں وصیت قرض کی طرح ہے۔ اسی بناء پر ان دونوں کے درمیان کلمہ تسویہ یعنی اَوْ لایا گیا ہے۔ دوسری دلیل دَین کے وصیت پر مقدم ہونے کی یہ ہے کہ دَین حقوق العباد میں سے ہے اور وصیت حقوق اللہ میں سے، اور چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے حق سے مستغنی اور بندہ اپنے حق کے حاصل کرنے کا ہمہ تن محتاج ہے اس لئے بندہ کے حق کو حقوق اللہ پر مقدم کیا جاتا ہے۔ تیسری دلیل اجماع امت ہے دَین کے وصیت پر مقدم ہونے پر تمام اُمت نے اجماع کیا ہے۔

۵۲ تُقْضٰی۔ یہ مضارع مجہول ہے جو قضیٰ، قضاء (ض) سے ماخوذ ہے۔ قضاء کی اصل قضای تھی۔ یاء الف کے بعد آنے کی وجہ سے ہمزہ ہو گئی ہے۔ قضاء چند معنی میں استعمال کیا جاتا ہے (۱) بمعنی حکم کرنا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ یعنی تمہارے پروردگار نے (یہ) حکم دیا ہے کہ تم بجز اس کے اور کسی کی عبادت نہ کرو (۲) بمعنی فراغ و کام تمام کرنا جیسے قَضٰی حَاجَتَہٗ (وہ اپنی حاجت سے فارغ ہو گیا) اور اسی قبیل سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے فَوَکَزَہٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْہِ (سو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے گھونسا مارا سو اس کا کام ہی تمام کر دیا یعنی قتل کر دیا گویا اس سے فارغ ہو گئے) (۳) بمعنی اطلاع دینا بتلا دینا، پہنچا دینا جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول وَقَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ فِی الْکِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ بات (بطور پیش گوئی) بتلا دی تھی کہ تم سرزمین شام میں دوبارہ خرابی کرو گے۔ (۴) بمعنی مرنا جیسے قضٰی فلانٌ (یعنی فلاں شخص مر گیا) (۵) بمعنی حاجت روا کرنا، جو کچھ کرنا ہے کر گزرنا جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنَ (یعنی پھر میرے ساتھ (جو کچھ کرنا ہے) کر گزرو اور مجھ کو اصلا مہلت نہ دو (۶) بمعنی بنانا، اندازہ کرنا جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ سو دو روز (کی مقدار) میں ان کے سات آسمان بنا دیئے اسی سے قضا و قدر ماخوذ ہے (۷) بمعنی فیصلہ کرنا، تمام کرنا (۸) بمعنی قرض ادا کرنا جیسے قَضَیْتُ دَیْنِیْ (یعنی میں نے اپنا قرض ادا کر دیا) یہاں آخری معنی یعنی ادا کرنا مراد ہے ۱۲

۵۳ دُیُوْنُہٗ دیون دَین کی جمع ہے جو دوسرے سے قرض لینے اور دوسرے کو قرض دینے کے معنی میں مشترک ہے اس جگہ پہلے معنی مراد ہیں۔ یعنی میت نے جو دوسرے سے قرض لیا ہے اور ضَرَبَ یَضْرِبُ کے باب سے ہے

عرف میں کسی شئے کے عوض بندہ کے ذمّہ مال کا واجب ہونا دین کہلاتا ہے پس خراج بھی دَین میں داخل ہے کیونکہ وہ منافع حفظ کے بدلہ میں لیا جاتا ہے بخلاف زکوٰۃ کے اس لئے کہ واجب اسمیں مال کا مالک بنانا ہے بغیر اس کے کہ وہ کسی دوسری شے کے بدلہ میں واجب ہو تجہیز و تکفین کے بعد تمام باقی ماندہ مال سے مُردہ کے قرض ادا کئے جاتے ہیں ان کے ادائیگی کی تفصیل اور قاعدہ یہ ہے کہ جو قرض مُردہ کے ذمہ لازم ہے تین حال سے خالی نہیں (۱) بندوں کا قرض (۲) حق تعالیٰ شانہٗ کا قرض (۳) دونوں یعنی حق تعالیٰ شانہٗ کا قرض اور بندوں کا قرض پس اگر بندوں کا قرض ہے تو وہ مال جو تجہیز و تکفین سے بچا ہے دو حال سے خالی نہیں (۱) ادائے قرض کو کافی ہے یا ادائے قرض کو کافی نہیں۔ اگر ادائے قرض کو کافی ہے تو بلا تکلف تمام قرض ادا کر دیا جائے اگر مال ادائے قرض کے لئے کافی نہیں ہے تو قرضخواہ دو حال سے خالی نہیں (۱) ایک ہے (۲) یا کئی شخص، اگر قرضخواہ ایک ہے تو وہ بچا ہوا مال جسقدر ہے سب اُس کو دیدیا جائے اور جس قدر مردہ کے ذمہ باقی رہ جائے اسکو اختیار ہے کہ معاف کر دے یا آخرت میں اس سے مواخذہ کرنے کا منتظر رہے وارثوں کے ذمہ اسکا ادا کرنا لازم نہیں ہاں اگر بطور تبرع ورثاء اپنے پاس سے مردہ کا قرض ادا کریں تو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ مواخذہ اخروی سے بچ جائے گا۔ اور اگر قرضخواہ کئی شخص ہیں تو قرض جو مُردہ کے ذمّہ ہے تین حال سے خالی نہیں (۱) کُل دَین صحت ہے یعنی وہ قرض جو مرض الموت سے پہلے صحت میں مُردہ کے اقرار سے ثابت ہو یا گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوا ہو یا عام طور سے لوگوں کے مشاہدہ اور معائنہ سے ثابت ہو مثلاً سب کے سامنے احمد نے پانچ سو روپے مہر مقرر کرکے فاطمہ سے نکاح کیا تو فاطمہ کا پانچ سو روپیہ احمد کے ذمہ بالمشاہدہ ثابت ہوگیا یا سب لوگوں کے سامنے احمد نے کسی سے غلہ خرید ا تھا یا کپڑا مول لیا تھا یا سب لوگوں کو عام طور سے معلوم ہے کہ احمد کے مرض میں فلاں عطار یا فلاں ڈاکٹر سے دوا قرض لی جاتی تھی (۲) کُل دَین مرض ہے یعنی وہ قرض جس کا مرض الموت میں مُردہ نے اقرار کر لیا مثلاً کہا کہ فلاں شخص کا اسقدر روپیہ میرے ذمّہ واجب ہے یا میں نے اس کی فلاں چیز ضائع کر دی تھی اس کی قیمت میرے ذمّہ واجب ہے اور صرف مُردہ کا اقرار ہی اقرار ہے گواہوں سے یا عام مشاہدہ سے یہ بات ثابت نہیں۔ (۳) کچھ دَین صحت ہے اور کچھ دَین مرض۔ پس اگر کُل دین صحت ہے یا کُل دین مرض ہے تو وہ بچا ہوا مال جسقدر ہو ان سب قرضخواہوں کو دیدیا جائے کہ وہ حصہ رسد تقسیم کر لیں۔ یعنی جس کا قرض زیادہ ہو وہ زیادہ لے اور جسکا قرض کم ہو وہ اسی حساب سے کم لے۔ کسی خاص قرضخواہ کا حق نہیں ہے کہ اپنے پورے قرض کو وصول کرے، اگرچہ وارث اس پر راضی ہو جائیں۔ انکا کچھ اعتبار نہیں۔ حصہ رسد تقسیم ہونیکی مثال یہ ہے کہ زید کے ذمّہ چار سو روپیہ عمر کا واجب ہے ایک سو بکر کا دو سو روپیہ خالد کا، کُل سات سو روپیہ قرض ہوا اور زید کی تجہیز و تکفین کے بعد صرف ساڑھے تین سو روپیہ باقی رہا تو دو سو روپے عمر کو دئے جائیں یعنی اسکے قرضہ کا نصف اور پچاس روپے بکر کو یعنی اسکے قرضہ کا نصف اور ایک سو روپے خالد کو یعنی اسکے قرضہ کا نصف۔ اور اگر کچھ دین صحت ہے اور کچھ دین مرض تو اول دَین صحت ادا کیا جائے اس سے جو کچھ مال باقی بچے اس سے دَین مرض ادا کیا جائے۔ جب بچا ہوا مال دَین صحت کی ادائیگی کیلئے کافی نہ ہو یا کافی تو ہو لیکن اسکے

ثُمَّ تُنَفَّذُ وَصَایَاہُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِیَ بَعْدَ الدَّیْنِ ثُمَّ

الحق الثالث ان تنفذ وصایاہ الخ ۱۲ — من مالہ ۱۲

یُقْسَمُ الْبَاقِیْ بَیْنَ وَرَثَتِہٖ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ وَاِجْمَاعِ الْاُمَّۃِ

الحق الرابع ۱۲ — ای بعد ما ھو مذکور فی القرآن ۱۲ کا عطائہ علیہ السلام للجدۃ السدس الحاقا بالام ۱۲

ترجمہ:۔ پھر (قرض ادا کرنے کے بعد تیسرا حق یہ ہے کہ) اس (مردہ) کی وصیتیں (اس کے) اس تہائی مال سے جاری کیجائیں جو قرض (ادا کرنے) کے بعد باقی رہا ہے پھر (وصیت پورا کرنیکے بعد چوتھا حق یہ ہے کہ) باقی مال اس (میت) کے ان (وارثوں) میں تقسیم کیا جائے جن کی توریث کتاب اللہ وسنت اور اجماع اُمت سے ثابت ہوئی ہے

۵۱ وَصَایَاہُ - وصایا وصیت کی جمع ہے جس کے لغوی معنی پند ونصیحت کے ہیں اور اصطلاح شرع میں یہ ہے کہ جو باتیں میت کے ذمہ واجب نہ تھیں اُس نے مرض موت میں بطور تبرع ان کو لازم کرلیا۔ مثلاً کسی کا قرض معاف کر دیا، یا کہا کہ میرے مرنے کے بعد کنواں یا مسجد بنوا دینا، یا مدرسہ، مسجد اور خانقاہ کو اسقدر روپیہ دیدینا۔ مُوصِی بکسر صاد وصیت کرنے والا۔ موصٰی لہٗ، صاد کے فتحہ کے ساتھ وہ شخص جس کے واسطے وصیت کی گئی ہو۔ مُوصٰی بہٖ وہ چیز جس کی وصیت کی گئی ہو۔ وَصِی وہ شخص جس کو مُوصِی اپنی موت کے بعد تصرفات جاری کرنے کے لئے اپنا نائب اور وکیل قرار دے۔ وصیت کے واسطے چند شرائط ہیں۔ وصیت کرنے والا عاقل بالغ آزاد ہو اور اس کے ذمہ اتنا قرض نہ ہو کہ اس کو ادا کرنے کے بعد کچھ مال باقی ہی نہ رہے نیز اس نے وصیت سے صریحاً یا دلالۃً رجوع نہ کیا ہو۔ صریحاً یہ کہ موصی کہے کہ میں اس وصیت سے رجوع کرتا ہوں یا اس کو جاری کرانا نہیں چاہتا یا اس وصیت کو فسخ کرتا ہوں۔ جب تک موصی زندہ ہے اسکو اس طرح وصیت کو باطل کر دینے کا پورا اختیار ہے۔ دلالۃً یہ کہ موصی اپنی زندگی میں کوئی ایسا تصرف اور فعل کرے جس سے معلوم ہو کہ وصیت سے پھر گیا تب بھی وصیت باطل ہو جائے گی مثلاً ایک زمین کی کسی کے لئے وصیت کی تھی پھر اسی زمین میں اپنا مکان بنا لیا یا گائے کی وصیت کی تھی اور پھر اسی کو بیچ ڈالا، یا کسی کپڑے کے تھان کی وصیت کی تھی پھر اسی کو قطع کر کے کپڑے بنوالئے تو ان سب صورتوں میں سمجھا جائیگا کہ وصیت سے پھر گیا۔ موصٰی لہٗ میں یہ شرط ہے کہ وہ وصیت کے وقت زندہ موجود ہو اگرچہ وہ ابھی شکم مادر سے پیدا نہ ہوا ہو یعنی حمل کے لئے بھی وصیت جائز ہے بشرطیکہ وہ شکم مادر میں بدلیل قطعی موجود ہو مثلاً وصیت سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہوا ہو۔ نیز وہ موصٰی لہٗ میراث سے اجنبی ہو یعنی مرنے کے بعد وہ میت کا وارث نہ ہو کیونکہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔ ہاں اگر اور موجودہ بالغین ورثا اس کی اجازت دیدیں تو ان کے حصہ میں جاری ہو جائے گی۔ غیر حاضر بالغان اور نابالغوں کے حصہ میں

جاری نہ ہوگی اور نیز وہ موصیٰ کا قابل نہ ہو۔ موصیٰ بہ میں یہ شرط یہ ہے کہ وہ قابلِ تملیک شئے ہو یعنی غیر کی ملک میں رہنے کے لائق ہو خواہ وہ کوئی معین چیز مکان، کپڑا، زیور، جانور وغیرہ ہو یا ایسا حق ہو جو مملوک ہو سکے۔ مثلاً ایک مکان کی نسبت وصیت کی کہ زید کو اس میں اتنی مدت تک سکونت کرنے دینا یا فلاں مکان میں ہمیشہ فقراء اور مسافر رہا کریں۔ اس صورت میں مکان وارثوں کی ملک ہو جائیگا مگر حقِ سکونت زید کو یا فقراء و مسافرین کو حاصل رہے گا پس اگر کسی ایسے حق کی وصیت کی جو قابلِ تملیک نہیں تو وصیت صحیح و معتبر نہ ہوگی مثلاً زید سے کہا کہ مجھ کو جو خالد پر مقدمہ ہتک عزت دائر کرنیکا حق حاصل تھا وہ تجھ کو بخشتا ہوں تو یہ صحیح نہ ہوگی۔ وصیت کا حکم یہ ہے کہ موصی لہٗ اس چیز کا بملک جدید مالک ہو جاتا ہے جیسے ہبہ کی صورت میں موہوب لہٗ مالک ہو جاتا ہے ۱۲

۵۲ قولہ مِنْ ثُلُثِ الخ یعنی تجہیز و تکفین اور ادائیگی قرضہ کے بعد جو مال باقی رہا ہے اُس کی تہائی سے وصیت جاری کی جائے گی، نہ اصلی مال سے۔ پس اگر تجہیز و تکفین اور دیون دونوں میں سے ایک ہی پایا جائے۔ مثلاً تجہیز و تکفین پائی جاتی ہے اور میت کے ذمہ قرضہ نہیں تو تجہیز و تکفین کے بعد جو مال باقی بچا ہے اُسکی تہائی میں وصیت جاری ہوگی یا میت کے ذمہ قرض تو ہے مگر تجہیز و تکفین واقع نہیں ہوئی اس طرح پر ایک شخص جل گیا یا درندہ نے اُس کو کھالیا تو اس صورت میں ادائیگی قرضہ کے بعد جو مال باقی بچا ہے اُس کی تہائی میں وصیت کی جائے گی۔ اور اگر تجہیز و تکفین اور قرض دونوں ہی نہ پائے جائیں اس طرح کہ ایک شخص جل گیا یا درندے نے اُس کو کھالیا اور اس کے ذمہ قرضہ بھی نہیں ہے تو تمام مال کی تہائی سے وصیت جاری ہوگی اور اگر میت کا کوئی وارث نہیں یا وارث تو ہے مگر وہ تمام مال کے ثلث سے تنفیذ وصیت کو جاری رکھتا ہے تو بھی کل مال کے ثلث سے وصیت جاری ہوگی۔ یہ تہائی مال میں وصیت کا جاری رکھنا اس صورت میں ہے جبکہ تہائی مال یا زیادہ کی وصیت کی ہو اور اگر ثلث مال سے کم کی وصیت کی ہے تو اسی مقدار میں وصیت پوری کی جائے گی اور باقی مال کو ورثار میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں۔ اگر تہائی سے زیادہ کی وصیت کی تو تہائی سے زیادہ میں باطل ہوگی۔ ہاں! اگر حاضرین بالغین ورثار اس کی اجازت دیدیں تو ان کے حصہ سے پوری کر دی جائے گی۔ غیر حاضرین بالغین اور نابالغین کے حصہ میں کمی نہ کی جائے گی ۱۲

۵۳ قولہ بَعْدَ الدَّیْنِ الخ علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ قرض کا ادا کرنا وصیت پر مقدم ہے اُن کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ قرض کا ادا کرنا وصیت سے پہلے ہے اور تم (قرآن میں) وصیت کو قرض سے پہلے پڑھتے ہو۔ ترمذی نے کہا ہے کہ اہلِ علم کا عمل اس حدیث پر ہے۔ اس پر شبہ اور اس کے جواب کو ہم سابق میں لکھ چکے ہیں۔ ۱۲

۵۴ قولہ ثُمَّ یُقْسَمُ الخ یعنی تجہیز و تکفین و ادائے دیون اور اجرائے وصیت کے بعد جو مال باقی رہا ہے اُس کو ورثار کے درمیان تقسیم کیا جائے۔ واضح رہے کہ تاخیر قسمت کا فعل وہاں ہے جہاں حقوق متقدمہ پائے

جائیں اور اگر حقوق مذکورہ نہ ہوں تو وہاں قسمت سے ہی ابتدا ہوگی مثلاً کسی شخص کو درندے نے کھالیا اور اس کے ذمہ قرض بھی نہیں اور نہ اس نے کسی قسم کی وصیت کی تو اس صورت میں تمام مال ورثا میں تقسیم کردیا جائے گا اور قسمت کا محل وہاں ہے جہاں وارث متعدد ہوں اور اگر ایک ہی وارث ہے تو تمام مال اسی کا ہے سوائے زوجین کے کہ وہ سب مال کو نہیں پاتے۔

۵ قولہ وَرَثَتِہٖ۔ ورثہ وارث کی جمع ہے مثل قتلہ کے کہ قاتل کی جمع ہے۔ علماء فرائض کی اصطلاح میں وارث وہ ہے جو باقی رہے اُس شخص کے فنا ہو جانے کے بعد جس سے اُس باقی کا نسب یا سبب ثابت ہو ۱۲

۶ قولہ بِالْکِتَابِ یعنی ان وارثوں میں تقسیم کیا جائے جو کتاب اللہ میں مذکور ہیں جیسے باپ، ماں و زوج، زوجہ اور بیٹی، بیٹے اور بھائی، بہن کی میراث قرآن شریف سے ثابت ہے ۱۲

۷ قولہ وَالسُّنَّۃِ یعنی اور ان وارثوں پر تقسیم کیا جائے جن کی میراث سنت سے ثابت ہے۔ جیسے جدہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سدس دلایا تھا کیونکہ اس کا الحاق ماں کے ساتھ کیا تھا۔ جدہ کی حدیث ابوسعید خدری، مغیرہ بن شعبہ اور قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے عمران بن حصینؓ سے احمد، ابو داود اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا میرا پوتا مرا ہے پس اس کی میراث سے میرا کیا حق ہے حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا حق چھٹا حصہ ہے۔ جب وہ چلاگیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو بُلا کر فرمایا کہ تیرا حق اور سدس بھی ہے۔ جب وہ واپس ہوا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کو بُلا کر فرمایا کہ یہ دوسرا تیرا طعمہ ہے۔ آپ نے اس سدس کو اس لئے طعمہ فرمایا کہ وہ اصل فرض سے جو کہ متغیر نہیں ہوتا زائد تھا۔ پس پہلا سدس بطور فرض کے تھا اور دوسرا سدس عصبہ ہونیکے سبب سے اور سگی بہنوں کی وراثت لڑکیوں کے ساتھ بھی سُنت سے ثابت ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِجْعَلُوا الْاَخَوَاتِ مَعَ الْبَنَاتِ عَصَبَۃً یعنی بہنوں کو بیٹیوں کیساتھ عصبہ بناؤ۔ اہل شرع کے عرف میں مطلقاً لفظ سُنت سے دین کا طریقہ مُراد ہے خواہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل ہو یا صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کا۔ نانی کی میراث مغیرہ اور ابن مسلمہ رضی اللہ عنہما کی شہادت سے ثابت ہے ۱۲ ۸ قولہ وَاِجْمَاعِ الْاُمَّۃِ یعنی ان لوگوں پر تقسیم کیا جائے جنکی وراثت اجماع اُمت سے ثابت ہو چنانچہ دادی کی وراثت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجتہاد سے ثابت ہے اور اس پر تمام اصحاب کرام کا اجماع ہو گیا ہے جیسا بیان احمد، دارمی، ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے۔ اسیطرح دادا کو باپ کی طرح قرار دیا اور پوتے کو بیٹے کی طرح ٹھہرایا ہے۔ مصنفؒ نے اجماع کیساتھ اُمت کی جو قید لگائی ہے تو اس سے مراد اُمت محمدی کا اجماع ہے اس لئے کہ اس قید سے شرائع انبیائے سابقین کا اتفاق نکل گیا اور مجتہدین کا اجماع انہی اُمور پر ہوتا ہے جو کتاب و سنت سے قطعاً ثابت نہ ہوں یہاں اجماع اُمت سے مراد مجتہد کا اجتہاد ہے اس چیز میں جسکا حکم نہ قرآن میں منصوص ہو نہ سنت میں پس مجتہد کا قول ایسے مسئلہ میں کافی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ وارث وہ لوگ ہیں جنکی وراثت کلام الٰہی اور سنت نبوی اور اجماع اُمت سے ثابت ہے

فَيُبْدَأُ بِأَصْحَابِ الْفَرَائِضِ وَهُمُ الَّذِيْنَ لَهُمْ سِهَامٌ مُقَدَّرَةٌ
فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى ثُمَّ بِالْعَصَبَاتِ مِنْ جِهَةِ النَّسَبِ وَ
قدم العصبات النسبية على السببية لان النسب اقوى ۔ ای سہاما معینۃ
الْعَصَبَةُ كُلُّ مَنْ يَأْخُذُ مَا أَبْقَتْهُ أَصْحَابُ الْفَرَائِضِ وَ
فی اللغۃ بنو الرجل وقرابتہ لابیہ وفی الاصطلاح کما ذکرہ من الترکۃ ۱۲ ۔ فیہ ایماء الی ان اصحاب الفرائض لو لم یستغرقوا المال
عِنْدَ الْاِنْفِرَادِ يُحْرِزُ جَمِيْعَ الْمَالِ ثُمَّ بِالْعَصَبَةِ مِنْ جِهَةِ
نصیب عصبات ۱۲ ۔ ای یاخذ ویجمع ۱۲ ۔ اذا لم یکن العصبۃ من جہۃ النسب ۱۲
السَّبَبِ وَهُوَ مَوْلَى الْعَتَاقَةِ ثُمَّ عَصَبَتُهُ عَلَى التَّرْتِيْبِ
ای بسبب نعمۃ الاعتاق ۱۲ ۔ اذا لم یکن مولی العتاقۃ ۱۲

ترجمہ:۔ پس (ترکہ کی تقسیم) شروع کیا جائے اصحابِ فرائض سے۔ اور (اصحاب فرائض) وہ لوگ ہیں جن کے حصے قرآن پاک میں معین ہیں پھر ان عصبات سے جو نسب کی جہت سے ہوں۔ اور عصبہ ہر وہ شخص ہے جو (ترکہ سے) اس مال کو لے لے جو اصحابِ فرائض نے باقی چھوڑا ہے اور تنہا ہونے کی حالت میں تمام مال لیلے پھر (عصبہ نسبیہ کے نہ ہونے کی صورت میں) (اصحاب فرائض کے بقیہ مال کی تقسیم) اس عصبہ سے شروع کی جائے جو سبب کی جہت سے ہو اور وہ مولی العتاقہ (یعنی معتق آزاد کرنے والا) ہے۔ پھر (آزاد کرنے والے کے نہ ہونے کی صورت میں) اسی ترتیب پر اس کے عصبہ سے شروع کی جائے۔

۱؎ فَيُبْدَأُ بِأَصْحَابِ الْفَرَائِضِ یعنی پس ترکہ کی تقسیم اصحابِ فرائض سے شروع کی جائے اسلئے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ یعنی فرائض (حصے) ان کے مستحقین کو پہنچاؤ پھر جو کچھ ان سے باقی رہے وہ اس شخص کے لئے ہے جو مردوں میں سے میت کے بہت نزدیک ہو اس کو بخاری ومسلم، احمد اور ترمذی نے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر عصبات کو اصحابِ فرائض پر مقدم کردیا جائے تو اہلِ فرائض کی محرومی لازم آئے اور یہ قطعاً ناجائز ہے ۱۲

۲؎ قولہ مُقَدَّرَةٌ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ یعنی اصحابِ فرائض وہ ہیں جن کے حصے کتاب اللہ میں معین ہیں وہ ماں باپ، شوہر، زوجہ، بیٹے، بیٹیاں اور بھائی بہنیں ہیں۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت فعلی میں معین ہیں۔ مثلاً پوتی بیٹی کے ساتھ حقیقی بہنیں بیٹی کے ساتھ اور نانی یا سنت قولی میں مثلاً دادی یا اجماع میں معین ہیں مثلاً پوتا اور دادا مصنفؒ نے اقوی ہونے کی بنا پر کتاب اللہ کے ذکر پر اکتفا کیا ہے

سنت اور اجماع کا ذکر نہیں کیا یا یہ جواب دیا جائے کہ مقدر بالسنۃ اور اجماع بھی حقیقت میں مقدر بالکتاب ہی ہے۔ ۵۳ قولہ بِالْعَصَبَاتِ مِنْ جِهَةِ النَّسَبِ۔ یعنی پھر اصحاب فرائض کے بعد عصبات نسبیہ کو وارث ملے گی۔ عصبات کی تاخیر پر یہ دلیل ہے کہ اصحاب فرائض کی وراثت بہت قوی ہے اس لئے کہ صاحب فرض کبھی ساقط نہیں ہوتا گو صاحبان فرض تمام ترکہ لے لیں۔ بخلاف عصبہ کے کہ وہ ایسے وقت میں ساقط ہو جاتا ہے۔ عصبات نسبیہ وہ لوگ جو قرابت کی وجہ سے مستحق میراث ہوتے ہیں۔ یا یوں کہو نسب سے عصبہ میت کے ایسے قرابت والے عصبات ہیں جن کے لئے حصہ مقرر نہیں اگر تنہا ہوں تو کل ترکہ انکو مل جائے اور اگر اصحاب فرائض کے ساتھ ہوں تو جو ان اصحاب فرائض سے بچے اُن کو ملے جیسے بیٹا، بھائی، بھتیجا۔ ان کے عصبات سببی پر مقدم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عصبات نسبی قوی تر ہیں عصبات سببی سے۔ کیا یہ تم نہیں دیکھتے کہ ترکہ کا رد اصحاب فروض نسبی پر ہوتا ہے نہ اصحاب فروض سببی پر کہ شوہر اور زوجہ ہیں۔ غرضیکہ نسبی کا تقدم قرابت حقیقی کی وجہ سے ہے اور عصبہ سببی قرابت حکمی کی وجہ سے بنتا ہے۔

۵۴ قولہ وَالْعَصَبَةُ عصبہ عین اور صاد کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ مغرب میں لکھا ہے عصبہ کا لفظ عاصب کی جمع ہے اگرچہ لفظ عاصب مسموع نہیں پھر عصبہ کا اطلاق واحد، جمع اور مذکر، مؤنث پر بطور غلبہ کے ہوتا ہے۔

۵۵ قولہ اَصْحَابُ الْفَرَائِضِ۔ یہاں اصحاب فرائض سے مراد جنس اصحاب فرائض ہے۔ اصحاب کی فرائض کی طرف اضافت بطور جنسیت ہے پس اس جگہ جو یہ نقض وارد ہوتا ہے عصبہ کی یہ تعریف جو ماتن نے کی ہے جامع نہیں ہے اس لئے کہ ایک صاحب فرض ہونے کی صورت میں بھی عصبہ بقیہ مال لے لیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص مرا اور اس نے ایک بیٹی اور بھائی چھوڑا تو نصف ترکہ بیٹی کو اور نصف باقی بطور عصوبت کے بھائی کو ملے گا اس حالت میں تعریف مذکورہ صادق نہیں اس لئے کہ عصبہ نے باقی اصحاب فرائض نہیں لیا بلکہ ایک صاحب فرض کا باقی لیا۔ مندفع ہو گیا۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ اصحاب فرائض سے مراد جنس اصحاب فرائض ہے جو واحد اور کثیر دونوں کو شامل ہے لہذا اس میں شک نہیں کہ مثال مذکور میں بھائی نے جنس اصحاب فرائض کا جو بیٹی ہے بقیہ مال لیا۔۱۲

۵۶ قولہ جَمِيعَ الْمَالِ اَیْ مِنْ جِهَةٍ وَّاحِدَةٍ یعنی تنہا ہونے کی صورت میں تمام مال جہت واحد سے لیتے۔ جہت واحد کی قید سے اس جگہ جو یہ شبہ وارد ہوتا تھا "عصبہ کی یہ تعریف دخول غیر کو مانع نہیں اس لئے کہ یہ تعریف صاحب فرض پر بھی جبکہ وہ عصبہ سے خالی ہو صادق آتی ہے کیونکہ وہ بھی عصبہ کی طرح تمام مال لے لیتا ہے" جاتا رہا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ حالت مذکورہ میں صاحب فرض بعض مال کا بطور فرضیت مستحق ہوتا ہے اور بقیہ مال کا بسبب رد مالک ہوتا ہے۔ اس جواب پر یہ خدشہ وارد ہوتا ہے کہ بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہوتی ہیں حالانکہ تنہا ہونے کے وقت ایک جہت سے وہ تمام مال کی وارث نہیں ہوتیں۔ پس عصبہ کی تعریف جامع نہیں ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عصبہ سے مراد عصبہ بنفسہ ہے پس عصبہ مع غیرہ یا

عصبہ بغیرہ کو شامل نہ ہوگا بلکہ وہ دونوں درحقیقت اصحابِ فرائض میں سے ہیں جیسا کہ عصبات کی فصل میں عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا یہ جواب مخدوش ہے اس لئے کہ جب تعریف مذکور عصبہ بنفسہ کے ساتھ خاص کر دی گئی تو کلام مصنفؒ سے عصبہ بنفسہ کا عصبہ سببیہ پر مقدم ہونا مفہوم ہوتا ہے باوجودیکہ یہ تقدیم عصبہ بنفسہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس تقدیم میں عصبہ بنفسہ کے ساتھ عصبہ بغیرہ اور عصبہ مع غیرہ دونوں شریک ہیں ممکن ہے کہ اصل شبہ کا جواب یہ دیا جائے کہ مصنفؒ کے اس قول وَعِنْدَ الْانْفِرَادِ میں واؤ بمعنی او منع خلو کے لئے ہو جو احد المعطوفین کے پائے جانے اور اجتماع معطوفین کے منافی نہیں بلکہ صرف دونوں سے خالی ہونے کے منافی ہے۔ ۱۲

ش٥ وَهُوَ الخ یعنی عصبہ سببی مولائے عتاقہ آزاد کرنے والا ہے اس کو عصبہ سببی کہتے ہیں اس لئے کہ اسکی عصوبت آزاد کرنے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے نہ بسبب قرابت کے حاصل کلام یہ ہے کہ اگر میت اصل میں کسی کا غلام ہو اور اس کے مولٰے نے اُسے آزاد کر دیا ہو یا استحقاقاً خود بخود آزاد ہو گیا ہو اور وہ کوئی اپنا عصبہ نسبی نہ چھوڑے تو اسکا مال اس آزاد کرنے والے کو مرد ہو یا عورت بطور عصوبت کے پہنچے گا پس آزاد کرنے والا عصبہ سببی ہے۔ مثلاً کسی شخص نے لونڈی یا غلام کو آزاد کیا تو اس لونڈی یا غلام کی وراثت اس آزاد کرنے والے کو پہنچے گی اور وہ ان کے متروکہ کا مالک ہو جائے گا اور اس کو ولائے عتاقہ اور ولائے نعمت کہتے ہیں۔ اور آزاد کرنے والے کو مولائے عتاقہ بولتے ہیں۔ آزاد کرنے والے کے عصبہ ہونیکی دلیل یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی دختر نے ایک غلام آزاد کیا اس کے بعد وہ غلام مرگیا جس نے ایک بیٹی چھوڑی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میت کا نصف مال اس کی بیٹی کو دلایا اور نصف حضرت حمزہؓ کی بیٹی کو۔ اس سے معلوم ہوا مولائے عتاقہ رد سے مقدم ہے یہ اس پر بھی دلیل ہے کہ ذوی الارحام سے بھی مقدم ہو۔ یہی حنفیہؒ کے نزدیک مختار ہے لیکن عمر بن خطاب، ابن مسعود، ابن عباس اور زید بن علی اور ناصر رضی اللہ عنہم سے روایت کی گئی ہے کہ آزاد کرنے والا میت کے ذوی الارحام کے بعد وارث ہوتا ہے اور ان حضرات کے علاوہ باقی حضرات اس طرف گئے ہیں کہ وہ ذوی الارحام پر مقدم ہوتا ہے اور ذوی الفروض کے بعد جو باقی رہے وہ لیتا ہے اور نسبی عصبہ کے ساتھ محروم ہوتا ہے کیونکہ آزاد کرنے والا تو آخری عصبہ ہے اور یہ اس دلیل سے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ولم یترک وارثا۔ یعنی اس نے کوئی وارث نہ چھوڑا۔ علماء نے فرمایا ہے کہ وارث سے مراد عصبہ نسبی ہے مطلب یہ ہے اگر میت نے کوئی عصبہ نسبی نہ چھوڑا ہو تو آزاد کرنے والا عصبہ ہوگا دختر حمزہؓ کی دلیل سے کہ ان کو بطور عصوبت میراث دلوائی اس سے معلوم ہوا کہ وارث عصبہ سے آزاد کرنے والا مؤخر ہے لیکن ذوی الارحام کے مقدم ہے پس اگر آزاد شدہ کا کوئی عصبہ نسبی نہ ہو تو اُس کی میراث آزاد کرنے والے کے لئے ہوگی اور اس کی تاویل یہ ہے کہ وہاں کوئی ایسا ذی فرض بھی موجود نہ ہو جس کا حق دو طرح سے ہے مثلاً باپ کہ وہ حق فرض بھی لیتا ہے اور

باقی کو بطور عصوبت بھی لیتا ہے تو ایسا صاحب فرض بھی نہ ہو اور اگر ایسا صاحب فرض موجود تو بعد اپنے فرض کے باقی بھی لے لیگا کیونکہ وہ عصبہ ہے اور عصبہ وہ شخص ہے جو باقی بچا ہوا لیلے اور ظاہر ہے کہ عصبہ سے قبیلے کی وجہ سے استعانت ہوتا ہے اور موالی کی ذات سے نصرت ہوتی ہے ۔

شہ قولہ ثُمَّ عَصَبَتِہٖ الخ یعنی پھر مولی العتاقہ کے نہ ہونے کی صورت میں میراث علی الترتیب آزاد کرنے والے کے عصبہ پر تقسیم کی جائے گی ۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اپنا کوئی عصبہ نسبی نہ چھوڑے اور آزاد کرنے والا بھی نہ رہا ہو تو آزاد کرنے والے کے عصبۂ مذکر کو میراث بطور عصوبت پہنچے گی اس لئے کہ ولاء میں عورتوں کا کچھ حق نہیں ہے ۔ ہاں جس کو اُنھوں نے خود آزاد کیا ہو تو انکو اس کی میراث پہنچے گی ۔ اور اگر اُن کے باپ یا بھائی نے آزاد کیا ہے تو اس کی میراث عورتوں کو نہ ملیگی مثلاً آزاد کرنے والے کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے پس کل مال بیٹے کو ملے گا بیٹی کو کچھ نہ ملے گا حالانکہ وہ بھی بیٹے کے ساتھ عصبہ ہے لہٰذا مصنفؒ کو ضروری تھا کہ وہ اپنے کلام کو ذکور کی قید کے ساتھ مقید کرتے پس یوں کہتے ہیں (ثُمَّ عَصَبَتِہِ الذُّکُوْرِ عَلَی التَّرْتِیْبِ) مطلب یہ ہے کہ اول آزاد کرنے والے کے عصبہ نسبی کو میراث پہنچے گی اور اس کی عدم موجودگی صورت میں عصبہ سببی کو میراث ملے گی ۔ عصبۂ سببیہ کی دو قسم ہیں (۱) بلا واسطہ (۲) بواسطہ ۔ بلا واسطہ کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے غلام آزاد کیا اس کے بعد وہ غلام مرگیا اور اس نے سوائے اپنے آقا کے اور کوئی عصبہ نسبی نہ چھوڑا تو یہ شخص اس کا عصبہ سببی بلا واسطہ ہے ۔ اور بواسطہ کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے غلام آزاد کیا پھر اُس غلام آزاد نے ایک دوسرا غلام آزاد کیا اس کے بعد یہ دوسرا غلام مرگیا اور سوائے اُس شخص کے اس کے آزاد کرنے والے کا آزاد کرنے والا ہے اور کوئی عصبۂ نسبی نہ چھوڑا پس یہ شخص اُس کا عصبۂ سببیہ بواسطہ ہے ۔

ثُمَّ الرَّدُّ[۱] عَلٰى ذَوِي الْفُرُوْضِ النَّسَبِيَّةِ بِقَدْرِ[۲] حُقُوْقِهِمْ ثُمَّ

يعني عند عدم هؤلاء المذكورين يبدأ بالرحم الخ ۱۲

ذَوِي[۳] الْأَرْحَامِ ثُمَّ مَوْلَى[۴] الْمُوَالَاةِ ثُمَّ الْمُقَرِّ[۵] لَهٗ بِالنَّسَبِ

هم الذين لهم قرابة من الميت وليسوا العصبة ولا ذي سهم ۱۲

عَلَى الْغَيْرِ بِحَيْثُ لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهٗ بِاِقْرَارِهٖ مِنْ ذٰلِكَ الْغَيْرِ

ولا يكون للاحق ان يتضمن معنى الفصل عن بعلي ۱۲ فان ثبت يكون وارثا مستحقا على ما ثبت ويزاحم الورثة حقيقة ۱۲

اِذَا مَاتَ الْمُقِرُّ عَلٰى اِقْرَارِهٖ ثُمَّ الْمُوْصٰى[۶] لَهٗ بِجَمِيْعِ الْمَالِ

وان رجع عنه صح الرجوع ۱۲

ثُمَّ بَيْتُ[۷] الْمَالِ

ترجمہ :- پھر (عصبات نسبی اور سببی کے موجود نہ ہونے کی حالت میں) ذوی الفروض نسبیہ پر انکے حقوق کے مطابق رد کے ساتھ (دوبارہ تقسیم) شروع کی جائے پھر (ذوی الفروض نسبیہ اور کسی قسم کے عصبات موجود نہ ہونیکی صورت میں) ذوی الارحام کے ساتھ شروع کی جائے۔ پھر (اگر ذوی الارحام موجود نہ ہوں) تو مولی الموالات سے ابتدا کی جائے۔ پھر اگر (مولی الموالات بھی نہ ہو تو) اس شخص سے ابتدا کی جائے جس کے واسطے غیر پر نسب کا اقرار کیا گیا ہو اس طرح کہ اس (مقرلہ) کا نسب اس (میت) کے اقرار سے اس غیر سے ثابت نہ ہوتا ہو جبکہ مقر اپنے اقرار پر مرجائے۔ پھر (جبکہ مذکورہ بالا اشخاص موجود نہ ہوں تو) اس شخص کے ساتھ ابتدا کی جائے جس کے واسطے تمام مال کی وصیت کی گئی ہو پھر جبکہ مذکورین میں سے کوئی نہ پایا جائے تو بیت المال میں ترکہ رکھا جائے۔

[۱] قولہ ثُمَّ الرَّدُّ الخ یعنی اگر ذوی الفروض کے علاوہ کسی قسم کے عصبات نہ ہوں۔ نہ نسبی نہ سببی اور ذوی الفروض کا حصہ دینے کے بعد کچھ مال بچ رہے تو اس کو ذوی الفروض نسبیہ پر دوبارہ بطور ان کے حصہ رسدی کے مطابق تقسیم کیا جائے جس کا طریقہ باب الردمیں ذکر کیا جائے گا۔ ذوی الفروض نسبیہ یہ دس شخص ہیں۔ باپ، دادا، اخیافی بھائی، بیٹی، پوتی، سگی بہن، علاتی بہن، اخیافی بہن، ماں اور دادی ذوی الفروض نسبی کی قید سے ذوی الفروض سببی یعنی زوجین خارج ہوگئے اس لئے زوجین کو دوبارہ نہ دیا جائے گا زوجین پر اس وجہ سے رد نہیں ہوتا کہ ان کی میراث خلاف قیاس ہے اس لئے اُن کی رشتہ داری نکاح کی وجہ سے ہے جو مرتے ہی جاتی رہتی ہے اور جو چیز ایسی ہو کہ وہ نص سے تو

ثابت ہو مگر قیاس اس کو نہ چاہتا ہو تو اسمیں اسی قدر پر انحصار ہونا چاہیئے جس قدر نص میں وارد ہے اور ظاہر ہے کہ زوجین کے فرض پر زیادہ کرنے کی بابت کوئی نص وارد نہیں لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان کو دوبارہ دیا جائے گا (کذا فی شرح رائض الفرائض) ابن الضنادی نے فرمایا ہے کہ اس زمانے میں رد علی الزوجین پر فتویٰ ہے بیت المال فاسد ہونے کی وجہ سے ذخیرہ میں ہے کہ جو مال فاضل ہو زوجین سے وہ بیت المال میں نہ رکھا جائے بلکہ انھیں کو دوبارا دیا جائے کیونکہ وہ میت کی طرف سبب کی جہت سے اقرب ہیں بہ نسبت اور شخصوں کے اسی طرح رضاعی بیٹے اور رضاعی بیٹی کا حال ہے اور حاشیہ نجم زادہ میں ہے کہ آزاد کرنے والے کی بیٹیاں اور اس کے ذوی الارحام ہمارے زمانے میں وارث ہوتے ہیں جن کے آزاد کئے ہوئے کا کوئی وارث نسبی نہ ہو اور اسی طرح ہمارے زمانے میں رد دیر ثالث ہوگا اور انھوں نے مرتضاد سے نقل کیا ہے کہ اب اسی قول پر فتویٰ ہے پھر نجم زادہ نے بیان کیا ہے کہ کیونکہ اس پر فتویٰ نہ ہو کہ ہمارے زمانہ میں بیت المال نہیں ہے بیت المال تو صحابہ اور تابعین کے زمانے میں تھا اور اگر سلطان یا قاضی کو مال مذکور دیا جائے تو بیت المال کے مصارف میں خرچ نہیں کرتے۔

سے ۵۲ قولہ بِقَدْرِ حُقُوقِہِمْ الخ یعنی بقدر نسبت ان کے حقوق کے مال تقسیم کیا جائے اس طرح کے کہ جس کا ایک سہم واجب ہے۔ اس کو ایک سہم کی مقدار دیا جائے اور جس کے دو سہم ہوں اس کو دو سہم کی مقدار میں دیا جائے۔ ۱۲

سے ۵۳ ثُمَّ ذَوِی الْاَرْحَامِ الخ۔ یعنی ذوی الفروض نسبیہ اور کسی قسم کے عصبات کی عدم موجودگی میں ذوی الارحام پر ترکہ تقسیم کیا جائے۔ پس ذوی الفروض نسبیہ و سببیہ اور تمام عصبات کے نہ ہونے کی صورت میں تمام ترکہ ذوی الارحام پر تقسیم کیا جائے گا اور ذوی الفروض سببی کی موجودگی میں ذوی الفروض سببی میں سے ہر ایک کو حصہ دینے کے بعد جو مال بچا ہے اس کو ذوی الارحام پر تقسیم کیا جائیگا ذوی الارحام وہ قرابت دار ہیں جن کا نہ حصہ مقرر ہے اور نہ وہ عصبہ ہیں۔ خواہ میت کی ماں کی طرف سے قرابتدار ہوں یا اس کے باپ کی طرف سے۔ لغت میں ذو رحم اس کو کہتے ہیں جو ماں کی طرف سے رشتہ رکھے ۱۲

سے ۵۴ قولہ ثُمَّ مَوْلَی الْمُوَالَاۃِ - یعنی ذوی الارحام اور احد الزوجین نہ ہونے کی صورتمیں تمام ترکہ مولی الموالات کو ملے گا۔ اور ذوی الارحام کی عدم موجودگی اور احد الزوجین کی موجودگی میں احد الزوجین کا حصہ دینے کے بعد باقی مال کا مستحق مولی الموالات ہے۔ موالات کے لغوی معنی دوستی کے ہیں اور اصطلاح میں یہ ہے کہ ایک شخص مجہول النسب نے کسی دوسرے شخص سے یہ کہا کہ تو میرا مولیٰ ہے جب میں مرجاؤں تو میرے مال کا وارث ہونا اور اگر میں کسی کو قتل کردوں تو میری طرف سے خون بہا دینا اس دوسرے شخص نے کہا کہ میں نے اس کو قبول کیا۔ علمائے حنفیہ کے نزدیک یہ عقد درست صحیح ہوگیا اور قبول کرنے والا عاقد کے مرنے کے بعد اسکا وارث ہوگا اور جنایت کرنے کی صورتمیں اس کی

طرف سے خون بہا ادا کریگا۔ اور اگر عاقد اول کی طرح دوسرا شخص بھی مجہول النسب ہے اور اس نے بھی اسی طرح کہا عاقد اول نے اس کو قبول کر لیا تو اس صورت میں یہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور ایک دوسرے کا خون بہا دیں گے۔ عاقد مجہول النسب کے لئے عقد موالات سے رجوع کرنا جائز ہے جب تک اسکے مولیٰ نے اُس کی طرف سے جنایت کا خون بہا نہیں دیا ہے مولائے موالات کا وارث ہونا حضرت عمر فاروق و علی مرتضیٰ و ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اسی پر ابراہیم نخعی اور علمائے حنفیہ رح کا عمل ہے اور امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ مولی الموالات کا میراث میں سے کچھ حصہ نہیں ہے کیونکہ اسمیں بیت المال کا حق مٹانا لازم آتا ہے اس لئے کہ دوسرے وارث موجود کے حق میں یہ موالات جاری نہیں ہوتی ہے اور ہماری دلیل یہ آیت کریمہ ہے وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ یعنی جن لوگوں سے تمہارے ہاتھوں نے عقد باندھا ہے اُن کو اُنکا حصہ دیدو یہ آیت موالات کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص دوسرے کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اور اس سے موالات کر لی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیر لوگوں میں سے یہی اس کی زندگی و موت میں زیادہ حقدار ہے۔ یہ حدیث زندگی و موت دونوں حالتوں کے ذکر سے عاقلہ ہونے کا اور میراث کا اشارہ کرتی ہے اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی وابن ماجہ واحمد وابن ابی شیبہ اور دارمی و ابویعلی و دارقطنی اور عبدالرزاق نے تمیم الداری سے نقل کیا ہے اور امام بخاری نے اس کو (باب فرائض) میں معلق ذکر کیا ہے اور دلیل قیاسی یہ ہے کہ مال تو اس شخص کا حق ہے پس اس کو اختیار ہے جہاں چاہے صرف کرے اور بیت المال کی جانب صرف کرنا اس ضرورت سے ہوتا ہے کہ کوئی مستحق نہیں ہے نہ یہ کہ بیت المال کو استحقاق ہوتا ہے امام شافعی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ہمارے نزدیک ثابت نہیں کیونکہ اس کو عبدالعزیز بن عمر نے ابن موہب سے اور اُنھوں نے تمیم الداری سے روایت کیا ہے اور ابن موہب ہمارے نزدیک معروف نہیں۔ اور ہمارے علم میں تمیم الداری اور ان سے ملاقات نہیں ہوئی ہماری طرف سے یہ جواب ہے کہ شیخ ابن جوزی نے خود تقریب میں تحریر کیا ہے کہ عبداللہ بن وہب طبقہ ثالثہ سے ثقہ ہیں اور ذہبی نے فرمایا ہے اگر یحییٰ بن معین نے ان کو نہیں پہچانا تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ دوسروں نے ان کو ثقہ بیان کیا ہے وابن ابی شیبہ اور ابونعیم کی روایتوں میں مذکور ہے کہ ابن موہب نے کہا ہے کہ میں نے تمیم الداری سے اخذ کیا ہے پس امام بخاری و ترمذی کا یہ خیال کہ اُنھوں نے تمیم الداری کو نہیں پایا جاتا رہا اور بغیر دلیل تردید نہیں ہو سکتی۔ رہا یہ امر کہ عبدالعزیز بن عمر کے حافظہ میں بعض نے کلام کیا ہے سو وہ معتبر اور قابل قبول نہیں کیونکہ یہ صحیحین کے رواۃ میں سے ہیں اور ابن معین وابوزرعہ وابونعیم وابن عماد نے فرمایا ہے کہ وہ ثقہ ہیں لہٰذا یہ حدیث حجت ہو گئی۔

ولائے موالات کا سبب عقد ہے یعنی باہم موالات کا عہد و پیمان کرنا اور اسی وجہ سے ولاء کو اپنے سبب کی طرف مضاف کرکے ولائے عتاقہ اور ولائے موالات کہتے ہیں اور شرع میں ان دونوں کے معنی تناصر یعنی باہم ایک دوسرے کی مدد اور نصرت کرنا ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے اہل عرب بہت سی چیزوں سے باہم نصرت کرتے تھے اور آپ نے ولاء کی دونوں قسموں سے ان کا تناصر جائز رکھا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ قوم کا مولی اس قوم میں سے ہے اور فرمایا کہ قوم کا حلیف اس قوم میں سے ہے اور حلیف سے مراد مولی الموالات ہے کیونکہ اہل عرب موالات کو حلف سے موکد کرتے تھے اور رفاعہؓ بن رافع سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی قوم کا مولی (آزاد کیا ہوا غلام) اسی قوم میں سے ہے اور کسی قوم کی لڑکی کا بیٹا بھی اسی قوم میں سے ہے اور قوم کا حلیف بھی اسی قوم سے ہے۔ اس کو احمد اور بخاری نے ادب میں اور ابن ابی شیبہ اور طبرانی و حاکم نے روایت کیا ہے۔

اور اگر اس موالات کرنے والے کا کوئی وارث ہو تو اس کے مولائے موالات سے مقدم ہوگا اگرچہ یہ وارث اس کی پھوپی یا خالہ یا کوئی دوسرا ذوی الارحام میں سے ہو یعنی ذوی الارحام میں سے کوئی موجود ہو تو وہی وارث ہوگا اور مولی کو میراث نہ ملے گی کیونکہ موالات میں ان دونوں نے اپنے طور پر عقد باندھا ہے تو ان کا عقد باندھنا دونوں پر لازم نہ ہوگا یعنی دوسرے وارثوں کا حق نہیں مٹا سکتے اور ذوی الارحام بھی وارث ہوا کرتے ہیں واضح رہے کہ عقد موالات میں میراث کی اور عاقلہ ہونے کی شرط ضروری ہے کیونکہ ہر ایک اس وقت وارث ہو سکتا ہے جب اپنے اوپر لازم کرے اور یہ شرط ہی سے حاصل ہوگا اور اسکی ایک شرط یہ بھی ہے کہ نومسلم جو موالات کرنا چاہتا ہے اہل عرب میں سے نہو۔ کیونکہ اہل عرب کی باہم نصرت بذریعہ قبائل ہوتی ہے تو وہاں موالات کی کچھ حاجت نہیں اور یہ بھی شرط ہے کہ عقد ولاء کے وقت اس کا کوئی نسبی وارث موجود نہ ہو اور نہ اس کی طرف سے بیت المال یا مولائے موالات نے خون بہا ادا کیا ہو اور یہ حال وراثت مولائے موالات کا مثل ذوی الارحام کے ہے کہ اکیلا کل مال کا مستحق ہوتا ہے اور زوج و زوجہ کے ساتھ اسقدر مال کا مستحق ہے جو ان دونوں کا حصہ دینے کے بعد بچ رہے جیسے نواسا یا ماموں اگر زوج یا زوجہ کے ساتھ ہو تو جو کچھ ان دونوں کا حصہ دینے کے بعد بچے ذو رحم کو ملے اور اگر اکیلا ہو تو کل مال اسکو ملیگا

۵ ثُمَّ الْمُقَرُّ لَہٗ۔ یعنی جب مولی الموالات بھی موجود نہ ہو تو کل میراث مقرلہ بالنسب علی الغیر کو ملے گی بشرطیکہ احد الزوجین نہ ہو۔ اگر احد الزوجین بھی موجود ہو تو احد الزوجین کا حصہ دینے کے بعد باقی میراث اس کو دی جائے گی۔ مقرلہ بالنسب علی الغیر وہ شخص ہے کہ جس کے لئے میت نے ایسے نسب کا اقرار معتبر کیا ہو کہ وہ نسب غیر کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس غیر نے اس اقرار کو تسلیم نہ کیا ہو اور اقرار کرنے والا مرتے دم تک اپنے اقرار سے نہ پھرا ہو اس کی مثال یہ ہے کہ میت نے کسی مجہول النسب کو جو سن میں اس کے باپ کا بیٹا ہو سکتا ہے یہ کہدیا کہ میرا بھائی ہے تو یہ نسب میت کے باپ کی

طرف رجوع کرتا ہے یا میت نے کسی مجہول النسب کو جو اس کے دادا کا بیٹا ہو سکتا ہے یہ کہدیا کہ میرا چچا ہے تو یہ نسب میت کے دادا کی طرف رجوع کرتا ہے یا میت کے باپ نے پہلی صورت میں اور دادا نے دوسری صورت میں اس مجہول النسب کو اپنا بیٹا تسلیم نہیں کیا اور میت مذکور مرتے دم تک اپنے اس اقرار سے نہ پھرا ہو۔ واضح ہو کہ مقر لہ بالنسب علی الغیر ہونے کے لئے اور مولی الموالات کے بعد اس کے میراث پانے کے لئے چار شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ اقرار نسب جو میت نے کیا ہے وہ ایسا ہو جو شرعاً معتبر ہو تو اگر ایسا کیا ہے جو شرعاً معتبر نہیں جیسے میت نے کسی معروف النسب یا ایسے مجہول النسب کو جو اس کے باپ سے عمر میں بڑا یا برابر ہو یا اتنا سن نہیں رکھتا ہو کہ اس کے باپ کا بیٹا نہیں ہو سکتا اپنا بھائی کہدیا تو ایسا اقرار شرعاً معتبر نہیں تو ایسے مقر لہ کو کچھ نہ ملے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جس نسب کا میت نے اقرار کیا ہو وہ نسب غیر کی طرف رجوع کرتا ہو پس اگر وہ نسب خود میت کی طرف رجوع کرتا ہو جیسے میت نے کسی مجہول النسب کو جو اسکا بیٹا ہو سکتا ہے یہ کہدیا ہو کہ میرا بیٹا ہے تو یہ نسب خود میت کی طرف رجوع کرتا ہے تو یہ مجہول النسب مقر لہ بالنسب علی الغیر نہ ہوگا اور اس مرتبے میں یعنی بعد مولی الموالات کے میراث نہ پائے گا بلکہ سچ مچ کا بیٹا ہو جائیگا اور بیٹوں کے مرتبہ میں میراث پائیگا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس غیر نے جس کی طرف وہ نسب رجوع کرتا ہے اس اقرار کو نہ تسلیم کیا ہو پس اگر اس غیر نے اس اقرار کو تسلیم کر لیا مثلاً باپ اور دادا نے مثال مذکور صدر میں اس مجہول النسب کو جس کو میت نے اپنا بھائی یا چچا کہدیا تھا اپنا بیٹا ہونا تسلیم کر لیا ہو تو وہ مجہول النسب مقر لہ بالنسب علی الغیر نہ ہوگا اور مولی الموالات کے بعد میراث نہ پائیگا بلکہ سچ مچ کا بھائی یا چچا ہو جائے گا اور بھائی اور چچا کے مرتبہ میں میراث پائے گا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ میت مقر مرتے دم تک اپنے اقرار سے نہ پھرا ہو پس اگر مرنے سے پہلے اس اقرار سے پھر گیا ہو تو ایسے مقر لہ کو کچھ نہ ملے گا اس مسئلہ کی مثال یہ ہے کہ زید نے خالد کو کہا کہ یہ میرا بھائی ہے تو زید مقر ہے اور خالد مقر لہ اور عمر زید کا باپ ہے وہ "مقر علیہ" ہے یعنی جب خالد کو کہا کہ یہ میرا بھائی ہے تو زید کا باپ اسکا بھی باپ ٹھیرا اس صورت میں اگر زید کا کوئی وارث نہیں اور اس نے ایک مجہول النسب خالد کو بھائی کہا تو یہ اس کا مال بطریق میراث کے پائے گا لیکن مقر کے باپ سے اسکا نسب ثابت نہ ہوگا اور نہ اسکی میراث پائیگا اسلئے کہ آدمی کا اقرار اسکی ذات پر حجت ہے نہ غیر پر مجہول النسب کی قید اس لئے ہے کہ اگر میت نے ایسے شخص کے نسب کا اقرار کیا ہو جس کا نسب معروف ہو کہ فلانے کا بیٹا ہے اسکا بھائی یا چچا نہ ہو تو اس اقرار کا کچھ اعتبار نہیں ایسے مقر لہ کو کچھ نہ ملیگا۔ شافعیہ کے

نزدیک ہر حالت میں کسی مقر لہ بالنسب علی الغیر کو میراث سے کچھ نہ ملے گا ۱۲

ے۶ے قولہ ثُمَّ الْمُوْصٰى لَهٗ الخ یعنی جبکہ مذکورہ بالا اشخاص میں سے کوئی نہ ہو تو کل مال اس شخص کو دیا جائیگا جس کے واسطے میت نے کل مال کی وصیت کی ہو اس لئے کہ موصی نے اپنا مال ایک شخص کو بلا نقصان کسی شخص معین کے دینا چاہا تو یہ جائز ہے۔ ہاں اگر میت کا کوئی وارث معلوم ہو تو جائز نہ ہوگا کیونکہ اسمیں اس کی حق تلفی ہے بعض کہتے ہیں کہ اس زمانہ کے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس کے وارث موجود ہوں اس کی وصیت تہائی سے زیادہ میں بلا ان کی اجازت کے جاری نہیں ہوتی۔ ان کی اجازت سے تمام مال میں بھی جاری ہوسکتی ہے اور جس شخص کا کوئی وارث نہ ہو تو امام ابو حنیفہؒ اور انکے اصحاب و اسحاق اور احمد کا مذہب اس میں یہ ہے کہ اس کی وصیت تہائی سے زیادہ جائز ہے اور دوسروں نے اس صورتیں تہائی سے زیادہ کو جائز نہیں رکھا ہے پس جبکہ ایک بھی وارث نہ پایا گیا تو جس کے لئے موصی جو کچھ معین کر دیگا حنفیہؒ کے نزدیک وہ پورا اسکا مال ہوگا اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایسے شخص کو کچھ ترکہ نہ ملے گا کیونکہ اسمیں بیت المال کی حق تلفی ہے بلکہ صرف تہائی سے وصیت جاری ہوگی اگر موصی کا کوئی وارث موجود نہ ہو۔ اور اگر موصی لہ کے ساتھ احد الزوجین بھی ہو تو احد الزوجین کا حصہ دینے کے بعد بقیہ تمام ترکہ موصی لہ کو ملے گا۔

ے۷ے قولہ ثُمَّ بَيْتُ الْمَالِ۔ بیت المال بادشاہ اسلام کے خزانہ کو کہتے ہیں جسمیں مال خراج وغیرہ جمع رہتا ہے اور اہلِ استحقاق کو دیا جاتا ہے یعنی اگر مذکورہ بالا اشخاص میں سے کوئی شخص نہ ہو حتی کہ موصیٰ لہ بجمیع المال اور احد الزوجین بھی نہ ہو تو تمام ترکۂ میت بیت المال میں رکھا جائیگا اور احد الزوجین موجود ہونے کی صورت میں احد الزوجین کا حصہ دینے کے بعد بقیہ تمام مال بیت المال میں رکھا جائیگا احد الزوجین پر رد نہ ہوگا۔ اور اگر موصی لہ جس کو ثلث یا ثلث سے زائد مگر کل سے کم کی وصیت کی ہے کے علاوہ کوئی وارث نہیں تو بعد وصیت نکالنے کے بعد بقیہ ترکہ بیت المال میں رکھا جائے گا۔ بیت المال اگرچہ چار قسم کا ہے مگر متروکہ لاوارث کا بیت المال قسم چہارم ہے یعنی وہ بیت المال جس میں لاوارث اور ایسے مقتولین کی دیت کہ جن کا کوئی ولی نہ ہو اور وہ مال جو پڑا پایا جائے اور جس کا کوئی وارث نہ ہو داخل کیا جاتا ہے اور جس سے فقراء اور ان لوگوں کا جن کا کوئی ولی نہ ہو اور لقیط کا نفقہ و خرچ دوا و کفن و دیت جنایت وغیرہ ادا ہوتا ہے لقیط وہ زندہ بچہ جو پڑا پایا جائے کیونکہ بوجہ خوف عسرت و تہمت زنا کے بعض ڈال دیتے ہیں اور اسکا کوئی ولی و وارث نہ ہو۔ بیت المال میں اس ضرورت سے ترکہ رکھا جاتا ہے کہ جب کوئی وارث نہ رہے گا تو وہ مال ضائع سمجھا جائے گا اس لئے تمام مسلمانوں کا حق ہے کہ جیسے معدن میں کوئی چیز برآمد ہو یا کوئی مدفون خزانہ ایسا ملے جسکا کوئی مالک نہ ہو تو وہ حق مسلمانوں کا ہے اور یہ بطور میراث کے نہیں ہوتا کہ کل

اَلْمَانِعُ مِنَ الْاِرْثِ اَرْبَعَةٌ اَلرِّقُّ وَافِرًا كَانَ اَوْ نَاقِصًا

الاول ۱۲ — کالقن ۱۲ — ای المدبر والمکاتب وام الولد ۱۲

وَالْقَتْلُ الَّذِیْ یَتَعَلَّقُ بِهٖ وُجُوْبُ الْقِصَاصِ اَوِ الْكَفَّارَةِ

الثانی — کما فی القتل بالعمد ۱۲ — کما فی شبہ العمد او الخطاء ۱۲

وَاخْتِلَافُ الدِّیْنَیْنِ وَاخْتِلَافُ الدَّارَیْنِ اِمَّا حَقِیْقَةً كَا

والثالث ۱۲ — الرابع ۱۲

لْحَرْبِیِّ وَالذِّمِّیِّ اَوْ حُكْمًا كَالْمُسْتَاْمِنِ وَالذِّمِّیِّ اَوِ الْحَرْبِیَّیْنِ

ھو الکافر المجاھر المحارب فی دار الکفر ۱۲ — ھو الکافر الذی یؤمن فی ذمۃ الجزیۃ وھو فی دار الاسلام ۱۲

مِنْ دَارَیْنِ مُخْتَلِفَیْنِ وَالدَّارُ اِنَّمَا تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ

ای الحاکم

الْمَنَعَةِ وَالْمَلِكِ لِانْقِطَاعِ الْعِصْمَةِ فِیْمَا بَیْنَهُمْ

جمع مانع المراد بھم الجیش الذی یمنع وید فع الخصم ۱۲ ای عصمۃ الدماء والاموال فیما بینھم غالباً ۱۲

(یہ) فصل موانع (ارث کے بیان) میں ہے

ترجمہ:- ارث کے مانع چار ہیں (پہلا مانع) وارث کا بطور غلامی کے مملوک ہونا خواہ کامل ہو یا ناقص (دوسرا مانع) وہ قتل ہے جس کے ساتھ (فی نفسہ) قصاص یا کفارہ کا وجوب متعلق ہو اور (تیسرا مانع) وارث اور مورث کے درمیان دو دینوں کا مختلف ہونا ہے (چوتھا مانع) دو ملکوں کا اختلاف ہے خواہ حقیقۃً ہو جیسے حربی اور ذمی کے درمیان ہے خواہ حکماً جیسے مستامن اور ذمی کے درمیان یا دو حربی دو مختلف ملکوں کے درمیان ہے اور دار کا اختلاف بسبب اختلاف لشکر اور بادشاہ کے ہے انقطاع عصمت کی وجہ سے ان کے درمیان۔

سلہ قولہ فصلٌ۔ جب اسباب ارث کا بیان ہو چکا تو اب موانع ارث کا بیان کیا جاتا ہے اس لئے کہ ہر چیز کی تحقیق کے لئے فقط سبب کا وجود ہی کافی نہیں بلکہ اسکے ساتھ موانع کا ارتفاع بھی ضروری ہے ۱۲

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

مسلمان بھائی ہونے کی وجہ سے ایسے مال کے وارث سمجھے جائیں گے بلکہ ایسا مال لا وارث ہوتا ہے۔ دیکھو! جب

۵۲ قولہ المَوَانِع ۔ موانع مانع کی جمع ہے لغت میں مانع باز رکھنے والے اور بیچ میں آنے والے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں اس چیز کا نام ہے جس کے وجود سے عدم لازم ہو اور اس کے عدم سے وجود یا عدم لازم نہ ہو یہاں مانع سے مراد وہ ہے جس کے ہونے سے مقتضائے سبب نہ ہوسکے ؟

۵۳ قولہ اربعۃ ۔ یعنی موانع ارث چار ہیں ۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ موانع ارث آٹھ ہیں۔ چار تو یہی جو متن میں مذکور ہیں ۔ پانچواں وارث اور مورث کی موت کی تقدیم اور تاریخ کا نہ معلوم ہونا مثلاً چند رشتہ دار ایک کشتی میں ڈوب گئے یا آگ میں جل گئے یا لڑائی میں مارے گئے اور یہ معلوم نہیں ہوا کہ کون پہلے مرا اور کون بعد میں تو اس قسم کی اموات ایک دوسرے کی وارث نہ ہونگی لیکن طحطاوی نے ابن کمال سے نقل کیاہے کہ جہالت تاریخ مانع نہیں اس لئے اصطلاح میں مانع ارث وہ ہے جس سے وراثت کی اہلیت نوت ہوتی ہو پس اگر میراث سوائے اہلیت کے اور وجہ سے فوت ہوتی ہو تو مانع میں داخل نہیں ۔ پس جس نے ابہام تاریخ موتیٰ کو مانع کہا ہے اس نے غلطی کی ہے چھٹا مانع وارث کا معلوم نہ ہونا۔ مثلاً ایک عورت نے اپنے بچہ کے ساتھ کسی دوسرے کے بچے کو دودھ پلایا اور اچانک وہ مرگئی ۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ان دونوں بچوں میں سے اس کا بچہ کون سا ہے تو اس صورت میں دونوں لڑکوں میں سے کوئی دودھ پلانے والی کا وارث نہ ہوگا۔ اسی طرح ایک مسلمان کا بچہ اور ایک نصرانی کا ایک دایہ کے پاس دودھ پیتے تھے کہ اچانک دایہ مرگئی اور دونوں میں تمیز نہیں ہوسکتی کہ ان میں سے کون مسلمان کا بچہ ہے اور کون نصرانی کا دونوں اپنے باپوں کی میراث نہ پائیں گے لیکن اگر باہم صلح کرلیں تو میراث لینا جائز ہے نصفا نصف یا جسقدر پر صلح ہوئی ہے ۔ ساتواں مانع ردت یعنی مرتد ہونا اس لئے مرتد کا کوئی دین نہیں پس وہ اختلاف دین کے تحت میں داخل نہ ہوگا۔ آٹھواں مانع نبوت اس لئے انبیاء علیہم السلام نہ اپنے کسی رشتہ دار

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

کوئی ذمی کافر مرجائے اور اسکا کوئی وارث نہ ہو تو اسکا مال مسلمانوں کے بیت المال میں رکھا جاتا ہے اگر بطور وراثت کے ہوتا تو ایسا کیونکر کیا جاسکتا۔ کیونکہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا علاوہ اسکے بیت المال کا مال مسلمان عورت کو مرد کے لئے مساوی طور پر قابل تقسیم ہے اگر بطور وراثت کے ہوتا تو مرد کو عورت کے ساتھ مساوات نہ ہوتی جیساکہ مواریث میں ہے اگر بیت المال موجود نہیں یا موجود تو ہے مگر اس کے انتظام میں کچھ فتور و خلل واقع ہے تو ایسی حالت میں دوسرے مستحقین موجود نہ ہونے کی صورتیں زوجین پر رد کیا جائیگا بلکہ اگر ایسی صورتیں میت نے دختر رضاعی یا مولی العتاقہ کے عصبہ خیرہ یا مع غیرہ یا اسکے ذوی الارحام کو چھوڑا ہے تو میت کا ترکہ انہی لوگوں کو اگر وارث موجود نہ ہوں دیا جائے گا جیساکہ مجمع الانہر میں عینی سے اور اشباہ میں زیلعی سے اور جامع الرموز میں قنیہ سے نقل کیا ہے۔

سے میراث پا سکتے ہیں نہ ان کی میراث کسی کو پہنچتی ہے۔ بعضوں نے نواں مانع لعان بتلایا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ درحقیقت موانع پانچ ہیں۔ چار تو یہی جو متن میں مذکور ہیں پانچواں مرتد ہونا جیسا کہ استقراء شرعی اس پر دلالت کرتا ہے اور جو ان کے علاوہ موانع ہیں ان کو مجازاً موانع کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے اس لئے انتفاء ارث وجود مانع کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ انتفاء شرط یا انتفاء سبب کی وجہ سے ہوتی ہے۔

ف۵ قولہ الرق کے لغوی معنی بطور غلامی کے مملوک ہونا ہیں اور اصطلاح شرع میں عجز حکمی کو کہتے ہیں جو انسان کے ساتھ بوجہ کفر کے قائم ہوتا ہے یعنی غلام حکم شرع کی وجہ سے ان تصرفات سے عاجز ہوتا ہے جو آزاد کر سکتا ہے جیسے گواہی دینا اور حاکم بننا۔ اس کی دو قسمیں ہیں کامل اور ناقص۔ غلام کامل وہ ہے جس کے لئے آزادی کا سبب اصلاً منعقد نہ ہوا ہو جیسے (قن خالص غلام) ناقص وہ ہے جس کے لئے آزادی کا سبب منعقد ہو گیا ہو جیسے مدبر، مکاتب وام ولد اور امام مالکؒ وامام ابوحنیفہؒ کے نزدیک معتق البعض بھی مدبر وہ غلام ہے جس سے آقا یہ کہدے کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے اسکا حکم یہ ہے کہ آقا کو اسکا ہبہ کرنا اور رہن رکھنا جائز نہیں۔ مکاتب وہ غلام ہے جس سے آقا یہ کہدے کہ اتنے روپیہ ادا کر دے تو تو آزاد ہے اسکا حکم یہ ہے اگر وہ روپیہ قرار یافتہ ادا کر دیگا تو آزاد ہو جائیگا اور جب تک کل ادا نہ کریگا آزاد نہ ہوگا مملوک ہی رہے گا اور بغیر عاجز ہونے ادائے کتابت کے آقا کو اس کا فروخت کرنا جائز نہ ہوگا۔ ام ولد وہ کنیز ہے جس سے آقا سے بچہ پیدا ہو جائے وہ بچہ آزاد ہوگا اور اس کی ماں بھی آقا کی وفات کے بعد آزاد ہو جائے گی اگرچہ مالک نے اس کو آزاد نہ کیا ہو۔ مسئلہ اگر غیر کی کنیز سے کسی نے نکاح کیا اور شرط نہیں کی کہ اولاد آزاد ہوگی تو جو لڑکا یا لڑکی ہوئی تو وہ بھی مثل ماں کے غیر کے مملوک ہیں حتی کہ جب باپ مرا اور اس وقت تک وہ لڑکا یا لڑکی آزاد نہیں ہوئی تو وارث نہ ہوگی۔ غیر کی باندی سے زنا کیا اور بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ اگر آزاد بھی ہو جائے تو بھی وارث نہ ہوگا۔ جیسے آزاد کے ساتھ زنا سے پیدا ہوا اگرچہ نطفہ میں اسی کا نطفہ ہے حتی کہ نکاح کی حرمت متعلق ہوگی اور اگر منکوحہ کی اولاد اس کی موت کے وقت آزاد ہو چکی تو وارث ہے۔ معتق البعض وہ غلام ہے جسکا کچھ حصہ آزاد ہو گیا ہو صاحبین نے کہا ہے کہ جس غلام کا نصف یا ربع آزاد ہے وہ بمنزلہ آزاد کے ہے تو وہ وارث اور غیر کا حاجب ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ وہ وارث نہ ہوگا اور یہی امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ وہ وارث نہ ہوگا بلکہ اسکا مال اسکے وارث کو ملے گا۔ امام احمدؒ کا قول ہے کہ وہ بقدر اپنی حریت کے کہ جو اس میں ثابت ہے وارث و مورث اور حاجب ہوگا۔

ف۶ قولہ والقتل۔ دوسرا مانع ارث وہ قتل ہے جس کے سبب سے قصاص یا کفارہ واجب ہو

چنانچہ ترمذی اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَلْقَاتِلُ لَا یَرِثُ قتل کرنے والا اپنے مورث کی میراث نہیں پاتا نیز عبدالرزاق نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی کو قتل کیا تو قاتل اسکا وارث نہ ہوگا۔ نیز حضرت عمرؓ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا لَا مِیْرَاثَ لِقَاتِلٍ یعنی قاتل میراث سے محروم ہے۔ ابن سیرین نے عبیدۃ السلمانیؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا لَا مِیْرَاثَ لِقَاتِلٍ بَعْدَ صَاحِبِ الْبَقَرَۃِ یعنی صاحب بقرہ کے بعد قاتل اپنے مورث کی میراث سے محروم ہے۔ صاحب بقرہ کا قصہ سورۂ بقرہ میں اس طرح پر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے ایک شخص نے اپنے مورث (چچا) کو جو بڑا مالدار تھا اور اس کے ایک ہی لڑکی تھی مال و دولت اور لڑکی سے نکاح کے لالچ میں عمداً قتل کرکے اس کی لاش کو سیب کر قلعے کے پھاٹک کے سامنے ڈالدیا اور قلعے والوں پر تہمت رکھ کر اُن سے دیت کا مطالبہ کرنے لگا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بحکم ایزدی معلوم ہوا کہ قاتل خود یہی شخص ہے تو اپنے مورث کی میراث سے محروم کیا گیا اور یہ حکم شرعاً ایسے ہی قیامت تک باقی رہا کہ قاتل میراث سے محروم ہے اگرچہ مقتول کا اس کے سوا کوئی وارث نہ ہو اور اس پر اجماع منعقد ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے اگر قاتل بالغ وارث نے اپنے مورث کو ظلماً مار ڈالا تو یہ وارث میراث سے بالکل محروم رہے گا خواہ کسی کاٹنے والی دھار دار چیز سے قتل کیا ہو مثلاً تلوار، چھرا، کرچ، سنگین، بانس کی تیز کھپانچ وغیرہ یا کسی بڑی موٹی بھاری زور دار چیز سے مارا ہو جس کے مارنے سے عموماً آدمی مرجاتے ہیں جیسے مُرٹا نٹھر، بندوق، پتھر وغیرہ یا کسی چھوٹی چیز سے مرجائے جس سے عموماً لوگ نہیں مرجاتے مثلاً پتلی چھڑی، چھوٹا پتھر، قمچی، طمانچہ وغیرہ اور خواہ یہ قتل عمداً واقع ہوا ہو یعنی قتل کرنے کے قصد ہی سے مارا ہو پہلی صورت میں قتل عمد ہے جس کا موجب دو امر یعنی (عقبیٰ میں گناہ، دنیا میں قصاص) ہیں۔ اسمیں کفارہ نہیں ہے دوسری صورت میں شبہ عمد ہے۔ جس کا موجب گناہ اور کفارہ اور عاقلہ پر دیت۔ ہے اس میں قصاص نہیں ہے۔ یا خطاءً ایسا ہو گیا یعنی غلطی سے مار گیا مثلاً ہرن کے گولی یا تیر مارتا تھا نشانہ خطا کر گیا اور مورث پر جا لگا یا بندوق درست کر رہا تھا بلا قصد چل گئی اور مورث کے گولی لگ گئی یا کوئی چاقو یا بڑی چیز اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر مورث پر جا پڑی وہ اس کے صدمے سے مرگیا یا سوتا ہوا اپنے مورث پر گر پڑا یا چھت سے اپنے مورث پر گر پڑا اور اس کو ہلاک کر دیا یہ قتل خطا ہے جس کا موجب کفارہ اور عاقلہ پر دیت ہے اس میں گناہ اور قصاص نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ یا مجنون اپنے مورث کو قتل کرنے سے میراث سے محروم نہ ہونگے۔ اسی طرح اگر ظلماً نہیں قتل کیا بلکہ مورث ناحق اس پر حملہ کرتا تھا۔ اس نے اپنے بچانے کے لئے اس پر وار کیا اور وہ مورث مرگیا تو یہ وارث میراث سے محروم نہ ہوگا یا اس نے اپنے مورث کو بحکم حاکم حد یا قصاص میں قتل کر دیا تو یہ قاتل میراث

سے محروم نہ ہوگا اسی طرح اگر کسی اپنے رشتہ دار عورت کو زنا کی خطا پر مار ڈالا تو یہ مارنے والا وارث
محروم نہ ہوگا بشرطیکہ یہ جرم گواہوں سے ثابت ہوگیا ہو اور جس قتل سے قصاص اور کفارہ متعلق
نہیں وہ بھی میراث کا مانع نہیں جیسے قاتل بالسبب اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے
غیر کی زمین میں کنواں کھودا یا پتھر رکھا اور اس کا مورث اس کنویں میں گر کے یا پتھر سے ٹھوکر
کھا کر مرگیا تو کنواں کھودنے اور پتھر کا رکھنے والا اس کی میراث سے محروم نہ ہوگا اور قائد یعنی
کھینچنے والا اور سائق یعنی چلانے والا بھی میراث سے محروم نہیں ہوتے۔ شوافع کے نزدیک قتل سبب
بھی مانع ارث ہے حنابلہ کے نزدیک جو قتل ایسا ہے کہ اس پر قصاص یا دیت یا کفارہ واجب ہے
وہ میراث سے مانع ہے ورنہ نہیں اور مالکیہ کے نزدیک جو قتل خطا ایسا ہو کہ اس پر مال واجب
ہو تو قاتل وارث ہوگا اور جس پر دیت واجب ہو تو وہ وارث نہ ہوگا اور جو عمداً عداوت سے قتل
کرے تو وارث نہ ہوگا (کذا فی الشنشوریہ) یہاں پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ اگر باپ نے اپنے بیٹے کو
عمداً قتل کر دیا تو اس صورت میں نہ قصاص متعلق ہوتا ہے نہ کفارہ باوجودیکہ باپ سب کے
نزدیک میراث سے محروم ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل باپ کا اپنے بیٹے کو عمداً
قتل کرنا قصاص کا موجب تھا مگر وہ باپ کی تعظیم کی بنا پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس
ارشاد "باپ کو بیٹے کے قتل کرنے میں قتل نہ کیا جائے" اور "نہ آقا کو اپنے مملوک کے قتل کرنے میں
قتل کیا جائے" سے ساقط ہوگیا ہے باپ نے اگر فرزند کا ختنہ کیا اور پھوڑا چیرا اور اسی طرح کا کوئی اور
کام کیا اور فرزند مرگیا تو باپ محروم نہ ہوگا اور ادب کے لئے مارا کہ ناگاہ وہ مرگیا تو امام ابوحنیفہؒ
کے نزدیک باپ دیت کا ضامن اور میراث سے محروم ہے اور صاحبین کے نزدیک کچھ ضمان نہیں
اور محروم بھی نہ ہوگا اور اگر باپ کی اجازت سے معلم نے مارا کہ ناگاہ وہ مرگیا تو باپ بالاتفاق
کچھ ضامن نہیں نہ محروم

لہ قولہ اِخْتِلَافُ الدِّيْنَيْنِ الخ یعنی تیسرا مانع وارث اور مورث کے درمیان اسلام اور کفر
کے اعتبار سے ملت کا اختلاف ہے پس اگر مورث مسلمان ہے اور وارث کافر ہے خواہ ہندو ہو یا
عیسائی، یہودی ہو یا آتش پرست ہو یا آریہ تو اس کو اجماعاً مسلمان مورث کی میراث نہ ملے گی
اس پر حق تعالیٰ شانہ کا یہ قول وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (اللہ تعالیٰ
کافروں کو مسلمانوں کے مقابلے میں ہرگز غالب نہ فرمائیں گے) اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی
یہ حدیث عن اسامۃ بن زید قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یرث المسلم الکافر

وَالْكَافِرُ الْمُسْلِمَ متفق علیہ۔ یعنی حضرت اسامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے نہ کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے، شاہد ہے بلکہ جو وارث مسلمان ہیں۔ ان کو دی جائے گی مثلاً کسی ہندو کا بیٹا مسلمان ہوگیا اب اس کے انتقال پر باپ کو کچھ حصہ نہ ملیگا۔ ہاں اگر اس بیٹے کی کوئی زوجہ یا اولاد مسلمان ہو تو ان کو ترکہ دیا جائیگا اور اگر کوئی بھی مسلمان وارث نہ ہو تو بیت المال وغیرہ میں صرف کیا جائے گا اور اگر مورث کافر ہے اور وارث مسلمان ہے تو بھی اس کی میراث حضرت علی وزید اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول پر مسلمان وارث کو نہ ملیگی اسی پر ہمارے علماء حنفیہؒ کا عمل ہے اور یہی شافعیؒ کا مذہب ہے اور یہ استحسان ہے۔ یہ حدیث لَا يَتَوَارَثُ اَهْلُ الْمِلَّتَيْنِ شَتّٰی (یعنی دو مختلف دین والوں کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوتی) اس پر دلالت کرتی ہے بلکہ اس کے کافر وارث اگر موجود ہوں تو ان کو دی جائے گی اور اگر کوئی بھی نہ ہو تو بیت المال میں جمع کی جائے گی اسلام کے علاوہ جس قدر مذاہب اور فرق ہیں ان کا مقدمہ اگر اسلامی عدالت میں آئے تو ان میں اَلْكُفْرُ كُلُّهٗ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ (کفر کل کا کل ایک ملت ہے) کی بناء پر باہم میراث جاری کرائی جائے گی۔ مثلاً بیٹا یہودی ہے اور باپ نصرانی تو ان میں باہم میراث جاری ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ یا شوہر ہندو برہمن ہے اور زوجہ یہودی ہے ان میں سے اگر ایک مرجائے تو دوسرے کو میراث پہنچنے کا فیصلہ کیا جائے گا لیکن مسلمان کے انتقال پر ان فرقوں میں سے کسی شخص کو میراث نہیں مل سکتی اور نہ مسلمان کو ان فرقوں میں سے کسی کے مال سے کچھ حق مل سکتا ہے مثلاً اگر کسی مسلمان نے میم صاحب سے نکاح پڑھوالیا تو مسلمان شوہر کی وفات پر زوجہ کو میراث نہ ملے گی البتہ اگر مہر ادا نہ کیا ہو تو دلا جائے گا اور اگر میم صاحب شوہر کی زندگی میں فوت ہوگئیں تو شوہر کو کچھ بھی نہ ملے گا۔ دراصل اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا لیکن مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے پس جمہور صحابۂ کرام وتابعین اور تبع تابعین فرماتے ہیں کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا بعض صحابہ وتابعین جیسے حضرت معاذ ابن جبل، معاویہ، سعید ابن المسیب اور مسروق، حسن، محمد بن حنفیہ، محمد بن علی بن حسین وغیرہم اس طرف گئے ہیں کہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے اور امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے اور انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول اَلْاِسْلَامُ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰی عَلَيْهِ (یعنی اسلام برتر ہے اور اس پر کسی کو برتری نہیں) سے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد اسلام کی فضیلت کا بیان ہے غیر اسلام پر اور اس میں میراث سے کوئی تعارض نہیں اور مسلمان کے کافر کا وارث نہ ہونے میں جمہور کی یہ حدیث "لا یرث المسلم الکافر والکافر المسلم (نہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے نہ کافر مسلمان کا) صحیح ہے تو اس نص صحیح کو الاسلام یعلو ولا یعلے علیہ سے جس میں میراث سے کوئی تعارض نہیں ترک نہیں کیا جا سکتا (کذا فی الطیبی) لہٰذا مسلمان کسی کافر ومشرک

کا وارث نہ ہوگا اسی واسطے حضرت علی رضہ اور جعفر رضہ نے اپنے باپ ابوطالب کی میراث نہیں پائی بلکہ عقیل ابو
طالب جو اسوقت تک شرک پر تھے وارث ہوئے جیساکہ ابوداؤد اور بخاری ومسلم نے حضرت اسامہ رضہ سے روایت
کی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ این تنزل غدا فی دارک بمکۃ۔ قال و
ھل ترک لنا عقیل دورث ابوطالب ولم یرثہ جعفر ولا علی لانھما کانا مسلمین وکان عقیل وطالب
کافرہ۔ سوال۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ جب یہ مسئلہ ٹھہرا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا تو پھر مرتد کا مال
اس کے مسلمان وارثوں کو کیونکر پہنچتا ہے؟

جواب یہ ہے میراث مسلم کی مرتد سے حالت اسلام کی طرف مستند ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ مرتد کا وہ
مال اس کے مسلمان وارثوں کو دیا جاتا ہے جو اس نے حالت اسلام میں کمایا ہوا ہوتا ہے کیونکہ ارتداد سے
وہ ہالک ٹھہر گیا اس لئے زندگی سے مقصود ایمان تھا جو اس سے فوت ہوگیا اور جس کا مقصود فوت ہوگیا وہ
مثل معدوم کے ہے اس پر دلیل باریتعالی عزاسمہ کا یہ قول ہے اَوَ مَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ۔ یعنی جو
شخص کافر تھا ہم نے اس کو ہدایت کی لیکن اس پر بھی مرتد سے ہنوز بسبب نصیحت حاصل کرکے مسلمان ہوجانے
کی یا کسی کے جبر سے اسلام میں داخل ہوجانے کی امید ہے اس لئے موت کا حکم اس وقت تک ظاہر نہ
ہوگا جب تک اس کے قتل یا موت یا دار الحرب میں مل جانے کی وجہ سے امید منقطع نہ ہوجائے پھر جب
قطع امید کسی وجہ مذکور سے ہوگئی تو وہ ارتداد کے وقت سے میت ٹھہر گیا اور اس کے مسلمان وارث اسکی
میراث پائیں گے اور جو مال اس نے ارتداد کی حالت میں کمایا ہے اس میں وراثت جاری نہ ہوگی وہ مسلمانوں
کی غنیمت ہے اسی لئے مرتد مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا اس لئے کہ اس کی جانب سے استناد کے معنی
متحقق نہیں ہوتے یا اس لئے وہ مسلمان کا وارث نہیں کیا جاتا کہ اس کی ردت کی وجہ سے یہ ایک قسم
کی سزا ہوتی ہے جیساکہ وہ شخص جو اپنے مورث کو ناحق قتل کردے تو وہ اسکا وارث نہیں ہوسکتا پھر
بھی مرتد کیحالت ارتداد پر قائم رہنے کی زیادہ وجہ پائی نہیں جاتی اس لئے کہ اس کو اسلام کی طرف رجوع
کرنے کے لئے دبایا جاسکتا ہے پس اسلام کا حکم اس کے حق میں باقی رہے گا اسوجہ سے اسکا مسلمان وارث
اسکا مال پائیگا اور وہ کسی کا وارث نہ بنے گا اس لئے کہ اسلام کا حکم اس کے حق میں اس قدر معتبر ہے کہ اس سے
دوسرا نفع اٹھائے اور وہ دوسرے سے نفع نہ اٹھائے یہ امام ابوحنیفہ رہ کا مذہب ہے اور صاحبین کے نزدیک
اسلام او ارتداد کا مال مسلم وارث کا ہے یہ حکم مرد مرتد کا تھا اور اگر عورت مرتدہ ہوگئی تو امام اور صاحبین
سب کے نزدیک دونوں حالتوں کا مال مسلم وارث کے لئے ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مرتد کی دونوں
حالتوں کی کمائی کا مال بیت المال میں رکھا جائے گا اس مسئلہ کی مزید تفصیل آگے آئے گی ۱۲

۵۷ قولہ اِخْتِلَافُ الدَّارَیْنِ الخ یعنی چوتھا مانع میت کے وارث کے ملک وولایت کا مختلف
ہونا ہے یسلمان کا وارث تو کتنی ہی بعید ولایت اور مختلف ملک میں رہتا ہو اپنے مورث کے مال

سے محروم نہ رہے گا خواہ کتنا ہی بُعد المشرقین ہو اور دونوں کی سکونت مختلف سلطنتوں میں ہو۔ البتہ جو لوگ مسلمان نہیں انہیں اگر میت اور وارث دو مختلف ملکوں میں بستے ہوں اور ان سلطنتوں میں باہم صلح بھی نہ ہو تو دوسرے ملک کے رہنے والے میت کی میراث اس کے وارث کو نہ پہنچے گی اور مختلف ملکوں میں رہنا میراث سے محرومی کا باعث ہوگا۔ یاد رکھو اختلاف دارین غیر اہلِ اسلام میں ہمیشہ مانع ارث ہے بخلاف اہلِ اسلام کے کہ ان میں ہمیشہ مانع ارث نہیں ہے اگرچہ بعض صورتوں میں اہلِ اسلام میں بھی مانع ارث ہے جیسے ایک شخص دار الحرب میں مسلمان ہو کر وہیں رہ گیا اور دار الاسلام کو نہیں آیا اور اس کا بیٹا مسلمان دار الاسلام میں رہتا ہے یا مثلاً دو بیٹے دار الحرب میں مسلمان ہوئے اور ایک اُن میں سے وہیں مرگیا اور دوسرا دار الاسلام چلا آیا۔ ان دونوں صورتوں میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہونگے اگرچہ اہلِ اسلام ہیں۔

۵۸ قولہ اِمَّا حَقِيْقَةً یعنی دو ملکوں کا اختلاف حقیقۃً ہو جیسے حربی اور ذمّی میں۔ حربی وہ کافر ہے جو دار الحرب یعنی کافروں کے ملک میں رہتا ہو۔ ذمّی وہ کافر ہے جس نے اہلِ اسلام کے تابع ہوکر اور جزیہ قبول کر کے دار الاسلام میں سکونت اختیار کرلی ہو اور اہلِ اسلام نے اس کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہو اس کی نظیر یہ ہے کہ زید کافر ذمّی نے جزیہ قبول کر کے دار الاسلام میں سکونت اختیار کرلی۔ اور بکر کافر جو زید کا باپ ہے دار الحرب میں رہتا ہے اگر ان دونوں میں سے کوئی مرجائے تو ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا اگرچہ ملت یعنی کفر میں دونوں متحد ہیں لیکن دو ملکوں کے درمیان حقیقی اختلاف کی وجہ سے ان دونوں (ذمی و حربی) کے درمیان ولایت منقطع ہوگئی لہٰذا وراثت بھی جو ولایت پر مبنی تھی منقطع ہوگئی یہاں اختلاف دارین حقیقی ہے۔

۵۹ قولہ اَوْ حُكْمًا یعنی یا دو ملکوں کا اختلاف حکماً ہو جیسے مستامن اور ذمی میں۔ مستامن وہ دار الحرب کا رہنے والا کافر جو تجارت وغیرہ کے لئے اہلِ اسلام سے اجازت طلب کر کے ایک سال کے لئے دار الاسلام میں آیا ہو اور اسکا بیٹا جو ذمّی ہے دار الاسلام میں موجود ہے اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا اگرچہ یہاں دو ملکوں کا اختلاف حقیقی نہیں کیونکہ دونوں حقیقتاً ایک ہی ملک میں ہیں لیکن یہ اختلاف حکماً ہے اسلئے کہ مستامن دار الاسلام میں ہمیشہ رہنے والا نہیں اور ذمی ہمیشہ رہنے والا ہے پس مستامن کا ترکہ اس کے ملک کو بھیج دیا جائے گا۔ بیت المال میں صرف نہ کیا جائیگا۔ اور اگر دار الاسلام میں ذمّی مرگیا جس کا یہاں کوئی وارث نہیں حالانکہ دار الحرب میں وارث موجود ہیں تو اس کا ترکہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔

۶۰ قولہ اَلْحَرْبِيَيْنِ۔ یعنی یا دو مختلف ملکوں کے دو حربی ہیں تو یہ دونوں بھی انقطاعِ عصمت کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے کیونکہ جان کا خوف ہر ایک کو ہے۔ آگے

الحَرْبِيَيْنِ کو اگر اس پر محمول کیجئے کہ دو حربی اپنے مختلف ملکوں میں ہیں تو یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ اختلافِ دارین حقیقۃً کے قبیل سے ہے لہٰذا اس کو اختلافِ حقیقی کی مثال میں ذکر کرنا چاہئے تھا۔ اور اگر اس پر محمول کیجئے کہ دو حربی دو مختلف ملکوں کے بطریق استیمان دارالاسلام میں رہتے ہیں تو اس کی یہ حالت ہوگی کہ حقیقۃً ایک ملک میں ہیں اور حکماً دو مختلف ملکوں میں پس بہتر یہ تھا کہ اَوِ الحَرْبِیَیْنِ کی بجائے اَوِ المُسْتَامِنَیْنِ تحریر کرتے۔

لله قولہ وَالدَّارُ الخ یعنی دار کا اختلاف لشکر اور بادشاہ کے مختلف ہونیکے سبب سے ہوتا ہے کیونکہ لشکروں اور بادشاہوں کے مختلف ہونے سے دو مختلف ملکوں میں عصمت قائم نہیں رہتی جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے سے لڑنے اور قتل کرنے کو حلال جانتا ہے۔ پس اختلاف ممالک سے جو عصمت کا انقطاع مانا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ہر ایک ملک والا دوسرے ملک والے کے قتل کو حلال جانتا ہے اور جب اس پر قابو پاتا ہے مار ڈالتا ہے اس سے یہ بات بطور اشارہ کے مستفاد ہوتی ہے کہ اگر دونوں بادشاہوں کے درمیان اتحاد اور جنگ میں ایک دوسرے کی مدد کا معاہدہ ہو تو دونوں کا ملک واحد سمجھا جاتا ہے یاد رکھو دار کا اختلاف باعتبار لشکر اور سلطنت کے کفار کے حق میں متحقق ہوتا ہے نہ مسلمان کے حق میں اس بناء پر اہل بغی اور اہل عدل باہم ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اگرچہ باغیوں کا لشکر اور سلطنت علیحدہ ہو اور اہل عدل کی علیحدہ۔ کیونکہ دارالاسلام دارالاحکام ہے تو اسلام کا حکم ان سب کو شامل ہوگا اس لئے کہ انہیں لشکر اور سلطنت کے اختلاف سے تبائن نہیں مانا جائیگا اور دارالحرب تو دارالاحکام نہیں بلکہ دار قہر ہے اسلئے کہ وہاں اختلافِ لشکر اور سلطان سے تبائن دار متحقق ہے۔

تنبیہ۔ فصل الموانع میں مصنف علیہ الرحمۃ نے چار موانع کا ذکر کیا اور دو موانع کا بیان قلم انداز کر دیا (۱) ایک مانع ارث وارث و مورث کی تاریخ کا ابہام ہے یعنی جن وارث اور مورث کی موت کی تقدیم و تاریخ معلوم نہ ہو وہ آپس میں ایکدوسرے کا وارث نہوگا لیکن طحطاوی نے ابن کمال سے نقل کیا ہے کہ جہالت مانع نہیں اسلئے کہ اصطلاح میں مانع ارث وہ ہے جس سے وارث کی اہلیت فوت ہوتی ہو پس اگر میراث سوائے اہلیت کے اور وجہ سے فوت ہوتی ہو تو وہ مانع میں داخل نہیں پس جس نے ابہام تاریخ ہونے کو مانع کہا ہے اس نے غلطی کی ہے (۲) دوسرا مانع ارث وارث کے نسب کا مجہول ہونا ہے تو جب تک نسب وراثت معلوم نہ ہو محروم ہے۔ مثلاً (۱) ایک عورت اپنے بچہ کیساتھ کسی دوسرے شخص کے بچہ کو دودھ پلایا کرتی تھی کہ اچانک اسکا انتقال ہوگیا اب یہ معلوم نہیں کہ دونوں بچوں میں سے اسکا بچہ کونسا ہے تو اس صورت میں دونوں سے دودھ پلانیوالی کا کوئی وارث نہوگا (ب) ایک بچہ مسلمان کا اور ایک نصرانی کا دایہ کے پاس دودھ پیتے تھے کہ اچانک دایہ مرگئی اور دونوں میں تمیز نہیں ہو سکتا کہ انمیں سے کون بچہ مسلمان کا ہے اور کون نصرانی کا پس دونوں اپنے باپوں کی میراث نہ پائینگے لیکن صلح کریں تو میراث لینا جائز ہے پہلے مانع کا ذکر تو مصنفؒ نے فصل الغرقی والحرقی والہدمی میں کیا ہے لیکن دوسرے مانع کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے اسلئے احقر نے اسکا ذکر کر دیا۔

بَابُ مَعْرِفَةِ الْفُرُوْضِ وَمُسْتَحِقِّيْهَا

جمع فرض وهو عبارة عن التقدير والشئ المقدر ۱۲

اَلْفُرُوْضُ الْمُقَدَّرَةُ فِيْ كِتَابِ اللهِ تَعَالٰى سِتَّةٌ اَلنِّصْفُ وَ

المعينة فى باب الميراث ۱۲

الرُّبُعُ وَالثُّمُنُ وَالثُّلُثَانِ وَالثُّلُثُ وَالسُّدُسُ عَلَى التَّضْعِيْفِ

هو فرض اختصت به الزوجية ليس لاحد غيرها ۱۲

وَالتَّنْصِيْفِ وَاَصْحَابُ هٰذِهِ السِّهَامِ اِثْنَا عَشَرَ نَفَرًا اَرْبَعَةٌ

سواء ملوا استحقاقهم بانفس او بغيرها من الاناث ۱۲

مِنَ الرِّجَالِ وَهُمُ الْاَبُ وَالْجَدُّ الصَّحِيْحُ وَهُوَ اَبُ الْاَبِ وَاِنْ

واخره عن الثلاثة لكونه قريبا بما يجي تعريفه ۱۲ — ولما ابدالام فلا كم لكونه من ذوى الارحام ۱۲

عَلَا وَالْاَخُ لِاُمٍّ وَالزَّوْجُ وَثَمَانٍ مِنَ النِّسَاءِ وَهُنَّ الزَّوْجَةُ وَ

اى ابن الام من غير ابيه ويسمى اخيافيا ۱۲

الْبِنْتُ وَبِنْتُ الْاِبْنِ وَاِنْ سَفَلَتْ وَالْاُخْتُ لِاَبٍ وَالْاُخْتُ

لِاُمٍّ وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ الصَّحِيْحَةُ وَهِيَ الَّتِيْ لَا يَدْخُلُ فِيْ نِسْبَتِهَا

قدم الام على الجدة لكونها اقرب الى الميت منها ۱۲

اِلَى الْمَيِّتِ جَدٌّ فَاسِدٌ اَمَّا الْاَبُ فَلَهٗ اَحْوَالٌ ثَلٰثٌ

ترجمہ:- (یہ) باب حصص اور انکے مستحقین کے پہچاننے (کے بیان) میں ہے

سہام معینہ کتاب اللہ میں چھ ہیں۔ آدھا، چوتھائی، آٹھواں اور دو تہائی و تہائی و چھٹا بطریق دوگنا کرنے اور آدھا کرنیکے اور ان حصوں کے مستحق بارہ شخص ہیں۔ چار مردوں میں سے ہیں۔ وہ باپ ہے اور جد صحیح یعنی دادا اگرچہ عالی ہو اور مادری بھائی اور شوہر ہے اور آٹھ عورتوں میں سے ہیں اور وہ زوجہ، بیٹی، پوتی اگرچہ سافل ہو (یعنی پڑپوتی وغیرہ) حقیقی بہن، پدری بہن، مادری بہن اور ماں اور جدہ صحیحہ ہیں۔ اور وہ (جدہ صحیحہ) وہ ہے جس کو میت کی طرف منسوب کرنے میں جد فاسد داخل نہ ہو (پہلا مرد ذوی الفروض میں) باپ ہے اس کے تین حال ہیں۔

۵۱؎ قولہ اَلْفُرُوْضُ یعنی سہام جو کلام اللہ میں معین ہیں چھ ہیں۔ فروض مقدرہ کو سہام معینہ کے معنی میں لینے سے یہ اعتراض جاتا رہا کہ فروض کے بعد مقدرہ کا ذکر کرنا مناسب نہیں جیسا کہ محمد بن عمر بقری نے سبط ماردینی کی شرح رحبیہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ فرض کے معنی تقدیر کے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ الفروض المقدرۃ کہنا رکاکت سے خالی نہیں گویا کہا المقدرۃ المقدرۃ تکرار کے ساتھ۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ فروض سہام کے معنی میں ہے اور ان کی دو قسمیں ایک مقدرہ دوسری غیر مقدرہ۔ ان کو مقدرہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ایسے سہام ہیں کہ نہ بڑھتے ہیں اور نہ گھٹتے ہیں البتہ عول یا رد کی وجہ سے اُن میں کمی بیشی ہوجاتی ہے۔

۵۲؎ قولہ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ مقدرہ کو فی کتاب اللہ کی قید کے ساتھ مقید کرنے سے وہ سہام نکل گئے جو کلام اللہ میں معین نہیں ہیں۔ مثلاً احد الزوجین کا حصہ دینے کے بعد باقی کا ثلث ماں کا حصہ ہے جو کلام اللہ میں نہیں ہے بلکہ جمہور صحابہ و فقہاء کے اجتہاد سے ثابت ہے ایسے ساتواں نواں فروض عول سے ہیں جو کلام اللہ میں مقدر نہیں ہیں۔

۵۳؎ قولہ اَلنِّصْفُ بکسر نون و سکون صاد آدھے کو کہتے ہیں۔ یہ پہلا فرض ہے جس کو حق تعالیٰ شانہ نے تین جگہ ارشاد فرمایا ہے اور اس کے مستحق تین شخص ہیں۔ (۱) شوہر جبکہ زوجہ متوفیہ کی اولاد یا پسری اولاد نہ ہو اس کے لئے آدھا ہے وَلَکُمْ نِصْفُ مَا تَرَکَ اَزْوَاجُکُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھُنَّ وَلَدٌ۔ اور تم کو آدھا ملیگا اس ترکہ کا جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جائیں۔ اگر ان کے کچھ اولاد نہ ہو (۲) دختر صلبیہ جبکہ وہ ایک ہو (۳) دختر پسری جبکہ دختر صلبیہ نہ ہو باری تعالیٰ عز اسمہٗ کا ارشاد ہے وَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَۃً فَلَھَا النِّصْفُ۔ اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو (کل ترکہ کا) نصف ملے گا۔ (۴) عینی بہن جبکہ اس کے ساتھ میت کی اولاد نہ ہو (۵) علاتی بہن جبکہ عینی بہن نہ ہو حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے اِنِ امْرُؤٌا ھَلَکَ لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَہٗ اُخْتٌ فَلَھَا نِصْفُ مَا تَرَکَ یعنی اگر کوئی شخص مر جائے اور اسکے کوئی اولاد نہیں صرف ایک بہن ہے تو اس کو اس مال میں سے جو میت نے چھوڑا ہے آدھا ملے گا۔

۵۴؎ قولہ وَالرُّبُعُ بضم رای و سکون یا چوتھائی کو کہتے ہیں۔ یہ دوسرا فرض ہے۔ قرآن شریف میں دو جگہ آیا ہے اور اس کے مستحق دو شخص ہیں (۱) شوہر جبکہ زوجہ متوفیہ کی اولاد ہو خواہ اس شوہر سے خواہ دوسرے شوہر سے یا دونوں سے چنانچہ حق تعالے شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں فَاِنْ کَانَ لَھُنَّ وَلَدٌ فَلَکُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکْنَ۔ اور اگر ان بیبیوں کے کچھ اولاد ہو تو تم کو ان کے ترکہ سے چوتھائی ملیگا (۲) بیبیاں جبکہ شوہر کے کچھ اولاد نہ ہو۔ ارشاد باریتعالیٰ ہے وَلَھُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکْتُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّکُمْ وَلَدٌ اور ان بیبیوں کو چوتھائی ملے گا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ اگر تمہارے کچھ اولاد نہ ہو۔

۵۵؎ قولہ وَالثُّمُنُ بضم ثا، و میم ایک لغت میں سکون میم بھی آیا ہے آٹھویں کو کہتے ہیں۔ یہ تیسرا فرض ہے

جو کلام اللہ میں صرف ایک جگہ آیا ہے جو فقط زوجہ یا زوجات کا فریضہ ہے جبکہ شوہر متوفی کے اولاد یا پسری اولاد ہو خواہ اس بیوی سے خواہ پہلی بیوی سے یا دونوں سے حق تعالیٰ کا یہ قول ہے فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اور اگر تمہارے کچھ اولاد ہو تو ان بیبیوں کو تمہارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملیگا

سے قولہ وَالثُّلُثَانِ بضم ثاء و لام ۔ دو تہائی کو کہتے ہیں ۔ یہ چوتھا فرض ہے جس کے مستحق چار شخص ہیں (۱) دو یا زیادہ دختر صلبیہ جبکہ لڑکا نہ ہو (۲) دو یا زیادہ دختران پسری جبکہ کوئی دختر صلبی نہ ہو (۳) دو یا زیادہ عینی بہنیں جبکہ ان کا بھائی نہ ہو (۴) دو یا زیادہ علاتی بہنیں جبکہ عینی بہنیں نہ ہوں۔ کلام اللہ میں دو مقام پر اس کو ذکر کیا ہے ۔ بیٹیوں کے لئے فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملیگا اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ مرا ہے ۔ (۲) بہنوں کے لئے وَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۔ اور اگر وہ بہنیں ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گا ۔ اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ مرا ہے ؏

سے قولہ وَالثُّلُثُ بضم ثاء و لام اور سکون لام بھی آیا ہے تہائی کو کہتے ہیں ۔ یہ پانچواں فرض ہے جسکے دو شخص مستحق ہیں (۱) ماں جبکہ میت کی اولاد یا پسری اولاد نہ ہو اور نہ دو بھائی بہنیں ہوں (۲) دو یا زیادہ اولاد مادری خواہ مذکر ہوں یا مؤنث قرآن شریف میں اس کا دو جگہ ذکر آیا ہے (۱) ماں کے حق میں جبکہ اس کے ساتھ میت کی اولاد نہ ہو فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے (۲) اخیافی بھائی بہنوں کے بارہ میں ہے فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ اور اگر یہ لوگ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہونگے ؏

سے قولہ وَالسُّدُسُ بضم سین ۔ اول و سکون دال چھٹے کو کہتے ہیں ۔ یہ چھٹا فرض ہے جسکے مستحق سات شخص ہیں (۱) باپ جبکہ میت کے اولاد یا پسری اولاد ہو (۲) دادا جبکہ میت کا باپ نہ ہو (۳) ماں جبکہ میت کی اولاد یا پسری اولاد ہو یا دو بھائی بہنیں ہوں (۴) جدہ یا جدات جبکہ میت کی ماں نہ ہو (۵) پوتی جبکہ ایک دختر صلبیہ کے ساتھ ہو (۶) علاتی بہن جبکہ حقیقی بہن کے ساتھ ہو (۷) ایک مادری اولاد خواہ بہن ہو یا بھائی ۔ کلام اللہ میں اس کو تین موقعوں پر ذکر کیا ہے (۱) ماں باپ کے حق میں جبکہ ان کے ساتھ میت کی اولاد ہو وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ یعنی ماں باپ کے لئے یا دونوں میں سے ہر ایک کے لئے میت کے ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصہ ہے ۔ اگر میت کے کچھ اولاد ہو (۲) ماں کے بارے میں جبکہ اس کے ساتھ میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں ہوں فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا (۳) اخیافی بھائی بہنوں کے حق

ہیں اِنْ کَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ کَلٰلَۃً اَوِ امْرَاَۃٌ وَّلَہٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا السُّدُسُ
اور اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت ایسا ہو جس کے نہ
اُصول ہوں نہ فروع ہوں اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک
کو چھٹا حصّہ ملے گا ؏

۵۹ قولہ عَلَی التَّضْعِیْفِ الخ۔ یعنی تضعیف کے طریق پر مطلب یہ ہے نصف ربع کا دونا ہے۔
اور ربع ثمن کا دونا اور ثلثان ثلث کا دونا ہے اور ثلث سدس کا دونا یا یوں کہو ثمن کے دونا
کرنے سے ربع اور ربع کا دونا کرنے سے نصف اور ثلث کے دونا کرنے سے ثلثان (دو ثلث) اور
سدس کے دونا کرنے سے ثلث حاصل ہوتا ہے اور تنصیف کے طریق پر مطلب یہ ہے ثمن ربع کا
نصف ہے۔ ربع نصف کا نصف ہے۔ سدس ثلث کا نصف ہے اور ثلث ثلثان کا نصف یا
یوں کہو کہ نصف کے آدھا کرنے سے ربع حاصل ہوتا ہے اور ربع کے آدھا کرنے سے ثمن اور ثلثان
کے آدھا کرنے سے ثلث حاصل ہوتا ہے اور ثلث کے آدھا کرنے سے سدس ؏

۶۰ قولہ وَاَصْحَابُ الخ یعنی ان حصوں کے بارہ شخص مستحق ہیں جن میں سے دس ذوی الفروض نسبیہ
کے ہیں جو از روئے نسب کے وارث ہیں اور ان کو اہلِ ردبھی کہتے ہیں۔ اور دو ذوی الفروض سببیہ ہیں
جو از روئے نکاح کے وارث ہیں دوسری قسم میں شوہر اور زوجہ ہیں۔ ان کے علاوہ سب ذوی الفروض
نسبیہ ہیں ۶۱ قولہ اَرْبَعَۃٌ ۔ ان بارہ میں سے چار مرد ہیں۔ وہ یہ ہیں (۱) باپ (۲) جدِ صحیح
(۳) اخیافی بھائی (۴) شوہر۔ ان چار مردوں میں سے دو ایسے ہیں جو کسی حال میں محجوب بحجب
حرمان نہیں ہوتے وہ باپ اور شوہر ہے باقی دو ایسے ہیں جو کبھی وارث ہوتے ہیں کبھی محجوب وہ دادا اور
اخیافی بھائی ہے۔ دادا باپ کے ہوتے ہوئے محجوب ہے اور اس کی عدم موجودگی میں وارث ایسے
ہی اخیافی بھائی باپ، دادا اور اولاد کے ہوتے ہوئے محجوب اور انکی عدم موجودگی میں وارث ہے ۱۲

۶۲ قولہ الزوجۃ ۔ مصنف ؒ نے زوجہ کو بنت پر اس لئے مقدم کیا کہ زوجہ اصل پیدائش ہے کیونکہ
اسی سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے تاکہ زوجہ کا ذکر زوج کے قریب ہی واقع ہو جائے
اور بنت کو بنت الابن پر اس لئے مقدم کیا کہ بیٹی پوتی سے میت کی طرف نزدیک تر ہے دوسرے یہ کہ
پوتی بیٹی کی عدم موجودگی میں اس کے قائم مقام ہوا کرتی ہے اور...... اُخت عینی کو بنت الابن سے لئے
مؤخر کیا کہ اُخت عینی پوتی سے قرابت میں بعید ہے۔ اُخت عینی کو اُختِ علاتی پر اس لئے مقدم کیا
کہ اُخت عینی کی قرابت اُخت علاتی سے قوی ہے۔ نیز اس لئے کہ علاتی بہن اخت عینی کے قائم مقام ہوتی ہے
اخت علاتی کو اخت اخیافی پر اس لئے مقدم کیا کہ قرابت پدری قرابت مادری سے زیادہ قوی ہے اور
ماں کو اخت اخیافی سے اس لئے مؤخر کیا کہ دو اخت اخیافی ماں کو ثلث سے سدس کی طرف محجوب کردیتی

ہیں۔ اور جنس محجوب جنس حاجب سے مؤخر ہوا کرتی ہے۔ ماں کو جدہ پر اس لئے مقدم کیا کہ ماں جدہ سے میت کی طرف قریب تر ہے۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ مردوں میں باپ کا مقدم ہونا عورتوں میں ماں کے مقدم ہونے کے مقتضی ہے اس لئے کہ جس طرح مردوں میں باپ اصل ہے اس طرح عورتوں میں ماں اصل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ماں کے حصہ کی معرفت بہنوں کے حصہ کے معرفت پر موقوف ہے اور بہنوں کے حصہ کی معرفت ماں کے حصہ کی معرفت پر موقوف نہیں ہے جیسا کہ عنقریب تمکو یہ معلوم ہو جائے گا کہ ولد یا ولد الابن یا دو بھائی بہنوں کے ہوتے ہوئے ماں کو چھٹا حصہ ملتا ہے یعنی دو بھائی بہن ماں کو ثلث سے سدس کی طرف محجوب کر دیتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اخوات کو ماں پر تقدم باعتبار ماں کے حصہ کی معرفت کے ہے۔

۵۳ قولہ وھی التی الخ یعنی جدہ صحیحہ وہ ہے کہ جس کو میت سے علاقہ بذریعہ کسی جد فاسد سے نہ ہو یا یوں کہو کہ جدہ صحیحہ وہ ہے جو بلا واسطہ جد فاسد (نانا) کے میت سے علاقہ رکھتی ہو یا یوں کہو کہ جدہ صحیحہ وہ ہے کہ جسکو میت کیطرف نسبت کرنے میں دو عورتوں کے درمیان مرد داخل نہ ہوتا ہو اگر داخل ہوتا ہو تو وہ جدہ فاسدہ ہے اسلئے کہ جو باپ میت کیطرف عورت کے ذریعہ سے نسبت رکھتا ہو وہ جد فاسد ہے لہٰذا جو کوئی ایسے مرد کے ذریعہ سے نسبت رکھے گا خواہ مرد ہو یا عورت وہ ضرور فاسد ہو گا پس باپ کی ماں یعنی دادی اور باپ کے باپ کی ماں یعنی پردادی جہانتک اوپر ہو جدہ صحیحہ ہے اسی طرح نانی یعنی ماں کی ماں اور پرنانی یعنی ماں کی ماں کی ماں جدہ صحیحہ ہے حاصل یہ ہے کہ جو باپ کے سلسلے والی ہیں جن میں ماں واسطہ نہیں پڑتی وہ جدہ صحیحہ ہے باپ کی ماں (دادی) اور باپ کے باپ کی ماں (پردادی) اور باپ کے باپ کے باپ کی ماں جہانتک اوپر ہوں سب دادی میں داخل ہیں اور جو ماں کے سلسلہ والی ہیں خواہ میت کی ماں کے سلسلہ والی ہوں جیسے ماں کی ماں (نانی) یا ماں کی ماں کی ماں جہانتک اوپر ہوں خواہ میت کے باپ کی ماں کے سلسلہ والی ہوں جیسے باپ کی ماں کی ماں یا باپ کی ماں کی ماں کی ماں جہانتک اوپر ہوں خواہ میت کے دادا کی ماں کے سلسلہ والی ہوں جیسے دادا کی ماں اور دادا کی ماں کی ماں کی ماں جہانتک اوپر ہوں علی ہذا القیاس پردادا وغیرہ کے ماں کی سلسلہ والی سب نانی میں داخل ہیں اور نانی اور دادی دونوں جدہ صحیحہ ہیں۔ پس نانا کی ماں اور نانا کے باپ کی ماں اور نانا کی ماں کی ماں جہانتک اوپر ہوں کہ بذریعہ جد فاسد کے علاقہ رکھتی ہوں جدہ صحیحہ نہیں ہیں بلکہ جدات فاسدہ ہیں جو میت کی طرف مردوں اور عورتوں کے حیل سے نسبت رکھتی ہیں اُن کا شمار اصحاب فرائض میں نہیں ہے بلکہ ذوی الارحام میں ہے۔ ورنہ صحیحہ بھی صاحب فرض ہے اگرچہ اسکا فرض قرآن میں مذکور نہیں ہے لیکن سنت واجماع صحابۂ کرام وسلف وخلف سے ثابت ہے۔

اَلْفَرْضُ الْمُطْلَقُ وَهُوَ السُّدُسُ وَذٰلِكَ مَعَ الْاِبْنِ اَوِابْنِ
اى الخالص عن التعصيب

الْاِبْنِ وَاِنْ سَفُلَ وَالْفَرْضُ وَالتَّعْصِيْبُ مَعًا وَذٰلِكَ مَعَ الْاِبْنَةِ
وصلبيه

اَوِابْنَةِ الْاِبْنِ وَاِنْ سَفُلَتْ وَالتَّعْصِيْبُ الْمَحْضُ وَذٰلِكَ عِنْدَ عَدَمِ
غير مخالطة للفرضية

الْوَلَدِ وَوَلَدِ الْاِبْنِ وَاِنْ سَفُلَ وَالْجَدُّ الصَّحِيْحُ كَالْاَبِ اِلَّا فِي

اَرْبَعِ مَسَائِلَ وَسَنَذْكُرُهَا فِي مَوَاضِعِهَا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ

يَسْقُطُ الْجَدُّ بِالْاَبِ لِاَنَّ الْاَبَ اَصْلٌ فِي قَرَابَةِ الْجَدِّ اِلَى الْمَيِّتِ

وَالْجَدُّ الصَّحِيْحُ هُوَ الَّذِيْ لَا تَدْخُلُ فِي نِسْبَتِهٖ اِلَى الْمَيِّتِ اُمٌّ وَ

اَمَّا لِاَوْلَادِ الْاُمِّ فَاَحْوَالٌ ثَلٰثٌ اَلسُّدُسُ لِلْوَاحِدِ وَالثُّلُثُ لِلْاِثْنَيْنِ

فَصَاعِدًا ذُكُوْرُهُمْ وَاِنَاثُهُمْ فِي الْقِسْمَةِ وَالْاِسْتِحْقَاقِ سَوَاءٌ وَ

يَسْقُطُوْنَ بِالْوَلَدِ وَوَلَدِ الْاِبْنِ وَاِنْ سَفُلَ وَبِالْاَبِ وَالْجَدِّ بِالْاِتِّفَاقِ

ترجمہ:۔ (اول) فرض محض اور وہ چھٹا حصہ ہے اور یہ (چھٹا حصہ) بیٹے یا پوتے کے ساتھ ہے اگرچہ اسفل ہوں (دوسرا) فرض اور عصوبت دونوں اور یہ (دونوں) بیٹی یا پوتی کے ساتھ ہے اگرچہ اسفل ہو (تیسرا) عصوبت محضہ اور یہ (محض عصبہ ہونا) اولاد یا بیٹے کی اولاد نہ ہونے کی حالت میں ہے اگرچہ سافل ہو اور (دوسرا مردوں میں ذی فرض) جد صحیح ہے اور جد صحیح بجز چار مسائل کے مثل باپ کے ہے اور ہم ان (چار مسائل) کو ان کے مواقع میں انشاء اللہ عنقریب ذکر کریں گے اور جد صحیح باپ کے ہوتے ہوئے (میراث سے) ساقط ہو جاتا ہے اسلئے باپ واسطہ ہے دادا کی قرابت میں میت کی طرف اور جد صحیح وہ ہے کہ میت کی طرف اسکی نسبت کرنے میں کوئی ماں واسطہ نہ ہو (تیسرا ذی فرض مردوں میں) اولاد مادری ہے اور اولاد مادری کی تین حالتیں ہیں (اول) ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے (دوسری) دو یا زیادہ

کے لئے ایک تہائی حصہ ہے ۔ ان کے مرد اور عورتیں قسمت اور استحقاق میں برابر ہیں اور میت کی اولاد اور بیٹے کی اولاد اگرچہ سافل ہو اور باپ اور دادا کے ہوتے ہوئے بالاتفاق (میراث سے) محروم ہو جاتے ہیں ۔

۵۱ قولہ وَذٰلِكَ الخ یعنی یہ صرف چھٹا حصہ باپ کے لئے اس وقت ہے جبکہ میت نے کوئی بیٹا یا بیٹے کی مذکر اولاد یا پوتے کی مذکر اولاد چاہے جس قدر نیچے تک چھوڑی ہو ۔ چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے وَلِاَبَوَیْهِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ اِنْ کَانَ لَهٗ وَلَدٌ (ماں باپ کے لئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کیلئے میت کے ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصہ ہے اگر میت کے کچھ اولاد ہو) مثال مسئلہ ۶ ماں باپ بیٹا خوب یاد رکھو کہ باپ کا حق چھٹے حصہ سے کبھی کم نہیں ہوتا ۔ فرض کو مطلق کے ساتھ مقید کرنے سے ماتن کی یہی مراد ہے ۱۲

۵۲ قولہ وَالْفَرْضُ وَالتَّعْصِیْبُ مَعًا ۔ دوسری حالت فرض اور تعصیب دونوں ہیں ۔ اس حالت کو تعصیب محض کے بعد تیسرے مرتبہ میں ذکر کرنا چاہئے تھا دوسرے مرتبہ تعصیب محض کو لانا مناسب تھا کیونکہ ترکیب بسیط سے مؤخر ہوا کرتی ہے لیکن ماتن نے احد الجزئین یعنی فرض کی شرافت کی بنا پر اسکو تیسرے مرتبہ میں ذکر نہیں کیا ۔ ۱۲

۵۳ قولہ وَذٰلِكَ الخ ۔ یہ فرض اور تعصیب بیٹی یا پوتی کے چاہے جسقدر نیچے کو ہوں موجود ہونگی صورتیں ہے یعنی اگر مرنے والے کے کوئی نرینہ اولاد کسی درجہ میں بھی نہ ہو بلکہ بیٹی یا پوتی یا پڑ پوتی موجود ہو تو میت کے باپ کو چھٹا حصہ بھی ذوی الفروض ہونے کی بنا پر ملتا ہے اور تمام ذوی الفروض موجودہ کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہ جائے وہ بھی بطور عصوبت اس کو دیا جاتا ہے اس لئے کہ باپ کا فرضی حصہ میت کے لڑکا ہونے کی صورت میں سدس ہے ۔ لفظ ولد بیٹا بیٹی دونوں کو شامل ہے ۔ پس اگر ولد مذکر ہے تو ذوی الفروض کے دینے کے بعد جو کچھ مال بچا ہے وہ سب اس کو مل جائے گا ۔ باپ کو کچھ نہ چھوڑیگا جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عالی اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَمَا بَقِیَ فَهُوَ لِاَوْلٰی رَجُلٍ ذَکَرٍ (فرائض ان کے مستحقین کو پہنچاؤ ۔ پھر جو کچھ ان سے بچے وہ اس شخص کے لئے ہے جو مردوں میں میت سے بہت قریب ہو) دلالت کرتا ہے اور اگر ولد مونث یعنی بیٹی ، پوتی ، پڑ پوتی ہو تو وہ اپنا فرض یعنی کل نصف ہے لے لیگی ۔ اور چھٹا باپ کو از روئے فرض ملے گا ۔ اب جو کچھ باقی رہے گا وہ بھی باپ کو بطور عصوبت مل جائے گا اس لئے کہ وہی اس وقت مردوں میں میت سے زیادہ نزدیک ہے ۔ مثال زید کا انتقال ہوا اس نے تین وارث باپ ، بیٹی ، زوجہ چھوڑے اس کے مال کا آٹھواں حصہ زوجہ کو ، نصف بیٹی کو دیا گیا ۔ اور چھٹا حسب قاعدہ باپ کو دیا گیا ۔ اب ذوی الفروض کے یہ سب حصے پورے مل جانیکے بعد جو کچھ باقی رہا وہ بھی باپ کو مل جائے گا ۔ یعنی کل مال کے چوبیس حصے کرکے تین سہام زوجہ کو بارہ سہام بیٹی کو اور چار سہام باپ کو دیئے گئے ۔ ذوی الفروض کے کل حصے انیس ۱۹ سہام میں پورے ہوگئے اب جو پانچ سہام باقی رہے وہ بھی باپ کو مل جائیں گے اس صورت میں باپ دو جہت سے

حصّہ کا مستحق ہوا۔ چار سہام یعنی کل مال کا چھٹا حصّہ ذوی الفروض ہونے کی وجہ سے لیا اور پانچ سہام عصبہ ہونیکی وجہ سے پائے۔ غرض چوبیس میں نو حصّے باپ کو وصول ہوئے اس طرح مسئلہ ۲۴ زید متوفی

زوجہ	بنت	اب	اب
۳	۱۲	۴	۵

۵۴ قولہ ذَالتَّعْصِیْبُ الْمَحْضُ الخ۔ یعنی باپ عصبہ محض ہے۔ یہ عصوبت محضہ اس وقت ہے جبکہ میت کے نہ بیٹا ہو نہ بیٹی نہ بیٹے کی اولاد ہو نہ پوتے کی اولاد نہ پڑپوتے کی اولاد۔ تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ سب باپ کو مل جائے گا اور ذوی الفروض موجود نہ ہونیکی صورت میں تمام مال کا مالک ہو جائیگا۔ اس صورت میں باپ کا کوئی حصّہ مقرر نہیں۔ دوسری حالتیں اور اس حالت میں یہی فرق ہے کہ وہاں مفروضہ چھٹا حصّہ بھی ملتا تھا اور باقی ماندہ بھی اور یہاں حصّہ مقررہ کچھ نہیں صرف باقی ماندہ ملتا ہے لیکن بفضل ایزدی یہاں باقی ماندہ اس قدر ہوتا ہے کہ دوسری حالت میں جو کچھ ملتا تھا اس سے بڑھ جاتا ہے اور اسکا عصبہ محض ہونا باری تعالیٰ عزاسمہ کے اس قول فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَہٗۤ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ (اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے) سے مفہوم ہوتا ہے اسلئے کہ ماں جبکہ تہائی کی حقدار ہوگئی تو جو کچھ باقی رہا وہ باپ کے لئے ہے کیونکہ وہی اسوقت مردوں میں سے زیادہ نزدیک ہے۔ مثال۔ زید کا انتقال ہوا اس نے تین وارث زوجہ، ماں، باپ چھوڑے۔ زوجہ کو چوتھا حصّہ دیا گیا۔ اب جو کچھ باقی رہا اسمیں سے ایک تہائی ماں کو دیا اس کے بعد جو کچھ باقی رہا وہ باپ کا حق ہے۔ یعنی مال کے چار حصّے کر کے ایک زوجہ کو دیا اسکے دینے کے بعد تین سہام باقی رہے انمیں سے تہائی یعنی ایک سہم ماں کو دیدیا باقی دو سہام باپ کا حق ہے ۱۲ مسئلہ ۴

زوجہ	ماں	باپ
۱	۱	۲

۵۵ قولہ کالاَبِ۔ یعنی جد صحیح (دادا) باپ کے نہ ہونے کی صورت میں بالاتفاق باپ کا حکم رکھتا ہے کہ میت کی مذکر اولاد یعنی بیٹوں، پوتوں کے ساتھ اس کو چھٹا حصّہ ملتا ہے۔ اور میت کی بیٹی، پوتی اور پڑپوتی کے ساتھ چھٹا حصّہ بھی ملتا ہے اور جو کچھ ان کے دینے کے بعد بچتا ہے وہ بھی اس کو ملتا ہے۔ اور اگر میت نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تو دادا کے واسطے کچھ حصّہ مقرر نہیں جبکہ وہ عصبہ ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے دادا کو اپنے کلام پاک (مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ الآیۃ) میں لفظ اب یعنی باپ سے تعبیر کیا ہے جد صحیح کے لفظ سے صرف باپ کا باپ ہی مراد نہیں بلکہ کتنے ہی اونچے درجہ کا ہو مستحق میراث ہوتا ہے بشرطیکہ جد صحیح ہو مگر اقرب کے ہوتے ابعد محروم ہوگا ۱۲

۵۶ قولہ اِلَّا فِیْ اَرْبَعِ الخ یعنی دادا بجز چار مسائل کے تینوں حالتوں میں بلکہ تمام احکام میراث میں مثل باپ کے ہے۔ چار مسائل ایسے ہیں کہ ان میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک دادا حکم باپ کا رکھتا ہے۔ بعض کے نزدیک نہیں ۱۲

۵۷ قولہ فِیْ مَوَاضِعِهَا الخ یعنی ان چار مسائل کا ان کے مواضع یعنی جدہ، ام، اخوات کے حالات

اور مسئلہ معتق میں متفرق طور پر انشاء اللہ تعالیٰ بیان میں آدیگا۔ ہم طلباء کی آسانی کے لئے اس جگہ مجتمع طور پر بیان کئے دیتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے (۱) دادی باپ کے ساتھ محروم ہوتی اور دادا کے ساتھ وارث ہوتی ہے اس کو ماتن رحمہ نے مسئلہ جدات میں بیان کیا ہے (۲) میت جبکہ ماں باپ چھوڑے اور زوج یا زوجہ چھوڑے تو احد الزوجین کا حصہ دینے کے بعد بالاتفاق ما بقی کا ثلث ماں کو ملتا ہے۔ اگر اسی صورت میں بجائے باپ کے دادا ہو تو طرفین یعنی امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ماں تمام مال کا تہائی حصہ پائے گی لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دادا کے ساتھ بھی ماں کے لئے باقی کا تہائی ہے اور فتویٰ طرفین کے قول پر ہے اس کو مسئلہ ام میں ذکر کیا ہے (۳) بنی الاعیان یعنی حقیقی بھائی بہنیں اور بنی العلات یعنی سوتیلے بھائی بہنیں باپ کے ہوتے ہوئے بالاتفاق محروم ہیں اور جد صحیح کے ہوتے ہوئے فقط امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک محروم ہیں اور صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک محروم نہیں اور فتویٰ امام اعظمؒ کے قول پر ہے اس کا ذکر مسئلہ اخوات میں ہے (۴) میت نے اپنے مولی العتاقہ یعنی آزاد کرنے والے کا باپ اور اسکا بیٹا چھوڑا تو ابو یوسفؒ کے نزدیک باپ کو چھٹا حصہ ولاء کا ملتا ہے اور باقی بیٹے کو اور طرفین کے نزدیک کل بیٹے ہی کو ملتا ہے۔ اور اگر ایسی صورت میں بجائے باپ کے جد صحیح ہو تو بالاتفاق کل بیٹے ہی کو ملتا ہے دادا کو کچھ نہیں ملتا۔ اس مسئلہ میں تمام ائمہ کے نزدیک باپ اور دادا کے درمیان کچھ فرق نہیں اس لئے کہ آزاد کرنے والے کے بیٹے کے ہوتے ہوئے اس کے باپ اور دادا کو ولاء سے کچھ حصہ نہیں پہنچتا۔ اس کو مصنفؒ نے مسئلہ معتق میں بیان کیا ہے مصنفؒ نے ایسے چار مسئلے جو باپ اور دادا کے درمیان مختلف فیہ ہیں ذکر کئے ہیں مگر صاحب درمختار نے پانچواں یہ مسئلہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر غلام آزاد نے اپنے آزاد کرنے والے کا دادا اور بھائی چھوڑا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ولاء دادا کے لئے مخصوص ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور صاحبین کے نزدیک بھائی اور دادا کے درمیان نصفا نصفی تقسیم کی جائیگی اور بجائے دادا کے باپ ہوتا تو بالاتفاق تمام میراث وہی پاتا پس بہتر یہ تھا کہ مصنفؒ بجائے فی اربع مسائل کے فی خمس مسائل ارقام فرماتے۔ درمختار میں اشباہ سے منقول ہے کہ دادا باپ کا حکم رکھتا ہے لیکن تیرہ مسائل میں باپ کی طرح نہیں ہے پانچ مسئلے تو یہی جو اوپر فرائض میں مذکور ہوئے آٹھ مسئلے فرائض کے علاوہ ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) اگر کسی نے اقرباء زید کے لئے وصیت کی تو زید کا باپ وصیت میں داخل نہ ہوگا لیکن جد صحیح داخل ہوگا

(۲) ظاہر الروایۃ میں ہے کہ صغیر کا صدقہ فطر مالدار باپ پر واجب ہے دادا پر واجب نہیں۔

(۳) اگر باپ غلام ہو اور آقا نے اُس کو آزاد کر دیا ہو تو وہ اپنے ولد کی ولاء اپنے آقا کیطرف کھینچے گا اور اگر دادا غلام ہو اور آقا نے اُس کو آزاد کر دیا تو وہ اپنے پوتے کی ولاء اپنے آقا کیطرف نہیں کھینچ سکتا۔

(۴) نابالغ بچہ اسلام میں باپ کے تابع سمجھا جاتا ہے باپ مسلمان ہو جائے تو وہ بھی مسلمان مانا جائے گا اور

دادا کے ساتھ یہ حال نہیں۔

(۵) اگر میت اولاد صغیر اور مال وجائیداد چھوڑے تو ولایت باپ کو پہنچتی ہے اور میت کا وصی سمجھا جائیگا برخلاف دادا کے

(۶) اگر صغیر کا بھائی اور دادا ہوں تو امام ابو یوسف کے نزدیک ولایت نکاح میں دونوں شریک ہیں اور امام اعظم کے نزدیک دادا کیلئے ولایت مخصوص ہے اور اگر بجائے دادا کے باپ ہوتا تو اسی کو بالاتفاق ولایت مخصوص ہوتی۔

(۷) اگر باپ مرجاتا ہے تو بچہ یتیم ہوجاتا ہے دادا کے ہونے سے اس کی یتیمی زائل نہیں ہوسکتی۔

(۸) اگر میت اولاد صغیر چھوڑے اور مال نہ ہو اور اولاد صغیر کی ماں اور دادا زندہ ہوں تو صغیروں کا نان نفقہ دونوں پر اس طرح واجب ہے کہ تہائی نفقہ ماں دیا کرے اور دو تہائی دادا اور اگر دادا کی جگہ باپ ہوتا تو تمام نفقہ اسی پر واجب ہوتا۔ شیخ صالح نے اپنے حاشیہ اشباہ میں جسکا نام زواھر الجواھر ہے اشباہ کے تیرہ مسئلوں کے علاوہ ایک اور مسئلہ قصولین سے نقل کرکے زیادہ کیا ہے وہ مسئلہ یہ ہے کہ باپ نے اپنے صغیر لڑکے کے مہر کی ضمانت کی اور مہر اسکا ادا کر دیا تو وہ صغیر کے مال سے وصول کرسکتا ہے بشرطیکہ ادائے مہر کے وقت وصول کرنے کی شرط کرلی ہو۔ اور اگر شرط نہ کی ہے تو اُس کو صغیر کے مال سے وصول کرنا جائز نہیں اور اگر باپ کے سوا اور کسی صغیر کے ولی نے یا وصی نے مہر کی ضامنی کرکے مہر ادا کردیا تو صغیر کے مال سے اسکو مطلقاً وصول کرنا جائز ہے خواہ ادائیگی کے وقت وصول کرنے کی شرط کی ہو یا نہ کی ہو کیونکہ ولی غیر اب کا لفظ دادا کو بھی شامل ہے تو دادا بھی وصی کی مانند مطلقاً وصول کرسکتا برخلاف باپ کے خواہ ادائیگی کے وقت وصول کرنے کی دادا نے شرط کی ہو یا نہ کی ہو۔

ﮯ قولہ لِاَنَّ الْاَبَ اَصْلٌ الخ یعنی باپ دادا کے میت کی میراث پانے میں اصل اور واسطہ ہے اور اصل اور واسطہ کی موجودگی میں ذو واسطہ اور فرع ساقط ہوجاتے ہیں۔ پس دادا باپ کے ہوتے ہوئے محروم رہے گا۔ اس دلیل سقوط پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ میت کی ماں کی موجودگی میں ماں کی اولاد محروم رہے اس لئے کہ ماں اصل اور واسطہ ہے اپنی اولاد کی قرابت میں میت کی طرف اس کا جواب یہ ہے کہ باپ بسبب قوت قرابت کے فرض اور عصوبت دونوں اس کو حاصل ہیں ماں سے قوی تر ہے اسی وجہ سے ماں کی اولاد گو ماں اصل ہے اپنی اولاد کی قرابت میں ماں کی موجودگی میں ساقط نہیں ہوتی اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ دادا بھی تو باپ کی طرح صاحب فرض وعصوبت ہے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بیشک دادا بھی صاحب فرض وعصوبت ہے لیکن باہم عصوبتوں میں فرق ہے بعض عصوبت کو قوت قرابت کی وجہ سے بعض پر ترجیح ہوتی ہے چنانچہ باپ کی عصوبت دادا کی عصوبت سے قوی تر ہے کیونکہ دادا باپ کے مقابلے میں میت سے بعید ہے ۱۲

ﮰ قولہ اَمَّا لِاَوْلَادِ الْاُمِّ الخ جبکہ ماتن نے ارادہ کیا کہ ذوی الفروض مردوں کی فصل میں اخیافی بھائی کا ذکر ہے اور اخیافی بہن میراث کے احکام میں اخیافی بھائی کے مساوی تھی لہذا اس کو اولاد الام

کہہ کر کلام کو عام بیان کیا جو اخیافی بھائی بہن دونوں کو شامل ہو تاکہ ذوی الفروض عورتوں کی فصل میں اخیافی
بہن کے بیان کرنے کی ضرورت نہ رہے بنی الاخیاف کی وجہ تسمیہ یہ کہ اخیاف فرس اخیف سے ماخوذ ہے جس کا
اطلاق ایسے گھوڑے پر ہوتا ہے کہ اس کی ایک آنکھ سیاہ اور ایک نیلی ہو گویا یہی حال اولاد الام کا ہے کیونکہ
دونوں کی اصلیں مختلف ہوتی ہیں اس لفظ میں اضافت بیانیہ ہے مصنفؒ نے بہنوں اور بھائیوں میں
اخیافیوں سے قرآن پاک کا اتباع کرکے ابتداء کی ہے کیونکہ قرآن میں بھی ان کی میراث سے ابتدا ہوتی ہے
چنانچہ فرمایا ہے وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ

۵ قولہ اَلسُّدُسُ ۔ یعنی اگر ایک اخیافی بھائی یا بہن ہے تو اس کے لئے چھٹا حصہ ہے یہ حکم قرآن پاک
سے ثابت ہے چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ
أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ (اور اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی خواہ
وہ میت مرد ہو یا عورت ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو
ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اس آیت میں اَخ اور اُخت سے مراد باتفاق مفسرین اولاد ام ہے
نیز اُبی بن کعب و سعد بن وقاص رضی اللہ عنہما کی قرأت وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ مِنَ الْأُمِّ اس دعوے پر دلالت
کرتی ہے دونوں کی قرأت میں اتنا فرق ہے کہ اُبیؓ کی قرأت میں من الام معرف اور سعدؓ کی قرأت میں من ام
منکر ہے۔ کلالہ کے لغوی معنی تھک جانے اور قوت زائل ہو جانے کے ہیں۔ اس معنی میں ایک شاعر کا یہ شعر ہے
جس کو اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا ہے ؎

فآلیت لا ارثی لھا من کلالۃ ولا من خفت حتی ازور محمدا

مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ شاعر غلبۂ حال میں کہتا ہے میں اس بات پر قسم کھاتا ہوں کہ اونٹنی پر رحم نہ
کرونگا جبکہ وہ کمزور ہو جائے گی اور نہ اس کے سم پر رحم کرونگا جب تک رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم
کی زیارت نہ کرلوں۔ پس اس قول سے معلوم ہوا کہ کلالہ ضعف اور زوال قوت کے معنی میں ہے (کذا فی
حاشیۃ الجمل) کلالہ کا بیان دو آیتوں میں ہے ایک سورۂ نساء کی جو عورتوں کے حالات میں نازل ہوئی ہے جس
میں ہے وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً الخ اس کو آیت شتا بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ جاڑے کے موسم میں
نازل ہوئی ہے اور سورۂ نساء کے اول میں ہے اور دوسری آیت يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ
جو سورۂ نساء کے آخر میں ہے جس کو آیت صیف بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ گرمی کے موسم میں نازل ہوئی ہے۔ آیت
شتا میں کلام بہت مبہم ہے اور آیت صیف میں زیادہ بیان ہے۔ اہل لغت کا اس امر میں اختلاف ہے کہ
کلالہ میت کا نام ہے یا اس کے وارثوں کا ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میت کا نام ہے اور سعید بن جبیر وارثوں
کا نام بتلاتے ہیں۔ ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ کا قول ہے کہ ایسی میت کا نام ہے جس کے نہ ولد ہو نہ والد اسی کو
اہل بصرہ نے اختیار کیا ہے۔ اہل کوفہ اور اہل مدینہ کے نزدیک کلالہ ان وارثوں کا نام ہے جنہیں میت کا

ولد اور والد موجود نہ ہو۔ فریق اول کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں جو آیا ہے فَاِنْ کَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ کَلٰلَۃً
اس کے معنی یہ ہیں یُوْرَثُ فِیْ حَالَۃٍ مَا یَکُوْنُ کَلٰلَۃً یعنی ایسی حالت میں وارث چھوڑے کہ کلالہ ہو۔
کلالہ کا نصب حال کی تقدیر ہے۔ دوسرے فریق کی حجت یہ ہے یستفتونک فی الکلالۃ اور یہ بات مسلم ہے
کہ استفتا ایسے وارثوں میں ہوتا ہے کہ نہ اُن میں ولد ہو نہ والد اور اگر میت سے سوال کیا جائے کہ جس کے ولد
ہو نہ والد تو اس سے کوئی شے نہ سمجھی جائے گی اور آیت میں یورث کو را مہملہ کے فتح کے ساتھ پڑھا جائیگا اور
کسرہ کی تقدیر پر دلیل اس کی یہ ہو گی کہ کلالہ وارثوں کا نام ہے اور فتح کی تاویل یہ ہے کہ کلالہ وارثوں پر بھی
بولا جاتا ہے اور میت پر بھی۔ صاحب فتح الباری نے سہیلی سے حکایت کی ہے کہ کلالہ اکلیل سے ماخوذ ہے اور
اکلیل تاج اور ٹوپی کو کہتے ہیں جس طرح تاج اور ٹوپی سر کو گھیرے ہوئے ہوتے ہیں اسی طرح کلالہ ایسی ورثہ
جو میت کو دونوں طرف سے گھیرے ہوئے ہوتی ہے اور یہ بات آباء اور اولاد میں متحقق نہیں ہوتی کیونکہ ان میں
سے ہر ایک کا اتصال میت سے ایک جانب سے ہے آباء اور اولاد کے علاوہ دوسرے ورثا میں متحقق ہوتی ہے
اس لئے ان کا اتصال میت سے دو جانب سے ہے۔ جمہور کے نزدیک کلالہ وہ ہے جس کے نہ والد ہو نہ ولد ۱۲

سلا قولہ وَالثُّلُثُ الخ یعنی دو یا زیادہ اخیافی بھائی بہنوں کے لئے ایک تہائی ہے اس پر باری تعالیٰ
کا یہ قول فَاِنْ کَانُوْٓا اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ فَھُمْ شُرَکَآءُ فِی الثُّلُثِ (اور اگر یہ لوگ اس (ایک) سے
زیادہ ہیں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہونگے اور شرکت مطلقہ تقسیم میں مساوات کو واجب کرتی ہے
یعنی اولاد ام میں بھائی بہن کو برابر کا حصہ ملتا ہے نہ کہ بھائی کو بہن سے دونا اس لئے کہ شرکت کا لفظ
برابری کو چاہتا ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے دوسرے آدمی سے یہ کہا کہ اَنْتَ شَرِیْکِیْ فِیْ ھٰذَا الْمَالِ (اس
مال میں تو میرا شریک ہے) تو مال ان دونوں کے درمیان نصفا نصف تقسیم کیا جائیگا۔ یاد رکھو! اولاد ام
اصحاب فرائض میں ان کا حصہ نہ ثلث سے بڑھتا ہے مگر ...کے وقت نہ سدس سے گھٹتا ہے مگر عول کی صورت
میں ۱۲ سلا قولہ فَصَاعِدًا۔ فاء ترتیب کے لئے ہے اور صاعداً حال ہے عدد سے جو کہ مع اپنے عامل
کے محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے کہ فَاحْفَظِ الْعَدَدَ حَالَ کَوْنِہٖ صَاعِدًا ۱۲

سلا قولہ فِی الْقِسْمَۃِ الخ یعنی مذکر اور مؤنث اس جگہ تقسیم ترکہ میں برابر ہیں۔ یعنی اولاد ام میں مرد کو
عورت سے دونا حصہ نہیں ملتا بلکہ مذکر اور مؤنث دونوں کے اجتماع کے وقت مرد کو اسی قدر ترکہ ملتا ہے
جتنا عورت کو۔ اسی طرح استحقاق میں بھی برابر ہیں۔ جس طرح ان میں سے ایک خواہ مرد ہو یا عورت چھٹے
حصہ کا مستحق ہوتا ہے اسی طرح ایک سے زیادہ تہائی کے مستحق ہوتے ہیں خواہ ان میں مردوں کی تعداد
زیادہ ہو یا عورتوں کی۔ ان کو تہائی ہی ترکہ پہنچے گا پس استحقاق عام ہے واحد اور متعدد کو بخلاف
قسمت کے کہ اس میں تعدد ضروری ہے کیونکہ قسمت بغیر دو یا زیادہ کے نہیں ہو سکتی لہٰذا ادائے مقصود
کے لئے قسمت کے بعد استحقاق کا ذکر کرنا ضروری ہوا۔

۵۱۴ قولہ سَوَاءٌ الخ تقسیم اور استحقاق ترکہ میں برابری ہمارے نزدیک ہے اور شافعیؒ اور اکثر علماء کے نزدیک اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت شاذہ میں یہ ہے کہ تہائی حصہ اولاد ام کے درمیان ترکہ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ تقسیم کیا جائے گا۔۱۲

۵۱۵ قولہ وَيَسْقُطُونَ الخ یعنی اخیافی بھائی بہن میت کی اولاد خواہ بیٹا ہو یا بیٹی اور میت کے بیٹے کی اولاد خواہ پوتا ہو یا پوتی اگرچہ سافل ہوں کی موجودگی میں ساقط ہو جاتے ہیں اس لئے کہ اولاد ام کی میراث قرابت ضعیفہ کی وجہ سے ضعیف ہے اور میت کی فرع یعنی بیٹا بیٹی اسی طرح فرع الفرع یعنی پوتا پوتی کی قرابت قوی ہے۔ ہاں اگر فرع غیر وارث ہو جیسے بیٹا کسی کا غلام ہو یا قاتل ہو یا فرع الفرع غیر وارث ہو جیسے نواسا نواسی تو اخیافی اس صورت میں محروم نہ ہوں گے نیز اس لئے بھی ساقط ہو جاتے ہیں کہ اولاد ام کا استحقاق مورث کے کلالہ ہونے کی شرط کے ساتھ مشروط تھا اور کلالہ وہ ہے کہ جس کے نہ والد موجود ہو نہ ولد۔ پس ان دونوں میں سے ایک کے ہوتے ہوئے مورث کلالہ نہ رہے گا اور اولاد ام کو ترکہ کا استحقاق نہ رہے گا۔ ولد الولد اگرچہ سافل ہو حق تعالیٰ شانہ کے اس قول یا بنی آدم کی بنا پر ولد ہی میں داخل ہے اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے ہم پر ابن کا اطلاق کیا ہے باوجودیکہ حضرت آدم علیہ السلام ہمارے جد اعلیٰ ہیں۔ اسی طرح جد اگرچہ اوپر کو باری تعالیٰ عزاسمہ کے اس قول كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ کی بناء پر والد میں داخل ہے۔ پس اولاد ام باپ اور دادا کے ہوتے ہوئے بھی ترکہ سے محروم رہتے ہیں۔ اولاد ام میت کے حقیقی، علاتی بھائی بہن کے ساتھ ساقط نہیں ہوتے اور نہ ان کا حصہ علاتیوں کے ساتھ کم ہوتا ہے البتہ اسمیں اختلاف ہے کہ حقیقیوں کے ساتھ میں بھی کم ہو جاتا ہے یا نہیں مثلاً ایک عورت مری اور شوہر اور ماں اور اخیافی دو بھائی یا اخیافی دو بہنیں یا ایک اخیافی بھائی اور ایک اخیافی بہن اور دو حقیقی بھائی اور بہنیں وارث چھوڑے تو حضرت علی رضؓ اور ابو موسیٰ اشعری اور اُبی ابن کعبؓ کا یہ مذہب ہے کہ شوہر کیلئے نصف اور ماں کے لئے سدس اور اخیافی بھائی بہنوں کے لئے ثلث ہے اور حقیقی بھائی بہنوں کے لئے کچھ نہیں اسی کو حنفیہؒ نے اختیار کیا ہے حضرت عثمانؓ اور زید رضؓ فرماتے ہیں کہ ثلث بھائی بہن اخیافی اور حقیقی میں برابر تقسیم کیا جائیگا اور یہی مذہب شریح اور ثوری اور مالک اور شافعیؒ کا ہے اور یہ مسئلہ مشرکہ کہلاتا ہے اول اول حضرت عمرؓ تشریک کو نہیں مانتے تھے آخر میں ماننے لگے حضرت ابن عباسؓ سے دو روایتیں ہیں ان میں سے اظہر روایت میں تشریک کی نفی ہے۔ ۵۱۶ قولہ بِالِاتِّفَاقِ۔ یعنی اخیافی بھائی بہنوں کا دادا کی موجودگی میں ترکہ سے محروم ہونا علمائے حنفیہ کے درمیان متفق علیہ ہے۔ بخلاف حقیقی علاتی بھائی بہنوں کے اس لئے وہ باپ کی موجودگی میں تو بالاتفاق ساقط ہو جاتے ہیں مگر دادا کی موجودگی میں امام اعظمؒ کے نزدیک ساقط ہو جاتے ہیں۔ صاحبینؒ کے نزدیک ساقط نہیں ہوتے جیسا کہ عنقریب متن کتاب میں آجائیگا۔ پس بالاب والجد بالاتفاق کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اولاد ام کا سقوط ولد اور ولد الابن کے ہوتے ہوئے مختلف فیہ ہے اور باپ اور دادا کے ہوتے ہوئے متفق علیہ ہے ۱۲

وَاَمَّا لِلزَّوْجِ فَحَالَتَانِ اَلنِّصْفُ عِنْدَ عَدَمِ الْوَلَدِ وَوَلَدِ الْاِبْنِ وَاِنْ سَفَلَ وَالرُّبُعُ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ وَاِنْ سَفَلَ

سواء کان ذکراً او انثیٰ ۱۲

فَصْلٌ فِي النِّسَاءِ

اخرھن عن الرجال لقولہ علیہ السلام ۲ نوردھن من حیث اخرھن اللہ تعالیٰ ۱۲

اَمَّا لِلزَّوْجَاتِ فَحَالَتَانِ اَلرُّبُعُ لِلْوَاحِدَةِ فَصَاعِدَةً عِنْدَ عَدَمِ الْوَلَدِ وَوَلَدِ الْاِبْنِ وَاِنْ سَفَلَ وَالثُّمُنُ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ وَاِنْ سَفَلَ

ترجمہ:۔ (چوتھا مرد ذوی الفروض میں سے شوہر ہے) اور شوہر کے دو حال ہیں (کل ترکہ کا) آدھا ہے۔ بیٹا، بیٹی اور پوتا پوتی اگرچہ نیچے کے درجے کے ہوں موجود نہ ہونے کی صورت میں اور چوتھائی ہے بیٹا، بیٹی یا پوتا پوتی اگرچہ نیچے کے درجہ کے ہوں موجود ہونے کی حالت میں (یہ فصل ذوی الفروض) عورتوں کے حصوں کے بیان میں ہے۔ بیویوں کے دو حال ہیں۔ ایک (زوجہ) یا زیادہ کے لئے چوتھائی ہے۔ بیٹا، بیٹی اور پوتا پوتی اگرچہ نیچے کے درجہ کے ہوں موجود نہ ہونے کی صورت میں آٹھواں (حصہ) ہے۔ بیٹا، بیٹی یا پوتا، پوتی اگرچہ نیچے کے درجہ کے ہوں موجود ہونیکی صورتیں۔

۱ قولہ فحالتان الخ یعنی جب میت عورت ہو اور وہ شوہر چھوڑے تو اس کی دو حالتیں ہیں۔ دو حالتوں سے تیسری حالت کی طرف متجاوز نہ ہوگا اور نہ شوہر کسی حالت میں بھی حجب حرمان کے طور پر محجوب ہوگا۔ اس پر باری تعالیٰ عزاسمہ کا یہ قول وَلَکُمْ نِصْفُ مَا تَرَکَ اَزْوَاجُکُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ کَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَکُمُ الرُّبُعُ۔ (اگر تمہاری بیبیوں کے اولاد نہ ہو تو انکے ترکہ میں سے تم کو نصف ملیگا اور اگر ان کے اولاد ہو تو تم کو ربع حصہ ملیگا) شاہد ہے مطلب یہ ہے کہ عورت کی اپنی اولاد یا پسری اولاد نہ ہونیکی صورتیں شوہر کو ترکہ کا نصف حصہ ملتا ہے اور اسکی اولاد یا پسری اولاد ہونے کی صورت میں کل مال کا ربع حصہ ملتا ہے خواہ وہ اولاد اسی شوہر سے ہو یا اس سے پہلے شوہر سے ہو یا دونوں شوہر سے اولاد ہو تنبیہ:۔ مسلمان عورت کے ایک وقت میں ایک سے زیادہ شوہر نہیں ہوسکتے لہٰذا جب مرے گی ایک ہی کے نکاح میں

انتقال کرے گی وہی اسکا وارث ہوگا لیکن اگر بالفرض کسی طرح دو یا تین شوہر ثابت ہو جائیں تو جو کچھ حصہ ایک شوہر کا مقرر ہے اسی کو باہم مساوی طور پر تقسیم کرلیں یہ نہ ہوگا کہ ہر ایک کو پوری میراث علیحدہ علیحدہ دی جائے۔ مثلاً دو یا تین شخصوں نے ایک عورت کے انتقال کے بعد متوفیہ کے متروکہ پر دعویٰ کیا اور ہر ایک نے گواہ گزارنے کہ یہ میری زوجہ تھی اور گواہوں نے کوئی تاریخ اور وقت بیان نہیں کیا یا دونوں یا تینوں شخصوں کے گواہوں نے ایک ہی وقت و تاریخ بیان کیا تو یہ دونوں یا تینوں شخص شوہر سمجھے جائیں گے اور جو کچھ ایک شوہر کا حصہ دیا جاتا ہے اس کو باہم تقسیم کرلیں۔ اگر گواہوں نے مختلف تاریخیں بیان کیں تو جس کا نکاح پہلے ہوا ہے وہی شوہر سمجھا جائے گا اور مستحق میراث ہوگا۔ جس کے گواہ بعد کی تاریخ بیان کرتے ہیں وہ محروم رہے گا۔ یاد رکھو شوہر نے اگر اپنی زوجہ کے مرض الموت میں اس کو طلاق بائنہ یا رجعیہ دیدی یا خلع منظور کرلیا تو شوہر میراث کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ اس نے اپنے اختیار سے علاقہ زوجیت کو توڑا ہے ۱۲

ف۵۲ قولہ اَوْ وَلَدُ الْاِبْنِ الخ یعنی شوہر کے لئے میت کی اولاد یا پسری اولاد ہونے کی صورت میں ربع ہے اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے اول تو یہ کہا کہ "زوج کے لئے میت کا ولد اور ولد الابن نہ ہونیکی صورت میں نصف ہے اور اب دوبارہ یہ کہا کہ اس کے لئے میت کے ولد یا ولد الابن ہونے کی صورت میں ربع ہے۔ پہلے قول میں ولد اور ولد الابن کے درمیان واو لائے اور دوسرے قول میں "او" لائے جس کے معنی یا کے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری حالت میں ایک کا وجود کافی ہے۔ میت کا ولد ہو یا ولد الابن ہو ان میں سے ایک بھی ہو تو اس کو ربع ملتا ہے پس جبکہ مصنف نے اس بات کو جتلا دیا کہ دونوں میں سے ایک کے ہونیکی صورت میں ربع ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ دونوں کی موجودگی کے وقت بھی زوج کے لئے ربع بطریق اولیٰ ہے بخلاف پہلی صورت کے کہ اسمیں دونوں یعنی ولد یا ولد الابن میں سے ایک کا انتفار کافی نہیں بلکہ دونوں کا انتفار ضرور ہے اس لئے پہلے قول کو حرف جمع سے ذکر کیا اور دوسرے کو حرف تردید سے ۱۲

ف۵۳ قولہ لِلزَّوْجَاتِ الخ۔ اگرچہ ماں اصل ولادت ہونے کی وجہ سے تقدیم کو چاہتی ہے مگر صفت زوجیت صفت امومت پر سابق ہوتی ہے اس وجہ سے ماں کو مقدم نہیں کیا ۱۲

ف۵۴ قولہ فَصَاعِدًا ۔ مصنفؒ نے اس لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ زوجہ کا حصہ چوتھائی یا آٹھواں۔ خواہ ایک بیوی ہو یا ایک سے زائد ہوں حتیٰ کہ اگر چار بیبیاں بھی ہوں تو اسی چوتھائی یا آٹھویں حصہ کو برابر برابر تقسیم کرلیں یہ نہیں کہ ہر ایک کو چوتھائی یا آٹھواں حصہ دیا جائے۔ یاد رکھو! جس طرح شوہر کبھی میراث سے محروم نہیں ہوسکتا زوجہ بھی محروم نہیں رہ سکتی اور جیسے شوہر کی میراث کی دو حالتیں تھیں زوجہ کے بھی دو حال ہیں صرف حصوں کے کم و بیش ہونے کا فرق ہے عدت گزرنے سے پہلے شوہر اور زوجہ میں ایک قسم کا علاقہ باقی رہتا ہے اسی وجہ سے عورت دوسرا نکاح نہیں کرسکتی اور اگر مرد کے پاس تین زوجہ موجود ہوں اور چوتھی عدت گزار رہی ہو تو جب تک عدت گزر نہ جائے

مرد کو پانچویں زوجہ سے نکاح حلال نہیں۔ غرض عدت میں عورت گویا اسی شوہر کی زوجہ سمجھی جاتی ہے لہٰذا اگر طلاق رجعی یا طلاق بائنہ دینے کے بعد عدت گزرنے سے پہلے شوہر نے انتقال کیا تو زوجہ کو میراث میں سے حسب قواعد ترکہ ضرور چوتھائی یا آٹھواں حصہ ملیگا خواہ یہ طلاق مرض الموت میں دی ہو یا اس سے پہلے اور اگر عورت نے کچھ مال دیکر شوہر سے طلاق لی یعنی خلع کرلیا یا بلامعاوضہ شوہر سے طلاق بائنہ مانگ لی تو میراث کی مستحق نہ ہوگی خواہ عدت کے بعد شوہر نے انتقال کیا ہو یا عدت گزرنے سے پہلے ۱۲

۵۵ قولہ وَوَلَدُ الْاِبْنِ ۔ یعنی اگر شوہر نے بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، پڑپوتا، پڑپوتی میں سے کوئی نہیں چھوڑا تو زوجہ کو اس کے ترکہ میں سے چوتھائی حصہ ملے گا چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ (جب تم لوگوں کے اولاد نہ ہو تو تمہاری بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی ملے گا۔ یہ پہلی حالت ہے ۱۲

۵۶ قولہ وَالثُّمُنُ الخ۔ یعنی اگر شوہر کا انتقال ہوا اور اس کے بیٹا، بیٹی یا بیٹے کی اولاد موجود ہو اگرچہ نیچے کے درجہ پر ہوں جیسے پڑپوتا، پڑپوتی یا پڑپوتے کی اولاد تو زوجہ کو اس کے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملتا ہے۔ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ (یعنی اگر تمہاری صلبی یا پسری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے بیبیوں کا آٹھواں حصہ ہے) اس پر دال ہے یہ دوسری حالت ہے یاد رکھو! یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ اگر شوہر کے اولاد یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی وغیرہ موجود ہو تو زوجہ کو آٹھواں حصہ ملتا ہے اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ اولاد اسی زوجہ سے ہو جو موجود ہے اور آٹھویں حصہ کی مستحق ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ مرنے والے نے اولاد چھوڑی ہو خواہ وہ اولاد اسی عورت کے بطن سے ہو یا کسی پہلی زوجہ کے پیٹ سے یا دونوں قسم کی ہو یعنی اس زوجہ سے بھی ہو اور پہلی بیبیوں سے بھی۔ ہم تین مثالیں وضاحت کے لئے ذیل میں لکھتے ہیں۔ مثال اول:۔ زید کا انتقال ہوا اور اس کے پہلی زوجہ سے دو لڑکے موجود ہیں۔ فی الحال جو زوجہ زندہ ہے اس سے کچھ بھی اولاد نہیں تو اس زوجہ کو صرف آٹھواں ترکہ میں سے حصہ ملے گا۔ مثال دوم:۔ عمر کے انتقال کے وقت دو زوجہ موجود ہیں۔ پہلی سے کچھ اولاد نہیں۔ دوسری سے تین لڑکے دو لڑکیاں موجود ہیں اس صورت میں ہر دو زوجہ کو میراث کا آٹھواں حصہ دیا جائے گا (باہم اسی کو تقسیم کرلیں گی) مثال سوم:۔ خالد کے پہلی زوجہ سے ایک لڑکی اور دوسری زوجہ سے جو زندہ ہے تین لڑکے ہیں تو خالد کے انتقال پر موجودہ زوجہ کو آٹھواں حصہ دیا جائے گا۔ شوہر اور زوجہ کے حصص کو پڑھ کر تم کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ حق تعالیٰ نے ان کے حصوں میں لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ کی رعایت رکھی ہے یعنی مرد کو دوچند عورت کو اکہرا یعنی میت کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں زوجہ کو ربع ملتا ہے اور شوہر کو اس سے دوچند یعنی نصف اور اگر میت کے اولاد ہو تو زوجہ کو آٹھواں حصہ ملتا ہے اور شوہر کو اس سے دوچند یعنی چوتھائی اور یہ بھی

وَاَمَّا لِبَنَاتِ الصُّلْبِ[1] فَاَحْوَالٌ ثَلٰثٌ اَلنِّصْفُ[2] لِلْوَاحِدَةِ وَ

فی تعیین البنات بصلب المیت احتراز عن بنات الابن ولہا ستۃ حالات وسیذکرہا المؤلف ۱۲

الثُّلُثَانِ[3] لِلِاثْنَتَیْنِ فَصَاعِدَۃً وَمَعَ الِابْنِ[4] لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ

حالۃ ثانیۃ من الثلث ۱۲ — واحدۃ کانت او اکثر ۱۲ — حالۃ ثالثۃ من الثلث

الْاُنْثَیَیْنِ وَھُوَ یُعَصِّبُھُنَّ وَبَنَاتُ الِابْنِ کَبَنَاتِ الصُّلْبِ[5]

ترجمہ :- اور صلبی بیٹیوں کے تین حال ہیں۔ ایک صلبی بیٹی کے لئے نصف ہے اور دو یا زیادہ صلبی بیٹیوں کے لئے دو تہائی ہے اور لڑکے کے ساتھ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ (یعنی بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے حصہ کے برابر) ہے اور وہ (بیٹا) اُن (بیٹیوں) کو (ذوی الفروض سے نکال کر) عصبہ کر دیتا ہے اور پوتیاں صلبی بیٹیوں کی مانند ہیں۔

---

[1] قولہ لبنات الصلب الخ یعنی میت کی صلبی بیٹیوں کے لئے یعنی میت کے نطفے سے جو بیٹیاں ہوں خواہ میت باپ ہو یا ماں، ان کے تین حالات ہیں بنات الصلب میں الف لام مضاف الیہ کے عوض آیا ہے دراصل عبارت یوں ہے لبنات صلب المیت صُلْب وصُلُب بمعنی ریڑھ کی ہڈی کی گریاں جو کندھوں کے درمیان سے کمر تک ہوتی ہیں جو خروج منی کی جگہ ہے جس کی جمع اصلب و اصلاب آتی ہے جماع کو بھی صلب کے نام سے اس وجہ سے موسوم کرتے ہیں کہ منی کا خروج اس سے ہوتا ہے ابناء اور بنات صلب کی طرف منسوب ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ منی سے پیدا ہوتے ہیں جو صلب سے نکلتی ہے تاج العروس میں کیانی سے نقل کر کے بیان کیا ہے کہ اہل عرب ھٰؤلاء ابناء صلبتہم بولا کرتے ہیں یہاں بنات الصلب سے مراد بلا واسطہ میت کی بیٹیاں ہیں یہ علماء کے نزدیک ذائع وشائع ہے اسی بناء پر بعض محدثین نے باب منعقد کر کے کہا ہے۔

باب فی میراث الصلب۔ بنات کو صلب کے ساتھ مقید کرنے سے بنات الابن سے احتراز ہو گیا کیونکہ

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

معلوم ہو گیا ہو گا کہ زوجہ کی اولاد موجود ہونے سے شوہر کا حصہ کم ہو جاتا ہے اور شوہر کی اولاد سے زوجہ کے حصہ میں کمی واقع ہوتی ہے اب صرف اس بات پر غور کر لینا چاہیئے کہ جس اولاد کی وجہ سے زوجہ اور شوہر کا حصہ کم ہو جاتا ہے وہ یہ اولاد ہے۔ بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، پوتے کا بیٹا یا بیٹی یعنی پڑپوتا پڑپوتی بس اگر کسی میت کی بیٹی کی اولاد یعنی نواسہ نواسی کی اولاد یا پوتی کی اولاد ہو اس کی وجہ سے زوجہ اور شوہر کے حصص میں کمی نہ آئے گی زوجہ کا ہم کفو ہونا میراث میں شرط نہیں ہے لیکن نکاح صحیح ہونا شرط ہے پس ولد الزنا کا حق میراث نہیں ہے اور نہ زانیہ زوجہ متصور ہوگی۔ اگر زوجہ کا مہر باقی ہو تو قرضہ ہے پس ترکہ سے پہلے ادا کیا جائے گا ۱۲

ان کے چھ حال ہیں۔ یاد رکھو کہ بیٹی کبھی محروم نہیں ہوتی اگر اس کا بھائی یعنی میت کا بیٹا ساتھ ہوتا ہے تو عصبہ بن جاتی ہے ورنہ ذوی الفروض میں رہتی ہے۔

۵۲ قولہ اَلنِّصْفُ الخ ایک یہ کہ جب میت ایک صلبی بیٹی کو چھوڑے اور اس کے ساتھ کوئی بیٹا نہ ہو تو بیٹی کو نصف ترکہ ملے گا چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۔ سو اگر لڑکی اکیلی ہو تو اس کا آدھا (ترکہ) ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ قول وَلَهٗ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ (یعنی اور اس کے ایک بہن ہو تو اس کے لئے جو مال چھوڑ گیا ہے اسکا آدھا ہے) بھی اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ بیٹی بہ نسبت بہن کے قرابت میں میت سے قریب تر اور از روئے رحم کے اشد ہے لہذا بیٹی آدھا حصہ پانے کی بہ نسبت بہن کے زیادہ مستحق ہوئی مثلاً میت نے ایک بیٹی اور ایک چچا چھوڑا تو دو سے ہو کر نصف جو ایک سہم ہے بیٹی کو اور باقی جو ایک رہا چچا کو بطور عصوبت کے ملجائے گا اور اگر اور کوئی وارث بالکل نہ ہو تو باقی نصف بھی بیٹی ہی کو بطور رد کے مل جائے گا۔

۵۳ قولہ اَلثُّلُثَانِ یعنی دوسرا حال یہ ہے کہ جب دو ہوں یا دو سے زیادہ اور کوئی بیٹا نہ ہو تو دو تہائی ترکہ ملتا ہے اس دو تہائی کو آپس میں کتنی ہی ہوں تقسیم کرلیں۔ دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ عز اسمہ نے فرمایا ہے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ یعنی مرد کا حصہ دو عورت کے برابر ہے پس اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو بیٹے کے لئے دو تہائی اور بیٹی کے لئے تہائی ہے اس نص میں دلالت ہے کہ فقط دو بیٹیاں ہوں تو ان کے لئے دو تہائی ہے جیسے ایک بیٹے کے لئے تھا اور دو سے زیادہ کے لئے فرمایا فَاِنْ كُنَّ نِسَاۤءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ یعنی اگر دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ان کے لئے دو تہائی ترکہ ہے اب اوپر کے حکم سے ملا کر معلوم ہوا کہ دو ہوں یا دو سے زیادہ ہوں بہرحال دو تہائی ترکہ پائیں گی عَامَّةُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ کا یہی قول ہے کہ دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی ترکہ ہے اور اسی پر ہمارے علماء کا عمل ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ دو بیٹیوں کے لئے بھی ایک کے ساتھ لاحق کرکے نصف ترکہ کا حکم صادر فرماتے ہیں اور اپنے دعوی پر دلیل میں حق تعالیٰ شانہ کا یہ قول پیش کرتے ہیں فَاِنْ كُنَّ نِسَاۤءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ (یعنی اگر دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ان کے لئے دو تہائی ترکہ ہے) یہاں حق تعالیٰ شانہ نے دو تہائی ترکہ کے حکم کو دو سے زیادہ بیٹیاں ہونے پر معلق کیا ہے اور معلق بالشرط وجود شرط سے پہلے معدوم ہے لہذا ان دو بیٹیوں کے لئے جب تک دو سے زیادہ نہ ہوں دو تہائی ترکہ نہ ہوگا بلکہ ان کے لئے نصف ترکہ ہوگا کیونکہ بیٹیوں کا حصہ بالاجماع بیٹے کے موجود نہ ہونے کی صورت میں آدھا ہے یا دو تہائی۔ پس جبکہ دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی ترکہ نہ ثابت ہوا تو کم از کم نصف تو ضرور ہونا چاہیئے ورنہ ان کا ترکہ سے محروم ہونا لازم

آئے گا جو باطل ہے۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ تعلیق بالشرط عند عدمہ نفی حکم کو واجب نہیں کرتی اس لئے کہ جائز ہے کہ حکم کسی دوسری دلیل سے ثابت ہو جائے۔ یہاں پر دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی ترکہ کتاب اللہ سے اشارۃً اور سنت سے صراحۃً ثابت ہے۔ کتاب اللہ تعالیٰ سے تو باری تعالیٰ عزاسمہ کا یہ قول ہے فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ (یعنی مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے) مراتب اختلاط میں ادنیٰ مرتبہ ایک بیٹے اور ایک بیٹی کا اختلاط ہے جس میں بالاتفاق بیٹے کو دو تہائی ترکہ ملے گا اس سے اشارۃً معلوم ہو گیا کہ چونکہ ایک بیٹا بمنزلہ دو بیٹیوں کے ہے لہٰذا دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی ترکہ ہے جبکہ ان کے ساتھ کوئی بیٹا موجود نہ ہو۔ پس جبکہ اشارۃ النص سے معلوم ہو گیا کہ دو بیٹیوں کیلئے دو تہائی ترکہ ہے تو اُنثیین کے لئے کسی نصِ صریح کی ضرورت نہیں رہی۔ اب اگر کوئی وہم کرنے والا وہم کرتا ہے کہ جب دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی ترکہ ثابت ہوا اور ایک بیٹی کے لئے آدھا ترکہ تھا۔ ایک بیٹی کے زیادہ ہونے سے چھٹا حصہ بڑھا کیونکہ آدھا اور چھٹا حصہ مل کر دو تہائی ہوتا ہے لہٰذا دو بیٹیوں پر ہر بیٹی کے زیادہ ہونے سے چھٹا حصہ بڑھے گا تو حق تعالیٰ نے اس وہم کے رفع کرنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا وَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ یعنی اگر دو سے زیادہ ہوں تو اُن کے لئے دو تہائی ترکہ ہے خواہ کتنی ہی بیٹیاں ہوں۔ دو تہائی میں شریک رہیں گی اور برابر تقسیم کر لیں گی سنت صریح سے سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جو قبیلہ خزرج کے جلیل القدر انصاری صحابی تھے۔ آپ شوال ۳ھ ہجری میں احد کی مشہور لڑائی میں بارہ زخم کھا کر شہید ہو گئے۔ آپ نے ایک زوجہ اور دو لڑکیاں چھوڑیں ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی نے دستور قدیم کے مطابق کُل مال پر قبضہ کر لیا۔ زوجہ اور دونوں بیٹیاں محروم رہ گئیں۔ ان کی زوجہ لڑکیوں کو ہمراہ لے کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ حضرت! میرے شوہر سعد بن ربیع کی یہ دو لڑکیاں ہیں۔ ان کے والد نے غزوۂ احد میں حضور کے قدموں پر جان نثار کر دی۔ جو کچھ ان کا ترکہ اور مال تھا وہ سب ان لڑکیوں کے چچا نے لیا اور ان کے لئے کچھ نہ چھوڑا اب ان کے نکاح کی فکر ہے۔ اور جب تک کسی قدر مال نہ ہو عزت کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا۔ کیا علاج کروں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ربیع کی زوجہ کو یہ ارشاد فرما کر رخصت کر دیا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرما دینگے۔ سعدؓ کی زوجہ کچھ عرصہ تک صبر کرنے کے بعد پھر روتی ہوئی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئیں ان کا رونا رحمتِ الٰہی کے لئے بہانہ بن گیا اور میراث کا سب سے آخری اور قطعی صاف اور مشرح حکم يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ (آخر رکوع تک) نازل ہو گیا جس میں زوجہ اور بیٹیوں کا حصہ بھی مقرر فرما دیا گیا ہے اور تمام وارثوں کے نہایت وضاحت سے یقینی اور قطعی حصے مقرر فرما دئے گئے ہیں جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس

حکم کی تعمیل میں سعد رضی اللہ عنہ کے بھائی کے پاس کہلا بھیجا کہ اپنے بھائی کے مال میں سے دو تہائی مال اس کی لڑکیوں کو دیدو اور آٹھواں حصہ زوجہ کو اور جو کچھ باقی رہے وہ تمہارا ہے یہ سب سے پہلی میراث ہے جو آخری قاعدہ میراث کے مطابق اسلام میں تقسیم ہوئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول وَاِنْ کُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ الخ سے مراد اِثْنَتَیْنِ فَمَا فَوْقَھَا ہے یعنی اگر دو بیٹیاں یا دو سے زیادہ ہوں تو اُن کے لئے دو تہائی ترکہ ہے کیونکہ یہ آیت اسی واقعہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس آیت سے استدلال کا جواب ہو گیا۔ نیز علماء نے بیٹیوں کے لئے ترکہ کو بہنوں کے ترکہ پر قیاس کیا ہے اس لئے ایک بہن کے لئے نصف اور دو بہنوں کے لئے دو تہائی ترکہ ہے۔ ایسے ہی ایک بیٹی کے لئے نصف اور دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی ترکہ کا ہونا اولیٰ اس لئے بیٹیاں قوت قرابت میں بہنوں سے بڑھی ہوئی ہیں۔ ابن عبد البر نے فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت کہ دو بیٹیوں کے لئے نصف ترکہ ہے منکر ہے درجۂ صحت کو نہیں پہنچتی بلکہ صحیح یہی ہے کہ وہ بھی جمہور صحابہ کی موافقت میں دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی ترکہ کے قائل ہیں۔

ملہ قولہ لِلذَّکَرِ یعنی تیسرا حال یہ ہے اگر میت کی بیٹی کے ساتھ اسکا بیٹا بھی ہو تو بیٹے کو بیٹی سے دوچند کے حساب سے ملیگا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ یعنی (مسلمانو!) تمہاری اولاد (کے حصوں) کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دیا کرو۔ جب اللہ تعالیٰ نے بیٹے کے ہوتے ہوئے بیٹیوں کا حصہ بیان نہیں کیا اس سے معلوم ہو گیا کہ بیٹا ان کو عصبہ کر دیتا ہے ذوی الفروض نہیں رہتی ہیں پس ذوی الفروض کے نہ ہونے کی صورت میں کل مال اور اُن کے ہونے کی حالت میں جو کچھ ان سے بچ رہے وہ سب ان ہی بیٹے بیٹیوں پر خواہ کتنے ہی ہوں اس طرح تقسیم ہوگا کہ ہر ایک بیٹے کو ہر ایک بیٹی سے دونا دیا جائیگا اور مسئلہ ہر بیٹے کو دو بیٹیاں فرض کرنے کے بعد اس سے ہو گا مثلاً اگر میت ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑے تو اس کے مال کے تین حصہ کر کے دو حصہ بیٹے کو اور ایک حصہ بیٹی کو دیا جائے گا۔ اور اگر دو بیٹے اور دو بیٹی چھوڑے تو مال مذکور کے چھ حصہ کر کے دو دو حصہ ہر ایک بیٹے کو اور ایک ایک حصہ ہر ایک بیٹی کو دیا جائے گا۔

ملہ قولہ کبنات الصلب یعنی بیٹے کی بیٹیاں اپنی بیٹیوں کی طرح ہیں ان تین احوال میں اگرچہ ان کے لئے اور احوال بھی ہیں جو چھ احوال تک پہنچتے ہیں۔

وَلَهُنَّ[51] اَحْوَالٌ سِتٌّ اَلنِّصْفُ[52] لِلْوَاحِدَةِ وَالثُّلُثَانِ لِلْاِثْنَتَيْنِ

ثلث لمثل البنات وثلثا اخرى فالمجموع ست ۱۲ حالة الاولى من الثلث الاولى ۱۲ حالة ثانية من الثلث الاولى ۱۲

فَصَاعِدَةً عِنْدَ عَدَمِ بَنَاتِ الصُّلْبِ وَلَهُنَّ[53] السُّدُسُ مَعَ

هذه حالة اولى من الثلث المختص لهن ۱۲

الْوَاحِدَةِ الصُّلْبِيَّةِ تَكْمِلَةً[54] لِلثُّلُثَيْنِ وَلَا يَرِثْنَ[55] مَعَ الصُّلْبِيَّتَيْنِ

حالة ثانية مختصة لهن ۱۲

اِلَّا اَنْ[56] يَكُوْنَ بِحِذَائِهِنَّ اَوْ اَسْفَلَ مِنْهُنَّ غُلَامٌ[57] فَيُعَصِّبُهُنَّ

الحالة الثالثة من الثلث الاولى المشترکة ۱۲

وَالْبَاقِيْ[58] بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ وَيَسْقُطْنَ[59] بِالْاِبْنِ

حالة ثالثة مختصة لهن ۱۲

ترجمہ :۔ اور ان (پوتیوں) کے لئے چھ حالتیں ہیں۔ نصف ایک (پوتی) کے لئے ہے اور دو تہائی دو یا زیادہ (پوتوں) کے لئے (یہ دو حالتیں) میت کی صلبی بیٹیوں کے نہ ہونے کے وقت (ہیں) اور ان (پوتیوں) کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ ایک صلبی بیٹی کے ساتھ دو تہائی پورا کرنے کے لئے (کیونکہ دو تہائی سے لڑکیوں کو زیادہ نہیں ملتا) اور دو صلبی بیٹیوں کے ساتھ وہ (پوتیاں) وارث نہ ہونگی مگر یہ کہ ان پوتیوں کے ساتھ ان کے درجہ کا یا ان کے نیچے کے درجہ کا کوئی لڑکا ہو تو یہ لڑکا ان (پوتیوں) کو عصبہ کر دیگا اور (اس وقت) باقی (ترکہ) ان کے درمیان لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ تقسیم ہوگا (یعنی لڑکے کو دو پوتیوں کا حصہ پہنچے گا۔ اور وہ (پوتیاں) بیٹا ہونے کے ساتھ ساقط (محروم) ہو جائیں گی۔

---

[51] قولہ لَهُنَّ الخ تین حالتیں تو وہی ہیں جو صلبی بیٹیوں کے بیان میں مذکور ہوئیں ان کے علاوہ تین حالتیں اور ہیں۔ اسی بنا پر ماتن نے فرمایا کہ پوتیوں کی چھ حالتیں ہیں۔ [52] قولہ اَلنِّصْفُ الخ پہلی حالت یہ ہے کہ اگر ایک پوتی ہو اور صلبی بیٹی اور کوئی پوتی اس کے علاوہ نہ ہو تو اسکو آدھا ترکہ ملیگا۔ دوسری حالت یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ پوتیاں ہوں تو دو تہائی ترکہ ملے گا۔ اسی دو تہائی کو آپس میں بانٹ لیں۔ پوتیوں کی یہ دو حالتیں اسوقت ہیں جبکہ میت کے صلبی بیٹیاں موجود نہ ہوں اسلئے کہ صلبی بیٹیوں کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے پس ان کی عدم موجودگی میں پوتیاں اُن کے قائم مقام ہوجائیں گی [53] قولہ وَلَهُنَّ السُّدُسُ الخ تیسری حالت یہ ہے کہ ان پوتیوں کو ایک صلبی بیٹی ہوتے ہوئے چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر ایک ہو تو تمام چھٹا حصہ لے لیگی اور اگر ایک سے زائد ہوں تو اس چھٹے حصہ

کو آپس میں بانٹ لیں گی اس پر ھذیل بن شرجیل کی اس حدیث سے (جس کو ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے) استدلال کیا جاتا ہے کہ ابوموسیٰ اشعری اور سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہما کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور ایک شخص کے ترکہ کے بارے میں سوال کیا جو ایک بیٹی ایک پوتی اور ایک حقیقی بہن وارث چھوڑ کر مرگیا تھا۔ ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ ترکہ میں سے آدھا بیٹی کو اور باقی حقیقی بہن کو ملے گا اور پوتی کا ترکہ میں سے کوئی حصہ بیان نہیں کیا اور ساتھ ہی ابوموسیٰ اشعریؓ نے سائل سے یہ بھی کہہ دیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاکر اس بارے میں فتویٰ لے کر مجھے اطلاع دینا شاید کہ وہ ہماری موافقت کریں۔ سائل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور دونوں حضرات کے جواب کو نقل کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس کے موافق فتویٰ دوں تو گمراہ ہونگا۔ اور میرا شمار ہدایت قبول کرنے والوں میں نہ ہوگا۔ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کو ترکہ میں سے آدھا اور پوتی کو ایک سہم یعنی چھٹا دو تہائی پورا کرنے کے واسطے اور جو باقی رہے وہ حقیقی بہن کو دینے کا حکم فرمایا ہے۔

۵۴ قولہ تَکْمِلَۃً لِلثُّلُثَیْنِ یعنی پوتی کو چھٹا حصہ ایک صلبی بیٹی کے ساتھ اس وجہ سے ہے کہ دو تہائی پورے ہوجائیں۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے بنات کے لئے دو تہائی سے زیادہ واجب نہیں کئے ہیں نیز نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا یُزَادُ حَقُّ الْبَنَاتِ عَلَی الثُّلُثَیْنِ۔ بیٹیوں کا دو تہائی سے زیادہ حق ترکہ میں نہیں ہے جب ایک صلبی بیٹی نے قوت قرابت کی بنا پر آدھا لے لیا تو اب بنات کا چھٹا حصہ ہی باقی رہا سو پوتی اس کو لے لیگی خواہ ایک ہی ہو یا کئی ہوں۔ دو تہائی کے بعد جو ترکہ باقی رہیگا تو وہ قریبی عصبہ کا حصہ ہے اگر اس جگہ عصبہ موجود ہو۔ اور اگر عصبہ قریبی نہ ہو تو باقی تہائی کو ایک صلبی بیٹی اور پوتیوں پر بقدر ان کے حقوق کے رد کردیا جائے گا جیسا کہ باب الرد میں ثابت ہے اس لئے کہ پوتیاں ایک صلبی بیٹی کے ساتھ ذوات الفروض سے ہیں اور اسوقت تک عصبہ نہیں ہوتیں جب تک انکے ساتھ کوئی لڑکا نہ ہو۔ پس اگر ان کے نیچے کے درجہ میں کوئی لڑکا ہو تو ان پوتیوں کے لئے فرضیت کی بنا پر چھٹا حصہ ہے اور باقی ترکہ نیچے درجہ کی پوتیوں کے لئے عصوبت کی بنا پر ہے اس لئے کہ لڑکا اوپر کی پوتیوں کو جب کہ وہ حصہ پانے والیں ذی فرض ہوں عصبہ نہیں کرتا۔ ۱۲

۵۵ قولہ وَلَا یَرِثْنَ الخ چوتھی حالت یہ ہے کہ دو صلبی بیٹیوں کے ہوتے ہوئے پوتیاں ہوں تو وہ وارث نہیں ہوتی ہیں۔ علی الاطلاق محروم رہیں گی اس لئے کہ جب دو تہائی صلبی بیٹیوں نے لے لیا۔ تو اب پوتیوں کے لئے کچھ باقی نہیں رہا۔ غرض کہ دو اعلیٰ درجہ والیوں کے ہوتے ہوئے نیچے کے درجہ والیوں کو یعنی صلبی بیٹیوں کے ہوتے ہوئے پوتیوں کو کچھ نہیں ملتا کیونکہ نیچے درجہ والیاں اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہوئے محجوب ہوتی ہیں اس لئے کہ دو تہائی جو بنات کا حق تھا جب اوپر درجہ والیاں لے لیں گی تو بنات

کے حق میں سے کچھ باقی نہ رہے گا جو نیچے درجہ والی پائے لہٰذا محروم ہوگی۔ یہ عامۃ الصحابۃ اور جمہور ائمہ کے نزدیک ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اسمیں اختلاف ہے اس لئے کہ انکے نزدیک دو صلبی بیٹیوں کا حکم مثل ایک صلبی بیٹی کے ہے جیساکہ گزرا۔ ۱۲

۵۶ قولہ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ الخ یہ پانچویں حالت ہے یعنی اگر پوتیوں کے ساتھ ان کے درجہ میں یا ان کے نیچے کے درجہ میں کوئی لڑکا ہو اور میت کا صلبی لڑکا نہ ہو۔ لڑکے سے ہماری مراد عام ہے بنت الابن کے درجہ کا ہو یا اس سے نیچے درجہ کا یعنی بنت الابن کا بھائی ہو یا بھتیجا یا اس سے نیچے درجہ کا ہو۔ ۱۲

۵۷ فَیُعَصِّبُھُنَّ۔ یعنی یہ لڑکا ان پوتیوں کو عصبہ کر دیگا اس لئے کہ اگر میت کے پسری اولاد نہ ہو تو لڑکے کی پسری اولاد جہاں تک نیچے درجہ پر ہو وہ مثل پسر صلبی کے ہوتی ہے۔ پس جس طرح پسر تمام مال کے مستحق ہونے میں اپنے ساتھ اپنی بہن کو عصبہ کر دیتا ہے بالاتفاق اسی طرح اگر میت کے صلبی لڑکا نہ ہو تو بیٹے کی پسری اولاد باقی مال کے مستحق ہونے میں اپنے ساتھ اپنی بہنوں کو عصبہ کر دیگا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پوتا میت کی دو بیٹیوں کے موجود ہونے کی صورت میں پوتیوں کو عصبہ نہیں کریگا بلکہ کل ترکہ پوتے کو ملے گا اور پوتیوں کو ترکہ میں سے کچھ نہ ملے گا اس لئے کہ اس صورت میں باقی تہائی ترکہ اگر پوتے اور پوتیوں کے درمیان لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ کے قاعدہ سے تقسیم کیا جائے تو بنات کا حق دو تہائی سے زائد ہو جائیگا اور وہ دو تہائی سے زیادہ کی مستحق نہیں جمہور المرکی طرف سے اسکا جواب یہ ہے کہ زیادتی ممنوعہ مراد وہ زیادتی ہے جو بطور فرضیت ہو اور صورت ہذا میں زیادتی سحقہ بطور عصوبت ہے جو ممنوع نہیں ۱۲ ۵۸ قولہ فَالْبَاقِیْ الخ یعنی دو صلبی بیٹیوں کو دیکر جو مال بچے گا وہ پوتیوں اور اس لڑکے کے درمیان بطور عصوبت اس طرح تقسیم ہوگا کہ پوتی سے دوچند لڑکے کو پہنچے گا مثلاً ایک میت نے دو بیٹیاں اور ایک پوتی اور ایک پوتا چھوڑا تو بیٹیوں کو دو تہائی مال ملیگا اور باقی تہائی مال اس پوتے اور پوتی پر تقسیم ہو جائیگا۔ دو حصہ پوتے کو ایک حصہ پوتی کو ملیگا یا مثلاً ایک شخص نے دو بیٹیاں ایک پوتی اور ایک پڑپوتی اور ایک پڑپوتا چھوڑا۔ دو بیٹیوں کو دو تہائی ملیگا باقی تہائی مال میں سے دو حصہ پڑپوتے کو اور پوتی اور پڑپوتی کو ایک ایک حصہ ملیگا اسلئے کہ اس پڑپوتے کے سبب پڑپوتی عصبہ ہوگی کہ اسکے ساتھ والی ہے اور یہ پوتی بھی کہ اس سے اوپر درجہ کی ہے اور ذی فرض نہیں ہے یا مثلاً ایک شخص نے دو پوتیاں ایک پڑپوتی ایک پڑپوتا چھوڑا دو تہائی پوتیوں کو ملیگا اور باقی ایک تہائی میں سے دو حصہ پڑپوتے کو اور ایک حصہ پڑپوتی کو ملیگا اگر پڑپوتا نہ ہوتا تو دو پوتیوں کی وجہ سے پڑپوتی محروم ہوتی ۵۹ قولہ وَیَسْقُطْنَ بِالْاِبْنِ الخ یہ چھٹی حالت ہے کہ پوتیاں بیٹے کے موجود ہونے کے وقت ساقط یعنی محروم ہو جاتی ہیں خواہ پوتیوں کا باپ موجود ہو یا میت کا دوسرا لڑکا موجود ہو خواہ اسکے بہن ہو یا نہ ہو پوتیوں کے لئے کچھ باقی نہ رہا بخلاف میت کی لڑکی کے کہ وہ ذوی الفروض میں سے ہے جبکہ لڑکا موجود نہ ہو بعض شراح نے سقوط کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ بیٹا اصل ہے اور پوتیاں فرع اصل کے ہوتے ہوئے فرع ساقط ہوتی ہے نیز ہر بعید قریب کی موجودگی میں ساقط ہوتا ہے۔

وَلَوْ تَرَكَ ثَلٰثَ بَنَاتِ ابْنٍ بَعْضُهُنَّ اَسْفَلُ مِنْ بَعْضٍ وَّثَلٰثَ
المورث ١٢ درجة ٢

بَنَاتِ ابْنِ ابْنٍ اٰخَرَ بَعْضُهُنَّ اَسْفَلُ مِنْ بَعْضٍ وَثَلٰثَ بَنَاتِ
كبنت الابن وبنت ابن الابن وبنت ابن ابن الابن

ابْنِ ابْنِ ابْنٍ اٰخَرَ بَعْضُهُنَّ اَسْفَلُ مِنْ بَعْضٍ بِهٰذِهِ الصُّوْرَةِ

زید مثلاً

میت

درجة	الفريق الاول	الفريق الثاني	الفريق الثالث
(١)	ابن عمرو ١٢	ابن بكر ١٢	ابن خالد
(٢)	ابن — بنت (زینب)	ابن	ابن
(٣)	ابن — بنت (رضیہ)	ابن — بنت (ذاکرہ)	ابن
(٤)	بنت (فاطمہ)	ابن — بنت (نسرین)	ابن — بنت (حلیمہ)
(٥)		ابن — بنت (حمدی)	ابن — بنت (زہرہ)
(٦)			بنت (مریم)

اَلْعُلْيَا مِنَ الْفَرِيْقِ الْاَوَّلِ لَا يُوَازِيْهَا اَحَدٌ وَالْوُسْطٰى مِنَ الْفَرِيْقِ

الْاَوَّلِ تُوَازِيْهَا الْعُلْيَا مِنَ الْفَرِيْقِ الثَّانِيْ وَالسُّفْلٰى مِنَ الْفَرِيْقِ
لانهما بعيدتان من الميت بواسطتين ١٢

الْاَوَّلِ تُوَازِيْهَا الْوُسْطٰى مِنَ الْفَرِيْقِ الثَّانِيْ وَالْعُلْيَا مِنَ الْفَرِيْقِ
لانهما بعيدتان من الميت ثلثة وسائط ١٢

الثَّالِثِ وَالسُّفْلٰى مِنَ الْفَرِيْقِ الثَّانِيْ تُوَازِيْهَا الْوُسْطٰى مِنَ
لانهما بعيدتان من الميت باربعة وسائط ١٢

[illegible]
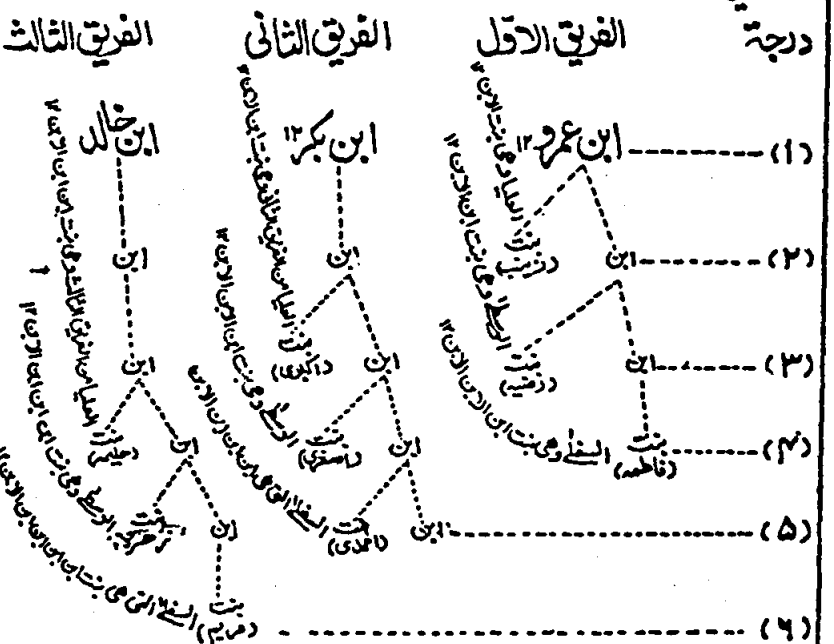
اَلْفَرِيْقِ الثَّالِثِ وَالسُّفْلٰى مِنَ الْفَرِيْقِ الثَّالِثِ لَا يُوَازِيْهَا اَحَدٌ

ترجمہ :- (۱) اگر میت تین پوتیاں ایسی چھوڑے کہ ان میں سے بعض بعض سے نیچے (کے درجہ) میں ہوں (۲) اور (ایک) پوتے کی تین (ایسی) بیٹیاں (چھوڑے) کہ انیں سے بعض بعض سے نیچے (کے درجہ میں) ہوں (۳) اور (ایک) پڑپوتے کی تین ایسی بیٹیاں چھوڑے کہ ان میں سے بعض بعض سے نیچے (کے درجہ میں) ہوں۔ اس صورت سے میں

	فریق اول	فریق دوم	فریق سوم
(۱)	ابن عمرو	ابن بکر	ابن خالد
(۲)	ابن — بنت زینب	ابن	ابن
(۳)	ابن — بنت رضیہ	ابن — بنت کبری	ابن
(۴)	بنت فاطمہ	ابن — بنت صغری	ابن — بنت حلیمہ
(۵)		بنت احمری	ابن — بنت زہرا
(۶)			بنت مریم
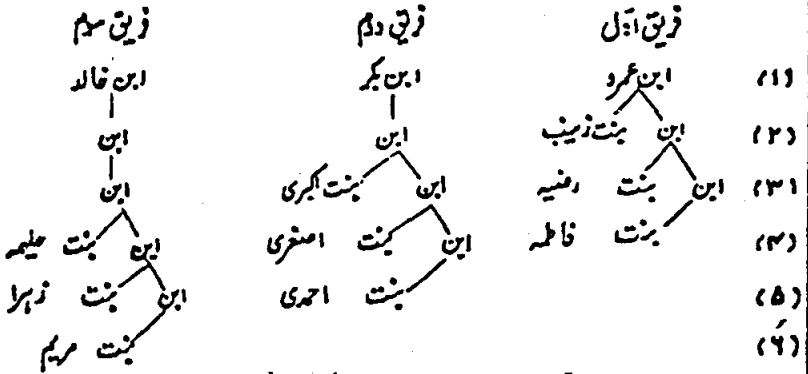
فریق اول کی علیا یعنی اوپر کے درجہ کی اس کے مقابلے میں کوئی (لڑکی) نہیں ہے پہلے فریق کی درمیانی درجہ کی لڑکی اس کے مقابلہ میں فریق ثانی کی علیا یعنی اوپر درجہ کی (لڑکی) ہے اور فریق اول کے نیچے درجہ کی لڑکی کا اسکے مقابلے میں فریق دوم کی درمیانی درجہ کی لڑکی اور فریق سوم کی اعلیٰ درجہ کی لڑکی ہے فریق دوم کی نیچے درجہ کی لڑکی اس کے مقابلے میں فریق سوم کی درمیانی درجہ کی لڑکی ہے۔ فریق سوم کے نیچے کے درجہ کی لڑکی اس کے مقابلہ میں کوئی لڑکی نہیں ہے۔

ف قولہ وَلَوْ تَرَكَ الخ جاننا چاہیئے یہ ایک اہل فرائض کا مسئلہ ہے جس کو مسئلہ تشبیب سے موسوم کرتے ہیں جو مختلف درجوں کی بنات ابن (پوتیوں) پر شتمل ہے اس مسئلہ کا نام تشبیب اس لئے رکھا ہے کہ تشبیب کے لغوی معنی شعر پڑھنا جسمیں عورت کے حسن وجمال اور اس سے اپنے عشق کا حال اور تمنّائے وصال بیان کرنا ہوتا ہے۔ شاعر قصیدہ مدحیہ کی ابتداء میں تشبیب لایا کرتے ہیں کہ ہوش وحواس کو مجتمع کر کے ذہن کو تیز کریں پھر اس سے خلاصی پاکر ممدوح کی مدارح کرنے کی طرف متوجہ ہوں تاکہ قصیدہ میں باریکی اور خوبی ہو اور سامعین کے کان اس کے سننے کی طرف مشتاق ہوں اسی سے یہ مسئلہ ماخوذ ہے کہ ذہن کو تیز کرتا اور اپنی باریکی اور خوبی سے طلباء کو سننے اور پڑھنے کا مشتاق بنتا ہے اس مسئلہ کے لانے سے ماتن کی غرض ایک شبہ کا دفع کرنا اور ایک سوال کا جواب دینا ہے جو پوتیوں کی پانچویں حالت کہ دو صلبی بیٹیوں کی

موجودگی میں وارث نہیں ہوتیں پر وارث ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ اگر پوتیاں ہی کسی درجہ میں مختلط ہو جائیں تو کیا وہ تقسیم ترکہ میں مساوی بھی جائیں گی یا ان کے درمیان تفاوت ہوگا پس اس مسئلہ کے وضع کرنے اور بنات مختلفہ کے احکام بیان کرنے سے جواب دیا گیا تاکہ دوسرے مسائل کو اس پر قیاس کیا جاسکے ۱۲

۵۲ قولہ اَسْفَلُ مِنْ بَعْضٍ: ہر فریق میں تین درجہ ہیں علیا (بڑی) وسطی (درمیانی) سفلی (ادنیٰ) اس کی صورت یہ ہے مثلاً زید مورث اعلیٰ کے تین لڑکے تھے عمرو، بکر، خالد۔ یہ تینوں باپ کی زندگی میں فوت ہوگئے مگر عمرو نے ایک بیٹے کی ایک بیٹی زینت دوسرے بیٹے کی ایک پوتی رضیہ تیسرے بیٹے کی پڑپوتی فاطمہ چھوڑ کر وفات پائی۔ اسی طرح بکر نے ایک بیٹے کی پوتی اکبری اور دوسرے بیٹے کی ایک پڑپوتی اصغری اور تیسرے بیٹے کی ایک سکڑپوتی احمدی چھوڑ کر انتقال کیا۔ اسی طرح خالد نے ایک لڑکے کے پوتے کی ایک بیٹی حلیمہ دوسرے لڑکے کے پڑپوتے کی ایک بیٹی زہرا تیسرے لڑکے کے سکڑپوتے کی ایک بیٹی مریم چھوڑ کر رحلت کی۔ یہ تین فریق ہوئے۔ فریق اول سب سے پہلے بیٹے عمرو کو۔ فریق دوم بکر کو۔ فریق سوم خالد کو سمجھو اور ہر فریق میں تین درجہ ہیں (۱) علیا، اوپر کا درجہ (۲) وسطی درمیانی درجہ (۳) سفلی نیچے کا درجہ پھر زید ان ہی تینوں فریق کے بنات ابن کو چھوڑ کر مرگیا ۱۲

۵۳ قولہ بھذہ الصورۃ۔ اگر یہاں یہ شبہ کیا جائے کہ چونکہ صلبی بیٹی اس مسئلہ میں معدوم ہے تو پوتی کو اس کا قائم مقام کرنا جائز ہے لیکن پوتی تو اس مسئلہ میں موجود ہے تو پڑپوتی کو اسکا قائم مقام کس طرح کرسکتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ جب پوتی صلبی بیٹی کے قائم مقام ہوگئی تو پوتی کی قائم مقام پڑپوتی ہوسکتی ہے ۱۲

۵۴ قولہ العلیا الخ اب مصنفؒ مسئلہ کی تصویر یوں کھینچتے ہیں:۔ فریق اول کی علیا (اوپر کے درجہ کی لڑکی) زینب کے مقابلہ میں کوئی لڑکی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ فریق اول کی بڑی لڑکی کی برابر کوئی لڑکی دوسرے اور تیسرے طبقہ کی نہیں اس لئے کہ اس کی نسبت میت (زید) کی طرف ایک واسطہ سے ہے اور وہ واسطہ اسکا باپ عمرو ہے دوسری لڑکیوں کو ایسی نسبت حاصل نہیں ۱۲

۵۵ قولہ والوسطیٰ الخ یعنی فریق اول کی درمیانی لڑکی رضیہ کے مقابلہ میں فریق دوم کی اول نمبر کی لڑکی اکبری ہے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک کی نسبت میت (زید) کی طرف دو واسطوں سے ہے اول واسطہ میت کا پوتا اور دوسرا واسطہ میت کا بیٹا ہے ۱۲

۵۶ قولہ والسفلیٰ الخ یعنی فریق اول کے نیچے کے درجہ کی لڑکی فاطمہ کے مقابل فریق دوم کے درمیانی درجہ کی لڑکی اصغری اور فریق سوم کے اوپر کے درجہ کی لڑکی حلیمہ ہے اس لئے ان میں سے ہر ایک کو میت (زید) کی طرف پہنچنے میں تین واسطہ درکار ہیں اول واسطہ میت کا پڑپوتا دوسرا واسطہ میت کا پوتا اور تیسرا واسطہ میت کا بیٹا ہے ۱۲

۵۷ قولہ والسفلیٰ من الفریق الثانی الخ یعنی فریق دوم کے نیچے درجہ کی لڑکی احمدی کے مقابلہ فریق

إِذَا عَرَفْتَ هٰذَا فَنَقُولُ لِلْعُلْيَا مِنَ الْفَرِيقِ الْأَوَّلِ النِّصْفُ وَلِلْوُسْطٰى مِنَ الْفَرِيقِ الْأَوَّلِ مَعَ مَنْ يُوَازِيْهَا السُّدُسُ تَكْمِلَةً لِلثُّلُثَيْنِ وَلَا شَيْءَ لِلسُّفْلِيَاتِ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ مَعَهُنَّ غُلَامٌ فَيُعَصِّبُهُنَّ مَنْ كَانَتْ بِحِذَائِهٖ وَمَنْ كَانَتْ فَوْقَهٗ مِمَّنْ لَمْ تَكُنْ ذَاتَ سَهْمٍ وَيَسْقُطُ مَنْ دُوْنَهٗ

ترجمہ :- جب تم کو یہ معلوم ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ فریق اول کی علیا کے لئے آدھا (ترکہ) ہے اور فریق اول کی وسطی کو مع اس کے جو اس (وسطی) کے مقابلے میں ہے چھٹا حصہ ہے تاکہ دو تہائی پورے ہو جائیں اور نیچے درجہ والیوں کو کچھ نہ ملے گا مگر جب کوئی لڑکا ان (پوتیوں) کے ساتھ ہو تو عصبہ کر دیگا وہ (لڑکا) ان پوتیوں میں سے اس کو جو اس کے محاذی ہو اور اپنے اوپر درجہ والیوں میں سے اس کو جو حصہ پانے والی نہ ہو اور اپنے نیچے درجہ والیوں کو محروم کردے گا ۱۲

ف۱ لِلْعُلْیَا الخ یعنی فریق اول کی اوپر درجہ والی لڑکی زینب کو نصف ملے گا اس لئے کہ جب زید کی صلبی بیٹی نہیں ہے تو یہی اس کی قائم مقام سمجھی جائے گی اور فریق اول کی درمیانی درجہ والی لڑکی رضیہ اور فریق دوم کی اوپر درجہ والی لڑکی اکبری کو چھٹا حصہ جو بنات کے حق میں سے باقی رہ گیا ہے ملیگا تاکہ دو تہائی پورے ہو جائیں۔ آدھا اور چھٹا ملکر دو تہائی ہوتے ہیں۔ یہ دونوں اس چھٹے حصہ کو آپس میں برابر تقسیم کرلیں۔ ان دونوں کو چھٹا حصہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ میت کی صلبی بیٹی نہ ہونے کی وجہ سے جب فریق اول کے اوپر والے درجہ کی پوتی اس کے قائم مقام ہو کر نصف کی حقدار ہوگئی تو یہ دونوں جو اس سے ایک درجہ

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

سوم کی درمیانی درجہ کی لڑکی زہرا ہے اسلئے کہ ان میں سے ہر ایک کو میت (زید) کیطرف چار واسطوں سے نسبت حاصل ہے اول واسطہ میت کا سکڑ پوتا دوسرا واسطہ میت کا پڑپوتا تیسرا واسطہ میت کا پوتا اور چوتھا واسطہ میت کا بیٹا ہی

ف۵ قولہ والسفلی من الفریق الثالث الخ یعنی فریق سوم کے نیچے کے درجہ کی لڑکی مریم کے مقابل کسی فریق میں سے کوئی لڑکی نہیں ہے اس لئے کہ میت کے ساتھ اس کو پانچ واسطوں سے نسبت ہے اور فریق کی لڑکیوں میں سے کسی کی یہ حالت نہیں ہے اول واسطہ میت کے سکڑ پوتے کا بیٹا دوسرا واسطہ میت کا سکڑ پوتا

نیچے تینیں بنات ابن کے قائم مقام ہوکر چھٹا حصہ جو باقی رہ گیا تھا اس کی حقدار ہوگئیں ۱۲

۵۲ قولہ للسفلیات الخ نیچے کے درجہ والیوں کو کچھ ترکہ نہ ملے گا اور وہ چھ بنات ہیں (۱) فاطمہ (۲) اصغری (۳) حلیمہ (۴) احمدی (۵) زہرا (۶) مریم۔ ان کو کچھ بھی نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ دو تہائی تین اوپر والیوں کو پورے ہوگئے جو بنات کا حق ہے بس ان چھ بنات کے لئے کوئی فرض باقی نہ رہا اور نہ ان کو عصوبت حاصل ہے تو ان کو ترکہ میں سے کوئی حق نہ پہنچے گا۔

۵۳ قولہ الا ان یکون معھن غلام ہاں اگر ان نیچے کے درجہ والیوں کے ساتھ کوئی لڑکا یعنی انکا بھائی یا بھتیجا یا نیچے درجہ کا موجود ہو تو وہ اپنے درجہ والیوں کو اور اپنے سے اوپر درجہ والیوں کو جنھوں نے ترکہ سے کچھ حصہ نہ پایا ہوگا عصبہ کردیگا اور باقی ماندہ تہائی مال ان کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ لڑکے کو لڑکی سے دوگنا ملے گا اور اپنے نیچے درجہ والیوں کو محروم کردیگا۔ واضح ہو کہ اس جگہ لڑکے کے موجود ہونے کی بنا پر کلام بسط کو مقتضی ہے وہ یہ کہ یا تو ان نو لڑکیوں میں سے ہر ایک کے ساتھ لڑکا موجود ہوگا تو اس صورت میں ترکہ اوپر درجہ والے لڑکے اور اوپر درجہ والی لڑکی کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ دو حصے لڑکے کو اور ایک حصہ لڑکی کو ملے گا مسئلہ کی صورت یہ ہے مسئلہ ۳ ابن الابن - بنت الابن باقی نیچے درجہ کے آٹھ لڑکے اور آٹھ لڑکیاں محروم ہوجائیں گے اس لئے کہ عصبات میں اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو کچھ نہیں ملتا محروم رہتا ہے۔ دوسری صورت یعنی جو ہر ایک لڑکی کے ساتھ لڑکا موجود نہ ہو تو اس کی چند صورتیں ہیں (۱) یا تو صرف فریق اول کی اوپر درجہ والی لڑکی کے ساتھ لڑکا ہوگا تو اس صورت میں بھی ترکہ ان دونوں کے درمیان اسی طرح تقسیم ہوگا کہ صرف لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ ملے گا باقی ان سے نیچے درجہ کی آٹھ لڑکیاں محروم رہیں گی (۲) یا لڑکا صرف فریق اول کے درمیانی

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

تیسرا واسطہ میت کا پڑپوتا چوتھا واسطہ پوتا اور پانچواں واسطہ میت کا بیٹا ہے ۱۲

ع۵ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے تین بیٹے تھے ان میں سے ایک بیٹے سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئی پھر اس بیٹے سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئی پھر اس بیٹے سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئی ان کو فریق اول سے نامزد کیا گیا۔ شخص مذکور کے دوسرے بیٹے سے صرف ایک بیٹا ہوا پھر اس سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئی پھر اس بیٹے سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئی پھر اس بیٹے سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئی ان کو فریق دوم کہا گیا شخص مذکور کے تیسرے بیٹے سے صرف ایک بیٹا پیدا ہوا پھر اس بیٹے سے بھی صرف ایک بیٹا پیدا ہوا پھر اس بیٹے سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئی پھر اس بیٹے سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئی پھر اس بیٹے سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئی اسے فریق سوم سے نامزد کیا گیا یہ سب لڑکے مرگئے اسکے بعد شخص مذکور جد اعلیٰ کا انتقال ہوا جس نے یہ نو پوتیاں مختلف درجہ کی چھوڑیں۔

درجہ والی لڑکی کیساتھ ہوگا اس صورت میں ترکہ فریق اوّل کی اوپر درجہ والی لڑکی اور فریق اول کے درمیانی درجہ والے لڑکے اور لڑکی اور فریق دوم کی اوپر درجہ والی لڑکی کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ نصف فریق اوّل کی اوپر درجہ والی لڑکی کو اور نصف کے چار حصّہ کر کے دو حصّہ فریق اوّل کے درمیانی درجہ والے لڑکے کو اور ایک حصّہ فریق اوّل کی درمیان درجہ والی لڑکی کو اور ایک حصّہ فریق دوم کی اُوپر درجہ کی لڑکی کو ملے گا۔ اس لئے یہ دونوں لڑکیاں پوتیوں کے قائم مقام اپنی بھائی کی درجہ سے عصبہ ہوگئی ہیں۔ مسئلہ کی صورت یہ ہوگی مسئلہ ۴ بنت الابن، ابن ابن الابن، بنت ابن الابن، بنت ابن الابن باقی ان سے نیچے کے درجہ کی چھ لڑکیاں محروم ہو جائیںگی

(۳) یا لڑکا فریق اول کی نیچے درجہ والی لڑکی کے مقابلہ میں ہوگا اس صورت میں ترکہ فریق اول کے اوپر درجہ والی اور فریق اول کے درمیانی درجہ کی لڑکی و فریق دوم کی اوپر درجہ والی لڑکی اور فریق اول کے نیچے درجہ والے لڑکے اور لڑکی اور فریق سوم کے اوپر درجہ والی لڑکی کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ فریق اول کے اوپر درجہ والی لڑکی کو نصف بطور فرضیت کے ملے گا اس لئے وہ صلبی بیٹی کے قائم مقام ہے اور فریق اوّل کے درمیانی درجہ کی لڑکی اور فریق دوم کے اوپر درجہ والی لڑکی دونوں کو چھٹا حصّہ بطور فرضیت کے ملے گا تاکہ دو تہائی پورے ہو جائیں اس لئے یہ دونوں پوتیوں کے قائم مقام ہیں اور ان کے مقابلہ میں کوئی لڑکا نہیں باقی ماندہ تہائی مال فریق اول کے نیچے درجہ کے لڑکے اور اس کی ہمشیرہ اور فریق دوم کے درمیانی درجہ کی لڑکی اور فریق سوم کے اوپر درجہ کی لڑکی کے درمیان بطور عصوبت کے اس طرح تقسیم ہوگا لڑکے کو دو حصّہ اور ہر لڑکی کو ایک ایک حصّہ ملے گا۔ مسئلہ اس طرح ہوگا۔

مسئلہ ۶ / ۳۰

بنت ابن ابن	بنت ابن ابن الابن	بنت ابن ابن الابن	ابن ابن ابن الابن	بنت ابن الابن	بنت ابن الابن	بنت الابن
۳/۳۰	۱/۵	۵	۸	۳	۴	۴

بنت ابن ابن ابن الابن	بنت ابن ابن ابن الابن	بنت ابن ابن ابن الابن
۲	۲	۲

اگر یہ لڑکا نہ ہوتا تو یہ محروم ہو جاتیں اور بقیہ تہائی مال فریق اول کے اوپر درجہ کی لڑکی اور فریق اول کی درمیانی درجہ کی لڑکی اور فریق دوم کی اوپر درجہ کی لڑکی پر بقدر ان کے حقوق کے رد ہو جاتا، مسئلہ اس طرح ہوتا کہ مسئلہ چھ سے ہو کر پانچ کی طرف رد ہو جاتا مسئلہ ۶ / ۵ بنت الابن ۳، بنت ابن الابن ۱، بنت ابن الابن ۱ پانچ میں سے تین حصہ بنت الابن کو اور ایک ایک حصّہ بنت ابن الابن میں ہر ایک کو ملے گا۔ باقی ان کے نیچے کی چار لڑکیاں محروم ہو جائیں گی (۴) یا لڑکا فریق دوم کے نیچے درجہ کی لڑکی کے مقابلے میں ہو جس کے مقابلے میں فریق سوم کے درمیانی درجہ کی لڑکی ہے اس صورت میں ترکہ فریق اول کی اوپر کے درجہ اور درمیانی درجہ اور نیچے درجہ کی لڑکیوں اور فریق دوم کے اوپر کے درجہ اور درمیانی درجہ اور نیچے درجہ کی لڑکیوں اور ایک لڑکے اور فریق سوم کے اوپر اور درمیانی درجہ کی دونوں لڑکیوں کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ فریق اوّل کی اوپر درجہ والی لڑکی کو نصف بطور فرضیت کے ملے گا اور فریق اول کے درمیانی درجہ والی لڑکی کو فریق دوم کی اوپر درجہ والی لڑکی کے ہمراہ چھٹا حصّہ بطور فرضیت

ملے گا باقی ماندہ تہائی مال فریق اول کے نیچے درجہ والی لڑکی اور فریق دوم کے درمیانی درجہ والی لڑکی اور فریق سوم کے اوپر درجہ والی لڑکی اور فریق دوم کے نیچے درجہ والی لڑکی اور لڑکے اور فریق سوم کے درمیانی درجہ والی لڑکی کے درمیان بطور عصوبت کے اس طرح تقسیم ہو جائے گا۔ لڑکے کو دو حصہ اور ہر لڑکی کو ایک حصہ ملیگا مسئلہ اس طرح ہوگا میت مسئلہ ۶ تصحیح ۴۲

بنت الابن ۲۱ — بنت ابن الابن ۷ — بنت ابن ابن الابن ۷ — بنت ابن ابن الابن ۴ — بنت ابن ابن ابن الابن ۴

بنت ابن ابن ابن الابن ۴ — بنت ابن ابن ابن الابن ۴ — ابن ابن ابن ابن الابن ۸ — بنت ابن ابن ابن الابن ۴ — بنت ابن ابن الابن محروم

فریق سوم کی نیچے درجہ والی لڑکی محروم ہوگی اس لئے کہ اس کے مقابل یا اس کے نیچے درجہ میں کوئی لڑکا نہیں ہے اگر اس کے مقابل کوئی لڑکا ہوتا تو تیسرے فریق کی یہ آخری لڑکی بھی وارث ہوتی اور اس وقت میں فریق اول کی پہلی لڑکی کو نصف اور فریق اول کی درمیانی لڑکی اور دوسرے فریق کی اول لڑکی کو چھٹا حصہ ملکر دو تہائی پورے ہو جاتے جیسا کہ کئی مرتبہ اوپر گزر چکا باقی ماندہ تہائی مال فریق اول کی آخری لڑکی اور دوسرے فریق کی درمیانی اور آخری لڑکی اور تیسرے فریق کی اول اور درمیانی لڑکی اور آخری لڑکے لڑکی کے درمیان بطور عصوبت کے اس طرح تقسیم ہو جاتا کہ لڑکے کو دو حصہ اور ہر لڑکی کو ایک حصہ مل جاتا اس لئے لڑکا اپنے مقابل اور اوپر والیوں کو اور جنھیں حصہ نہیں ملا عصبہ کر دیتا "خزانۃ المفتیین" میں اس مسئلۃ التشبیب کا حل اس طرح مذکور ہے :۔

اگر میت تین پوتیاں چھوڑے کہ بعض ان کی بعض سے اسفل ہوں اور پوتے کی تین بیٹیاں چھوڑے کہ بعض ان کی بعض سے اسفل ہوں اور پڑپوتے کی تین بیٹیاں چھوڑے کہ بعض ان کی بعض سے اسفل ہوں اسکی صورت یہ ہے کہ جس وقت میت کے بیٹے کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو اور اسکے پوتے کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو اور اس کے پڑپوتے کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو پس لڑکے سب مر جائیں اور لڑکیاں باقی رہیں اس طرح کہ اس کے لڑکے کی تین لڑکیاں ہوں اور اسی طرح پوتے کی تین لڑکیاں ہوں اور اسی طرح پڑپوتے کی تین لڑکیاں ہوں، اس صورت پر :۔

میت

فریق اول	فریق دوم	فریق سوم
بیٹا	بیٹا	بیٹا
پوتی	پوتا	پوتا
پوتی	پوتی	پڑپوتا
پوتی	پوتی	پوتی
	پوتی	پوتی
		پوتی

فریق اول میں سے جو کہ ادنیٰ درجہ کی لڑکی ہے اسکے مقابل کوئی نہیں اور جو فریق اول میں درمیانی درجہ کی لڑکی ہے

اس کے مقابل میں فریق دوم کی اونچے درجہ کی لڑکی ہے اور جو فریق اول میں سے سب سے نیچی لڑکی ہے اسکے مقابل فریق دوم سے درمیانی لڑکی اور فریق سوم سے سب سے اونچی لڑکی ہے اور جو فریق دوم سے سب سے نیچی لڑکی ہے اسکے مقابل فریق سوم سے درمیانی لڑکی ہے اور جو کہ فریق سوم سے سب سے نیچی لڑکی ہے اس کے مقابل کوئی لڑکی نہیں پس فریق اول میں سے اونچی کے لئے نصف ہوگا اور فریق اول میں سے درمیانی کے لئے اور فریق دوم میں سب سے اونچی کے لئے دونوں کے درجہ میں برابر ہونے کی وجہ سے سدس ہوگا تاکہ دو ثلث پورے ہو جائیں اور باقیوں کیلئے کوئی شے نہ ہوگی پس اگر فریق اول میں سے سب سے اونچی کے ساتھ لڑکا ہو تو مال لڑکے اور لڑکی میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ لڑکے کو دو حصہ اور لڑکی کو ایک حصہ دیا جائیگا اور باقی عورتیں ساقط ہو جائیں گی اور اگر فریق اول میں سے درمیانی لڑکی کے ساتھ لڑکا ہو تو فریق اول میں سے سب سے اونچی لڑکی کے لئے نصف ہوگا اور باقی لڑکے اور اس لڑکی میں جو اسکے درجہ میں ہے موافق للذکر مثل حظ الانثیین کے تقسیم ہوگا اور اگر لڑکا فریق اول میں سب سے آخری لڑکی کے ساتھ ہوگا تو فریق اول میں سب سے اونچی لڑکی کے لئے نصف ہوگا اور فریق اول میں سے درمیانی لڑکی کے لئے مع اسکے جو اسکے مقابل میں ہے سدس ہوگا تاکہ دو تہائی پورے ہو جائیں اور باقی لڑکے میں اور اس لڑکی میں جو اسکے مقابل ہے موافق للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہوگا اور باقی عورتیں ساقط ہو جائیں گی اور اگر فریق دوم میں سے سب سے آخری کے ساتھ لڑکا ہو تو فریق اول میں سے سب سے اونچی کے لئے نصف ہوگا اور سدس تکملۃ للثلثین کی وجہ سے اس درجہ میں سے وسطیٰ کے لئے اور اس کے لئے ہوگا جو اسکے مقابل ہے اور باقی لڑکے میں اور اس لڑکی میں جو اسکے مقابل ہے اور جو اس سے اونچی ہے ان میں سے کہ جسکا حصہ مقرر نہیں موافق للذکر مثل حظ الانثیین کے تقسیم ہوگا اور باقی عورتیں ساقط ہو جائیں گی۔ علیٰ ہذا القیاس اور کلیہ قاعدہ اسمیں یہ ہے کہ پوتے کے ساتھ پوتی عصبہ بن جاتی ہے خواہ پوتا اسکے درجہ کا ہو یا اس سے نیچے کا بشرطیکہ پوتی ذی فرض نہو۔

(ف) مسئلہ تشبیب کا واضح حل چونکہ تشبیب مسائل میں دقیق اور باریک مسئلہ ہے اس لئے اس کو مزید توضیح و تصریح کے عام طلبہ کے فائدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذیل میں درج کی جاتی ہے واضح رہے کہ بنات زیادہ سے زیادہ دو تہائی ترکہ کی حقدار ہو سکتی ہیں اس سے زیادہ ان کا حق نہیں ہے پس جب بنات کو دو تہائی مل جائے گا تو پھر کسی کو بنات میں سے جو باقی رہ جائیں گی کچھ نہ ملے گا دو تہائی ملنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ دو یا زیادہ ایک درجہ کی ہوں جیسے دو صلبی بیٹیاں یا دو پوتیاں اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک اعلیٰ درجہ کی ہو اور ایک یا زیادہ اسفل درجہ کی ہوں تو اعلیٰ درجہ والی کو نصف اور اسفل درجہ والی کو سدس ملیگا۔ اور نصف اور سدس ملکر دو تہائی پورے ہو جاتے ہیں اب اس سے اسفل درجہ والیاں جسقدر ہوں محروم رہیں گی مگر جس صورت میں کوئی مذکر ان کے ساتھ یا ان سے کم درجہ میں موجود ہو تو اسوقت دو تہائی یعنی نصف اور سدس دینے کے بعد جو باقی رہے گا اس میں سے دو حصہ مذکر کو پائے گا اور ایک ایک حصہ مؤنث کو ملے گا جو محروم رہ گئی تھیں خواہ وہ مؤنث درجہ میں

لڑکے کے مقابل ہو یا اس سے اعلیٰ درجہ میں ہوں سب برابر ہیں اور جو مؤنث اس لڑکے کے درجہ سے اسفل درجہ میں ہونگی وہ محروم رہیں گی جیسے زید نے ایک بیٹی ایک پوتا چھوڑا تو بیٹی کو آدھا اور باقی میں دو حصہ پوتا اور ایک حصہ پوتی پائے گی یا زید نے ایک بیٹی ایک پوتی اور ایک پڑپوتی اور ایک پڑپوتا اور چار پڑپوتے کی بیٹیاں چھوڑیں تو بیٹی کو آدھا اور پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا اور پڑپوتی محروم ہے مگر پڑپوتا ہونیکی وجہ سے باقی ماندہ مال میں لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ (لڑکے کو لڑکی سے دونا ہے) کے حساب سے ایک حصہ پائے گی۔ اور پڑپوتے کی بیٹیاں جو اس لڑکے سے نیچے درجہ میں ہیں محروم رہیں گی یہ بیان اس لڑکے کے ساتھ کا تھا جس میں لڑکا اور لڑکی دونوں ایک ہی درجہ کے تھے یعنی پڑپوتی اور پڑپوتا اور لڑکا نیچے درجہ میں ہونے کی یہ مثال ہے کہ بکر کا انتقال ہوا اس نے ایک بیٹی ایک پوتی ایک پڑپوتی ایک پڑپوتے کی بیٹی ایک پڑپوتے کا بیٹا چھوڑا۔ بیٹی کو نصف اور پوتی کو سدس اور باقی ماندہ مال میں پڑپوتی اور پڑپوتے کی بیٹی جو محروم تھیں پڑپوتے کے بیٹے کے ساتھ بحساب للذکر مثل حظ الانثیین کے حصہ پائیں گی یعنی ایک حصہ پڑپوتی کو جو درجہ میں لڑکے سے اعلیٰ ہے پائے گی اور ایک حصہ پڑپوتے کی بیٹی جو درجہ میں لڑکے کے برابر ہے پائے گی اور دو حصہ پڑپوتے کا بیٹا پائے گا قاعدہ کلیہ اس میں یہ ہے کہ پوتے کے ساتھ پوتی عصبہ بن جاتی ہے برابر ہے کہ پوتا اس کے درجہ کا ہو یا اس سے نیچے درجہ کا بشرطیکہ پوتی ذی فرض نہ ہو۔

ش۶ قولہ فوقہ الا یعنی لڑکا اس بیٹی کو عصبہ کر دے گا جو اس کے مقابل ہو بالاتفاق خواہ وہ بیٹی ذی فرض ہو یا نہ ہو لیکن وہ لڑکی جو اس کے اوپر درجہ میں ہے اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کو بھی ظاہر مذہب میں ہمارے نزدیک عصبہ کر دیگا۔ بعض متاخرین اس بات کے قائل ہیں کہ اپنے سے اوپر والیوں کو عصبہ کریگا بلکہ دو صلبی بیٹیوں کے دو تہائی حصہ لینے کے بعد باقی ترکہ خصوصیت کے ساتھ اس لڑکے کا ہی ہے لہٰذا اس سے اوپر درجہ والیاں محروم ہو جائیں گی۔ اس لئے جس شخص نے انتقال کیا اور دو صلبی بیٹیاں اور ابن الابن چھوڑا تو یہ ابن الابن اس کی صلبی بیٹیوں کو عصبہ نہیں کرتا بلکہ ان کے لئے حصہ معینہ ہے باقی ابن الابن کا ہے اس قیاس کا جواب یہ ہے کہ لڑکا اپنے اوپر درجہ والی لڑکیوں کو عصبہ کر دیتا ہے بشرطیکہ وہ حصہ والی نہ ہو اور یہاں یہ شرط مفقود ہے اس لئے کہ بنات صلبی ذی فرض ہیں ۱۲

ش۵ قولہ مَنْ دُوْنَہٗ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ لڑکا نیچے درجہ والوں کو ساقط کر دیتا ہے خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث اگر مذکر ہے تو بعید ہونے کی بناء پر محروم ہے اور اگر مؤنث ہے تو وہ عصبات اور ذوی الفروض میں سے نہ ہونے کی وجہ سے محروم ہے ۱۲

وَاَمَّا الْاَخَوَاتُ لِاَبٍ وَّاُمٍّ فَاَحْوَالٌ خَمْسٌ اَلنِّصْفُ لِلْوَاحِدَةِ

وَالثُّلُثَانِ لِلْاِثْنَتَيْنِ فَصَاعِدَةً وَمَعَ الْاَخِ لِاَبٍ وَّاُمٍّ لِلذَّكَرِ

مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يَصِرْنَ بِهٖ عَصَبَةً لِاسْتِوَائِهِمْ فِي الْقَرَابَةِ اِلَى

الْمَيِّتِ وَلَهُنَّ الْبَاقِيْ مَعَ الْبَنَاتِ اَوْ بَنَاتِ الْاِبْنِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِجْعَلُوا الْاَخَوَاتِ مَعَ الْبَنَاتِ عَصَبَةً وَالْاَخَوَاتُ لِاَبٍ كَالْاَخَوَاتِ

لِاَبٍ وَّاُمٍّ وَلَهُنَّ اَحْوَالٌ سَبْعٌ اَلنِّصْفُ لِلْوَاحِدَةِ وَالثُّلُثَانِ

لِلْاِثْنَتَيْنِ فَصَاعِدَةً عِنْدَ عَدَمِ الْاَخَوَاتِ لِاَبٍ وَّاُمٍّ وَلَهُنَّ

السُّدُسُ مَعَ الْاُخْتِ لِاَبٍ وَّاُمٍّ تَكْمِلَةً لِلثُّلُثَيْنِ

ترجمہ:۔ اور حقیقی بہنوں کے جو ایک ماں باپ سے ہوں پانچ احوال ہیں (پہلا حال یہ ہے) ایک حقیقی بہن کے لئے نصف ہے (دوسرا حال یہ ہے) دو تہائی دو یا دو سے زیادہ سگی بہنوں کے لئے ہے (تیسرا حال یہ ہے) کہ حقیقی بھائی کے ساتھ مرد کو عورت سے دوچند کے حساب سے ملے گا۔ اس (بھائی) کے ساتھ حقیقی بہنیں عصبہ ہو جائیں گی کیونکہ وہ (بھائی بہن) میت کے ساتھ رشتہ میں برابر ہیں (چوتھا حال یہ ہے) کہ (میت کی) بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ (عصبہ ہونے کی وجہ سے) ان (حقیقی بہنوں) کے لئے باقی ترکہ ہے بوجہ فرمانے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ اور علاتی (یعنی باپ شریکی) بہنیں (ان پانچ احوال کے حکم میں) مثل حقیقی بہنوں کے ہیں اور ان (علاتی بہنوں) کی سات حالتیں ہیں (۱) نصف ایک کے لئے (۲) دو تہائی دو یا دو سے زیادہ کے لئے یہ دونوں حالتیں، حقیقی بہنوں کے نہ ہونے کے وقت ہیں (۳) ان کے لئے چھٹا حصہ ہے حقیقی بہن کے ساتھ تاکہ دو تہائی پورا ہو جائے

ـــــــــــــــــــــــــــــ

لے قولہ خمس الخ اس مقام پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ مصنف نے حقیقی بہنوں کے احوال میں پانچ احوال

بتائے ہیں مگر تفصیل میں چارا حوال لکھے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ مصنفؒ نے اختصار کی بنار پر پانچواں حال علاتی بہنوں کے حال کے ضمن میں اٹھا رکھا ہے کیونکہ وہ بھی اس حال میں ان کی شریک ہیں وہ پانچواں حال یہ ہے کہ حقیقی بہنیں بیٹے، پوتے، پڑپوتے، باپ، دادا، کے سامنے میراث سے محروم ہو جاتی ہیں"

۵۲ قولہ النصف۔ پہلا حال یہ ہے اگر میت کی ایک حقیقی بہن ہو اور اس کا بھائی یا بیٹا یا بیٹی یا پوتا یا پوتی یا باپ یا دادا نہ ہو تو اس کے لئے آدھا ہے اس لئے حق تعالےٰ شانہٗ نے فرمایا ہے وَلَہٗ اُخْتٌ فَلَہَا نِصْفُ مَا تَرَکَ اور اس کی ایک بہن حقیقی یا علاتی ہو تو اس کے لئے جو مال چھوڑ گیا ہے اس میں سے آدھا ہے اس آیت میں اُخت سے مراد حقیقی بہن ہے یا علاتی کیونکہ اخیافی یعنی مادری بہن کا حکم علیحدہ بیان فرمایا ہے پھر حقیقی اور علاتی میں سے حقیقی مقدم ہے۔

۵۳ قولہ والثلثان للاثنین الخ یعنی دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنوں کے لئے دو تہائی ہے اس پر حق تعالےٰ شانہٗ کا یہ قول فَاِنْ کَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَہُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَکَ (یعنی اگر دو بہنیں ہوں اور ان کے ساتھ میت کا حقیقی بھائی یا بیٹا یا بیٹی یا پوتا یا پوتی یا باپ یا جد صحیح نہ ہو تو ان کے لئے اس مال سے دو تہائی ہے جو چھوڑ کر مرا ہے) دلالت کرتا ہے۔ اس مقام پر بھی آیت میں دو حقیقی یا علاتی بہن مراد ہے اس لئے کہ اخیافی بہنوں کا حکم آیت میراث میں یہ بیان کیا گیا ہے وَلَہٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْہُمَا السُّدُسُ فَاِنْ کَانُوْا اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ فَہُمْ شُرَکَاءُ فِی الثُّلُثِ یعنی اس کے اخیافی بھائی یا اخیافی بہن ہو تو بھائی بہن میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر ایک سے زیادہ ہوں سب ایک تہائی میں شریک ہیں جب دو حقیقی بہنیں دو تہائی حصہ کی مستحق ہیں تو دو سے زیادہ کا اس میں مستحق ہونا زیادہ ظاہر ہے نیز دو سے زیادہ حقیقی بہنوں کو دو سے زیادہ بیٹیوں پر قیاس کرنا بھی دو تہائی ترکہ کے مستحق ہونے کو مقتضی ہے اس کے قریب قریب یہ قول ہے کہ حق تعالےٰ شانہٗ نے اَخوات کے بارے میں اثنتین (دو) کی تصریح کی ہے اور بیٹیوں کے بارے میں نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ (دو سے زیادہ) کی تصریح کی ہے تاکہ دو بہنوں کے حال سے دو بیٹیوں کا حال اور دو سے زیادہ بیٹیوں کے حال سے دو سے زیادہ بہنوں کا حال مقایسۃً اور اولویت کی بنار پر معلوم ہو جائے اس لئے کہ دو بہنیں باوجودیکہ ان دونوں کی حالت میت کا جز نہ ہونے کی وجہ سے ناقص ہے جبکہ دو تہائی کی مستحق ہو گئیں تو دو بیٹیوں کو میت کا جز ہونے کی وجہ سے اپنی عظمتِ شان پر دو تہائی کا مستحق ہونا بدرجۂ اولیٰ ہوا اور دو سے زیادہ بیٹیاں باوجودیکہ ان کا درجہ بہنوں سے بلند ہے جبکہ دو تہائی کی مستحق ہیں تو دو سے زیادہ بہنوں کے لئے کم درجہ ہونے پر اولیٰ ہے کہ دو تہائی حصہ سے زائد نہ ہو لیکن جب ذوی الفروض پورا پورا فرض ترکہ کو لے لیں تو انھیں کچھ نہ ملے گا۔ مثلاً کسی نے دو بیٹیاں ایک شوہر اور ماں اور بہنیں چھوڑیں تو اس مسئلہ کی اصل ۱۲ ہے اور ۱۳ کی طرف عول کرے گا ان میں سے ۸ بیٹیوں کو اور ۳ شوہر کو اور ۲ ماں کو مل جائیں گے اور بہنیں

ساقط ہو جائیں گی ۔

۵۴ قولہ یصرن بہ عصبۃ ۔ تیسری حالت یہ ہے کہ اگر حقیقی بہنوں کے ساتھ حقیقی بھائی ہو تو ایسی صورت میں مرد کو عورت سے دو چند کے حساب سے ملے گا اور بھائی کے ساتھ بہن عصبہ ہو جائے گی۔ کیونکہ دونوں میت کے ساتھ برابری کا رشتہ رکھتے ہیں جس کی دلیل حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ قول ہے فَاِنْ کَانُوْا اِخْوَۃً رِّجَالًا وَّنِسَاءً فَلِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ (یعنی اگر بھائی بہنوں کی جماعت وارث مردوں اور عورتوں پر مشتمل ہو تو ایک مرد کے لئے دو عورتوں کے حصّہ کی برابر ہے جبکہ باری تعالیٰ عزاسمہٗ نے بھائی بہنوں کے مختلط ہونے کی صورت میں بھائی بہنوں کا حصّہ معین نہیں کیا تو اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ بہنیں بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہونگی لاستوائہم فی القرابۃ الی المیت یعنی ان بھائی بہن کے میت کی طرف برابری کا رشتہ رکھنے کی وجہ سے بھائی کے ساتھ بہنیں عصبہ ہو جاتی ہیں اس سے بطریق مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ رشتہ برابری نہ ہونے کی صورت میں عصوبت نہیں ثابت ہوتی جیسے علاتی بھائی حقیقی بہن کو عصبہ نہیں کریگا بلکہ حقیقی بہن اپنا حصّہ معینہ پائے گی اور جو اس سے باقی رہے گا وہ علاتی بھائی کو مل جائیگا۔ ایسے ہی حقیقی بھائی علاتی بہن کو عصبہ نہیں کریگا بلکہ وہ محروم ہو جائے گی ۱۲

۵۵ قولہ ولہن الباقی یعنی چوتھی حالت یہ ہے کہ میت کی بیٹی یا پوتی کے ساتھ باقی ترکہ بہن کے لئے عصبہ ہونے کی وجہ سے ہے اور باقی سے مراد وہ مال ہے جو ذوی الفروض کو دینے کے بعد بچا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اگر میت حقیقی بہن چھوڑ دے اور بیٹی اور پوتی بھی موجود ہو اور میت کا بیٹا یا پوتا یا باپ یا دادا موجود نہ ہو تو عصبہ ہو جاتی ہے اور باقی ترکہ جو کچھ ذوی الفروض کو دینے کے بعد بچ رہا ہے پالیتی ہے بنات ابن میں اسفل بھی داخل ہے جیسے پڑپوتیاں وغیرہ

۵۶ قولہ لقولہ علیہ السلام الخ مصنف علیہ الرحمۃ نے ذیل کے قول کو حدیث نبوی مان کر ایسا لکھا ہے حالانکہ اس قول کے متعلق اختلاف ہے چنانچہ سکب الانہر میں بیان کیا ہے میں واقف نہیں کہ کس شخص نے اس کو روایت کیا ہے لیکن اس کی اصل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے جسکو بخاری نے ایک بیٹی ۔ ایک پوتی ایک بہن کے ترکہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ بیٹی کا آدھا اور پوتی کا سدس اور جو باقی رہا وہ بہن کے لئے ہے ابن ہاشم نے اپنی فصول میں اس کو اہل فرائض کا قول بتلایا ہے اس کے شراح مثلاً قاضی ذکریا ۔ سبط المارد ینی وغیرہ نے اس کا اتباع کیا ہے اسمیں اخوات اور بنات جمع کے صیغے ہیں لیکن مراد ان سے جنس ہے جو واحد اور متعدد دونوں کو شامل ہے یعنی بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ کر دو خواہ ایک ہو یا دو ۔ اس لئے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم البنات اور الاخوات کو معرفہ بلام کے ساتھ ذکر کیا ہے اس جگہ معہود نہیں جس کی طرف رجوع کیا جائے پس لام لام جنس ہے پس جمعیت کے معنی باطل ہو گئے ۱۲

وَلَا يَرِثْنَ مَعَ الْاُخْتَيْنِ لِاَبٍ وَّاُمٍّ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَعَهُنَّ اَخٌ

الحالة الرابعة وهي مختصة كما لا يخفى ١٢ — الحالة الخامسة ١٢

لِاَبٍ فَيُعَصِّبُهُنَّ وَالْبَاقِيْ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ وَ

اى الاخوة والاخوات لاب وام ١٢

السَّادِسَةُ اَنْ يَّصِرْنَ عَصَبَةً مَعَ الْبَنَاتِ اَوْ بَنَاتِ الْاِبْنِ لِمَا

نظرا الى النصوص الواردة فى ميراث الاخوة والاخوات ١٢ — من قوله

ذَكَرْنَا وَبَنُو الْاَعْيَانِ وَالْعَلَّاتِ كُلُّهُمْ يَسْقُطُوْنَ بِالْاِبْنِ وَابْنِ

عليه الصلوٰة والسلام اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة ١٢

الْاِبْنِ وَاِنْ سَفَلَ وَبِالْاَبِ بِالْاِتِّفَاقِ وَبِالْجَدِّ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَيَسْقُطُ

وشریح ٢

بَنُو الْعَلَّاتِ اَيْضًا بِالْاَخِ لِاَبٍ وَّاُمٍّ وَبِالْاُخْتِ لِاَبٍ وَّاُمٍّ اِذَا صَارَتْ عَصَبَةً

٢ وعطاء والحسن البصرى وغيرهم وبه يفتى عند ابى حنيفة ١٢ — اى اذا كانت مع البنات او بنات الابن ١٢

ترجمہ :- (۴) دو حقیقی بہنوں کے ساتھ وہ (علاتی بہنیں) وارث نہیں ہوتی ہیں (۵) مگر یہ کہ ان کے ساتھ علاتی بھائی ہو تو وہ ان کو عصبہ کر دیگا اور (حقیقی بہنوں کو دینے کے بعد) جو (ترکہ) باقی ہے وہ ان علاتی (بھائی بہنوں) میں مرد کو عورت کے دوچند کے حساب سے تقسیم ہوگا۔ (۶) (چھٹی حالت یہ ہے) وہ بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا۔ (۷) حقیقی بہنیں اور علاتی بھائی بہنیں سب کے سب ساقط (محروم) ہو جاتے ہیں بیٹے اور پوتے کے ساتھ اگرچہ نیچے درجہ کے ہوں اور باپ کے ساتھ میں بالاتفاق اور دادا کے ساتھ میں ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور نیز علاتی بھائی بہنیں حقیقی بھائی کے ساتھ میں محروم ہو جاتے ہیں اور حقیقی بہن کے ساتھ بھی جبکہ وہ عصبہ ہو جائے محروم ہو جاتے ہیں۔

۱ قولہ ولا یرثن الخ یہ علاتی بہنوں کی چوتھی حالت ہے کہ وہ دو حقیقی بہنوں کی موجودگی میں وارث

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

۷ قولہ کالاخوات الخ یعنی علاتی بہنوں کا حکم (پانچ احوال میں) مثل حقیقی بہنوں کے ہے مع زیادہ ہونے دو حالتوں کے جو علاتی بہنوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ۸ قولہ عند عدم الخ یعنی یہ دو حالتیں کہ (۱) ایک علاتی بہن ہو تو نصف اور (۲) دو یا دو سے زیادہ ہوں تو دو تہائی اس وقت ہیں جبکہ میت کے حقیقی بہن نہ ہو بلکہ علاتی بھائی یا بیٹی یا بیٹا یا پوتا یا باپ یا دادا یا حقیقی بھائی موجود نہ ہو۔ علاتی

نہیں ہوتیں اس لئے کہ بنات اور اخوات کا حصہ معینہ دو تہائی سے زائد نہیں ہوتا۔ پس جب دو حقیقی بہنوں نے دو تہائی حصہ لے لیا تو اب علاتی بہنوں کے لئے حصہ معینہ سے کچھ باقی نہیں رہا اس صورت میں علاتی بہنیں محروم رہیں گی اس کی نظیر یہ ہے۔ میت مسئلہ ۳

حقیقی بہن ۱، حقیقی بہن ۱، چچا ۱، علاتی بہن م

۵۲ قولہ الا ان یکون الخ پانچویں حالت یہ ہے کہ باوجود دو حقیقی بہنوں کے ہوتے ہوئے اگر علاتی بہنوں کے ساتھ ان کا اپنا بھائی موجود ہو تو وہ ان کو عصبہ کر دیتا ہے بشرطیکہ میت کا بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی دادا یا حقیقی بھائی موجود نہ ہو تو اس صورت میں دو تہائی حقیقی بہنوں کا حصہ نکال کر باقی ایک تہائی علاتی بھائی بہنوں میں مرد کو عورت سے دو چند کے حساب سے تقسیم ہو جائے گا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح دو بیٹیوں کے ساتھ پوتیاں بالکل محروم ہو جاتی ہیں اسی طرح دو حقیقی بہنوں کے ساتھ علاتی بہنیں بالکل محروم ہو جاتی ہیں اور جس طرح محروم پوتیاں اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں اسی طرح باوجود دو حقیقی بہنوں کے اگر میت کی علاتی بہنوں کے ساتھ ان کا بھائی ہو تو وہ بھی عصبہ ہو جاتی ہیں فرق یہ ہے کہ پوتیوں میں نیچے درجے کا لڑکا بھی اپنے اوپر درجہ کی لڑکی کو عصبہ کر دیتا ہے یہاں یہ بات نہیں۔ یاد رکھو چار عورتیں جو ذوی الفروض میں ہیں یعنی بیٹی اور پوتی، حقیقی بہن اور علاتی بہن اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ ہوتی ہیں اور ان کو عصبہ لغیرہ کہتے ہیں سوائے ان چار کے کسی عورت کا بھائی اس کو عصبہ نہیں کرتا جیسے پھوپھی چچا کے ساتھ یا چچازاد بہن چچازاد بھائی کے ساتھ یا بھائی کی بیٹی اپنے بھائی کے بیٹے کے ساتھ عصبہ نہیں ہوتی بلکہ ایسی صورتوں میں سب مال مرد کو ملتا ہے اور عورت محروم رہتی ہے اور اسی وجہ سے علاتی بہن اپنے بھائی کے بیٹے کے ساتھ عصبہ نہیں ہوتی اس واسطے کہ وہ جب اپنی حقیقی بہن یعنی میت کی بھتیجی کو عصبہ نہیں کر سکا تو اسکو جو اسکے درجہ میں نہیں ہے کیسے عصبہ کرے گا۔

۵۳ قولہ ولستا دستہ۔ مصنف رہ نے یہاں تو چھٹی حالت کی تصریح کر دی اور باقی کسی حالت کے

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

بہن کے لئے نصف ہونے کی نظیر یہ ہے میت نے شوہر اور علاتی بہن چھوڑی تو مسئلہ دو سے ہو کر نصف یعنی ایک شوہر کو ملیگا کیونکہ ولد موجود نہیں ہے اور نصف یعنی ایک علاتی بہن کو ملیگا اس لئے کہ بہن صرف ایک ہے۔ دو یا دو سے زیادہ علاتی بہنوں کے لئے دو تہائی ہونے کی نظیر یہ ہے میت نے دو علاتی بہنیں اور ایک چچا چھوڑا تو مسئلہ تین سے ہو کر دو حصے علاتی بہنوں کو اور ایک حصہ چچا کو۔ ۵۹ قولہ السدس الخ تیسری حالت یہ ہے کہ اگر علاتی بہن کے ساتھ حقیقی بہن ہے تو چھٹا حصہ علاتی بہن کو ملے گا اور نصف متروکہ حقیقی بہن لے لیگی تاکہ دو تہائی پورے ہو جائیں اسلئے کہ بنات اور اخوات کا حصہ معینہ دو تہائی سے زائد نہیں ہوتا جبکہ حقیقی بہن نے آدھا لے لیا تو اب علاتی بہن کے لئے سدس باقی رہا جو اسکو ملیگا اسکی وجہ یہ ہے کہ علاتی بہن حقیقی بہن کے ساتھ جمع ہو تو حقیقی بہن بیٹی کی طرح ہو جاتی وہ نصف لے لیتی ہے اور علاتی بہن پوتی کی طرح ہو کر سدس لیتی ہے تاکہ دو تہائی پورے ہو جائیں اس صورتمیں بھی شرط یہ ہے کہ میت کا علاتی بھائی یا بیٹی یا پوتی یا پوتا یا باپ یا دادا یا حقیقی بھائی موجود نہ ہو۔ ۱۲

متعلق نہیں بتایا کہ یہ کونسی حالت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر سادسہ کہہ کر تصریح نہ کی جاتی تو عبارت کے مضمون سے یہ معلوم ہوتا کہ حالت خامسہ کا تتمہ ہے اس توہم کے دفعیہ کے لئے چھٹی حالت کی تصریح کی ۱۲۔

۵۰ قولہ یصرن عصبۃ الخ یعنی چھٹی حالت یہ ہے کہ بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ عصبہ ہوجائیں گی بیٹیوں یا پوتیوں کا حصہ دیکر جو بچے گا وہ علاتی بہنوں کو مل جائیگا خواہ ایک ہو یا کئی ہوں پس اگر کسی شخص نے ایک بیٹی اور ایک علاتی بہن چھوڑی تو حنفیہؒ کے نزدیک مسئلہ دو سے ہوکر ایک سہم بیٹی کو کہ وہ صرف ایک ہے اور باقی ماندہ کہ ایک ہے علاتی بہن کو مل جائیگا اس کی صورت یہ ہے۔ مسئلہ ۲ — بیٹی ۱، علاتی بہن ۱ — حاصل کلام یہ ہے جب علاتی بہن کے ساتھ میت کی بیٹی یا پوتی یا پڑپوتی موجود ہو تو عصبہ مع غیرہ ہوجاتی ہے جو کچھ ذوی الفروض لو دے کر بچ رہے گا وہ اس کو مل جائے گا بشرطیکہ میت کا بیٹا یا پوتا یا باپ یا دادا، حقیقی بھائی یا حقیقی بہن موجود نہ ہو اکثر صحابہؓ اور جمہور علماء اسی پر ہیں لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہنوں کے لئے بیٹیوں کے ساتھ بالکل تعصیب بلکہ توریث کا بھی حکم نہیں ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ پس اس آیت کریمہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ ولد بہن کے لئے حاجب ہے اور لفظ ولد مرد و عورت دونوں کو شامل ہے اس کی نظیر یہ ہے کہ ماں کو تہائی سے چھٹے کی طرف اور شوہر کو نصف سے چوتھائی کی طرف اور زوجہ کو چوتھائی سے آٹھویں کی طرف جب ولد حاجب ہوتا ہے تو اسمیں مرد و عورت دونوں برابر مانے جاتے ہیں۔

جمہور کی طرف سے یہ جواب ہے کہ آیت مذکورہ میں ولد سے مراد صرف مرد ہے اور اس پر دلیل یہ ہے وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد یعنی بھائی اس بہن کا وارث ہوتا ہے جس کے ولد نہ ہو اور ولد سے مراد یہاں بیٹا ہے کیونکہ بہن کی دختر کے ساتھ بھائی وارث ہوتا ہے محجوب نہیں ہوتا جیسا کہ محمد علی بن محمد قاسم طبرسی نے میراث نامۂ منظوم فارسی کی شرح رضوانی میں لکھا ہے۔

انتباہ۔ غایۃ الاوطار میں مرقوم ہے کہ سراجیہ کے بعض نسخوں میں ہے کہ علاتی بہن حقیقی بہن کے ساتھ محروم ہے جبکہ وہ عصبہ ہو یعنی بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ ہو کیونکہ اسوقت عصبہ ہونے میں وہ مثل بھائی کے ہے جو میت سے اقرب ہے۔ دوسری عبارت میں اگر حقیقی اور سوتیلی بہن بیٹی یا پوتی کے ساتھ موجود ہو تو سوتیلی محروم ہوتی ہے اور حقیقی باعتبار عصوبت کے بھائی کی طرح ہے حقیقی بہن کے ساتھ بیٹی یا پوتی کے موجود ہونے کی قید اس لئے ہے کہ علاتی بہن صرف ایک حقیقی بہن کے ہوتے محروم نہیں ہوتی بلکہ چھٹا حصہ پاتی ہے جیسا کہ تیسری حالت میں گزرا اور علاتی بھائی بہن اس حالت میں محروم ہے کہ بیٹا یا پوتا یا باپ یا جد صحیح یا حقیقی بھائی یا حقیقی بہن بیٹی کے ساتھ موجود ہو خلاصہ کلام یہ ہے کہ حقیقی بہن بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہوجاتی ہے اس صورت میں ذوی الفروض سے بچا ہوا مال اس کو ملتا ہے ۱۲

۵۱ قولہ بنو الاعیان۔ اس لفظ سے مراد حقیقی بھائی بہنیں ہیں ان کو بنو الاعیان اس وجہ سے کہتے ہیں کہ

شے کا عین اور کل اس کے حصہ اور جزء سے اتم اور اکمل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ باپ اور ماں دونوں کی جانب سے بنو الاعیان کے حق میں پورا پورا اتصال حاصل ہے سرخسی نے اپنی شرح میں اس کو بیان کیا ہے قاضی ابو عصمہ اور خواہر زادہ نے اپنی اپنی شرح میں بیان کیا ہے کہ بنو الاعیان ہر قسم کے بھائی اور بہنوں سے بہتر ہیں۔ اس لئے شے میں بہتر چیز اس کا عین ہے۔ شرح خلاصۃ الفرائض میں تحریر ہے کہ یہ اعیان القوم سے ماخوذ ہے جس کے معنی خیار القوم ہے دونوں تقدیر پر اضافت بیانی ہوگی جیسا کہ بصریوں کا مذہب ہے کیونکہ یہ لوگ موصوف کی اضافت صفت کی طرف جائز نہیں رکھتے اور کوفی اسکے برخلاف جائز رکھتے ہیں۔

ـــــہ قولہ والعلات۔ اس لفظ سے سوتیلے بھائی بہنیں مقصود ہیں بنو العلات کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ علات علّت کی جمع ہے جس میں لام مفتوح مشدد ہے اس عورت کو کہتے ہیں جو پہلی عورت پر لائی جائے۔ پس یہ عورت دوسری عورت کی سوت یا سوکن ہوئی اور ظاہر ہے کہ ایسے بھائی بہنوں کا باپ ایک ہوتا ہے اور مائیں جدا جدا۔۱۲

ـــــہ قولہ یسقطون الخ یہ ساتویں حالت ہے کہ تمام حقیقی علاتی بھائی بہن بیٹے پوتے اگرچہ نیچے درجے کے ہوں اور باپ کی موجودگی میں محروم ہو جاتے ہیں۔ بھائیوں کا بیٹے کی وجہ سے ساقط ہونا حق تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق ہے وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد یعنی بھائی بہن کا اسوقت وارث ہوتا ہے جبکہ بہن کے کوئی ولد (بیٹا) نہ ہو جیسا کہ سابق میں گزرا اور بہنوں کا سقوط بیٹے کی وجہ سے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے موافق ہے لیس لہٗ ولد ولہٗ اختٌ فلھا نصف ما ترك یعنی اگر کوئی مرد مر جائے اور اس کے لئے کوئی ولد نہ ہو اور بہن موجود ہو تو اس بہن کے لئے نصف ترکہ ہے اور ولد سے مراد پسر ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔ تمام حقیقی اور پدری بھائی اور بہنوں کا پوتے کی موجودگی میں گو وہ نیچے درجہ کا ہو ساقط ہونا اس لئے ہے کہ پوتا بیٹے کے قائم مقام ہے جبکہ بیٹا موجود نہ ہو۔ سقوط کا یہ حکم جو بیان کیا گیا ہے حقیقی بہنوں کی پانچویں حالت پر اور علاتی بہنوں کی ساتویں حالت پر مشتمل ہے۔

ان لوگوں کا باپ کی موجودگی میں ساقط ہونا اس لئے ہے کہ ان کی توریث کے لئے یہ شرط ہے کہ میت کلالہ ہو اور کلالہ اس میت کو کہتے ہیں کہ باپ، بیٹا اور وارث نہ چھوڑے پس باپ کی عدم موجودگی میں ان کا وارث ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر باپ موجود ہو تو وارث نہیں ہو سکتے اور جو چیز دلالت سے ثابت ہو تو اس کو معنوی طور پر بھی ثابت سمجھنا چاہئے۔ اور دادا کی موجودگی میں ابو حنیفہؒ کے نزدیک محروم ہو جاتے ہیں۔ شریح، عطاء، عروہ، عمر بن عبد العزیز اور حسن بن سیرین کا بھی یہی قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور صحابہ ... [illegible] ... بن زید، عبادہ بن

وَاَمَّا لِلْاُمِّ فَاَحْوَالٌ ثَلٰثٌ اَلسُّدُسُ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ وَ

اِنْ سَفَلَ اَوْ مَعَ الْاِثْنَيْنِ مِنَ الْاِخْوَةِ وَالْاَخَوَاتِ فَصَاعِدًا

مِنْ اَيِّ جِهَةٍ كَانَا وَثُلُثُ الْكُلِّ عِنْدَ عَدَمِ هٰؤُلَاءِ الْمَذْكُوْرِيْنَ وَ

ثُلُثُ مَا بَقِيَ بَعْدَ فَرْضِ اَحَدِ الزَّوْجَيْنِ وَذٰلِكَ فِيْ مَسْئَلَتَيْنِ زَوْجٌ وَ

اَبَوَيْنِ وَزَوْجَةٌ وَاَبَوَيْنِ وَلَوْ كَانَ مَكَانَ الْاَبِ جَدٌّ فَلِلْاُمِّ ثُلُثُ جَمِيْعِ

الْمَالِ اِلَّا عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَاِنَّ لَهَا ثُلُثُ الْبَاقِيْ۔

ترجمہ :- اور ماں کے تین حال ہیں (۱) چھٹا حصہ ہے۔ بیٹے بیٹی یا پوتے پوتی کے ساتھ اگرچہ نیچے درجے کے ہوں یا دو بھائی بہنوں یا زیادہ کے ساتھ وہ دونوں کسی جہت سے ہوں خواہ سگے ہوں یا سوتیلے یا اخیافی (۲) تمام ترکہ کا تہائی ہے ان مذکورین (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، پڑپوتا، پڑپوتی یا دو یا زیادہ بھائی بہنوں) کے موجود نہ ہونیکے وقت (۳) شوہر بیوی میں سے ہر ایک کا حصہ نکالنے کے بعد جو باقی رہے (ماں کو) اس کا تہائی ہے یہ (تیسرا حال) دو مسئلوں میں ہے (۱) شوہر اور ماں باپ اور (۲) بیوی اور ماں باپ ہوں اگر (ان دونوں مسئلوں میں) باپ کی جگہ دادا ہو تو ماں کے لئے تمام مال میں سے تہائی ہے لیکن ابو یوسفؒ کے نزدیک اس ماں کے لئے باقی کا تہائی ہے۔

---

[۱] قولہ للام الخ ماں ان وارثین میں سے ہے جو کسی حالت میں بھی محجب حرمان کے طور پر محجوب نہیں ہوتی اور اسکا

تبقیہ حاشیہ صفحہ سابق

صامت اور امام ابو یوسفؒ اور محمدؒ کے نزدیک دادا کی موجودگی میں یہ محروم نہیں ہوتے اور نیز علاتی بھائی بہنیں حقیقی بھائی کی موجودگی میں محروم ہو جاتے ہیں اور حقیقی بہن جبکہ عصبہ ہو تو علاتی بھائی بہن محروم ہو جاتے ہیں اور جو عصبہ نہ ہو تو محروم نہیں رہتے ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ حقیقی بہن کا عصبہ ہونا سقوط کے لئے اس وقت معتبر ہے کہ میت کی بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ عصبہ بن جائے اس لئے کہ اگر حقیقی بھائی کیساتھ عصبہ بنے گی تو بنی علات کا سقوط بھائی کے سبب قرار پائے گا نہ بہن کی وجہ سے۔ واضح ہو کہ حقیقی بھائی بہن میراث کے معاملہ میں میت کی اولاد صلبی کے قائم مقام ہیں کہ ان کی عدم موجودگی میں توریث کا حق رکھتے ہیں ان میں سے مرد بیٹوں کے قائم مقام ہیں اور عورتیں بیٹیوں کے یہانتک کہ اگر ان میں سے صرف

حصہ تہائی سے زیادہ اور چھٹے سے کم نہیں ہوتا بجز عول ورد کے کبھی عول کی صورت میں چھٹے سے کم ہوتا ہے اور رد کی صورت میں تہائی سے بڑھ جاتا ہے ۱۲

سے قولہ السدس الخ یعنی پہلی حالت یہ ہے اگر میت کے ولد یعنی بیٹا، بیٹی یا بیٹے کی اولاد یعنی پوتا پوتی یا پوتے کی اولاد یعنی پڑپوتا پڑپوتی یا اس کے نیچے درجہ کے موجود ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملیگا جیساکہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ (یعنی ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے ترکہ کا چھٹا حصہ ہے اس صورت میں کہ میت کے اولاد ہو۔ ولد کا لفظ عام ہے ما یتولد کی جنس کو خواہ مرد ہو خواہ عورت دونوں کو شامل ہے اور ولد ابن کو بھی عام ہے اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ ولد ابن ماں کی توریث میں ولد صلبی کے قائم مقام ہے اگر شبہ کیا جائے کہ ولد جب بیٹا بیٹی دونوں کو شامل ہے تو اس آیت اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ (اگر کوئی ایسا آدمی مر جائے کہ اس کے ولد نہ ہو اور اس کے ایک بہن ہو تو بہن کے لئے اس کے ترکہ کا آدھا ہے) میں بھی ولد بیٹا بیٹی دونوں کو شامل ہو کر بیٹی کی موجودگی میں بہن محروم ہو جائے گی جیساکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک بیٹی کی موجودگی میں بہن محروم ہے۔ حنفیہ کی جانب سے یہ جواب ہے کہ اس آیت اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ میں ولد سے خاص بیٹا مراد ہونے کا قرینہ اس سے اگلی آیت ہے جس کا اس پر عطف ہے وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ یعنی اور بہن مر جائے اور اس کے ولد نہ ہو تو اس کے سارے مال کا وارث بھائی ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس قول وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ میں ولد سے مراد بیٹا ہی ہے اس لئے بھائی بیٹی کی موجودگی میں اس کا وارث ہو جاتا ہے۔ اگر ولد سے مراد بیٹا بیٹی دونوں لئے جائیں تو بیٹی کی موجودگی میں بھائی کو محروم ہونا چاہیئے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

ایک عورت ہو تو اس کو نصف ترکہ ملے گا۔ دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کو دو تہائی پہنچیگا اور یہ ایک معقول بات ہے کیونکہ ارث خلافت ہے یا تو مناسبت کے ذریعہ سے یا مواصلت کے ذریعہ سے یا قرابت کے ذریعہ سے اور میراث علاتی بھائیوں کی فرزندنادوں کی میراث کے قائم مقام ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر حقیقی بھائی بہن نہ ہوں تو علاتی بھائی حقیقی بھائیوں کی مثل اور علاتی بہنیں حقیقی بہنوں کی طرح کبھی جائیں گی جس طرح بیٹے کی موجودگی میں اس کی اولاد محروم رہتی ہے اس طرح حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی بہنیں محروم ہوتی ہیں یہاں تک کہ علاتی بہن حقیقی بہن کی موجودگی میں وارث نہ ہوگی اور نہ بیٹی کے ساتھ عصبہ بن سکے گی جبکہ اس کے ساتھ میت کا حقیقی بھائی موجود ہو بلکہ نصف بیٹی پالے گی اور باقی حقیقی بھائی کو ملے گا۔ اور علاتی بہن محروم رہیگی شہ قولہ ایضاً اس ایضاً کے لفظ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ بنی الاعیان بھی سقوط میں شریک ہیں بلکہ یہ لفظ یہاں فضول سا ہے ۱۲

۵۳ قولہ مع الاثنین۔ یعنی اس طرح ماں کا حصہ میت کے دو بھائی دو بہنوں اور دو سے زیادہ بھائی بہنوں کے ساتھ بھی چھٹا ہے جس پر حق تعالیٰ شانہ کا یہ قول فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ (سو اگر ماں باپ کے علاوہ میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے) دلالت کرتا ہے لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک دو بھائی بہنوں کے ہوتے ہوئے ماں کا تہائی حصہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اخوۃ جمع کا صیغہ ہے جس کا اطلاق تین سے کم پر نہیں ہوتا۔ دو کا حکم واحد کا سا ہے اس کو دو طرح سے رد کیا گیا ہے ایک یہ کہ میراث میں دو بھی جماعت کا حکم رکھتے ہیں چنانچہ دو بیٹیاں اور دو بہنیں دو تہائی کے استحقاق کے بارے میں جماعت کا حکم رکھتی ہیں دوسرے جمع مطلق کا صیغہ دو اور زیادہ میں مشترک ہوتا ہے۔ ۱۲

۵۴ قولہ من ای جھۃ کانا الخ یعنی بھائی اور بہن خواہ حقیقی ہوں یا علاتی ہوں یا اخیافی یا مختلط ہوں یعنی ایک حقیقی دوسرا علاتی اور تیسرا اخیافی خواہ سب بھائی ہوں یا سب بہنیں یا ملے ہوئے ہوں اگر ماں کے ساتھ ان بھائی بہنوں کو تفصیل کے ساتھ پھیلایا جائے تو اکیس صورتیں نکلتی ہیں اسلئے وہ دونوں بھائی ہونگے۔ یا دونوں بہنیں ہونگی یا ایک بھائی اور ایک بہن ہوگی۔ (۱) دونوں بھائی حقیقی ہوں (۲) یا دونوں علاتی ہوں (۳) یا دونوں اخیافی ہیں (۴) یا ایک حقیقی اور دوسرا علاتی (۵) یا ایک حقیقی ہے اور دوسرا اخیافی (۶) یا ایک علاتی اور ایک اخیافی ہے (۷) یا دونوں بہنیں حقیقی ہیں (۸) یا دونوں علاتی ہیں (۹) یا دونوں اخیافی ہیں (۱۰) یا ایک بہن حقیقی ہے اور ایک علاتی (۱۱) یا ایک حقیقی ہے اور ایک اخیافی (۱۲) یا ایک علاتی ہے اور ایک اخیافی (۱۳) یا بھائی اور بہن دونوں حقیقی ہیں (۱۴) یا بھائی حقیقی ہے اور بہن علاتی ہے (۱۵) یا بھائی حقیقی اور بہن اخیافی ہے (۱۶) یا بھائی علاتی اور بہن اخیافی ہے (۱۷) یا بھائی بھی علاتی اور بہن بھی علاتی (۱۸) یا بھائی علاتی اور بہن اخیافی (۱۹) یا بھائی اخیافی ہے اور بہن حقیقی ہے (۲۰) یا بھائی بھی اخیافی ہے اور بہن بھی اخیافی (۲۱) یا بھائی اخیافی ہے اور بہن علاتی ان سب صورتوں میں ماں کو چھٹا حصہ ملتا ہے۔

۵۵ قولہ ثلث الکل الخ دوسری حالت یہ ہے تمام ترکہ کا تہائی ہے جبکہ اشخاص مذکورین یعنی بیٹا بیٹی پوتا پوتی پڑپوتی پڑپوتا اور دو یا دو سے زیادہ بھائی بہنیں نہ ہوں اگرچہ ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ یعنی اگر میت کا ولد نہ ہو اور میت کے وارث ماں باپ ہوں تو ماں کا اصل ترکہ میں سے تہائی ہے اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا معلوم ہوا کہ دو یا دو سے زیادہ بھائی نہ ہوں تو تہائی ترکہ ہے۔ ۱۲

۵۶ قولہ ثلث ما بقی الخ یعنی تیسری حالت یہ ہے اگر ماں کے ساتھ میت کا شوہر یا زوجہ میں

سے کوئی ایک جمع ہو تو جو کچھ شوہر یا زوجہ کو دیکر بچا ہے اس کا تہائی ماں کے لئے ہے اس لئے باری تعالےٰ
کا یہ قول فَاِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَہٗۤ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ
ماں اس تہائی مال کی مستحق ہے جن کے ماں باپ دونوں وارث ہوئے ہیں۔ نہ تمام مال کے تہائی
کی ورنہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول وَّوَرِثَہٗۤ اَبَوٰہُ یعنی ماں باپ کی وراثت کا ذکر آیت مذکورہ میں زائد فائدہ
سے خالی رہیگا جسکا ذکر آیت مذکورہ میں ضرور نہ تھا اسلئے اگر ثلث کل مراد ہوتا تو بیان فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ ہی کافی تھا یہی قول ہے
علی، عمر، ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا اسی کو جمہور فقہاء نے لیا ہے امام شافعیؒ ماں کے تمام احوال
میں ہمارے موافق ہیں۔

شہ قولہ فی مسئلتین ۔ یہ بات شوہر یا زوجہ کا حصہ دیکر جو بچا ہے اسکا تہائی دو مسئلوں یعنی دو
صورتوں میں ہے جوکہ مشہور ہیں ان دونوں مسئلوں کا نام غرائین اور عمریتین ہے غرائین غراء کا تثنیہ ہے
جو ہر چیز مونث کو کہتے ہیں جو سفید و روشن ہو یہ دونوں مسئلے چمکدار ستاروں کی طرح روشن ہیں۔
اس لئے غرائین کے نام سے موسوم ہوئے۔ عمریتین نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے
اسی طرح ان میں فتویٰ دیا ہے اور یہی رائے حضرت علی اور ابن مسعودؓ اور جمہور فقہاء کی ہے۔

شہ قولہ زوج و ابوین الخ یعنی پہلا مسئلہ یہ ہے کہ عورت مری اس نے شوہر اور ماں باپ چھوڑے
تو شوہر کا نصف حصہ دینے کے بعد جو مال بچا اس کا تہائی مال ماں کو پہنچے گا اور اس کے بعد جو
باقی رہیگا وہ باپ کا ہے اس کی صورت یہ ہے۔ مسئلہ ۶ — شوہر ماں باپ ۲ — دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ شوہر
مرا اس نے زوجہ اور ماں باپ چھوڑے۔ زوجہ کا جو تہائی حصہ دینے کے بعد جو باقی رہے گا اسکا تہائی
ماں کو اور باقی باپ کو مل جائیگا۔ کل مال کے بارہ حصے کئے ان میں سے تین زوجہ کو دینے کے بعد نو حصے
رہے ان کا تہائی یعنی تین ماں کو اور باقی چھ باپ کو ملیں گے اس کی صورت یہ ہے مسئلہ ۱۲ — زوجہ ماں باپ ۶

شہ قولہ ثلث جمیع المال الخ یعنی اگر باپ کی بجائے دادا ہو تو ماں کو تمام ترکہ کا تہائی ملے گا زوج
ہونے کی تقدیر پر چھ پر مسئلہ صحیح ہوگا۔ تین شوہر کو اور دو ماں کو اور ایک دادا کو ملیگا اور زوجہ ہونے
کی تقدیر پر مسئلہ (۱۲) سے صحیح ہوگا۔ تین زوجہ کو چار ماں کو پانچ دادا کو ملیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بھی
یہی مذہب ہے، اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ بھی ہے امام ابوحنیفہؒ
و محمدؒ نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے ۔ شلہ قولہ الا عند ابی یوسف الخ مگر امام ابو یوسفؒ کے
نزدیک ماں کو دادا کے ساتھ بھی باقی کا تہائی ہے جیسا کہ باپ کے ساتھ اور دوسری روایت حضرت
ابوبکر صدیقؓ سے بھی ایسی ہی منقول ہے پس اس روایت کی بنا پر دادا باپ کی طرح قرار دیا ہے
اور دادا ماں کو اسی طرح عصبہ کر دیتا ہے جس طرح باپ ماں کو عصبہ کر دیتا ہے۔

وَلِلْجَدَّةِ السُّدُسُ لِاُمٍّ كَانَتْ اَوْ لِاَبٍ وَاحِدَةً كَانَتْ اَوْ اَكْثَرَ

اِذَا كُنَّ ثَابِتَاتٍ مُتَحَاذِيَاتٍ فِي الدَّرَجَةِ وَيَسْقُطْنَ كُلُّهُنَّ بِالْاُمِّ

وَالْاَبَوِيَّاتُ اَيْضًا بِالْاَبِ وَكَذٰلِكَ بِالْجَدِّ اِلَّا اُمَّ الْاَبِ وَاِنْ

عَلَتْ فَاِنَّهَا تَرِثُ مَعَ الْجَدِّ لِاَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ قِبَلِهِ وَالْقُرْبٰى

مِنْ اَيِّ جِهَةٍ كَانَتْ تَحْجُبُ الْبُعْدٰى مِنْ اَيِّ جِهَةٍ كَانَتْ

وَارِثَةً كَانَتِ الْقُرْبٰى اَوْ مَحْجُوْبَةً

واختار فی الظهیریۃ ان المحجوبۃ لا تحجب اصلا ۱۲

ترجمہ :- اور (مطلقاً) جدہ کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ ماں کی جانب سے ہو یا باپ کی جانب سے ایک ہو یا (ایک سے) زیادہ جبکہ وہ (جدات) صحیحہ ہوں درجہ میں مساوی ہوں ماں کے روبرو سب جدات خواہ ماں کی جانب سے ہوں یا باپ کی جانب سے محروم ہو جاتی ہیں اور جدات پدری بھی باپ کے روبرو محروم ہو جاتی ہیں، اسی طرح جدات پدری دادا کے روبرو محروم ہو جاتی ہیں، مگر باپ کی ماں اگرچہ اوپر درجہ کی ہو بلا شک وہ دادا کے روبرو وارث ہوتی ہے اسلئے کہ وہ دادا کی جانب سے نہیں ہے قریب درجہ والی جدہ خواہ کسی جہت سے ہو (ماں کی جہت سے ہو یا باپ کی) دور والی کو خواہ کسی جہت سے ہو حاجب ہو جاتی ہے خواہ وارث ہو وہ قریب درجہ والی یا محجوب۔

سلہ قولہ السدس الخ یعنی مطلقاً جدہ کا چھٹا حصہ ہے خواہ ماں کی جانب سے ہو یعنی ماں کی ماں خواہ باپ کی جانب سے ہو یعنی باپ کی ماں۔ جدہ کو چھٹا حصہ ملنے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَطْعِمُوْا الْجَدَّةَ السُّدُسَ (جدہ کو میراث میں چھٹا حصہ دو) حاکم نے روایت کی ہے ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قضی للجدۃ من المیراث السدس (نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جدہ کو میراث میں چھٹا حصہ دلایا) ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا للجدۃ السدس اذا لم تکن دونہا ام (جدہ کے لئے چھٹا حصہ ہے جبکہ اس کے ساتھ ماں نہ ہو) اور دوسری دلیل یہ ہے

جو قاسم بن محمد سے امام مالک نے مؤطا میں لکھی ہے جاء ت الجدتان الی ابی بکر الصدیق فاراد ان یجعل السدس للتی من قبل الام فقال لہ رجل من قبل الانصار اما انک تترک التی لو ماتت وھو حی کان ایاھا یرث فجعل السدس بینھما یعنی دو جدہ ابو بکر صدیق رض کے پاس آئیں پس ابو بکر نے اس جدہ کو جو ماں کی طرف کی تھی یعنی نانی کو سدس دینے کا ارادہ کیا انصار میں سے ایک آدمی نے ابو بکر رض سے کہا کہ سنیئے تو آپ ایسی جدہ کو محروم کرتے ہیں کہ اگر وہ جدہ اس کی زندگی میں مرجاتی تو یہ شخص اس کا وارث ہوتا اس پر ابو بکر رض نے سدس کو ان دونوں میں تقسیم کر دیا۔ تیسری دلیل یہ روایت ہے کہ ایک شخص کی جدہ صدیق اکبر رض کے پاس آئی اور بولی کہ میرے نواسہ کے ترکہ سے مجھ کو حصہ دیجئے صدیق رض نے جواب دیا کہ میں تیرا حصہ کتاب اللہ میں منصوص نہیں پاتا اور نہ تیری وراثت کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے لیکن میں اصحاب سے مشورہ کرتا ہوں پھر صحابہ کو جمع کیا تو شعبہ بن مغیرہ نے گواہی دی کہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تھا آپ نے جدہ کو چھٹا حصہ دلوایا تو حضرت ابو بکر رض نے کہا کہ کسی اور کو بھی یہ حال معلوم ہے اس پر محمد بن سلمہ انصاری نے اس کی تائید میں بیان دیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جدہ کو چھٹا حصہ دیا ہے ان شہادتوں کے گزرنے کے بعد حضرت ابو بکر رض نے ویسا ہی حکم جاری کیا پھر اس میت کی دوسری جدہ یعنی دادی حضرت عمر رض کے پاس آئی اور بولی میرے پوتے کی میراث مجھ کو دیجئے انھوں نے کہا کہ وہی چھٹا حصہ تم دونوں میں مشترک ہے اور ایک جدہ ہو تو فقط اس کا ہے اور یہ روایت احمد، دارمی، ترمذی، ابن ماجہ اور ابو داؤد میں قبیصہ بن ذویب سے مروی ہے دونوں جگہ لفظ جدہ مذکور ہے جو دادی اور نانی دونوں کو شامل ہے حضرت ابو بکر رض کے پاس نانی آئی تھی اور حضرت عمر رض کے پاس دادی آئی تھی چنانچہ ایک روایت میں اسکی تصریح موجود ہے۔

شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں لکھا ہے کہ ام الاب (دادی) اور ام الام (نانی) دونوں حضرت صدیق رض کے پاس آئی تھیں ام الاب نے تو کہا تھا کہ میرے بیٹے کے ولد کی میراث مجھے دلوائے اور ام الام نے کہا کہ میری بیٹی کے ولد کی میراث مجھ کو دلوایئے۔ رضوانی میں بھی یہی ہے کہ حضرت ابو بکر رض کے پاس میت کی نانی آئی اور میراث مانگی پھر اس میت کی دادی آئی اور اسی میں یہ بھی ... مروی ہے کہ میت کی دادی نے حضرت عمر سے میراث طلب کی تھی کہ میں نانی سے بہتر ہوں تو آپ نے فرمایا تم دونوں چھٹے حصہ میں برابر شریک ہو ۱۲

۵۲ قولہ واحدۃ الخ یعنی جدہ صحیحہ کا چھٹا حصہ ہے خواہ ایک ہو یا زیادہ ہوں اگر تنہا ہے تو کل چھٹا حصہ لے لے اور جو زیادہ ہوں تو اسی چھٹے حصہ کو آپس میں برابر برابر تقسیم کریں۔ پس جدہ کا حصہ گو کتنی ہی زیادہ ہو جائیں چھٹے حصہ سے زیادہ نہیں بڑھتا لیکن رد کی صورت میں بڑھ جاتا ہے اور بجز عول کے چھٹے حصہ سے کم نہیں ہو سکتا۔ بیہقی نے محمد بن نضیر سے جو اصحاب شافعی رح سے ہیں صحابہ و تابعین کا اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے۔ ایک جدہ کا فرضی حصہ سدس ہے اور دو یا تین کا بھی یہی حکم ہے جس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کو عبداللہ بن احمد نے عبادہ بن صامت سے اپنے مسند میں روایت کیا ہے اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَضٰى لِلْجَدَّتَيْنِ مِنَ الْمِيْرَاثِ بِالسُّدُسِ بَيْنَهُمَا یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دو جدّہ کے لئے میراث سے چھٹے حصّہ کا حکم دیا۔ حاکم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح شیخین کی شرط پر کی ہے دکذا فی غایۃ الوصول؛

ﮯ قولہ ثابتات الخ جدات کی میراث میں دو شرطیں ہیں جن کو مصنف نے اس طرح بیان کیا ہے اِذَا کُنَّ ثَابِتَاتٍ یعنی پہلی شرط یہ ہے ثابتات ہوں۔ ثابتات سے مراد جدات صحیحہ ہیں۔ جدہ صحیحہ وہ ہے کہ جس کو علاقہ جدِّ فاسد (نانا) کے ذریعہ سے نہ ہو۔ پس باپ کی ماں یعنی دادی پردادی وغیرہ۔ اور ماں کی ماں یعنی نانی اور پرنانی وغیرہ سب جدات صحیحہ ہیں۔ جداتِ صحیحہ تین قسم پر ہیں جیسا کہ شرح رحبیہ میں لکھا ہے (۱) جو صرف عورت کے ذریعہ سے علاقہ رکھیں جیسے ماں کی ماں یا ماں کی ماں کی ماں یا پرنانی کی ماں جو صرف ماؤں کی سلسلہ والی ہیں (۲) جو محض مردوں کے ذریعہ سے علاقہ رکھیں جیسے باپ کی ماں دادا کی ماں پردادا کی ماں کہ یہ صرف مردوں کے ذریعہ علاقہ رکھتی ہیں (۳) جو عورتوں کے ذریعہ مردوں کی طرف منسوب ہو جیسے باپ کی ماں کی ماں اور جیسے دادا کی ماں کی ماں یا پردادا کی ماں کی ماں جو عورتیں اس طرح کی ہیں وہ سب جدات صحیحہ ہیں اور جو تیسری قسم کے برخلاف ہے یعنی مردوں کے ذریعہ عورتوں کی طرف نسبت رکھے جیسے ماں کے باپ کی ماں یعنی نانا کی ماں یا نانا کی نانی تو صحیح نہیں بلکہ فاسدہ کہلاتی ہیں ان کو میراث میں سے حصہ ذوی الارحام میں ہونے کی وجہ سے ملتا ہے یعنی جدات فاسدات جو کچھ پاتی ہیں قرابت کے سبب پاتی ہیں عصوبت اور فرض کی وجہ سے نہیں پاتیں۔ جدہ فاسدہ کا ذکر ذوی الارحام میں آئے گا۔

ﮯ قولہ متحاذیات۔ دوسری شرط جدات کی میراث میں یہ ہے کہ تمام جدات درجہ میں متساوی اور برابر ہوں۔ مثلاً میت کی ماں کی ماں (نانی) اور میت کے باپ کی ماں (دادی) دونوں محاذی ہیں۔ تو چھٹے حصہ میں دونوں شریک ہیں جبکہ زندہ ہوں اور کوئی ساقط و محروم نہ ہو ایک شخص کے کئی کئی دادیاں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص کے باپ کی ماں (دادی) ماں کی ماں (نانی) دادا کی ماں (پردادی) بھی موجود ہے اور دادی کی ماں اور دادا کی نانی بھی زندہ ہے اسی طرح کئی پشت تک سلسلہ چل سکتا ہے خزانۃ المفتیین میں لکھا ہے کہ جدات کے چند مراتب ہیں (۱) مرتبہ اول میں میت کی دونوں جدات یعنی اسکی نانی اور دادی ہیں یہ دونوں وارث ہوتی ہیں (۲) مرتبہ دوم میں میت کی چار جدات ہیں۔ دو جدہ اس کے باپ کی ہیں اور دو جدہ اس کی ماں کی ہیں۔ پس اول میں سے ایک اس کے باپ کے باپ کی ماں ہے دوسری باپ کی ماں کی ماں ہے اور دوم میں ایک اس کی ماں کی ماں ہے اور دوسری اس کی ماں کے باپ کی ماں ہے ان میں سے بجز اخیرہ جدہ کے کل وارث ہوتی ہیں (۳) مرتبہ سوم میں آٹھ جدات ہیں (الف) دو جدہ اس کے باپ کے باپ کی طرف والیاں یہ دونوں دادی ہیں۔ ایک اس کے باپ کے دادا کی ماں اور دوسری اس کے دادا کی ماں کی ماں۔ یہ دونوں وارث ہوتی ہیں (ب) دو جدہ اس کے

باپ کی ماں کی طرف والیاں۔ ایک اس کے باپ کی نانی کی ماں ہے اور یہ وارث ہوتی ہے۔ دوسری باپ کی ماں کے باپ کی ماں ہے یہ محروم ہے (ج) دو جدہ ماں کے باپ کی کہ ایک ماں کے باپ (نانا) کی نانی ہے اور دوسری ماں کے دادا کی نانی ہے اور یہ دونوں محروم ہیں (د) دو جدہ اس کی نانی کی اس طرح کہ ایک ماں کی نانی کی ماں اور یہ وارث ہوتی ہے اور دوسری نانی کے باپ کی ماں اور یہ وارث نہیں ہوتی (۵) مرتبہ چہارم یہ ہے کہ اگر ان میں سے ہر ایک کے لئے دو جدہ ہوں تو سولہ ہو جائیں گی۔ اور اگر سولہ میں سے ہر ایک کے لئے دو جدہ ہوں تو بتیس ۳۲ ہو جائے گی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

نیز خزانۃ المفتیین میں لکھا ہے کہ متحاذیات وارثات اس طرح پہچانی جاتی ہیں کہ بقدر ان کے شمار کے امہات ساقط کر دی جائیں پھر ہر مرتبہ میں ام اخیرہ تبدیل کی جائے یہاں تک کہ بجز ایک ماں کے باقی نہ رہے اور یہ صورت پانچ جدات متحاذیات میں متصور ہے ام ام ام ام الام اور ام ام ام ام الاب اور ام ام ام اب الاب اور ام ام اب اب الاب اور ام اب اب اب الاب جدات کے درجہ میں متساوی و برابر ہونا اس لئے مشروط ہے کہ جدہ قریبہ جدہ بعیدہ کی مطلقاً حاجب ہوتی ہے خواہ جدہ قریبہ حاجبہ ماں کی طرف کی ہو یعنی نانی ہو یا باپ کی طرف کی ہو یعنی دادی اور اسی طرح جدہ بعیدہ محجوبہ ماں کی طرف والی ہو جیسے نانی یا باپ کی طرف والی ہو جیسے دادی ۱۲

ؔ۵ قولہ یسقطن کلھن الخ یعنی ماں کے ہوتے ہوئے تمام جدات خواہ مادری ہوں یا پدری سب کی سب محروم ہو جاتی ہیں اس لئے نانی نے میت کی ماں کو جنا ہے۔ نہ میت کو اور ماں نے میت کو جنا ہے اور وہ میت سے زیادہ قریب ہے اور ماں ہی کی وجہ سے نانی سے رشتہ حاصل ہے پس ماں اصل ہے اور نانی غیر اصل اصل غیر اصل سے اولیٰ ہوتی ہے جب ماں کے ہوتے ہوئے نانی محروم ہوتی ہے تو دادی کا محروم ہونا بدرجہ اولیٰ ہے کیونکہ نانی دادی سے زیادہ حقدار ہے۔ دیکھو بچہ کی پرورش میں نانی کا نمبر دادی سے اول ہے ۱۲

ؔ۶ قولہ والابویات ایضاً الخ یعنی جس طرح ماں کے ہوتے ہوئے جدات پدری محروم ہو جاتی ہیں اسی طرح باپ کے ہوتے ہوئے بھی جدات پدری محروم ہوتی ہیں لیکن جدات مادری محروم نہیں ہوتیں۔ یہ قول حضرت عثمانؓ علی و زید بن ثابت، ابی بن کعب و سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم کا ہے جس کو شعبی اور زہری و حسن رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے اور یہی علماء حنفیہؒ کا مسلک ہے۔ حضرت عمر ابن مسعود، ابو موسیٰ اشعری اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ دادی باپ کے سامنے وارث ہوتی ہے شریحؒ و ابن سیرینؒ نے اس کو اختیار کیا ہے یہی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد حنبلؒ کا مذہب ہے ان بزرگوں نے حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جدہ کو اس کے بیٹے کے سامنے تہائی دلوایا حالانکہ میت کا باپ زندہ تھا اور جدہ نے میراث پائی۔ پہلے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ میراث کا استحقاق دو وجہ سے ہوتا ہے ایک نسبت سے دوسرے اتحاد سبب سے کیونکہ صرف نام بدون قرابت کے استحقاق

کو واجب نہیں کرتا اور قرابت بغیر انتساب کے ثابت نہیں رہتی پس یہاں دو معنی ہیں ایک اتحاد سبب کا اور دوسرے انتساب اور ان دونوں کو ساقط اور محروم کرنے میں تاثیر ہے پس جس طرح محض اتحاد سبب سے جبکہ اسکے ساتھ انتساب نہ ہو سقوط کا حکم متعلق ہوتا ہے چنانچہ پوتیاں دو بیٹیوں کی بوجہ اتحاد سبب کے محجوب ہوجاتی ہیں باوجودیکہ یہاں انتساب نہیں پایا جاتا۔ پس جبکہ تنہا اتحاد سبب کی وجہ سے باوجود نہ ہونے انتساب کے سقوط اور حجب ثابت ہے تو اسی طرح سقوط و حرمان صرف انتساب سے بھی ثابت ہوگا گو وہ اتحاد سے معرا ہو پس جبکہ جدہ یعنی دادی باپ سے انتساب رکھتی ہے تو اس نسبت کی وجہ سے جو اسے میت کے باپ کے ساتھ حاصل ہے محجوب ہوگی گو یہاں اتحاد سبب کے معنی نہیں پائے جاتے اور میت کی ماں سے جدہ (دادی) اتحاد سبب کی وجہ سے محجوب ہوگی گو یہاں انتساب نہیں ہے اور جو جدہ ماں کی طرف والی یعنی نانی ہے وہ باپ کے ساتھ وارث ہوگی کیونکہ یہاں وہ دونوں باتیں نہیں نہ ہی انتساب ہے اور نہ ہی اتحاد سبب .... اور اخیافی بھائی جو ماں کے ساتھ وارث ہوتا ہے باوجودیکہ وہ ماں سے انتساب رکھتا ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں نہ اتحاد سبب کا پایا جاتا ہے نہ اخیافی بھائی اور اس کے حصوں میں مشارکت پائی جاتی ہے بعض کہتے ہیں یہ صورت مستثنیٰ ہے اور ابن مسعود رض کی حدیث کی تاویل یہ ہے کہ شاید اس میت کا باپ غلام یا کافر ہو ۱۲ ﷺ قولہ الام الاب الخ یعنی باپ ہوتے ہوئے جس طرح جدات پدری محروم ہوجاتی ہے اسی طرح دادا کے ہوتے ہوئے بھی محروم ہوجاتی ہیں مگر باپ کی ماں کہ وہ دادا کی زوجہ ہے محروم نہیں ہوتی اگرچہ ام الاب اوپر کے درجہ کی ہو جیسے باپ کی ماں کی ماں یعنی باپ کی نانی اور اس سے بھی اونچے درجہ کی ہو جیسے باپ کی ماں کی ماں کی ماں۔ یعنی باپ کی پرنانی واضح رہے کہ دادا اور باپ کے ساتھ دادیوں کی محرومی میں اتنا فرق ہے کہ باپ کے ہوتے ہوئے کل دادیاں محروم ہیں اور جد صحیح کے ہوتے ہوئے سب دادیاں محروم نہیں ہیں بلکہ صرف وہی دادیاں محروم ہیں جو جد صحیح کے اوپر والی ہیں نہ وہ دادیاں جو اس کے درجہ والیاں ہیں پس جد صحیح کے ہوتے ہوئے اس کی ماں محروم ہے نہ بیوی کیونکہ باپ کی ماں کی قرابت دادا کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ اس کی بیوی ہے جیساکہ باپ کے سامنے ماں محروم نہیں ہوتی اور اس مسئلہ میں کہ دادا اپنی بیوی کو محروم نہیں کرتا سب کا اتفاق ہے۔ یہ تیسرا مسئلہ ہے ان مسائل میں سے جو اول باب میں مستثنیٰ کئے گئے ہیں کہ ام الاب باپ سے محجوب ہوتی ہے اور دادا سے محجوب نہیں ہوتی۔ ﷺ قولہ والقربیٰ الخ یعنی قریب درجہ والی جدہ خواہ کسی طرف سے ہو یعنی ماں کی جانب کی یا باپ کی طرف کی دور والی کو خواہ جدات مادری سے ہو یا جدات پدری سے ہو محروم کردیتی ہے جدہ کے محروم ہونے کی چار صورتیں ہیں (۱) پہلی صورت یہ ہے کہ قریب درجہ کی جدہ مادری بعید درجہ کی جدہ

پدری کو محروم کرتی ہے (۲) دوسری صورت یہ ہے قریب درجہ کی جدہ مادری بعید درجہ کی جدہ مادری کو محروم کرتی ہے (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ قریب درجہ کی جدہ پدری بعید درجہ کی جدہ پدری کو محروم کرتی ہے (۴) چوتھی صورت یہ ہے قریب درجہ کی جدہ پدری بعید درجہ کی جدہ مادری کو محروم کرتی ہے جیسے نانی کے ہوتے ہوئے پڑنانی اور پڑدادی اور دادی کے ہوتے ہوئے پڑدادی اور پڑنانی محروم ہیں۔

اس مسئلہ میں زید ابن ثابت سے دو قول منقول ہیں جن کی تفصیل شافعیؒ مذہب کی کتب فرائض مثل فوائد المصبغیہ اور فوائد الشنشوریہ اور لوء لوء السنیہ اور تحفہ خیریہ اور سراجی کی شروح مثل ضوء السراج و شرح شمس الائمہ سرخسی اور شرح خواہرزادہ وغیرہ میں مذکور ہے جس کی صورت یہ ہے

(۱) فوائد الشنشوریہ میں آیا ہے کہ زیدؓ کا ایک قول یہ ہے کہ ماں کی طرف والی جدہ بعیدہ باپ کیطرف والی جدہ قریبہ سے ساقط نہیں ہوتی بلکہ دونوں سدس میں شریک ہیں یہی امام شافعیؒ کا قول ہے گو ماں کی طرف والی بعید ہے لیکن وہ اقویٰ ہے کیونکہ ماں جدات کے ارث میں اصل ہے پس جو اصالت کی قوت پرنانی کو ماں کی طرف سے حاصل ہے اس قوت نے اس کی دُوری کا تدارک کرکے باپ کی طرف والی یعنی دادی سے برابر کرکے چھٹے حصہ میں شریک کر دیا۔ تحفۃ الاظہریہ میں ہے کہ اہل مدینہ کا یہی مختار ہے اور یہ انھوں نے زید کی روایت سے اخذ کیا ہوگا کہ وہ زید کے اہل وطن ہیں کیونکہ وہ دوسروں کی بہ نسبت زید کی لغات سے زیادہ واقف ہیں اور فوائد المصبغیہ اور ضوء السراج اور فوائد شنشوریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ نے بھی اس پر عمل کیا ہے یہی حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔

(۲) دوسرا قول زید ابن ثابت کا یہ ہے کہ جدہ قریبہ جدہ بعیدہ کی حاجب ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے اور یہی حنابلہ کا مفتیٰ بہ ہے اور جماعت شافعیہ اور مالکیہ نے بھی اس قول کی تصحیح پر اتفاق کیا ہے جیساکہ فوائد شنشوریہ میں ہے نووی کی روضہ میں بغوی وغیرہ سے یہی منقول ہے ابوالعباس شہاب الدین احمد بن محمد معروف بہ ابن ہائم نے لکھا ہے کہ جدہ بعیدہ کو جدہ قریبہ محجوب کرتی ہے اور ہماری دلیل اس پر یہ ہے کہ اکثر نے اس کو قبول کر لیا ہے ضوء السراج میں ہے کہ شمس الائمہ سرخسی کی شرح میں آیا ہے کہ اس روایت کو کہ جدہ قریبہ جدہ بعیدہ کی حاجب ہے اہل عراق نے زید سے روایت کیا ہے اور خواہرزادہ کی شرح میں یہ ہے کہ یہ روایت اہل کوفہ کی ہے اور دوسری روایت میں زید سے مروی ہے کہ اگر جدہ قریبہ ماں کی طرف والی ہو اور جدہ بعیدہ باپ کی طرف والی ہو تو یہی حال ہے اور اگر جدہ قریبہ باپ کی طرف والی ہے اور بعیدہ ماں کی طرف والی تو دونوں برابر ہیں۔ سرخسی فرماتے ہیں کہ یہ روایت اہل مدینہ کی ہے اسی پر علمائے مدینہ اور شافعیؒ اور مالکؒ کا عمل ہے۔

اس امر پر کہ باپ کی طرف والی جدہ قریبہ ماں کی طرف والی جدہ بعیدہ کی حاجب نہیں ہوتی امام شافعیؒ کا استدلال یہ ہے کہ جدہ کا استحقاق بالاتفاق امومت کی وجہ سے ہے اور نانی میں امومت

اظہر ہے کہ وہ ایسی ماں ہے جو میت سے بذریعہ ماں کے نسبت رکھتی ہے بخلاف دادی کے کہ وہ ایسی ماں ہے کہ باپ کی وجہ سے نسبت رکھتی ہے پس جبکہ جدہ قریبہ ماں کی طرف والی ہوگی تو اس کے لئے دو طور سے ترجیح ہوگی ایک زیادتی قرب کی وجہ سے دوسرے ظہور صفت امومت کی وجہ سے تو یہ ضرور اولیٰ ہوگی بعض حنفیہؒ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر امومت کی رشتہ داری کا ظہور ترجیح کا موجب ہو تو ضرور ہے کہ ماں کی ماں باپ کی ماں سے مقدم ہو باوجودیکہ دونوں درجہ میں مساوی ہیں اور یہ بالاتفاق باطل ہے امام ابوحنیفہؒ نے یہ دلیل بیان کی ہے کہ جدہ کا استحقاق باعتبار امومت کے ہے اور یہ اصلیت ہے اور اصلیت کے معنی قریب والی میں بہ نسبت بعید والی کے اظہر و اقویٰ ہیں برابر ہے کہ ایک جہت سے ہوں یا دو جہتوں سے تو یہ دُور والی پر مقدم ہوگی ۱۲

۵۹ قولہ وارثۃ یعنی خواہ قریبہ درجہ والی جدہ وارث ہو جیسے میت کی دادی جبکہ میت کا باپ موجود نہ ہو تو وارث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اگر پرنانی اس کے ساتھ جمع ہو تو دادی پرنانی کو محروم کر دیتی ہے کیونکہ دادی کو میت سے جتنا قرب حاصل ہے پرنانی کو نہیں۔

۶۰ قولہ محجوبۃ الخ یعنی یا قریب درجہ کی جدہ محجوب ہو جیسے دادی باپ کے ساتھ محروم ہوتی ہے باوجود اس کے پرنانی کو محروم کر دیتی ہے۔ پس اگر میت نے باپ دادی پرنانی چھوڑیں تو علمائے حنفیہ کے نزدیک تمام مال باپ کو پہنچے گا اس لئے پرنانی دادی کی وجہ سے محجوب ہے یعنی اس نے پرنانی کو محروم کر دیا اور دادی باپ کی وجہ سے محروم ہے محجوب ہے۔ حسن بن زیاد نے حضرت علیؓ کے قول کے قیاس پر فرمایا ہے جدات کی میراث پرنانی کے لئے ہے اگرچہ وہ دادی سے بعید ہے اس لئے حضرت علیؓ کا قول ہے کہ قریب درجہ والی بعید درجہ والی کو اس وقت محروم کرتی ہے جبکہ اسکو وراثت کا حق حاصل ہو اور یہاں قریب درجہ والی بوجہ موجود ہونے بیٹے کے وارث نہیں ہے گویا یہ بمنزلہ کافرہ اور کنیز کے ہے تو ایسی حالت میں جدات کا فرض بعید درجہ والی کو ملے گا۔ حنفیہؒ کی طرف سے دلیل یہ ہے کہ یہاں قریب درجہ والی بعید درجہ والی کے مقابلے میں وارث مان لی گئی ہے اور بعد وارث تسلیم کر چکنے کے باپ کی وجہ سے محروم ہو گئی حتیٰ کہ اگر یہاں باپ نہ ہوتا تو میراث اس کو ملتی اس بناء پر بعید درجہ والی قریب درجہ والی کی وجہ سے محروم ہو جائے گی پھر قریب درجہ والی اپنے بیٹے کے سبب سے محروم ہو جائے گی پس کل مال اس کے بیٹے کو جو میت کا باپ ہے ملیگا نظیر اس کی یہ ہے کہ بہنیں باوجود محروم و محجوب ہونے کے باپ کے سبب سے ماں کو تہائی سے چھٹے کی طرف محروم کر دیتی ہیں۔

وَاِذَا كَانَتِ الْجَدَّةُ ذَاتَ قَرَابَةٍ وَّاحِدَةٍ كَاُمِّ اُمِّ الْاَبِ وَالْاُخْرٰى

(باپ کی نانی)

ذَاتَ قَرَابَتَيْنِ اَوْ اَكْثَرَ كَاُمِّ اُمِّ الْاُمِّ وَهِيَ اَيْضًا اُمُّ اَبِ

(نانی کی ماں) (من جہۃ الاب و الام)

الْاَبِ بِهٰذِهِ الصُّوْرَةِ يُقْسَمُ

السُّدُسُ بَيْنَهُمَا عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ

(وبہ جزم فی الکنز)

رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنْصَافًا بِاعْتِبَارِ

(ای ینصف السدس بینہما)

الْاَبْدَانِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ

(وبہ قال حسن بن زیاد)

اللّٰهُ اَثْلَاثًا بِاعْتِبَارِ الْجِهَاتِ

میت — ذکراکان اوانثی — صورۃ ذات قرابتین

ام — اب — ام — ام — ام — ام — ھذہ الجدۃ ذات قرابتین

میت — صورۃ ذات قرابات ثلث

ام — اب — ام — اب — ام — ام — ام — ام — ھذہ الجدۃ ذات ثلث قرابات
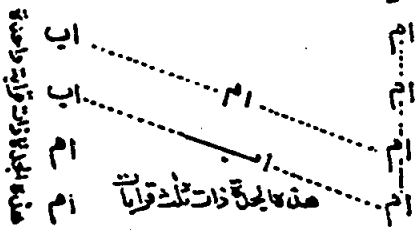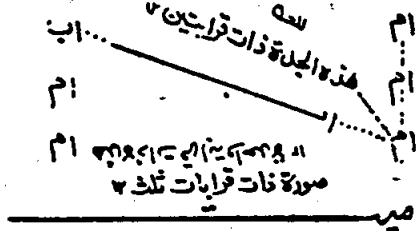
ترجمہ :- اور اگر ایک جدہ ایک قرابت والی ہو جیسے باپ کی ماں کی ماں (یعنی باپ کی نانی) اور دوسری جدہ دو قرابت والی یا دو سے زیادہ (قرابت والی) ہو جیسے ماں کی ماں کی ماں (یعنی نانی کی ماں) اور وہ باپ کے باپ کی ماں بھی ہے۔ اس صورت پر :- - - - (ایسی صورت میں) امام یوسفؒ کے نزدیک چھٹا حصہ ابدان کے اعتبار سے ان دونوں (جدہ) کے درمیان نصفا نصف تقسیم ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک (چھٹا حصہ) جہات (یعنی قرابت) کے اعتبار سے تین تہائی کرکے تقسیم ہوگا (یعنی ایک قرابت والی کا ایک حصہ دو قرابت والی کے دو حصے ہونگے
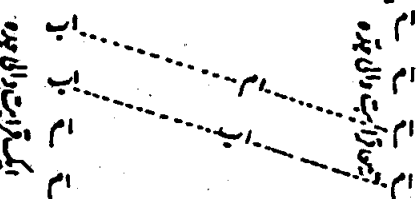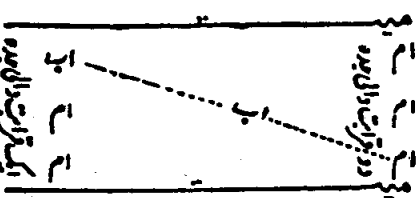
میت — ام — اب — ام — اب — ام — ام

میت — ام — اب — ام — اب — ام — اب — ام — ام

ف۱ قولہ اذا کانت الجدۃ الخ اوپر یہ بیان گزر چکا ہے جبکہ دو یا چند جدات صحیحہ متساوی درجہ کی ہوں۔ تو از روئے فرائض ان کا چھٹا حصہ ہی ہوگا۔ سب اسی میں شریک ہونگی۔ اب اگر ان میں سے ایک جدہ

ایک قرابت والی ہے اور دوسری دو یا زیادہ قرابت والی ہے تو اس صورت میں کیا چھٹا حصہ ان دونوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا اور دو یا زیادہ قرابت والی کو قرابتوں کا لحاظ نہ کرکے مثل ایک قرابت والی کے شمار کیا جائیگا یا اس کی مختلف قرابتوں کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کو دو یا چند جدات قرار دیکر زیادتی قرابت کے اعتبار سے چھٹے حصہ میں ایک قرابت والی سے زائد حصہ کی مستحق سمجھی جائے گی۔ شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ اس بارہ میں امام ابو حنیفہؒ سے کوئی روایت منقول نہیں ہے اور ان کے اصحاب کے درمیان اس میں اختلاف ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک چند قرابت والی قرابت کے اعتبار سے حصہ پائیگی۔ اور وہ دو یا دو سے زیادہ جدات کے قائم مقام سمجھی جائے گی۔ یعنی جتنی قرابتیں ہونگی اتنی ہی جدات کے قائم مقام ہوگی۔ یہی امام زفر اور حسن بن زیاد کا قول ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ میراث کا استحقاق جہات قرابت کے اعتبار سے ہے نہ اشخاص کے اعتبار سے دیکھو غلام اور کافر کچھ اس وجہ سے خارج نہیں ہوتا کہ وہ شخص ہے بلکہ جبکہ اس کے حق میں سبب استحقاق یعنی فرضیت اور عصوبت معدوم ہو جاتی ہے تو وہ معدوم کی طرح قرار پاتا ہے کیونکہ سبب استحقاق باقی نہ رہنے سے استحقاق میراث ختم ہو جاتا ہے۔ پس جس کے حق میں دو سبب جمع ہو جائیں تو بظاہر وہ ایک شخص ہے لیکن حکم میں متعدد کے ہوگا اس لئے کہ اس کے حق میں دو سبب جمع ہیں لہذا ہر سبب کی وجہ سے اس کے لئے استحقاق ثابت ہوگا۔ جیسے علیحدہ علیحدہ ایک ایک شخص کے لئے ایک ایک سبب پایا جاتا ہے تو کئی سببوں کے ایک شخص میں مجتمع ہونے کی صورت میں وہ بمنزلہ کئی شخصوں کے قرار دیا جائے گا جس کی نظیر یہ ہے کہ میت نے دو چچا زاد بھائی ایسے چھوڑے کہ انہیں سے ایک اسکا اخیافی بھائی بھی ہو تو جو اخیافی بھائی ہے اس کو میت کے مال میں سے چھٹا حصہ تو بطور فرض کے ملے گا اور باقی ماندہ مال پھر دونوں بھائیوں میں نصفا نصف بطور عصوبت کے تقسیم ہو جائیگا۔ اسی طرح کوئی عورت اپنے بعد ایسے دو چچا زاد بھائی چھوڑے کہ ان میں سے ایک اس کا شوہر بھی ہے تو اسکے ترکہ میں سے نصف تو شوہر کو بطور فرض کے ملے گا اور باقیماندہ مال بطور عصوبت کے دونوں میں برابر تقسیم ہو جائے گا۔ پس جس جدہ میں ایک قرابت کی جہت ہوگی اس کو ایک حصہ ملے گا اور جس میں دو جہتیں قرابت کی ہونگی گو بظاہر وہ ایک ہے مگر حقیقت میں متعدد ہے تو اس کو دو حصہ ملیں گے کیونکہ وہ دو جہت سے میراث کی مستحق ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں تقسیم ابدان کے اعتبار سے ہوگی خواہ ایک قرابت والی ہو یا کئی قرابت والی ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جدات کا استحقاق نسبت کی وجہ سے نہیں ہے اس لئے کہ عورتوں کے ساتھ جہت کا انتساب رکھنا استحقاق میراث میں عورتوں کے لئے ایسا اثر انداز نہیں ہوگا جیسا کہ مردوں کے ساتھ انتساب رکھنے سے ان مردوں کے حق میں اثر انداز ہوتا ہے پس جدہ خواہ ایک جہت سے ہو یا کئی جہت سے ہو ہر صورت میں اس کی میراث کے استحقاق میں تعدد حاصل نہ ہوگا ہاں اگر جہت کے ساتھ نام کا بھی تعدد ہو تو البتہ استحقاق میراث کا بھی تعدد ہوگا اور اگر نام متعدد

نہیں تو جہت کا تعدد جہت واحدہ کی مثل ہے اور یہاں اس طرح ہے کہ دو قرابت والی کو بھی ایک قرابت والی کی طرح جدہ کہتے ہیں۔ تعدد جہت کی وجہ سے نام متعدد نہیں ہو سکتا۔ جو عورت دو قرابتوں کی وجہ سے یا زیادہ قرابتوں کی وجہ سے جدہ ہوگی تو اس کو جدہ ہی کہا جائیگا جس طرح ایک قرابت والی کو جدہ کہتے ہیں۔ بخلاف اس چچا زاد بھائی کے جو اخیافی بھائی بھی ہے کہ یہاں ماں کے تعدد سے جہات میں تعدد ہوگیا ہے پس اخیافی بھائی ہونیکی جہت چچا زاد بھائی ہونے کی قرابت سے علیحدہ ہے اور سبب استحقاق میں مساوات کے ہونے سے استحقاق میں مساوات واجب ہوتی ہے اس لئے کہ ہر ایک ان جہات میں سے استحقاق کے لئے علت تامہ ہے اور علت کے متعدد ہونے سے استحقاق میں زیادتی پیدا نہیں ہوتی مثلاً ایک شخص اپنے حق پر دو گواہ گزارے اور دوسرا شخص اپنے حق پر دس گواہ گزارے تو اقامت شہود کو دونوں کے حق میں مساوی سمجھا جائیگا۔ اسی طرح کسی نے ایک شخص کے ایک زخم لگایا اور اس زخمی کے کسی نے دس زخم لگائے تو دونوں زخم کرنے والوں پر دیت نصفا نصف عائد ہوگی۔ فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے مصنف نے ابو یوسف رحؒ کے (یہاں یہی مذہب امام ابو حنیفہ کا ہے) ساتھ امام ابو حنیفہؒ کا ذکر نہیں کیا اور اسکی شرح ضوء السراج میں مذکور ہے شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ سے تعدد قرابتین احدے الجدتین کچھ روایت نہیں ہے لیکن فرائض حسن بن عبداللہ بن عبدالرزاق شاشی شافعی المذہب میں مذکور ہے کہ ابو حنیفہؒ اور مالکؒ اور شافعیؒ کا قول ابو یوسفؒ کے قول کے مانند ہے۔ شیخ الاسلام نے شرح سراجیہ میں تحریر کیا ہے کہ صاحب منظومہ نے اس مسئلہ کو امام محمدؒ کے باب میں اور امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے خلاف لکھا ہے اور شارحین نے تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ابو یوسفؒ کے موافق ہیں اور اسکی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف مسئلہ ذوی الارحام میں متفق ہیں پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات صحیح ہے یہاں ایک اعتراض ہے کہ تم نے جو یہ کہا ہے کہ استحقاق میراث میں نسبت کا اعتبار نہیں یہ متناقض ہے تمہارے اس قول کے کہ جو تم نے نسبت کا حجب میں لحاظ کیا ہے اس کا جواب یہ ہے حجب کا حکم غیر ہے استحقاق میراث جدات کے حکم سے کسی حکم سے دوسرے حکم پر استدلال کرنا اس وقت جائز ہے کہ ان میں مساوات پائی جائے۔

۵۲ قولہ والاخریٰ الخ یعنی دوسری جدہ دو قرابت والی ہو جیسے جدہ میت کی پرنانی بھی ہے۔ اور پر دادی بھی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مثلاً دو عورتیں مسماۃ زینب اور کلثوم ہیں۔ زینب نے اپنے پوتے شاکر بن حامد کا نکاح اپنی نواسی راضیہ بنت صابرہ سے کر دیا۔ ان دونوں سے محمود پیدا ہوا تو زینت محمود کی دو قرابت والی جدہ ہے یعنی شاکر کے باپ کی دادی ہے اور اسکی ماں راضیہ کی نانی بھی کلثوم نے اپنی بیٹی حلیمہ کا نکاح اس دو قرابت والی جدہ یعنی زینت کے بیٹے حامد سے کر دیا تھا۔ اور اسی نکاح سے وہی لڑکا پیدا ہوا تھا جو دو قرابت والی جدہ کا پوتا ہے جس کا نام شاکر ہے۔ یہ وہی شاکر ہے جو محمود کا باپ ہے۔ محمود مرگیا اور اس کی وارث دو جدہ ہیں۔ ایک زینب اور دوسری کلثوم۔ ان میں سے کلثوم محمود سے صرف ایک قرابت رکھتی ہے کہ اسکے باپ شاکر کی نانی ہے۔

اور زینب محمود مذکور کی دو جہت سے جدہ ہوتی ہے اس لئے کہ اس کے باپ کی طرف سے پر دادی ہے اور ماں کی طرف سے پر نانی ہے اس لئے وہ متوفی کی نانی صابرہ کی ماں ہے پس یہ جدہ متوفی سے دو قرابت رکھتی ہے اور یہ دونوں جدہ یعنی زینب اور کلثوم درجہ میں مساوی اور برابر ہیں۔ اس صورت میں ظاہر ہو گیا کہ ایک قرابت والی جدہ دو قرابت والی جدہ کے ساتھ جمع ہے۔ اس شجرہ سے یہ صورت خوب دل نشین ہو سکتی ہے۔ ۱۲
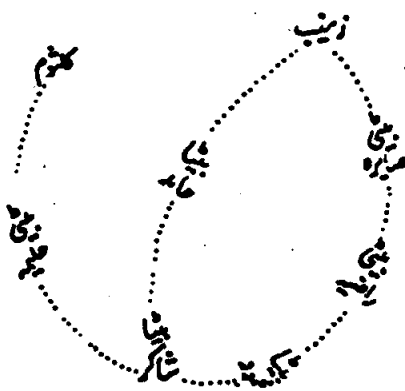
۵۳ قولہ او اکثر الخ یعنی دوسری جدہ دو سے زیادہ قرابت والی ہو۔ مصنفؒ نے دوسری صورت ایک جہت والی جدہ اور تین جہت والی جدہ کی لکھی ہے جو ایک درجہ کی ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ زینب مذکور کے ایک بیٹی سلیمہ اور ہے۔ زینب نے سلیمہ کی نواسی یعنی عظیمہ بنت کریمہ بنت سلیمہ کا محمود مذکور سے نکاح کر دیا۔ ان دونوں سے قاسم پیدا ہوا جو مر گیا تو زینب قاسم کی نانی کریمہ کی نانی ہوئی۔ اور قاسم کے دادا یعنی شاکر کی دادی ہوئی اور قاسم کی دادی راضیہ کی نانی ہوئی۔ تو زینب قاسم متوفی کی تین طرح کی قرابت سے جدہ ہوئی اور کلثوم فقط ایک قرابت رکھتی ہے کہ قاسم کے دادا یعنی شاکر کی نانی ہے اس شجرہ سے بخوبی سمجھ میں آجائے گا۔
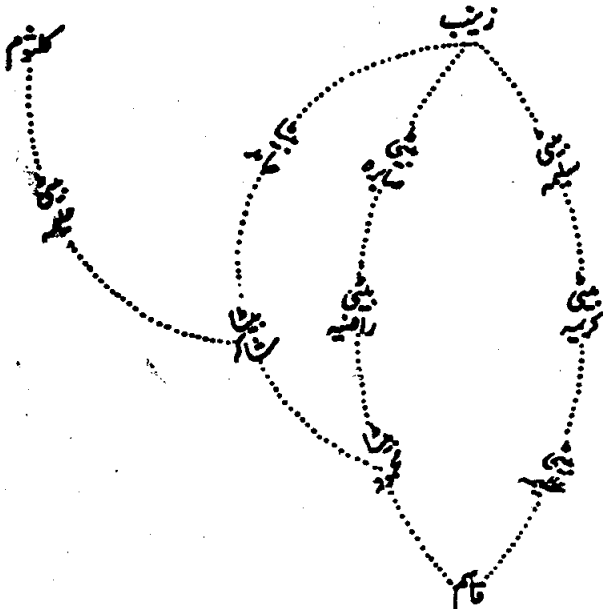
بَابُ الْعَصَبَاتِ

اَلْعَصَبَاتُ النَّسَبِيَّةُ ثَلٰثَةٌ عَصَبَةٌ بِنَفْسِهٖ وَعَصَبَةٌ بِغَيْرِهٖ وَعَصَبَةٌ مَعَ غَيْرِهٖ اَمَّا الْعَصَبَةُ بِنَفْسِهٖ فَكُلُّ ذَكَرٍ لَا تَدْخُلُ فِيْ نِسْبَتِهٖ اِلَى الْمَيِّتِ اُنْثٰى وَهُمْ اَرْبَعَةُ اَصْنَافٍ جُزْءُ الْمَيِّتِ وَاَصْلُهٗ وَجُزْءُ اَبِيْهِ وَجُزْءُ جَدِّهٖ اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ يُرَجَّحُوْنَ بِقُرْبِ الدَّرَجَةِ

يطلق على المذكر والمؤنث والمفرد والجمع كانها مصادر اسم جنس ۱۲ — والمراد به القرابة ۱۲ — اى العصبات بانفسهم ۱۲ — الاول ۱۲ — الثانی ۱۲ — الثالث ۱۲ — الرابع ۱۲ — فيرث الاقرب وحرم البعد درجة ۱۲

(یہ) باب عصبات (کے بیان) میں ہے

ترجمہ: ۔عصبات نسبیہ (کی) تین (قسمیں) ہیں۔ (۱) عصبہ بنفسہ اور (۲) عصبہ بغیرہ اور (۳) عصبہ مع غیرہ لیکن عصبہ بنفسہ ہر ایک وہ مرد ہے جس کی قرابت میں میت کی طرف عورت نہ داخل ہو اور وہ (یعنی عصبہ بنفسہ کی جماعت کی) چار قسمیں ہیں۔ (۱) میت کی فروع اور (۲) اُس کے اُصول اور (۳) اس کے باپ کی فروع اور (۴) اس کے دادا کی فروع (مقدم کیا جائے گا تقسیم ترکہ میں) وہ شخص جو (میت کی طرف قرابت میں) قریب تر ہے پھر وہ جو قریب تر ہے ترجیح دی جائے گی ان کو قریب درجہ کے ساتھ

سلہ قولہ العصبات الخ مصنف جب ذوی الفروض کے بیان سے فارغ ہوئے تو عصبات کا بیان شروع کرتے ہیں۔ عصبات کا بیان ذوی الارحام کے بیان سے اس وجہ سے مقدم کیا کہ وہ کثیر الوجود ہیں اور انکا درجہ

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

سلہ قولہ انصافاً ۔ یعنی امام یوسف کے نزدیک جبکہ ایک قرابت والی جدہ اور دو یا دو سے زیادہ قرابت والی جدہ جمع ہوں تو چھٹا حصہ ابدان کے اعتبار سے سب کو برابر تقسیم ہوگا بشرطیکہ ایک درجہ کی ہوں خواہ ایک قرابت والی ہو یا زیادہ کئی قرابت والی خواہ پدری ہو خواہ مادری اسی چھٹے حصہ کو برابر تقسیم کرلیں اسی قول پر فتویٰ ہے پس پہلی صورت میں سدس تین کو ملے گا اور دوسری صورت میں سدس ترکہ قاسم زینب اور کلثوم کو برابر ملے گا ۱۲

سلہ قولہ اثلاثاً الخ یعنی امام محمدؒ کے نزدیک قرابت کے اعتبار سے تقسیم ہوگی۔ ان کے نزدیک ایک قرابت والی اور کئی قرابت والی برابر نہیں بلکہ اس چھٹے حصہ کو جہات جدات کے اعتبار سے تقسیم کرتے ہیں اور ایک قرابت والی کو ایک حصہ اور دو قرابت والیوں کو دو حصے اور تین قرابت والیوں کو تین حصے دیتے ہیں علیٰ ہذا القیاس۔ پس ایک قرابت والی جدہ کو چھٹے میں تہائی اور دو قرابت والی کو دو تہائی ملے گا علیٰ ہذا القیاس۔ تین قرابت والی کو تین چوتھائی اور ایک قرابت والی کو ایک چوتھائی چھٹے حصہ میں سے ملے گا ۱۲

قوتِ قرابت کی بنا پر مقدم ہے۔ اہلِ سنت کے نزدیک ان کی توریث میں اتفاق ہے بخلاف ذوی الارحام
کے کہ ان میں یہ باتیں مفقود ہیں۔ عصبات عصبہ کی جمع سالم ہے لغت میں عصبہ محیط بالشی کے معنی میں ہے
چنانچہ اہلِ عرب کے محاورہ میں جب لوگ کسی شخص کو ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں تو عصب القوم بفلان کہتے ہیں۔
احاطہ کے معنی عصبہ شرعی میں موجود ہیں کیونکہ عصبات میت کو ہر طرف گھیرے ہوئے ہوتے ہیں ایک طرف
باپ ہے تو دوسری طرف بیٹا۔ ایک طرف بھائی ہے تو دوسری طرف چچا پھر واحد، جمع، مذکر اور مؤنث
کا نام رکھ دیا گیا گویا عصبہ اسم جنس ہے۔ اہلِ لغت کے نزدیک اس کا مصدر عصوبت ہے جو لازم ہے
کبھی بار جارہ سے متعدی ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ عصب القوم بفلان۔ لوگوں نے فلاں شخص کو گھیر لیا۔ کبھی
تضعیف عین سے متعدی ہوتا ہے کہا جاتا ہے المذکر یُعَصِّبُ الْاُنْثیٰ (مذکر نے مؤنث کو عصبہ کر دیا)
اصطلاحِ شرع میں عصبہ وہ شخص ہے جس کا کوئی حصہ مقرر نہیں بلکہ اصحاب فرائض کو دیکر جو کچھ باقی
رہے اس کے لئے ہے اور جب تنہا وہی ہو تو تمام لے اور اگر ذوی الفروض سے کچھ نہ بچے تو عصبہ محروم
رہے گا۔ اس کے لئے عَول نہیں ہوتا عصبہ صرف قرابتِ پدر میں ہوتا ہے قرابتِ مادر میں متصور نہیں ہوتا۔ قوی
اسبابِ ارث سے عصوبت ہے اس لئے کہ عصوبت کی وجہ سے آدمی تمام مال کا وارث بن جاتا ہے فریضے
کی وجہ سے تمام مال کا مستحق نہیں ہوتا۔ عصوبت کے سبب ارث ہونے میں سب کا اجماع ہے اور رحم
میں یہ بات نہیں اس لئے کہ عصوبت تمام اسبابِ ارث میں اقویٰ ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد
ہے اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَھْلِھَا فَمَا بَقِیَ فَھُوَ لِاَوْلیٰ رَجُلٍ ذَکَرٍ۔ خطابی نے اولیٰ رجل ذکر کے یہ معنی بیان
کئے ہیں کہ عصبات میں سے جو مرد قریب تر ہو وہ مستحق ہوتا ہے اور ابن بطال نے بیان کیا ہے کہ فرائض
کے ادا کرنے کے بعد اگر عصبے مرد ہوں تو ان میں سے جو میت کا زیادہ قریبی ہو وہ مستحق ہوتا ہے اور بعید
محروم رہتا ہے اور اگر قربت میں مساوی ہوں تو وہ سب باقی ماندہ ترکہ میں شریک ہوتے ہیں۔ ابن تین
فرماتے ہیں اس سے مراد چچا پھوپی کے ساتھ اور بھتیجا بھتیجی کے ساتھ، چچیرا بھائی، چچیری بہن کے ساتھ ہیں
پس ان صورتوں میں مرد وارث ہوتے ہیں اور عورتیں وارث نہیں ہوتیں اور بہن، بھائی حقیقی ہوں
یا علاتی تو اس صورت میں بہنیں محروم نہیں ہوتیں کیونکہ حق تعالےٰ شانہ نے فرمایا ہے وَاِنْ کَانُوْا
اِخْوَۃً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ یعنی اگر وارث بہن بھائی مرد اور عورتیں ہوں تو
مردوں کو دو عورتوں کے حصہ ..... کے برابر ملے گا۔ اسی طرح اخیافی بھائی بہن بھی آپس میں شریک
ہوتے ہیں چنانچہ باری تعالیٰ عزاسمہٗ نے فرمایا ہے فَاِنْ کَانُوْٓا اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ فَھُمْ شُرَکَآءُ فِی
الثُّلُثِ یعنی اگر وہ اخیافی بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہیں اور یہ صورتیں

پہلی صورتوں سے مستثنیٰ ہیں۔ غرضیکہ عورت عصبہ نہیں ہوتی لیکن بالتبع اصل میں مرد عصبہ ہے عصوبت کے چار سبب ہیں (۱) بیٹا ہونا (۲) پھر باپ ہونا (۳) پھر بھائی ہونا (۴) پھر چچا ہونا۔ لو ولو اسنیہ میں مذکور ہے کہ امام شافعی کے نزدیک عصوبت کی جہات سات ہیں (۱) بیٹا ہونا (۲) باپ ہونا (۳) دادا ہونا (۴) بھائی ہونا (۵) بھتیجا ہونا (۶) چچا ہونا (۷) چچازادہ ہونا۔ یہی مالکیہ کا مختار ہے اور حنابلہ کے نزدیک عصوبت کی جہات چھ ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے پانچ جہات قرار دیئے ہیں (۱) بیٹا ہونا (۲) باپ ہونا (۳) بھائی ہونا (۴) چچا ہونا (۵) ولار انھوں نے بیت المال کو ساقط کر دیا ہے اور دادا ہونے کو باپ ہونے میں ملا دیا ہے اور بھائی کی اولاد کو بھائیوں میں شامل کر دیا ہے ۱۲

۵۲ قولہ العصبات النسبیۃ۔ عصبات کی دو قسمیں ہیں۔ عصبات نسبی، عصبات سببی۔ عصبہ نسبی وہ ہے کہ جس کو عصوبت قرابت کی وجہ سے حاصل ہو جیسے بیٹا، پوتا وغیرہ۔ اور عصبہ سببی وہ ہے کہ جس کو عصوبت آزاد کرنے کی وجہ سے حاصل ہو اس کو مُعتِق (کسرہ تار فوقانی کے ساتھ) اور مولی العتاقہ کہتے ہیں۔ مصنفؒ نے عصبہ نسبی کو عصبہ سببی پر اس لئے مقدم کیا کہ نسبی سببی سے قوی ہے جیسا کہ انکی تعریفوں سے ظاہر ہے کہ عصوبت اس کی قرابت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔

۵۳ قولہ ثلاثۃ الخ عصبات نسبیہ کی تین قسمیں ہیں۔ دلیل حصر یہ ہے کہ عصبہ نسبی یا تو اپنی عصوبت میں غیر کا محتاج ہے یا نہیں اگر وہ غیر کا محتاج نہیں ہے بلکہ بذاتِ خود عصبہ ہے تو اس کو عصبہ بنفسہ کہتے ہیں یا وہ غیر کا محتاج ہے اس صورت میں یا تو وہ غیر بذات خود عصبہ ہے اور اسکی وجہ سے اس میں عصوبت آتی ہے اس کو عصبہ بغیرہ کہتے ہیں۔ یا وہ بذات خود عصبہ نہیں بلکہ دونوں کے ملنے سے اس میں عصوبت آتی ہے اس کو عصبہ مع غیرہ کہتے ہیں۔ ۱۲

۵۴ قولہ عصبۃ بغیرہ۔ یعنی ایسا عصبہ جو کسی غیر کے سبب سے عصبہ بنے عصبہ بغیرہ کی چند تعریفیں علماء فرائض نے بیان کی ہیں۔ عنوانات مختلف ہیں معنی ایک ہی ہے (۱) عصبہ بغیرہ وہ ایک ایسی عورت ہے کہ کسی مرد کے ذریعہ جو اس کے درجہ کا ہو عصبہ بنے جیسے بیٹیاں۔ بیٹوں کے ساتھ پوتیاں پوتوں کے ساتھ بہنیں بھائیوں کے ساتھ عصبہ بنتی ہیں (۲) عصبہ بغیرہ ایک عورت ہے جو ایسے مرد کے ذریعہ عصبہ ہوتی ہے جو اسکے مقابلے کا ہو جیسے بیٹے کے ہمراہ بیٹی اور پوتے کے ہمراہ پوتی۔ اور حقیقی بھائی کے ہمراہ حقیقی بہن اور علاتی بھائی کے ساتھ علاتی بہن (۳) عصبہ بغیرہ وہ عورت ہے جس کا فرض نصف یا دو ثلث ہو اور اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بن جائے۔

۵۵ قولہ عصبۃ مع غیرہ یعنی ایسا عصبہ جو غیر کے ساتھ عصبہ بنے اس کی تعریف یہ ہے کہ عصبہ مع غیرہ وہ عورت ہے جو دوسری عورت کے ذریعہ سے عصبہ بنے جیسے حقیقی یا علاتی بہنیں میت کی بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ عصبہ بنتی ہیں۔ عصبہ بغیرہ اور عصبہ مع غیرہ میں یہ فرق ہے کہ عصبہ بغیرہ میں جو غیر ہوتا ہے وہ

بذات خود عصبہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے عصوبت اس کی ساتھ والی عورت میں پہنچتی ہے اور عصبہ مع غیرہ میں غیر بذات خود عصبہ نہیں ہوتا بلکہ اس عصبہ کی عصوبت اس غیر کے ساتھ جامع ہوتی ہے یعنی دونوں مل کر عصبہ بنتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ معنی کی رو سے دونوں ایک ہیں فقط اصطلاحی فرق ہے۔ یعنی عصبہ بغیرہ غیر کے ساتھ اس وقت تک عصبہ نہیں بن سکتا کہ وہ غیر عصبہ نہ ہو اور مع غیرہ وہ ہے کہ غیر عصبہ فی نفسہ نہیں ہوتا جیسے بہنیں بیٹیوں کے ساتھ کہ بیٹیاں عصبہ نہیں ہیں اور باوجود اس کے جب یہ دونوں جمع ہوں تو بہنیں عصبہ بن جاتی ہیں۔ اس تیسری قسم کو جو مع کے لفظ سے تعبیر کیا ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ کی اتباع کی گئی ہے۔ عصبہ بغیرہ اور مع غیرہ تمام احکام میں عصبہ بنفسہ کی طرح ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ اگر یہ تنہا ہوں تو تمام ترکہ نہیں لے سکتے ۱۲ عصبہ مع غیرہ کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص مرا اور اس نے ایک بیٹی اور ایک حقیقی یا سوتیلی بہن اور ایک حقیقی یا سوتیلا بھائی چھوڑا تو بیٹی کو نصف اور باقی بہن اور بھائی کو تین حصہ ہو کر پہنچے گا

۵۶ قولہ اما العصبۃ بنفسہ الخ مصنف رح نے عصبہ بنفسہ کو عصبہ بغیرہ و عصبہ مع غیرہ پر اسلئے مقدم کیا ہے کہ عصبہ بنفسہ بذات خود عصبہ ہوتا ہے کیونکہ اس کو ورثار میں سے کوئی عصبہ کرنیوالا نہیں ہے اسی وجہ سے اسکو عصبہ بنفسہ کہتے ہیں۔ بخلاف عصبہ بغیرہ و مع غیرہ کے کہ وہ اصل میں اصحاب فرائض میں سے ہیں اور ان کی عصوبت غیر کی وجہ سے ہوتی ہے۔ عصبہ بنفسہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ ہر ایک مرد ہے جس کے میت کے رشتہ میں عورت داخل نہ ہو مرد کی قید سے عورت نکل گئی اسلئے وہ عصبہ بنفسہا نہیں ہوتی ہے بلکہ عصبہ بغیرہا یا مع غیرہا ہوتی ہے جس کے میت کے رشتہ میں عورت داخل نہ ہو کی قید سے اخیافی بھائی اور نانا، نواسہ نکل گئے اس لئے کہ اخیافی بھائی ذوی الفروض میں سے ہیں اور نانا اور نواسہ ذوی الارحام میں ہیں عصبات میں نہیں ہیں۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ حقیقی بھائی بھی تو عصبہ بنفسہ ہے باوجودیکہ اس کو میت کی طرف نسبت کرنے میں ماں بھی داخل ہے اسکا جواب یہ ہے کہ استحقاق عصوبت میں قرابت پدری اصل ہے اس لئے اگر صرف قرابت پدری ہوگی تو اثبات عصوبت میں وہ کافی ہوگی بخلاف قرابت مادری کے کہ وہ اثبات عصوبت میں تنہا کافی نہیں۔ پس استحقاق میں وہ لغو ہے تعریف میں مرد سے مراد نسبی مرد ہے۔ پس شوہر اس تعریف میں داخل نہ ہوگا اس لئے کہ وہ ذوی الفروض میں سے ہے۔ معتقۃ (آزاد کرنے والی عورت) اگرچہ عصبہ بنفسہا ہے مگر وہ عصبہ سببیہ ہے نہ نسبیہ اور مقصود عصبات نسبیہ کا ذکر ہے۔

۵۷ قولہ الاقرب فالاقرب۔ یہ مرفوع ہے یا اس وجہ سے یقدم فعل محذوف کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے۔ فا تعقیب کے لئے ہے یعنی یُقَدَّمُ الْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ۔ مطلب یہ ہے کہ عصبات میں سے اس عصبہ کو مواریث میں مقدم کیا جائے جو میت سے رشتہ میں قریب تر ہے پھر اس شخص کو جو

أَعْنِي[1] أَوْلٰهُمْ بِالْمِيرَاثِ جُزْءُ الْمَيِّتِ أَيِ الْبَنُونَ ثُمَّ بَنُوهُمْ وَإِنْ

اي احقهم واقدمهم ۱۲ — من جهة العصوبة ۱۲ — بلا واسطة ۱۲

سَفَلُوا ثُمَّ أَصْلُهُ أَيِ الْأَبُ[2] ثُمَّ الْجَدُّ[3] أَيْ أَبُ الْأَبِ وَإِنْ عَلَا ثُمَّ

بكثرة الوسائط ۱۲ — تقديم الاب على الجد ظاهر ۱۲

جُزْءُ أَبِيهِ أَيِ الْإِخْوَةُ[4] ثُمَّ بَنُوهُمْ وَإِنْ سَفَلُوا ثُمَّ جُزْءُ جَدِّهِ أَيِ

اي بنو الاخوة لا بناتهم ۱۲

الْأَعْمَامُ ثُمَّ بَنُوهُمْ وَإِنْ سَفَلُوا ثُمَّ يُرَجَّحُونَ[5] بِقُوَّةِ الْقَرَابَةِ أَعْنِي[6]

لان جزء اصله البعيد بخلاف الاخ ۱۲

بِهِ أَنَّ ذَا الْقَرَابَتَيْنِ أَوْلٰى مِنْ ذِي قَرَابَةٍ وَاحِدَةٍ ذَكَرًا[7] كَانَ أَوْ أُنْثٰى

مساوله في الدرجة ۱۲ — هذا ۱۲

لِقَوْلِهِ[8] عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ أَعْيَانَ بَنِي الْأُمِّ يَتَوَارَثُونَ دُوْنَ بَنِي الْعَلَّاتِ

لا تكون عصبة بنفسه ۱۲ — اي الاخوة لاب وام ۱۲ — يعني هم اولى بالميراث من بني العلات ۱۲ — [illegible]

كَالْأَخِ لِأَبٍ وَأُمٍّ أَوِ الْأُخْتِ لِأَبٍ وَأُمٍّ إِذَا صَارَتْ عَصَبَةً مَعَ الْبِنْتِ

واحدة كانت او

أَوْلٰى مِنَ الْأَخِ لِأَبٍ وَابْنُ الْأَخِ لِأَبٍ وَأُمٍّ أَوْلٰى مِنِ ابْنِ الْأَخِ لِأَبٍ

[illegible] خبر ۱۲ — لتساوي الدرجة مع كون الاول ذا قرابتين ۱۲ — خبر ۱۲

ترجمہ :- یعنی ان میں سے اَولیٰ ترمیراث پانے کے لئے جزء میت ہے۔ یعنی میت کے بیٹے پھر میت کے بیٹوں کے بیٹے (یعنی پوتے) اگرچہ نیچے درجہ کے ہوں۔ اس کے بعد اس (میت) کی اصل یعنی باپ پھر دادا یعنی باپ کا باپ اگرچہ اوپر درجہ کا ہو۔ پھر اس (دادا) کے بعد اس (میت) کے باپ کے جزء یعنی بھائی پھر ان (بھائیوں) کے بیٹے اگرچہ نیچے درجہ کے ہوں۔ پھر اس (میت) کے دادا کے جزء یعنی چچا پھر ان (چچوں) کے بیٹے اگرچہ نیچے کے درجہ کے ہوں۔ پھر ان (ایک درجہ والوں) میں قوت قرابت سے ترجیح دی جائے گی اس سے یہ مراد ہے کہ دو قرابت والا ایک قرابت والے سے اولیٰ ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بدلیل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے بلاشک حقیقی بھائی وارث ہوتے ہیں۔ نہ علاتی بھائی جیسے حقیقی بھائی یا حقیقی بہن جبکہ وہ (بیٹی کے ساتھ) عصبہ ہو علاتی بھائی سے اولیٰ ہے اور حقیقی بھائی کا بیٹا علاتی بھائی کے بیٹے سے اولیٰ ہے۔

لہ قولہ اعنی الخ یہ ترجیح کی تفسیر ہے یعنی عصبہ بنفسہ کی چاروں قسموں میں سے میراث پانے میں اَولیٰ و اقدم

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

اول کی عدم موجودگی میں اس کے نیچے باقیوں میں قریب تر ہے اسی طرح نیچے درجہ والوں میں بھی یہی ترتیب

جزء مست ہے یعنی میت کے بیٹے پھر ان کے بعد پوتے اگرچہ نیچے کے درجہ کے ہوں یعنی پڑپوتے اور سکڑپوتے مجازاً پوتوں پر بیٹوں کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں یا بنی آدم موجود ہے اور ظاہر ہے کہ نزول قرآن کے وقت آدم علیہ السلام کی صلبی اولاد موجود نہ تھی۔ اگر میت کے صرف ایک بیٹا ہو تو وہ تمام مال لے لیتا ہے۔ اور یہ قرآن سے بطور اشارۃ النص سے ثابت ہے اسلئے کہ قرآن میں لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ مذکور ہے۔ مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے پھر ایک عورت کے لئے نصف مقرر کیا چنانچہ ارشاد ہے وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ یعنی اکیلی لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا ترکہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لڑکے کے لئے دونا ترکہ ہوگا اور نصف کا دونا تمام ہوتا ہے۔ میراث میں بیٹے کی تقدیم باپ پر دلیل نقلی اور عقلی دونوں سے ثابت ہے دلیل نقلی تو قرآن شریف میں موجود ہے کہ باپ کا حصہ معین کیا اور بیٹے کا مقرر نہیں فرمایا تاکہ وہ باقی بطور عصوبت کے حاصل کرے دلیل عقلی یہ ہے کہ انسان اپنا مال خرچ کرنے میں بیٹے کو باپ پر مقدم سمجھتا ہے۔ اور بیٹے کے لئے جفاکشی اور محنت سے مال حاصل کرتا ہے جس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس کا مال فرزند سے تجاوز کرکے اس کے باپ کو نہ پہنچے لیکن نص قرآنی نے باپ کے لئے چھٹا حصہ مقرر کرکے اس کے مقتضیٰ کو ترک کیا۔ باقی مال میں اس کی دلی خواہش کو پورا کیا۔ دوسری دلیل عقلی بیٹے کو میراث میں باپ پر مقدم رکھنے کی یہ ہے کہ فرع کا اپنی اصل کے ساتھ اتصال زیادہ روشن ہے اصل کا اپنی فرع کے ساتھ اتصال سے دیکھو فرع اصل کے تابع ہوتی ہے اور اصل کے ذکر کے ضمن میں اس کا ذکر آجاتا ہے اور برعکس اس کے فرع کے ذکر میں اصل کا ذکر مذکور نہیں ہوتا چنانچہ عمارت اور درخت زمین کی بیع میں داخل ہوتے ہیں اور درخت اور عمارت کی بیع میں زمین داخل شمار نہیں کی جاتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

جاری رہے گی یا اس وجہ سے مرفوع ہے کہ مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے یعنی كُلُّ قَرِيْبٍ فَالْاَقْرَبُ اَوْلٰى مِنَ الْاَبْعَدِ قریب تر پھر اسکے بعد قریب تر بعید تر سے اولیٰ ہے۔ دونوں تقدیر پر یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا سائل نے دریافت کیا تھا کہ ان عصبات میں ترتیب کس طرح ہے۔ ماتن نے جواب دیا الاقرب فالاقرب ۱۲

۵۵ قولہ یرجحون۔ یہ جملہ مستقلہ ہے جس سے مصنفؒ نے الاقرب فالاقرب کے معنی بیان کئے ہیں۔ حاصل ترجیح کا یہ ہے کہ عصبات میں یہ چاروں اصناف جمع ہوں تو ان میں جو سب سے میت کے قریب تر ہے وہ مقدم ہوتا ہے قرب عام ہے کہ حقیقی ہو جیسا بیٹا اپنے بیٹے کے ساتھ یا باپ دادا کے ساتھ جمع ہو تو میت کے بیٹے کو پوتے پر اور باپ کو دادا پر تقدیم ہوگی یا قرب حکمی ہو جیسے میت کا بیٹا میت کے باپ کے ساتھ جمع ہو تو بیٹا اقرب مانا جائیگا باوجودیکہ بیٹا حقیقتاً باپ کے مقابلے میں اقرب نہیں ہوتا کیونکہ دونوں کا اتصال میت سے بلا واسطہ ہے لیکن بیٹا حکماً باپ سے میت کیطرف زیادہ قرب رکھتا ہے اسلئے کہ فرع کا اصل سے اتصال بہ نسبت اصل کا فرع کے اتصال سے اظہر ہے اس لئے فرع اصل کے تابع ہوا کرتی ہے ۱۲

کہ دو لڑکیوں کے لئے نصف ہے اور اُن کی دلیل آیت کریمہ وان کانت واحدۃ فلھا النصف کا ظاہر ہے کیونکہ حق تعالیٰ شانہٗ نے لڑکیوں کے استحقاق میں اگر دو سے زائد ہوں تو دو ثلث کی شرط کی ہے اور معلق بالشرط کا وجود قبل شرط کے معدوم ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جبکہ فرمایا کہ مرد کے لئے عورت سے دونا ہے تو اس نے مرد کے لئے اختلاط کی حالت میں دو لڑکیوں کے برابر حصہ مقرر کیا ہے اور کم سے کم اختلاط یہی کہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی جمع ہوں اور اب لڑکے کے لئے بالاتفاق دو ثلث ہیں پس ہم نے سمجھ لیا کہ دو لڑکیوں کا حصہ دو ثلث ہے اور جبکہ دو لڑکیوں کا حصہ اس اشارے سے معلوم ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے دو لڑکیوں کا حصہ بھی ذکر نہیں کیا اور دو سے زیادہ کا حصہ مقرر کر دیا۔ ۱۲

۵۲ قولہ الاب الخ یعنی اگر میت کے بیٹا یا پوتا یا پڑپوتا کوئی نہیں ہے تو میت کا باپ بطور عصوبت مال متروکہ پالے گا۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے بیٹے کی موجودگی میں باپ کا چھٹا حصہ مقرر کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں باپ کے لئے عصوبت نہیں۔ پھر ارشاد فرمایا فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَہٗۤ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ (اَیْ فَلِاَبِیْہِ الْبَاقِیْ) پس اگر اس کا کوئی بیٹا نہ ہو اور والدین اس کے وارث ہوں تو ماں کے لئے تہائی مال ہے جب تہائی ماں کو مل گیا تو باقی مال باپ کے حصہ میں شمار ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ باپ کی عصوبت بیٹے کی عصوبت سے مؤخر ہے۔ ۱۲

۵۳ قولہ اب الاب الخ یعنی باپ کے بعد جد صحیح مقدم ہے یعنی میت کے باپ کا باپ جس کو دادا کہتے ہیں اگرچہ اوپر درجہ میں ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دادا اگرچہ عالی ہو میت کے بھائیوں پر مقدم ہے۔ یہی قول مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ صاحبین اور امام شافعی رحؒ اس کے خلاف ہیں یعنی بھائی مقدم ہیں اخیافی بھائی بالاتفاق دادا کی موجودگی میں محروم رہتے ہیں ۱۲

۵۴ قولہ الاخوۃ۔ یعنی جد صحیح کے بعد میت کا حقیقی بھائی مقدم ہے پھر علاتی بھائی پھر انکی اولاد ذکور یعنی حقیقی بھائی کے بعد حقیقی بھائی کا بیٹا مقدم ہے پھر علاتی بھائی کا بیٹا مقدم ہے اگرچہ بھتیجے نیچے کے درجہ کے ہوں۔ سفلوا سے مراد بھتیجے کے بیٹے یا پوتے ہیں۔ علاتی بھائی کے حقیقی بھتیجے پر مقدم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علاتی بھائی کو میت سے زیادہ قرب ہے کہ وہ ایک ذریعہ سے اتصال رکھتا ہے اور بھتیجے اور میت کے درمیان دو واسطہ ہیں۔ ۵۵ قولہ الاعمام۔ یعنی پھر بھتیجوں کے بعد دادا کی اولاد ذکور یعنی حقیقی چچا مقدم ہے اس کے بعد علاتی چچا پھر باپ کا چچا مقدم ہے پھر دادا کا چچا مقدم ہے اسی ترتیب سے مقدم ہے کہ حقیقی علاتی پر مقدم ہوتا ہے۔ چچوں کا بھائی بھتیجوں سے مؤخر ہونا درجات کی دوری کی وجہ سے ہے پھر چچوں کے بعد ان کی اولاد ذکور خواہ کتنے ہی نیچے درجہ کی ہو۔ اس ترتیب سے مقدم ہے کہ اول حقیقی چچا کا بیٹا پھر علاتی چچا کا بیٹا مقدم ہے چچوں کے بیٹوں کے نیچے کے درجہ میں ہونے سے مراد انکے بیٹے پوتے ہیں کہ یہ سب اعمام پدری پر مقدم ہوتے ہیں۔ پھر میت کے چچوں کی اولاد کے بعد باپ کا حقیقی چچا

مقدم ہے پھر اس کا علاتی چچا مقدم ہے۔ پھر اعمام پدری کے بعد باپ کے حقیقی چچا کا بیٹا۔ پھر علاتی چچا کا بیٹا میت کے دادا کے چچوں پر مقدم ہے پھر اعمام پدری کی اولاد کے بعد دادا کا حقیقی چچا مقدم ہے پھر اس کا علاتی چچا پھر ان کا بیٹا اسی طرح مقدم ہے۔ حقیقی علاتی پر مقدم ہے۔ اگر ایک درجہ کے عصبات کی جماعت مجتمع ہو تو مال متروکہ ان پر انکے ابدان کے اعتبار سے تقسیم ہوگا۔ نہ ان کے اصول کے اعتبار سے مثلاً میت کے ایک بھائی کا بیٹا موجود ہے۔ اور دوسرے بھائی کے دس بیٹے موجود ہیں تو ترکہ گیارہ سہام پر تقسیم ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کو ایک سہم ملے گا۔ اگر اصول کا اعتبار کیا جاتا تو ایک بھائی کیلئے نصف اور دوسرے بھائی کے لئے نصف ہوکر ایک نصف اسکے ایک بیٹے کو دیا جاتا اور دوسرا نصف دوسرے بھائی کے دس بیٹوں کو دیا جاتا لیکن یہ نہیں ہوگا بلکہ تمام مال کے گیارہ حصے ہوکر ہر بیٹے کو ایک حصہ دیا جائے گا ۱۲

ے۵۶ قولہ ثم یرجحون الخ یعنی عصبات میں قرب درجہ کے اعتبار سے ترجیح دینے کے بعد ایک درجہ والوں میں قوت قرابت کے اعتبار سے بھی ترجیح دی جائے گی اور قوت قرابت کبھی شدت اتصال سے ہوتی ہے جیسے بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم ہے یا باپ کی موجودگی میں دادا محروم ہے یا حقیقی اور علاتی ہونیکے سبب سے بھی قوت قرابت کو ترجیح ہوتی ہے جیساکہ حقیقی بھائی کے ہوتے ہوئے علاتی بھائی اور حقیقی چچا کے ہوتے ہوئے علاتی چچا محروم ہیں اسی طرح حقیقی چچا کے بیٹے کی موجودگی میں علاتی چچا کا بیٹا محروم ہے اس لئے کہ حقیقی کی قرابت بہ نسبت علاتی کے قوی ہے پس عصابت میں سے جو عصبہ میت کا حقیقی ہوگا۔ وہ علاتی سے مقدم ہے اگرچہ عصبہ قوی القرابتہ عورت ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے حقیقی بہن بیٹی کے ساتھ علاتی بھائی پر مقدم ہے ۱۲

ے۵۷ قولہ اعنی بہ الخ جبکہ قرب درجہ قوت قرابت کو مستلزم تھا اور ذہن اس کے غیر کی طرف مبادرت نہ کرتا تھا تو قوت قرابت کی تفسیر کی ضرورت پڑی۔ یعنی قرب درجہ میں دو قرابت والا اولیٰ ہے۔ ایک قرابت والے سے اور درجہ میں تفاوت ہونے میں اعلیٰ یعنی اقرب مقدم ہوتا ہے۔ برابر درجہ کی مثال دو بھائی ہیں۔ ایک حقیقی ایک علاتی تو حقیقی مقدم ہوگا اس لئے کہ وہ دو قرابت رکھتا ہے۔ باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی اور علاتی صرف ایک قرابت رکھتا ہے۔ باپ کی طرف نہ ماں کی طرف سے تفاوت درجہ کی مثال یہ ہے کہ علاتی بھائی اور حقیقی بھائی کا بیٹا جمع ہوں تو علاتی بھائی حقیقی بھتیجے پر مقدم ہوگا ۱۲

ے۵۸ قولہ ذکراً الخ یعنی دو قرابت والا خواہ مرد ہو یا عورت ہو دو قرابت والے کی تقدم اور اولویت میں اسکا مؤنث ہونا مانع نہیں ہوا کرتا۔ بہت سی عورتیں قوت قرابت کی وجہ سے مرد پر مقدم ہوتی ہیں جو ان کے مانند قوت قرابت نہیں رکھتا۔ یہاں یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ بحث عصبہ بنفسہ کی ہے جو مرد میں منحصر ہے اور عورت عصبہ بنفسہ نہیں ہوتی۔ عصبہ بغیرہ یا مع غیرہ ہوتی ہے۔ پس مصنفؒ نے ذکراً کان او انثیٰ کیوں کہا۔ جواب یہ ہے کہ مصنف رح نے آگے چل کر یہ بیان کیا ہے کہ حقیقی بہن جب بیٹی کے ساتھ

وَكَذٰلِكَ[1] الْحُكْمُ فِيْ اَعْمَامِ الْمَيِّتِ ثُمَّ[2] فِيْ اَعْمَامِ اَبِيْهِ ثُمَّ فِيْ اَعْمَامِ

اى يقدم ذوالقرابتين عند الاستواء فى الدرجة ۱۲ — اى اذا لم يوجد اعمام ابيه ۱۲

جَدِّهٖ وَاَمَّا الْعَصَبَةُ[3] بِغَيْرِهٖ فَاَرْبَعٌ[4] مِّنَ النِّسْوَةِ وَهُنَّ اللَّاتِيْ فَرْضُهُنَّ

النِّصْفُ وَالثُّلُثَانِ يَصِرْنَ[5] عَصَبَةً بِاِخْوَتِهِنَّ كَمَا ذَكَرْنَا فِيْ حَالَاتِهِنَّ

نعوذكلاه ۱۲

وَمَنْ لَا فَرْضَ لَهَا مِنَ الْاِنَاثِ وَاَخُوْهَا عَصَبَةٌ لَا تَصِيْرُ عَصَبَةً

بل هى من ذوات الارحام ۱۲

بِاَخِيْهَا كَالْعَمِّ وَالْعَمَّةِ اَلْمَالُ كُلُّهٗ لِلْعَمِّ دُوْنَ الْعَمَّةِ وَاَمَّا الْعَصَبَةُ[6]

مع تساويهما درجة وقوة ۱۲ — اى الحاصل عصوبتها

مَعَ غَيْرِهٖ فَكُلُّ اُنْثٰى تَصِيْرُ عَصَبَةً مَعَ اُنْثٰى اُخْرٰى كَالْاُخْتِ مَعَ الْبِنْتِ

اخرها عن العصبة بالغير لانحطاط درجتها وضعفها ۱۲

لِمَا ذَكَرْنَا[7] وَاٰخِرُ الْعَصَبَاتِ مَوْلَى الْعَتَاقَةِ[8] ثُمَّ عَصَبَتُهٗ عَلَى التَّرْتِيْبِ[9] الَّذِيْ ذَكَرْنَا

فى العصبات النسبية ۱۲ — اى المعتق بالكسر ۱۲

ترجمہ:۔ اسی طرح حکم ہے میت کے چچوں پھر اس کے باپ کے چچوں۔ پھر اسکے دادا کے چچوں میں اور عصبہ بغیرہ وہ چار عورتیں ہیں جن کا فرضی حصہ نصف اور دو ثلث ہے وہ عصبہ ہو جاتی ہیں اپنے بھائیوں کے ساتھ جیسا کہ ہم نے ان کے حالات میں ذکر کیا اور عورتوں میں جس (عورت) کا حصہ فرضی نہیں مقرر ہے اور اس کا بھائی عصبہ ہے تو وہ اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ نہیں ہوتی مثلاً چچا اور پھوپی کل مال چچا کے لئے ہے نہ پھوپی کے لئے۔ اور عصبہ مع غیرہ ہر وہ عورت ہے جو دوسری عورت کے ساتھ عصبہ ہو جائے جیسے بہن بیٹی کے ساتھ (عصبہ ہوتی ہے) بوجہ اسکے کہ جو ہم نے بیان کی اور عصبات میں سب سے آخری شخص مولائے عتاقہ (آزاد کرنے والا) ہے۔ پھر اس کے عصبہ ہیں اس ترتیب پر جو ہم نے ذکر کی۔

---

[1] قولہ کذلک الحکم الخ یعنی اس طرح میت کے چچوں پھر میت کے باپ کے چچوں پھر میت کے دادا کے چچوں میں حکم کیا جائے گا۔ یعنی ان اصناف اعمام میں اول قرب درجہ کا اعتبار

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

عصبہ ہو جاتی ہے تو وہ بھی علاتی بھائی پر مقدم ہو جاتی ہے اس وجہ سے اوانثی کی قید بڑھائی ۱۲

[9] قولہ لقولہ علیہ السلام الخ یہ حدیث جامع ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ہوتا ہے پھر قوتِ قرابت کا پس میت کا چچا میت کے باپ کے چچا پر مقدم ہے اور میت کے باپ کا چچا میت کے دادا کے چچا پر مقدم ہے اور یہ تقدیم قرب درجہ کی وجہ سے ہے اور ان تینوں فریق میں سے دو قرابت والا ایک قرابت والے پر باوجود برابری درجہ کے مقدم ہوتا ہے پس میت کا حقیقی چچا اسکے علاتی چچا پر مقدم ہے ۔ یہی حکم باپ دادا کے چچوں میں ہے اور یہی حکم ان فریق کے فروع میں ہے پس اول قرب درجہ کا اعتبار ہے پھر قوتِ قرابت کا چنانچہ چچا کا بیٹا قرب درجہ کی وجہ سے چچا کے پوتے پر مقدم ہے اور حقیقی چچا زاد بھائی علاتی چچا زاد بھائی سے مقدم ہے اس لئے حقیقی ماں اور باپ دونوں کی طرف سے رشتہ رکھتا ہے اور علاتی صرف باپ کی جانب سے قرابت دار ہے یہ بات پھر ذہن نشین کر لو کہ عصبات میں وارثوں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں دو طور پر تقدیم و ترجیح ہوتی ہے ایک یہ کہ نزدیک درجہ والا بعید درجہ والے پر مقدم ہوتا ہے ۔ دوسرے یہ کہ قوت قرابت سے ترجیح ہوتی ہے یعنی دو قرابت والا ایک قرابت والے پر مقدم ہوتا ہے ۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ میت کا چچا میت کے باپ کے چچا پر مقدم ہے اور اس کے باپ کا چچا دادا کے چچا پر مقدم ہے اسی طرح حقیقی چچا علاتی چچا پر دو قرابت رکھنے کی وجہ سے مقدم ہے ۱۲

۵۲ قولہ اما العصبۃ بغیرہ الخ ۔ مصنفؒ نے جب ان عصبات کے بیان سے فراغت حاصل کی جو بذاتِ خود عصبہ ہوتے ہیں اور ان میں جو سب سے اقرب موجود ہو تو ابعد کو محروم کر دیتا ہے ایسے عصبہ کو عصبہ بنفسہ یا ذاتی عصبہ کہا جاتا ہے تو اب اس عصبہ کا ذکر شروع کیا جو غیر کی وجہ سے عصبہ ہوتا ہے ۔ جس کو عصبہ بغیرہ کہتے ہیں ۔ عصبہ بغیرہ ہر وہ عورت ہے جو اپنے مقابل مرد کی وجہ سے عصبہ ہو جائے

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

مطلب یہ ہے کہ حقیقی بھائی بہن میراث میں علاتی بھائی بہنوں سے مقدم ہیں اور لفظ ام (ماں) کے ذکر کرنے سے یہاں اس چیز کا اظہار مقصود ہے جس کی وجہ سے حقیقی بھائیوں کو علاتی بھائیوں پر ترجیح ہوتی ہے ۔ سنن ابن ماجہ اور ابو داؤد میں بھی یہ حدیث کچھ اضافہ کے ساتھ آئی ہے جس کا تتمہ تیسیر میں اس طرح ہے الرَّجُلُ یَرِثُ اَخَاهُ لِاَبِیْهِ وَاُمِّهٖ دُوْنَ اَخِیْهِ لِاَبِیْهِ ۔ یعنی آدمی وارث ہوتا ہے اپنے بھائی کا جو ماں باپ دونوں کی طرف سے ہو نہ وہ بھائی جو صرف باپ کی طرف سے ہو یعنی عینی بھائی کے ہوتے ہوئے علاتی بھائی وارث نہیں ہوتے ۔ غرض اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ حقیقی بہن جبکہ بیٹی کے ساتھ عصبہ بن جائے تو علاتی بھائی سے بہتر ہے اس لئے وہ بنی الاعیان سے ہے ۔ اگر شبہ کیا جائے کہ حدیث میں لفظ بنی وارد ہے جو عورت کو شامل نہیں تو جواب یہ ہے کہ قرآن میں بنی آدم عورت اور مرد دونوں میں شامل ہیں جبکہ عورتیں مردوں کے ساتھ جمع ہوں تو بنی کا لفظ بطور تبعیت و تغلیب کے دونوں کو بھی شامل ہوتا ہے ہاں اگر مردوں سے علیحدہ مذکور ہوں تو بنی کے لفظ میں شامل نہ ہوں گی لیکن حق تحقیق

اور دراصل ذوی الفروض میں سے ہو اس کو عصبہ بغیرہ کہا جاتا ہے۔

۵۳ تو نہ خاربع الخ ان کی تفصیل یہ ہے (۱) ایک بیٹی ہے جس کو بنص قرآنی نصف ملتا ہے اور ایک سے زیادہ بیٹیوں کو بنص قرآنی دو ثلث ملتا ہے (۲) دوسری عورت پوتی ہے کہ صلبی بیٹی کی عدم موجودگی میں ان کا حصہ مثل صلبی بیٹیوں کے ہے اگر ایک ہو تو آدھا لے گا۔ ایک سے زائد ہوں تو دو ثلث ملیگا (۳) تیسری عورت حقیقی بہن ہے کہ بیٹی یا پوتی کی عدم موجودگی میں اگر ایک ہو تو نصف ملیگا۔ اگر ایک سے زائد ہوں تو دو ثلث ملے گا (۴) چوتھی عورت علاتی بہن ہے کہ میت کی صلبی بیٹی یا پوتی یا حقیقی بہن کی عدم موجودگی میں بیٹی کی طرح ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بیٹیاں بیٹوں کی موجودگی میں عصبہ بغیرہ ہو جاتی ہیں اور پوتیاں پوتوں کے ہونے پر عصبہ بغیرہ ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ نیچے کے درجہ میں ہوں۔ بیٹیوں اور پوتیوں کے عصبہ ہونے پر حق تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں حکم فرماتے ہیں کہ مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ یعنی اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے تو ترکہ تین سہام پر تقسیم ہوگا۔ ایک سہم ایک بیٹی لے گی اور دو سہم بیٹا لے گا۔ اور اگر ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں تو ترکہ چار سہم پر تقسیم ہوگا۔ ایک ایک سہم ہر دو بیٹی کو ملے گا۔ اور دو سہم بیٹے کو ملے گا۔ علیٰ ہذا القیاس بیٹی کا دونا بیٹا پائے گا۔ جسقدر بیٹے اور بیٹیاں ہوں اسی طرح پوتوں پوتیوں کو سمجھنا چاہئے اور بہنوں کا اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہونا بھی حق تعالیٰ شانہ کے کلام سے ثابت ہے۔ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۔ اگر میت کے کئی بھائی بہنیں ہوں تو ان میں سے ہر ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے۔ غرضیکہ مذکورہ بالا چار عورتیں جو نصف اور ثلث والی ہیں اپنے بھائیوں کی موجودگی میں عصبہ بغیرہ بن جاتی ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ پوتیاں علاوہ اپنے بھائیوں کے چچا زاد بھائیوں کے ساتھ بھی عصبہ

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

یہ ہے کہ مردوں سے علیحدہ ہونیکی صورت میں بھی بنی کا لفظ ان کو شامل ہوتا ہے جیسا کہ عربی کا ایک شاعر کہتا ہے۔

"بنونا بنو ابنائنا وبناتنا ٭ بنوهن ابناء الرجال الاباعد"۔ اباعد سے مراد منقطع النسب ہے یعنی ہمارے بیٹوں کی اولاد خواہ مرد ہوں یا عورت ہماری اولاد ہے اور ہماری بیٹیوں کے بیٹے دوسروں کی اولاد ہیں اس لئے ان کا نسب ہم سے منقطع ہے پس جس طرح آدمی کا پوتا باعتبار نسب کے اسکے بیٹے میں داخل ہے۔ اسی طرح پوتی بھی نسب کے اعتبار سے بیٹی میں داخل ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب آدمی کے نواسہ کا نسب اس سے منقطع ہوتا ہے تو ایسے ہی نواسی کا نسب بھی منقطع ہوگا اور بنو حسن میں نواسہ نواسی دونوں شامل ہیں پس عورت مرد سے منفرد ہونے کی حالت میں اس لفظ سے مقصود ہوگی جیسے مرد عورت کو شامل ہونیکی حالت میں اس لفظ سے مقصود ہوگی جیسے مرد عورت کو شامل ہونیکی حالت میں اس سے مراد ہوتا ہے۔ ۱۲

ہو جاتی ہیں۔ اگر وہ نیچے درجہ کے ہوں تو پوتیوں کے حق میں بچا کے بیٹے بمنزلہ بھائیوں کے ہیں نِسْوَۃٌ اور نُسْوَۃٌ اور نسواں اور نساء عورتوں کے لئے ایسی جمع ہے جس کا مفرد نہیں (کذا فی المنجد)

۵۴ قولہ یصرن الخ۔ یعنی یہ چاروں عورتیں اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں۔ یہاں بھائی برادر اصلی اور حکمی دونوں کو عام ہے۔ اصلی بھائی تو تین قسم پر ہے۔ صلبی بیٹی کا بھائی حقیقی بہن کا بھائی اور علّاتی بہن کا بھائی۔ ان تینوں کے ساتھ ان کی بہنیں عصبہ ہو جاتی ہیں۔ برادر حکمی پوتیوں میں ہوتا ہے پس پوتا اپنی بہنوں کو عصبہ کر دیتا ہے اور چچا زاد بہنوں کو بھی جو درجہ میں برابر ہوں عصبہ کر دیتا ہے اور پوتیوں کو وہ برادر حکمی بھی عصبہ کر دیتا ہے جو ان سے نیچے کے درجہ میں ہو اور ان میں سے اس عورت کو بھی عصبہ کریگا جس کا کچھ حصہ نہیں ہے پس پوتیوں کا ایک حقیقی بھائی دوسرا چچا زاد بھائی تیسرا ان سے نیچے درجہ والا بھائی جیسے پڑپوتا وغیرہ وغیرہ یہ لوگ برادر حکمی ہیں ۱۲

۵۵ قولہ المال کلہ الخ۔ یعنی تمام مال چچا کے لئے ہے خواہ حقیقی ہو یا علاتی پھوپی کے لئے کچھ نہیں اس لئے وہ صاحب فرض نہ ہونے کی وجہ سے اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ نہ ہوئی بلکہ ذوی الارحام میں سے ہے۔ اسی طرح بھائی کی بیٹی بھائی کے بیٹے کے ساتھ عصبہ نہ ہوگی ۱۲

۵۶ قولہ لما ذکرنا۔ یہ اس حدیث کی طرف اِجْعَلُوا الْاَخَوَاتِ مَعَ الْبَنَاتِ عَصَبَۃً (بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ کردو) اشارہ ہے حاصل کلام یہ کہ عصبہ مع غیرہ صرف دو عورتیں ہیں (۱) حقیقی بہن (۲) علاتی بہن۔ یہ دونوں بیٹی یا پوتی کے ساتھ عصبہ مع غیرہ ہو جاتی ہیں۔ بیٹی یا پوتی کے مقررہ سہام دینے کے بعد جو باقی بچتا ہے ان دونوں کو مل جاتا ہے بشرطیکہ ان کے لئے کوئی حاجب نہ ہو اگر ایسی صورت واقع ہو کہ بعض وارث عصبہ بنفسہ ہوں اور بعض عصبہ بغیرہ اور بعض عصبہ مع غیرہ ہوں تو اس صورت میں اس کو ترجیح دی جائے گی۔ جو میت سے قرب رکھتا ہو۔ نہ عصبہ بنفسہ ہونیکو مثلاً ایک شخص نے بیٹی حقیقی بہن اور علاتی بھائی کا بیٹا وارث چھوڑے ہوں۔ تو اس صورت میں نصف ترکہ بیٹی کا اور نصف بہن کا ہے اور علاتی بھتیجے کو کچھ نہ ملے گا اس لئے کہ بیٹی کے ساتھ بہن عصبہ ہو گئی جو کہ بہ نسبت بھتیجے کے زیادہ قرب رکھتی ہے یہی حال بھتیجے کی جگہ چچا کا بھی ہے اور جبکہ ایسے دو وارث جمع ہو جائیں جو عصوبت میں مساوی درجہ رکھتے ہیں تو ان میں سے جو میت سے قرابت زائدہ رکھتا ہوگا۔ اس کو ترکہ دیا جائے گا جس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے حقیقی بھائی اور علاتی بھائی چھوڑا تو ان میں سے حقیقی بھائی اولیٰ ہے اور اگر کسی شخص نے علاتی بھائی اور حقیقی بھتیجا چھوڑا تو علاتی بھائی اولیٰ ہوگا اس لئے کہ وہ میت کی طرف اسبق ہے۔ ۱۲

۵۷ قولہ واٰخر العصبات الخ۔ مصنف رح جبکہ عصبات نسبی کے بیان سے فارغ ہوگئے تو عصبہ سببی کا بیان شروع کرتے ہیں۔ عصبہ سببی دو طریق پر ہے ایک مولائے عتاقہ اور دوسرا مولی الموالات

دونوں لفظوں میں مولا اپنے سبب کی طرف مضاف ہے۔ عصبات میں سب سے آخری شخص مولائے عتاقہ یعنی غلام کا آزاد کرنے والا ہے۔ مصنف رہ نے آخر کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آزاد کرنے والا ذوی الارحام پر مقدم ہے اس لئے کہ جب کہ وہ عصبات کے مرتبہ اخیرہ میں واقع ہوا تو اس میں اور باقی عصبات میں کوئی اور وارث نہیں تو ذوی الارحام پر مقدم ہوا اور آزاد کرنے والا رد علی ذوی الفروض پر بھی مقدم ہے اور یہی حنیفہؒ کا مذہب ہے۔ حضرت علیؓ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے کہ وہ ذوی الارحام پر مقدم ہے اور ذوی الفروض کے بعد جو باقی رہے لیتا ہے اور نسبی عصبوں کے ساتھ محروم ہوتا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ و عمر بن الخطاب و ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ مولائے عتاقہ ذوی الارحام سے بھی مؤخر ہے۔ ۱۲

۵۸ قولہ ثم عصبتہ۔ یعنی پھر مولائے عتاقہ کے بعد اس کا عصبہ وارث ہوتا ہے۔ یہاں عصبہ سے مراد وہ عصبہ بنفسہ ہے جو مرد ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ غلام آزاد کے مال کے وارث اس کے آزاد کرنے والے کے ذوی الفروض نہیں ہوتے بلکہ ولاء عصبات کو ملتی ہے۔ ان عصبات میں ترتیب اس قاعدہ پر ہے جو مذکور ہوا مطلب یہ ہے کہ غلام آزاد کی میراث کے لئے آزاد کرنے والے کے بعد اس کا بیٹا مقدم ہے پھر اس کا پوتا پھر اس کا پڑپوتا پھر آزاد کرنے والے کا باپ پھر اس کا دادا اور دادا کی عدم موجودگی میں پر دادا وغیرہ وارث ہونگے ذکر نا اس سے ترتیب کی طرف اشارہ ہے اور اگر یہ لوگ موجود نہ ہوں آزاد کرنے والے کا آزاد کرنے والا پھر اس کے عصبات ترتیب مذکورہ کے ساتھ وارث ہونگے علیٰ ہذا القیاس آزاد کرنیوالے کے آزاد کرنیوالے کے آزاد کرنے والا۔ ۱۲

۵۹ قولہ علی الترتیب الخ یعنی اس ترتیب پر جو ہم نے عصبات کے بیان میں ذکر کی ہے پس اس کے عصبات نسبیہ عصبات سببی پر مقدم ہوں گے۔ یعنی آزاد کرنے والے کے آزاد کرنے والے پر آزاد کرنے والے کے عصبات نسبی میں وہ عصبات مراد ہیں جو عصبہ بنفسہ مرد ہوں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ولاء عتاقہ میں آزاد کرنے والا وارث ہو جاتا ہے لیکن آزاد کرنے والے کی میراث غلام آزاد نہیں پاتا برخلاف اسحٰق بن راہویہ اور حسن بن زیاد کے۔

لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ وَلَا شَيْءَ لِلْاِنَاثِ

من العصبة بغيره او مع غيره ١٢

مِنْ وَرَثَةِ الْمُعْتِقِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَيْسَ لِلنِّسَاءِ مِنَ الْوَلَاءِ

اِلَّا مَا اَعْتَقْنَ اَوْ اَعْتَقَ مَنْ اَعْتَقْنَ اَوْ كَاتَبْنَ اَوْ كَاتَبَ مَنْ

اى اعتقنه — اى اعتقنه ١٢

كَاتَبْنَ اَوْ دَبَّرْنَ اَوْ دَبَّرَ مَنْ دَبَّرْنَ اَوْ جَرَّ وَلَاءَ مُعْتَقِهِنَّ اَوْ مُعْتَقِ

اى كاتبنه ١٢ او دبرنه — مفعول جر ١٢ — فاعله

مُعْتَقِهِنَّ وَلَوْ تَرَكَ اَبَا الْمُعْتِقِ وَابْنَهٗ عِنْدَ اَبِىْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ

بكسر التاء ١٢ — قوله الاخير ١٢

اللّٰهُ سُدُسُ الْوَلَاءِ لِلْاَبِ وَالْبَاقِىْ لِلْاِبْنِ وَعِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ

وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اَلْوَلَاءُ كُلُّهٗ لِلْاِبْنِ لَا شَيْءَ لِلْاَبِ وَلَوْ

تَرَكَ اِبْنَ الْمُعْتِقِ وَجَدَّهٗ اَلْوَلَاءُ كُلُّهٗ لِلْاِبْنِ بِالْاِتِّفَاقِ وَ

اى المعتق بفتح التاء ١٢

مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِّنْهُ عُتِقَ عَلَيْهِ وَيَكُوْنُ وَلَاؤُهٗ لَهٗ

المحرم من لا يحل به النكاح ١٢ — لقوله عليه السلام

لِقَدْرِ الْمِلْكِ كَثَلَاثِ بَنَاتٍ لِلْكُبْرٰى ثَلٰثُوْنَ دِيْنَارًا وَلِلصُّغْرٰى

الولاء لمن اعتق ١٢

عِشْرُوْنَ دِيْنَارًا فَاشْتَرَتَا اَبَاهُمَا بِالْخَمْسِيْنَ ثُمَّ مَاتَ الْاَبُ وَتَرَكَ شَيْئًا

فيعتق الاب عليهما ١٢

فَالثُّلُثَانِ بَيْنَهُنَّ اَثْلَاثًا بِالْفَرْضِ وَالْبَاقِىْ مُشْتَرِيَتَيِ الْاَبِ اَخْمَاسًا بِالْوَلَاءِ

فما ملكه من عتقه ١٢ — اى بسبب الفرضية ١٢ — [illegible] وهو منقسمان ١٢

ثَلٰثَةُ اَخْمَاسٍ لِلْكُبْرٰى وَخُمُسَاهُ لِلصُّغْرٰى وَتَصِحُّ مِنْ خَمْسَةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ

اى المسئلة ١٢

ترجمہ: ... اس بات پر کہ مولی عتاقہ کے بعد اس کا عصبہ بنفسہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہ قول ولاء ایسی قرابت ہے جو قرابتِ نسب کے مانند ہے دلالت کرتا ہے آزاد کرنے والے کے وارثوں میں سے عورتوں کے لئے (ولاء میں سے) کچھ حصہ نہیں ہے جس کی دلیل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے عورتوں کو ولاء سے کچھ نہیں ملے گا مگر اس (غلام کے ولاء) سے ملے گا جس کو انھوں نے (خود) آزاد کیا یا اس غلام کے ولاء سے ملے گا جس کو ان کے آزاد کردہ نے آزاد کیا (جب کہ آزاد کرنیوالا موجود نہو) یا اس غلام کے ولاء سے ملے گا جو ان سے کتابت کا معاملہ کر کے آزاد ہو یا اس غلام کے ولاء سے ملے گا جس کو اُن کے مکاتب نے کتابت کا معاملہ کر کے آزاد کیا (جب کہ مکاتب اول موجود نہ ہو) یا اس غلام کے ولاء سے ملے گا جس کو انھوں نے مدبّر بنایا ہو یا اس غلام کے ولاء سے ملے گا جس کو ان کے مدبّر نے مدبّر بنایا ہو یا اس غلام کی ولاء سے ملے گا جس کو ان کے آزاد کردہ غلام نے اپنی طرف کھینچی ہے یا اس غلام کی ولاء سے ان کو ملے گا جس کو ان کے آزاد کردہ غلام کے آزاد کردہ غلام نے اپنی طرف کھینچا ہے۔ اور اگر آزاد کردہ غلام نے اپنے آزاد کرنے والے کا باپ اور اس کا بیٹا چھوڑا تو ابو یوسفؒ کے نزدیک ولاء کا چھٹا حصہ باپ کے لئے ہے اور باقی بیٹے کے لئے ہے۔ ابو حنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک تمام ولاء بیٹے کے لئے ہے اور باپ کو کچھ نہ ملے گا اور اگر آزاد شدہ غلام نے اپنے آزاد کرنے والے کا بیٹا اور اسکا دادا چھوڑا تو بالاتفاق کل ولاء بیٹے کو ملے گا۔ اور اگر کوئی شخص (مرد ہو یا عورت) اپنے ذی رحم محرم کا مالک بن جائے تو وہ ذی رحم محرم اس پر آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی ولاء اسکے مالک کو بقدر ملک پہنچتی ہے۔ مثلاً تین (آزاد) لڑکیاں ہیں (ان میں سے) بڑی کے پاس تیس اشرفیاں ہیں اور سب سے چھوٹی کے پاس بیس اشرفیاں ہیں۔ پس ان (دونوں بہنوں) نے اپنے باپ کو پچاس میں خرید لیا۔ پھر باپ مرگیا اور کچھ مال چھوڑا تو دو تہائی بطور فرضیت کے ان تینوں کے درمیان تین حصہ ہو کر تقسیم ہوگا (ہر ایک کو ایک حصہ ملجائے گا) اور باقی (تہائی) پانچ حصہ ہو کر دونوں باپ کی خریدنے والی لڑکیوں کے درمیان بطور ولاء کے تقسیم ہوگا ان پانچ حصوں میں سے تین حصے بڑی لڑکی کو اور پانچ حصوں میں سے دو حصے چھوٹی لڑکی کو ملیں گے اور مسئلہ پینتالیس سے تصحیح پائیگا

---

۵۱ قولہٗ لقیہ علیہ السلام ۔ یہ حدیث عبداللہ بن عمرو عبداللہ بن ابی اوفی اور ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے ۔ ابن حبان نے اس کو صحیح مان کر اپنی کتاب صحیح میں داخل کیا ہے اور شافعیؒ نے اپنی مسند میں اس کی تخریج کی ہے اور حاکم نے مستدرک کی کتاب الفرائض میں شافعیؒ کے طریق پر روایت صحیح الاسناد بتایا ہے ۱۲

۵۲ قولہ الولاءؔ واؤ کے فتحہ اور آخر میں مد کے ساتھ یا ولیؔ (واؤ کے فتحہ و بسکون لام و یائے تحتانی کے ساتھ) سے مشتق ہے نسب کے معنی قرب کے ہیں۔ چونکہ کسی غلام پر آزادی کا احسان کرنے سے

ایسا رشتہ تعلق قوی ہو جاتا ہے گویا حکمی قرابت ہے یا موالات سے مشتق ہے جس کے معنی ایک کے پیچھے بلا فرق کے دوسرا لگا ہوا کے ہیں چنانچہ جب ولاء، عتق یا ولائے موالات پائی جائے تو اس سے میراث کا استحقاق ہوتا ہے بلا فرق کے جبکہ میراث کی شرط پائی جائے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول میں ولاء سے مراد مجازاً اعتاق ہے اسلئے کہ آزاد کرنیوالا ولاء کا سبب ہوتا ہے یہاں سبب بول کر مسبب مراد لیا ہے۔ ۱۲

۵۳ قولہ لحمۃ الخ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کا مطلب یہ ہے۔ ولاء عتاقہ یعنی وہ قرابت ہے جو عتق کے سبب حاصل ہوتی ہے مثل اس قرابت کے ہے جو نسب کے سبب سے حاصل ہوتی ہے اسلئے کہ باپ جس طرح بچہ کے لئے احیاء کا سبب ہوتا ہے اسی طرح معتق (آزاد کرنے والا) آزاد شدہ غلام کی حیات حکمی کا سبب ہوتا ہے کہ اس نے آزاد کر کے غلامی کی موت سے نجات دے کر حیات حریت (آزادی) سے نوازا اور مملوکیت سے رہا کر کے مالکیت کی شان پیدا کر دی۔ پس جس طرح بیٹا نسب کے اعتبار سے اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے اور باپ کی اتباع سے دوسرے رشتہ داروں سے نسبت رکھتا ہے اسی طرح آزاد شدہ غلام ولاء کے اعتبار سے آزاد کرنے والے کی طرف منسوب ہوگا اور اسکی اتباع سے آزاد کرنے والے کے عصبہ کی طرف نسبت رکھے گا۔ اور جس طرح ارث نسب سے ثابت ہوتی ہے ولاء سے بھی ثابت ہوگی۔ ۱۲

۵۴ قولہ لیس للنساء الخ اس حدیث میں اگرچہ شذوذ ہے مگر اصحاب کبار رضی اللہ عنہ کے کلام سے مؤکد ہو کر منزلہ مشہور کے ہوگئی ہے چنانچہ حضرت عمرؓ و علیؓ اور زید بن ثابت رضؓ سے مروی ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عورتوں کو ولاء میں وارث نہیں بناتے تھے اس کو ابن ابی شیبہ، دارمی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ولاء میں عورت محروم ہے یعنی آزاد کرنے والے کی بیٹی، پوتی، بہن اور زوجہ وغیرہ محروم ہیں۔ اور ولاء میں عصبہ بغیرہ و مع غیرہ کو کچھ دخل نہیں ہے بلکہ یہ عصبہ بنفسہ کے ساتھ مخصوص ہے جو عصبہ بنفسہ میت کے مال کا وارث ہوتا ہے وہی غلام آزاد کی ولاء کا وارث ہوتا ہے عصبہ بنفسہ مرد ہی ہوتا ہے عورتیں نہیں ہوتیں مگر عورتوں کو اس غلام کی ولاء ملتی ہے جس کو انھوں نے خود آزاد کیا ہو ایک اور حدیث میں آیا ہے الولاء لمن اعتق یعنی ولاء اس کے لئے جس نے آزاد کیا ہو ائمہ ستہ نے اس کو روایت کیا ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حمزہؓ کی دختر کو ان کے آزاد کئے ہوئے غلام کے مال سے بطور عصبہ ہونے کے میراث دلوائی حالانکہ اس آزاد شدہ غلام کے ایک لڑکی موجود تھی۔ یا عورتوں کو اس غلام کی ولاء ملے گی جس کو ان کے آزاد کئے ہوئے غلام نے آزاد کیا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے ایک غلام آزاد کیا پھر اس آزاد شدہ غلام نے کوئی غلام خرید کر آزاد کر دیا۔ پس یہ دوسرا غلام آزاد ہوگیا اور اسکا کوئی عصبہ نہیں ہے اور اس سے پیشتر پہلا غلام آزاد اور اس کا عصبہ نسبی فوت ہو چکے ہیں پس اس

دوسرے غلام کی میراث عصوبت کے طور پر اس عورت کو پہنچے گی جس نے پہلے غلام کو آزاد کیا تھا یا عورتوں کو اس غلام کی ولار پہنچے گی جس کو انھوں نے کتابت کا معاملہ کرکے آزاد کیا ہے یا ان کو اس غلام کی ولار پہنچے گی جس کو انکے مکاتب نے کتابت کا معاملہ کرکے آزاد کیا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً مسماۃ فاطمہ نے اپنے غلام عبداللہ کو مکاتب کیا اور اس سے کہا اگر تو دوسو روپے ادا کردے تو تو آزاد ہے چنانچہ اس نے دوسو روپے دیکر آزادی حاصل کرلی۔ آزاد ہو جانے کے بعد عبداللہ نے اپنے غلام عبدالرحیم کو ڈیڑھ سو روپے پر مکاتب کیا۔ عبدالرحیم نے بھی کتابت کا روپیہ عبداللہ کو دے کر آزادی حاصل کرلی۔ ان میں پہلے عبداللہ فوت ہوا پھر عبدالرحیم نے وفات پائی اور اس نے کوئی عصبہ نسبی نہیں چھوڑا تو اس کی میراث فاطمہ کو پہنچے گی یا اس کی ولار ان عورتوں کو پہنچے گی جس کو انھوں نے مدبر کیا ہے۔ ولار مدبر کے پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ عورت مدبر بناکر مرتد ہوگئی اور دارالحرب میں چلی گئی اور قاضی نے اس غلام مدبر کی آزادی کا حکم لگادیا اس کے بعد وہ عورت مسلمان ہوگئی اور دارالاسلام میں لوٹ آئی اسکے بعد وہ مدبر مرگیا اور اس نے کوئی عصبہ نسبی نہیں چھوڑا تو وہ عورت اس مدبر کی عصبہ ہے یا عورتوں کو اس غلام کی ولار ملے گی جس کو ان کے مدبر نے مدبر کیا ہے۔ مدبر کے مدبر کی ولار ملنے کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے اپنے غلام کو مدبر بنایا اور مرتد ہوکر دارالحرب میں چلی گئی اور قاضی نے اس کے غلام کو آزاد ہونے کا حکم دیدیا۔ اس نے آزاد ہوکر ایک غلام خرید کر مدبر بنایا پھر وہ مدبر اول مرگیا اور وہ عورت مسلمان ہوکر دارالاسلام میں واپس آگئی۔ خواہ اپنے مدبر کے مرنے سے پہلے آئی یا بعد میں۔ اس کے بعد مدبر ثانی مرگیا اور اس نے اپنا کوئی عصبہ نسبی نہیں چھوڑا تو اس کی ولار اس عورت کو مل جائے گی۔ یا وہ ولار عورتوں کو پہنچتی ہے جس کو ان کے آزاد کئے ہوئے غلام نے اپنی طرف کھینچا ہے اس کی صورت یہ ہے ایک عورت کے غلام نے اسکی اجازت سے دوسرے کی ایک کنیز سے نکاح کیا اور اس کو اس کے مولیٰ نے آزاد کردیا۔ بعد ازاں ان دونوں سے ایک بچہ پیدا ہوا جو اپنی ماں کے تابع ہوکر آزاد ہوگیا اس لئے کہ بچہ آزادی اور غلامی میں ماں کے تابع ہوتا ہے اور اس بچہ کی ولار اس کی ماں کے مولیٰ کے لئے ہے پھر اگر وہ عورت بھی اپنے غلام کو آزاد کردے تو وہ غلام آزاد ہو جانے کی وجہ سے اس لڑکے کی ولار کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔ پس اگر وہ غلام مرجائے اور بعد اس کے وہ لڑکا مرے تو اب اس لڑکے کی ولار اس عورت کو پہنچ آئے گی جس کے باپ کو اس نے آزاد کیا ہے یعنی وہ عورت ہی وارث ہوگی۔

اصل بات یہ ہے کہ نسب ولار بمنزلہ نسب قرابت کے ہے تو باپ کی جانب اصل ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ولار ایک قرابت ہے مثل قرابت نسب کے پھر جب کہ معلوم ہوا کہ ولار بمنزلہ نسب کے ہے اور نسب باپ کی جانب ہوتا ہے تو ولار بھی باپ کی طرف ہوگی لہٰذا بچہ کی ولار اس کے باپ والوں کی طرف کھنچ آئے گی اور ماں کے مولیٰ کی طرف نسبت اس ضرورت سے واقع ہوئی تھی کہ باپ

میں نسب کی لیاقت نہ تھی۔ پھر جب وہ بھی آزاد ہو کر لائق ہو گیا تو ولاء اس کی طرف عود کر گئی یا عورتوں
کے لئے وہ ولاء ہے جس کو ان کے آزاد کئے ہوئے غلام کے آزاد کئے ہوئے غلام نے اپنی طرف کھینچا ہو۔
اس کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت کے آزاد کردہ غلام نے ایک غلام خرید کیا جس نے دوسرے کی کنیز سے
اپنے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کر لیا پھر کنیز کو اس کے آقا نے آزاد کر دیا پھر وہ آزادی سے چھ ماہ سے
زیادہ مدت میں بچہ جنی اور وہ بچہ اپنی ماں کے تابع ہو کر آزاد ہو گیا تو بچہ کی ولاء اس کی ماں کے مولے
کے لئے ہے۔ پھر جب آزاد کردہ غلام اپنے غلام کو آزاد کر دیگا تب وہ اپنے آزاد کردہ غلام کے بچہ
کی ولاء اپنی طرف کھینچے گا۔ پھر اپنی مولاۃ یعنی اپنی آزاد کرنے والی عورت کی طرف ۱۲

۵ قولہ لو ترک الخ یعنی اگر آزاد شدہ غلام نے اپنے آزاد کرنے والے کا باپ اور اسکا بیٹا چھوڑا تو
ابو یوسفؒ کے آخری قول کے مطابق آزاد شدہ کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ولاء کا باپ کو اور باقی تمام
بیٹے کو ملے گا اور ایک روایت میں ابن مسعودؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ شریحؒ اور نخعیؒ نے اس کو اختیار
کیا ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک تمام ولاء بیٹے کے لئے ہے اور باپ محروم رہے گا۔ امام شافعیؒ
اور سعید بن مسیبؒ کا بھی یہی مذہب ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ بیٹا بہ نسبت باپ کے قریب تر ہے۔ پہلے
امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی مذہب تھا جس کو ترک کر کے آخر میں یہ اختیار کیا کہ ولاء میں چھٹا حصہ باپ
کا اور باقی بیٹے کا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ولاء ملک کا اثر ہے تو ولاء حقیقت ملک کے ساتھ ملحق
ہو گی اور اگر آزاد کردہ شدہ مال چھوڑے اور باپ اور بیٹا چھوڑے تو اس کے باپ کو چھٹا حصہ اور باقی
تمام مال بیٹے کو ملے گا پس یہی حکم اس وقت بھی ہونا چاہیئے جب آزاد شدہ ولاء چھوڑے امام ابو حنیفہؒ
اور امام محمدؒ کی طرف سے اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ ولاء اگرچہ ملک کا اثر ہے لیکن مال نہیں ہے نہ مال
کے حکم میں ہے جیسا کہ وہ قصاص جس کے عوض میں مال لے لینا جائز ہے اگرچہ وہ مال نہیں ہے لیکن وہ مال کے
حکم میں ہے برخلاف ولاء کے کہ وہ نہ مال ہے نہ مال کے حکم میں ہے پھر اس کے عوض میں مال کا لینا کیسے جائز ہو گا
پس ولاء میں وارثوں کے سہام فرضیت کے ساتھ مال کی طرح جاری نہیں ہو سکتے بلکہ ولاء وراثت کا سبب ہے
عصوبت کے طور پر تو اس میں زیادہ قریب کا اعتبار ہے اور ظاہر ہے کہ عصبات میں بیٹا بہ نسبت باپ کے زیادہ
قریب ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ ولاء اس طرح موروث نہیں کہ آقا کے وارثوں میں حصہ رسد پہنچے بلکہ آقا کے
قائم مقام کو بطور استحقاق کے ملتی ہے اور اس میں آقا کا خلیفہ وہ ہوتا ہے جس کی ذات سے نصرت قائم ہو۔
یہاں تک کہ آقا نے باپ اور بیٹا چھوڑا تو ولاء امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک اس کے بیٹے کے لئے ہو گی کیونکہ
یہ عصبہ ہونے میں باپ سے زیادہ قریب ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جمہور علماء و فقہاء کے نزدیک ولاء موروث
ہوتی ہے لیکن سہام اس میں جاری نہیں ہوتے اور اگر ولاء میں وارثوں کی فرضیت کے سہام مال کی طرح جاری
ہوتے تو عورتوں کو بھی ولاء میں سے بطور وارث کے حصہ ملتا علاوہ اس کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ہے الولاء لحمة کلحمة النسب لا یباع ولا یوھب ولا یورث کذا فی الھدایۃ یعنی ولاء قرابت نسب کی طرح ایک قرابت ہے قابل بیع و ہبہ اور وراثت کے نہیں ہے کیونکہ وہ منجملہ معنی کے ایک معنی ہے مال نہیں ہے اور جبکہ مال نہ ہوا تو اسمیں وراثت اور ہبہ اور بیع کیسے جاری ہوگی یہ حدیث صاف طور پر دلالت کرتی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کا قول صحیح ہے ۱۲

۵۶ قولہ بالاتفاق - دادا کے ساتھ بیٹے کے لئے تمام ولاء کا ہونا بالاتفاق ہے۔ اس مسئلہ میں ابو یوسفؒ نے ابو حنیفہؒ و محمدؒ سے اختلاف نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر کے اعتبار سے عصوبت میں باپ بیٹے کی طرح ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا اتصال میت کے ساتھ بلا واسطہ ہے اور جو ہم نے کہا ہے کہ بیٹے کو میت سے زیادہ قرب حاصل ہے اس کا سبب ایک امر حکمی ہے اور وہ یہ ہے کہ فرع کا اصل کے ساتھ اتصال بہ نسبت اصل کے فرع کے اتصال سے زیادہ ظاہر ہے اس لئے فرع کا ذکر اصل کے ذکر سے داخل ہو جاتا ہے اور یہ بات مسئلہ بیع میں ظاہر ہے کہ زمین کی خرید و فروخت میں درخت کی خرید و فروخت خود بخود داخل ہو جاتی ہے۔ پس غلام آزاد شدہ کے اپنے مرنے کے بعد اپنے آزاد کرنے والے کا باپ اور بیٹا چھوڑنے کی صورت میں ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ سے اختلاف کیا ہے اور دادا کو بیٹے کے ساتھ چھوڑنے میں اختلاف نہیں کیا۔ کیونکہ دادا کا اتصال باپ کی وجہ سے ہے اور جبکہ باپ بہ نسبت دادا کے زیادہ قریب ہے تو بیٹا دادا سے بلاشبہ و بلا اختلاف زیادہ قریب ہوگا۔ اسی طرح اگر آزاد کرنے والی عورت نے بیٹا اور بھائی چھوڑا پھر اس کا آزاد کیا ہوا بغیر ایسے وارث کے مرا تو اس کی موالات کا بیٹا وارث ہوگا اور بھائی نہ ہوگا کیونکہ وہ عصبہ ہونے میں اقرب ہے اگر مولیٰ نے بیٹا چھوڑا اور دوسرے بیٹے کا بیٹا چھوڑا جس کا باپ مر گیا ہے تو آزاد شدہ کی میراث آقا کے بیٹے کو ملے گی۔ دوسرے بیٹے کے بیٹے کو نہ ملے گی اس لئے ولاء سب سے بڑے کے لئے ہے اور بڑے سے مراد اقرب ہے یعنی ولاء کا وہ مستحق ہے۔ جو عصبیوں میں سے مالک کی طرف زیادہ قرب رکھتا ہو پس نسب میں مولیٰ کی طرف جو اس کے بیٹے کو قرب حاصل ہے وہ پوتے کو حاصل نہیں۔

۵۷ قولہ ومن ملك الخ یہ مسئلہ عصبات سببیہ کے مبحث کا تتمہ ہے اور اس امر کی طرف تنبیہ ہے اگرچہ آزادی اختیاری نہ ہو تاہم ولاء کا سبب ہے اس مقام کی تفصیل یہ ہے کہ قرابت تین طرح پر ہے (۱) قرابت قریبہ اور یہ قرابت ذی رحم محرم کی ولادت کی وجہ سے ہے خواہ یہ اصلیت کے طور پر ہو۔ مثلاً ماں باپ، دادا، دادی، پردادی، پردادا، اگرچہ کتنے ہی اونچے درجہ کے ہوں خواہ فرعیت کے طور پر ہو۔ مثلاً بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، پڑپوتا پڑپوتی، اور ان کی اولاد لڑکا ہو یا لڑکی (۲) قرابت متوسطہ ایسے محرموں کی ہے جو نہ آباء میں داخل ہیں نہ ابناء میں۔ اور اسمیں بھائی بہنوں اور ان کی اولاد کی قرابت داخل ہے۔ اسی قبیل سے قرابت چچا پھوپی ماموں اور خالہ کی ہے مگر ان کی اولاد ان رشتہ داران متوسطہ میں داخل نہیں

(۳) قرابتِ بعیدہ جو ذی رحم غیر محرم کی ہے چنانچہ چچا پھوپی اور ماموں خالہ کی اولاد۔ پس اگر کوئی شخص پہلی قسم کے ذی رحم محرم کا مالک ہو تو مملوک فوراً آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی ولاء اسکو پہنچتی ہے۔ اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے اور اگر کوئی دوسری قسم کے ذی رحم محرم کا مالک ہو تو مملوک علمائے حنفیہؒ کے نزدیک آزاد ہو جاتا ہے اور شافعیؒ کے نزدیک آزاد نہیں ہوتا اور اگر کوئی تیسری قسم میں کسی کا مالک بن جائے تو ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مملوک آزاد نہیں ہوگا۔

۵۸ قولہ کثلاث بنات الخ یہ ذی رحم محرم کے مالک پر آزاد ہونے اور بقدر ملک ولاء پہنچنے کی مثال ہے مثلاً تین آزاد لڑکیاں ہیں جن کا باپ غلام ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک غلام نے اپنے مالک کے حکم سے کسی آزاد عورت سے نکاح کیا اور ان دونوں سے تین لڑکیاں پیدا ہوئیں تو یہ لڑکیاں ماں کے تابع ہو کر آزاد مانی جائیں گی اس لئے اولاد آزادی اور غلامی میں ماں کے تابع ہوا کرتی ہے۔ ان میں سے بڑی بہن کے پاس تیس۳۰ اشرفیاں اور سب سے چھوٹی بہن کے پاس بیس۲۰ اشرفیاں ہیں پس ان دو بہنوں نے اپنے غلام باپ کو پچاس اشرفیوں میں خرید لیا تو وہ ان پر فوراً آزاد ہوگیا پھر باپ مرگیا اور کچھ مال چھوڑا تو دو تہائی بطور فرضیت کے تینوں بیٹیوں کو اس طرح ملے گا کہ اس کے تین حصے ہوکر ایک ایک حصہ تینوں کو دیا جائے گا اور جو تہائی باقی رہے گا اس کے پانچ حصہ ہو کر ان میں تین حصہ بطور ولاء کے سب سے بڑی لڑکی کو اور دو حصہ بطور ولاء کے سب سے چھوٹی لڑکی کو دیئے جائیں گے۔ ۱۲

۵۹ قولہ تصح الخ یعنی مسئلہ کی پینتالیس۴۵ سے تصحیح ہوگی۔ مسئلہ کی ۴۵ سے تصحیح ہونیکا بیان یہ ہے کہ اصل مسئلہ یہاں تین سے ہے کیونکہ سب سے چھوٹا عدد جس سے دو ثلث کی تقسیم ہوسکے تین۳ ہے پس یہی مخرج قرار پاکر دو تہائی لیکر اور اس کے تین حصہ کرکے ایک ایک حصہ ہر لڑکی کو بطور فرض کے دیا جائے گا اور ثلث باقی کہ ایک ہے بطور ولاء کے ان دونوں لڑکیوں کو ملے گا جنھوں نے باپ کو خریدا تھا چونکہ دو کی تقسیم تین لڑکیوں پر درست واقع نہیں ہوسکتی کیونکہ درمیان عدد سہام کے کہ دو ہیں اور عدد رؤس دختران کہ تین ہیں تباین کی نسبت ہے پس دو عدد کی تقسیم تین پر نہیں ہوسکتی اسلئے حسب قاعدہ لڑکیوں کے تمام عدد رؤس کہ تین ہیں لئے گئے۔ چونکہ ثلث باقی سب سے بڑی اور چھوٹی لڑکی پران کے مالوں کی نسبت سے کرنی واجب ہے۔ اور دونوں لڑکیوں کے مالوں میں کہ تیس و بیس ہیں دھائی کے ساتھ توافق ہے پس تیس اشرفی میں سے دسواں تین۳ ہے اور بیس اشرفی میں سے دسواں دو۲ ہے اور تین و دو کا مجموعہ پانچ ہے اور پانچ بمنزلہ عدد رؤس در شمار کے ہیں اور تہائی باقی کہ ایک ہے سہام ولاء پر کہ پانچ ہیں درست نہیں آتے کیونکہ ایک اور پانچ کے درمیان تباین کی نسبت ہے اسلئے پانچ کا مجموعہ لیا گیا اور درمیان ان پانچ اور لڑکیوں کے عدد رؤس کہ تین ہے تباین ہے پس جب ہم نے پانچ کو تین میں ضرب دیا تو پندرہ حاصل ہوئے پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلے میں کہ تین ہیں ضرب دیا تو ۴۵ حاصل ہوئے جن سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ ان میں دو ثلث کہ تیس۳۰

بَابُ الْحَجْبِ

اَلْحَجْبُ عَلٰى نَوْعَيْنِ حَجْبُ نُقْصَانٍ وَهُوَ حَجْبٌ عَنْ سَهْمٍ اِلٰى سَهْمٍ اٰخَرَ وَذٰلِكَ لِخَمْسَةِ نَفَرٍ لِلزَّوْجَيْنِ وَالْاُمِّ وَبِنْتِ الْاِبْنِ وَالْاُخْتِ لِاَبٍ وَقَدْ مَرَّ بَيَانُهٗ وَحَجْبُ حِرْمَانٍ وَالْوَرَثَةُ فِيْهِ فَرِيْقَانِ فَرِيْقٌ لَا يُحْجَبُوْنَ بِحَالٍ اَلْبَتَّةَ وَهُمْ سِتَّةٌ اَلْاِبْنُ وَالْاَبُ وَالزَّوْجُ وَالْبِنْتُ وَالْاُمُّ وَالزَّوْجَةُ وَفَرِيْقٌ يَرِثُوْنَ بِحَالٍ وَيُحْجَبُوْنَ بِحَالٍ وَهٰذَا مَبْنِيٌّ عَلٰى اَصْلَيْنِ اَحَدُهُمَا هُوَ اَنَّ كُلَّ مَنْ يُدْلِيْ اِلَى الْمَيِّتِ بِشَخْصٍ لَا يَرِثُ مَعَ وُجُوْدِ ذٰلِكَ الشَّخْصِ سِوٰى اَوْلَادِ الْاُمِّ فَاِنَّهُمْ يَرِثُوْنَ مَعَهَا لِانْعِدَامِ اسْتِحْقَاقِهَا جَمِيْعَ التَّرِكَةِ وَالثَّانِيْ اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ كَمَا ذَكَرْنَا فِي الْعَصَبَاتِ وَالْمَحْرُوْمُ لَا يَحْجُبُ عِنْدَنَا

(حواشی: اخر ۱۲ — اقل ۱۲ — ای حجب النقصان ۱۲ — من اصحاب الفرائض ۱۲ — بیان حجب النقصان لکن من غیر بیان التسمیۃ ۱۲ — حجب الحرمان ۱۲ — فانہ یرثہ اما النصف واما الربع ۱۲ — فانہا ترث اما الربع واما الثمن ۱۲ — حجب الحرمان ۱۲ — اخری ۱۲ ای حجب الحرمان فی الفرق الثانی ۱۲ — ای العبارتین ۱۲ — ینتسب وینتمی ادنی بوجہ توصل الیہ وبسببہ دونہ ۱۲ — مع الاب لایرث کابن الابن — ای مدلی بہ ۱۲ — مع الام یدلون الی المیت بہا ۱۲ — استحقاقا اولیا بلا رد — کابن کافر او قاتل ۱۲)

یہ باب حجب (کے بیان میں) ہے

ترجمہ :- حجب دو قسم پر ہے (ایک ان میں سے) حجب نقصان (ہے) اور وہ یہ ہے کہ اکثر حصہ سے

— بقیہ حاشیہ صفحہ سابق —

ہوتے ہیں لیکر تینوں لڑکیوں میں سے ہر ایک کو دس دس سہام بطور فرضیت ملیں گے باقی تہائی کہ پندرہ

کمتر حصہ کی طرف حاجب ہو جائے اور یہ (حجب نقصان) پانچ شخصوں کے لئے ہے (یعنی) شوہر، بیوی اور ماں، پوتی اور علاتی بہن کے لئے ہے اور ان کا حال گزر چکا۔ اور دوسری نوع حجب حرمان (ہے) اور ورثاء اس (حجب حرمان میں) دو فریق ہیں۔ ایک فریق وہ کسی حالت میں بالکل محجوب نہیں ہوتا (اگرچہ بعض اُن میں سے حجب نقصان کے ساتھ محجوب ہو جاتا ہے) اور وہ چھ ہیں۔ (۱) بیٹا اور (۲) باپ (۳) شوہر (۴) بیٹی اور (۵) ماں اور (۶) بیوی۔ اور دوسرا فریق وہ ہے جو ایک حال میں وارث ہوتا ہے اور دوسرے حال میں محجوب ہوتا ہے اور یہ (ایک حال میں وارث ہونا اور دوسرے حال میں محجوب ہونا) دو قاعدوں پر مبنی ہے ان دونوں میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص کہ جس کا نسب میت کی طرف کسی شخص کے واسطے سے پہنچتا ہے تو وہ آدمی اس شخص کے موجود ہوتے ہوئے وارث نہ ہوگا بجز اخیافی بھائی بہنوں کے (کہ باوجودیکہ ماں کے واسطے سے منسوب ہیں) پس بلا شک وہ ماں کے ساتھ وارث ہوتے ہیں۔ ماں کے تمام ترکہ کو مستحق نہ ہونے کی وجہ سے دوسرا قاعدہ اقرب فاقرب (قریب تر بعید تر کو محجوب کر دیتا ہے) جیسا کہ عصبات میں ہم نے ذکر کیا اور محروم المیراث ہمارے نزدیک کسی طرح حاجب نہیں ہوتا۔

---

۵۱ قولہ باب الحجب۔ جبکہ مصنفؒ نے باب الفروض اور عصبات کے بیان سے فراغت حاصل کی تو اسکا بیان شروع کیا کہ بعض وارث بعض صورتوں میں بالکل ترکہ سے محجوب ہوتے ہیں اور بعض صورتوں میں کچھ حصہ کم ہو جاتا ہے حجب کے لغوی معنی باز رکھنے کے ہیں اور اسی سے حجاب مشتق ہے اور یہ وہ چیز ہے جس سے پردہ واقع ہو اس طرح کہ اس کی وجہ سے اسکے پیچھے کی چیز نہ دیکھ سکیں اور اہل فرائض کی اصطلاح میں حجب اسکو کہتے ہیں کہ ایک وارث کو دوسرے وارث کے ہونے کی وجہ سے کم ملے یا کچھ نہ ملے حاجب اور مانع کے درمیان یہ فرق ہے کہ مانع سے تو صلاحیت میراث کی معدوم ہو جاتی ہے یعنی وارث نہیں رہتا۔ حاجب سے میراث کی صلاحیت تو نہیں جاتی بلکہ وارث رہتا ہے لیکن ایک پردہ درمیان میں حائل رہنے سے میراث نہیں پا سکتا جب حاجب رفع ہو جائے گا برابر میراث کا مستحق ہوگا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

ہوتے ہیں اس کے پانچ حصے کریں گے جن میں سے تین خمس کہ نو ہوتے ہیں بڑی بیٹی کو ولاء کی وجہ سے دیئے جائینگے اور دو خمس کہ چھ ہوتے ہیں چھوٹی لڑکی کو سبب ولاء کے ملیں گے بڑی لڑکی کا تمام حصہ فرض و ولاء کی رو سے اُنیس ہے اور چھوٹی لڑکی کا تمام حصہ فرض و ولاء کی رو سے سولہ ہے اور منجھلی لڑکی کو سوائے دس کے کہ فرض ہے اور کچھ نہ دیا جائیگا۔ واضح رہے کہ ان میں سے سب سے بڑی لڑکی اور سب سے چھوٹی لڑکی کو جنھوں نے باپ کو خریدا ہے باپ کے نکاح کرنے کی بھی ولایت حاصل ہے اگر وہ سال کے زیادہ حصہ میں دیوانہ رہتا ہو شیخ الاسلام خواہر زادہ فرماتے ہیں کہ میرے استاد ابوبکر جعفر الوہاتی حافظ سے روایت کرتے تھے کہ انھوں نے فرمایا یہ مسئلہ ایک عجیب مسئلہ ہے بیس آدمی کی میٹی اس کی دفعیہ ہو۔ ۱۲

۵۲ قولہ قد مرّ بیانہ الخ یعنی ان پانچوں شخصوں کا حال گزر چکا وہ یہ ہے کہ شوہر کو نصف ملتا ہے لیکن زوجہ متوفیہ کے اولاد ہونے کی صورت میں نصف سے ربع کیطرف محجوب ہو جاتا ہے اسی طرح بیوی کو ربع ملتا ہے اور شوہر متوفی کے اولاد ہونے کی صورت میں ربع سے ثمن کیطرف محجوب ہو جاتی ہے ایسے ہی ماں کو ثلث ملتا ہے اور میت کے بیٹا، پوتا اور دو بھائی بہن ہونے کی صورت میں نصف سے سدس کی طرف محجوب ہو جاتی ہے اور علاتی بہن کو نصف ملتا ہے لیکن حقیقی بہن ہونے کی صورت میں نصف سے سدس کیطرف محجوب ہو جاتی ہے۔

۵۳ قولہ وحجب حرمان الخ یعنی دوسری قسم حجب حرمان ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے پوری محرومی حاصل ہوتی ہے ایک وارث کو دوسرے وارث کی وجہ سے کچھ نہیں ملتا۔ مثلاً دو حقیقی بہنیں ہوں تو علاتی بہنوں کو کچھ نہیں ملتا اور حجب حرمان کے حکم میں ورثاء کے دو فریق ہیں ایک فریق وہ ہے جو کسی حالت میں محروم نہیں ہوتا اگرچہ ان میں سے بعض بطور حجب نقصان کے محجوب ہو جاتا ہے اور حجب حرمان ان چھ ورثاء کے حق میں نہیں ہوتا یعنی بجز موانع ارث کے کسی حالت میں وہ میراث سے بالکل محروم نہیں ہوتے۔ ان چھ میں ایک بیٹا دوسرا باپ تیسرا شوہر چوتھی بیٹی پانچویں ماں چھٹی بیوی ہے شوہر کا ہمیشہ نصف ہے یا ربع۔ بیٹی تین حال سے خالی نہیں۔ اس کا یا نصف ہے یا دو ثلث یا عصوبت ہے جبکہ بھائی کے ساتھ ہو تو ایسی صورت میں اس کو بھائی سے آدھا ملے گا: ماں کا ہمیشہ سدس ہے یا ثلث کل میں سے یا ثلث باقی میں سے اور بیوی کا ہمیشہ یا ربع ہے یا ثمن۔ اگر یہاں یہ شبہ کیا جائے کہ حجب حرمان کی تعریف درست نہیں اس لئے کہ جو فریق بطور حجب حرمان کے کبھی محروم ہوتا ہی نہیں وہ اس حجب حرمان میں کیسے داخل ہو سکتا ہے کیونکہ حجب حرمان اُس کو کہتے ہیں جس سے پوری محرومی حاصل ہوتی ہے تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کے ساتھ حکم کا تعلق نفی و اثبات دونوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ نفی و اثبات دونوں اس کے احکام سے ہوتے ہیں۔ اسی طرح حجب حرمان میں سمجھنا چاہیئے کہ بعض ورثاء کے ساتھ حجب حرمان کا تعلق بطور اثبات کے ہے اور بعض کے ساتھ بطور نفی کے ہے لہٰذا جو ورثاء بطور حجب حرمان کے کبھی محجوب نہیں ہوتے وہ بھی حجب حرمان میں نفی کے داخل ہیں اور جو اس حجب سے محروم ہوتے ہیں وہ بطور اثبات کے داخل ہیں پس ہر ایک فریق تقسیم میں داخل رہیگا جیسے کہا جاتا ہے کہ خطاب شرع میں انسان دو قسم پر ہے ایک اسمیں داخل ہے اور وہ بالغ عاقل ہے اور دوسری قسم غیر داخل ہے جیسے بچہ مجنون اگرچہ دوسری قسم داخل نہیں مگر تقسیم میں شامل ہے ۱۲

۵۴ قولہ وهذا مبنی الخ یعنی فریق ثانی میں حجب حرمان کی بنا دو قاعدوں پر ہے۔ جن رشتہ داروں میں دونوں قاعدے یا اُن میں سے ایک قاعدہ پایا جاوے گا تو وہ رشتہ دار محجوب ہونگے ورنہ وارث ہونگے

۵۵ قولہ احدهما الخ پہلا قاعدہ یہ ہے وہ شخص جس کا نسب میت کی طرف کسی شخص کے واسطے سے پہنچتا ہے تو وہ شخص اس شخص کے موجود ہوتے ہوئے وارث نہ ہوگا مثلاً پوتا بیٹے کے ہوتے ہوئے وارث نہیں ہوتا اسلئے کہ پوتے کی قرابت دادا سے باپ کے واسطے سے ہے تو پوتا باپ کے ہوتے ہوئے دادا کے مال کا وارث نہ ہوگا مگر اخیافی بھائی بہن ماں کے ہوتے

ہوئے وارث ہوتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ماں تمام ترکہ کی مستحق نہیں ہوتی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص میت کی طرف کسی دوسرے شخص کے واسطے سے منسوب ہے تو وہ شخص اس دوسرے کے ہوتے ہوئے محروم ہے مگر اخیافی بھائی بہنیں باوجودیکہ ماں کے واسطہ سے منسوب ہیں مگر ماں کے ہوتے ہوئے محروم نہیں۔ اصل اول کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ اخیافی بھائی بہن ماں کے ہوتے ہوئے وارث نہ ہوتے مگر ان کی وراثت اس وجہ سے ہوئی کہ منسوب الیہ کے ہوتے ہوئے منسوب اسوقت محروم ہوتا ہے جبکہ منسوب الیہ کل ترکہ کا استحقاق رکھتا ہو یا دونوں ایک جہت سے میراث پانے کے مستحق ہوں اگر ایسا نہ ہو جیسے ماں اور اخیافی بھائی بہن میں کہ نہ ماں کل ترکہ کا استحقاق رکھتی ہے نہ دونوں ایک جہت سے میراث پانیکے مستحق ہیں بلکہ ماں ام ہونیکی جہت سے مستحق ہے اور اخیافی بھائی بہن اولاد ام ہونیکی جہت سے مستحق ہیں۔ اگر یہاں یہ شبہ کیا جائے کہ ماں جب تنہا ہو اور ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی اسکے ساتھ نہ ہو تو کل ترکہ پاتی ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ کل ترکہ کا استحقاق ایک جہت سے نہیں ہے بلکہ بعض ترکہ بطور فرض کے اور بعض ترکہ بطور رد کے ملتا ہے مذکورہ بالا میں ہماری مراد یہ ہے کہ ایک جہت سے تمام ترکہ کا استحقاق ماں کو نہیں ہے ۱۲

؎۵۶ قولہ والثانی الخ یعنی دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ وارثوں میں قریب تر بعید تر کو محجوب کر دیتا ہے اسلئے کہ قریبی رشتہ دار دور کے رشتہ دار پر مقدم ہوتا ہے خواہ وہ دونوں رشتہ دار جہت ارث میں متحد ہوں یا متحد نہ ہوں یعنی دوسری صورت حجب حرمان کی، اقرب اور ابعد کے پائے جانے سے حاصل ہوتی ہے۔ پس اقرب ابعد کا حاجب ہوتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ محروم الارث تو نہ ہو بلکہ مقدم کی جہت سے محجوب ہو تو یہ ہر چند خود محجوب ہے لیکن بالاتفاق وہ مستحق وارث کو نقصان سے محجوب کر دیتا ہے جیساکہ ہم نے عصبات کے بیان میں ذکر کیا ہے کہ جزو میت اصل میت کا حاجب ہے اور اصل میت اپنی ذاتی فرع کی حاجب ہے۔ باپ کی فرع دادا کی فرع کی حاجب ہے وعلیٰ ہذا القیاس ذوی الفروض اقرب ابعد کا حاجب ہے۔ اتحاد سبب کی مثال جدات ماں کے ساتھ اور پوتیاں بیٹیوں کے ساتھ اور علاتی بہنیں حقیقی بہنوں کے ساتھ اور عدم اتحاد کی مثال یہ ہے کہ باپ اور بھائی ہے ۱۲

؎۵۷ قولہ والمحروم الخ یعنی محروم المیراث ہمارے نزدیک کسی طرح حاجب نہیں ہوتا نہ وہ مستحق وارث کو محروم کر سکتا ہے نہ اسکا حصہ کم کر سکتا ہے اسلئے کہ جب محروم میں بالکل صلاحیت میراث کی نہ رہی تو وہ استحقاق ارث میں مثل میت کے ہوگیا۔ اسی طرح اہلیت کے فوت ہونے کی وجہ سے حجب کے حق میں بمنزلہ مردہ کے ہے محروم اور محجوب کے درمیان یہ فرق ہے کہ محروم دوسرے کا حاجب نہ ہوگا اور محجوب دوسرے کا حاجب ہے مطلب ہے محروم سے مراد وہ ہے جو موانع ارث سے محروم ہو اگر حجب حرمان سے محجوب ہو تو وہ دوسرے کا حاجب ہوگا۔

؎۵۸ قولہ عندنا۔ یعنی علمائے حنفیہ کے نزدیک محروم بالکل حاجب نہیں ہوتا۔ محروم کے حاجب نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ محروم میں جب کہ میراث کی بالکل صلاحیت ہی نہ رہی تو وہ استحقاق ارث میں مردہ کی مانند ہوگا تو اسی طرح حجب کے بارے میں اہلیت کے فوت ہونے کی وجہ سے بمنزلہ مردہ کے ہے ۱۲

وَعِنْدَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَحْجُبُ حَجْبَ النُّقْصَانِ کَالْکَافِرِ
اسئلۃ المحروم ۱۲

وَالْقَاتِلِ وَالرَّقِیْقِ وَالْمَحْجُوْبُ یَحْجُبُ بِالْاِتِّفَاقِ کَالْاِثْنَیْنِ مِنَ
ای بینا و بین ابن مسعود رض

الْاِخْوَۃِ وَالْاَخَوَاتِ فَصَاعِدًا مِنْ اَیِّ جِہَۃٍ کَانَا فَاِنَّہُمَا لَایَرِثَانِ
ای من الابوین او من الاب فقط او من الام فقط

مَعَ الْاَبِ وَلٰکِنْ یَحْجُبَانِ الْاُمَّ مِنَ الثُّلُثِ اِلَی السُّدُسِ

بَابُ مَخَارِجِ الْفُرُوْضِ

اِعْلَمْ اَنَّ الْفُرُوْضَ الْمَذْکُوْرَۃَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی نَوْعَانِ الْاَوَّلُ
ستۃ ۱۲ المقدرۃ فی الکل ۱۲

النِّصْفُ وَالرُّبُعُ وَالثُّمُنُ وَالثَّانِیْ الثُّلُثَانِ وَالثُّلُثُ وَالسُّدُسُ

عَلَی التَّضْعِیْفِ وَالتَّنْصِیْفِ فَاِذَا جَاءَ فِی الْمَسَائِلِ مِنْ ھٰذِہٖ
ان بدئت بالاقل ۱۲ ان بدئت بالاکثر ۱۲ حال من قولہ احاد مقدم علیہ وھو فاعل لقولہ احاد ۱۲

الْفُرُوْضِ اُحَادُ اُحَادُ فَمَخْرَجُ کُلِّ فَرْضٍ سَمِیُّہٖ اِلَّا النِّصْفُ
ای فرض واحد ۱۲ ای مثلہ من العدد ۱۲

وَھُوَ مِنْ اِثْنَیْنِ کَالرُّبُعِ مِنْ اَرْبَعَۃٍ وَالثُّمُنِ مِنْ ثَمَانِیَۃٍ
فانہ غیر سمی النصف ۱۲

وَالثُّلُثِ مِنْ ثَلٰثَۃٍ

ترجمہ :- اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک (محروم) حجب نقصان کے ساتھ حاجب ہوتا ہے جیسے کافر اور قاتل اور غلام اور محجوب بالاتفاق حاجب ہوتا ہے۔ جیسے دو یا زیادہ بھائی بہنیں کسی جہت سے ہوں (یعنی حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی ہوں) پس وہ دونوں باپ کے ساتھ وارث نہ ہوں گے لیکن ماں کو تہائی حصہ سے چھٹے حصہ کی طرف محجوب کر دیتے ہیں۔

(یہ) باب مخارج فروض (کے بیان) میں ہے

ترجمہ :- جان لو (چھ) سہام مقررہ جو قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ دو قسم پر ہیں اوّل (قسم) نصف و ربع و ثمن ہے اور دوسری (قسم) ثلثان و ثلث اور سدس ہے (ہر قسم) تضعیف و تنصیف کے اعتبار سے ہے پس جبکہ مسائل (فرائض) میں ان (چھ) فرضوں میں سے ایک ایک فرض آئے تو ہر (فرد) فرض کا مخرج اس کا ہم نام (مفرد) ہے۔ بجز نصف کے اس کا مخرج (ہمنام نہیں بلکہ) اثنین (دو) ہے جیسے ربع اربعہ سے ثمن ثمانیہ سے اور ثلث ثلاث سے ہے۔

۵۱ قولہ وعند ابن مسعودؓ۔ یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک محروم الارث حجب نقصان سے محجوب کرتا ہے۔ نہ حجب حرمان سے۔ جیسے کافر، قاتل اور غلام۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ زوج و زوجہ اور ام کے حصہ میں حجب نقصان سے ولد کا حاجب ہونا نص سے ثابت ہے خواہ وہ وارث ہو یا محروم اس لئے اللہ تعالیٰ نے مطلق ولد ذکر کیا ہے جو وارث اور محروم دونوں کو شامل ہے پس جس طرح ولد وارث سے حصہ کم ہوگا اسی طرح ولد محروم سے بھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں ولد مذکور سے مراد ولد وارث ہے اس لئے ولد مذکور کا عطف جس آیت پر ہے اس میں اس قسم کا ولد مراد ہے نہ مطلق ولد وہ آیت یہ ہے یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ - پس جبکہ آیت اول میں ولد وارث کو ذکر کیا اور اس ولد کو اسکے بعد لائے تو اس بات سے ثابت ہوا کہ اس سے وہی ولد وارث مراد ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے جبکہ وراثت کی صفت ولد میں مذکور ہوئی تو آیت معطوفہ کی تقدیر یوں ہوگی فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھُنَّ وَلَدٌ وَارِثٌ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی آیت اول میں اولاد کو اضافت کے ساتھ معرفہ کرکے بیان کیا ہے پھر ولد کو نکرہ ذکر کیا ہے اور قاعدہ مقررہ ہے کہ جبکہ معرفہ کا اعادہ نکرہ کی صورت میں کیا جاتا ہے تو اس نکرہ سے وہی معرفہ مراد ہوتا ہے۔ محروم کے حاجب نہ ہونے پر حنفیہؒ کی یہ دلیل ہے کہ کافر مسلم سے میراث پانیکا اہل ہی نہیں اور نہ غلام آزاد سے میراث پانیکا اہل ہے اور جب یہ بات ٹھہری تو علت اہلیت کے فوت ہونے اور شرائط انعقاد میں سے ایک شرط فوت ہوجانے سے وراثت کی اہلیت جاتی رہتی ہے اس کی نظیر یہ ہے کہ مجنون کی بیع اہلیت کے فوت ہونے سے منعقد نہیں ہوتی اور آزاد کا فروخت کرنا اور خریدنا شرط انعقاد کے فوت ہوجانے سے کہ وہ مالیت ہے درست نہیں۔ اور بیع کا وجود و عدم برابر ہے تو کافر اور غلام بمنزلہ میت کے قرار پائے گا اس قول کی صحت پر مشائخ کا وہ قول ہے جو انھوں نے اس صورت میں بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے باپ اور دادا وارث چھوڑے اور باپ کسی شخص کا غلام یا کافر ہے اور دادا آزاد مسلمان ہے تو دادا وارث ہوگا۔ طحاوی نے کتاب اختلاف علماء میں اس پر اجماع نقل کیا ہے اور باپ کو جو میراث کا

اہل نہیں ہے بمنزلہ میت کے قرار دیا ہے - پس اسی طرح یہاں بھی ہوگا - ۱۲

۵۲ والمحجوب الخ یعنی وہ شخص جو حجب حرماں کا مجوب ہے تو وہ دوسرے کو حجب نقصان سے بھی مجوب کرتا ہے اور حجب حرمان سے بھی مجوب کرتا ہے اس میں سب کا اتفاق ہے - ابن مسعود کو بھی اس میں اختلاف نہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک محروم اور محجوب میں غیر کا حاجب بننے میں کوئی فرق نہیں - لہٰذا ان کے نزدیک مجوب کا دوسرے کے لئے حاجب ماننے میں کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا - چنانچہ دو یا زیادہ بھائی بہنیں حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی باپ کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے لیکن ماں کو تہائی حصہ سے چھٹے حصہ کیطرف مجوب کردیتے ہیں - یہ مثال حجب نقصان کی ہے اور حجب حرمان کی مثال یہ ہے کہ باپ کی موجودگی میں دادی مجوب ہے اور باوجود اس کے دادی نانی کی ماں کو بالکل مجوب کردیتی ہے - ۱۲

۵۳ قولہ مخارج الفروض الخ مخارج مخرج کی جمع ہے جس کے معنی جائے خروج کے ہیں - اب یہاں سے ان اصول کا بیان شروع ہوتا ہے جن کی قسمت فروض میں ضرورت پیش آتی ہے مخرج اس عدد کو کہتے ہیں جس سے کوئی کسر صحیح نکل سکے - چونکہ سب فروض کسور ہیں - تو ان کے مخارج بھی کسور کے مخارج ہیں - جب تک مخرج کا قاعدہ اور ضابطہ معلوم نہ ہو تقسیم نہیں ہوسکتی اس لئے کہ جتنے سہام مقررہ ہیں وہ کسور ہیں پس لازم ہوا کہ پہلے اس کا مخرج معلوم کیا جائے یہ ضابطہ بہتر اور قدیم ہے - اس لئے اس کے قواعد سے حساب کا جاننے والا اور نہ جاننے والا تقسیم کرسکتا ہے ۱۲

۵۴ قولہ نوعان الخ ان فروض ستہ کو دو نوع قرار دینے کا سبب یہ ہے کہ اہل فرائض نے ان فروض ستہ میں سے اس فرض کو تلاش کرلیا جو مقدار میں سب سے کم ہو تو ثمن کو پایا جس کا مخرج ثمانیہ ہے اور ربع و نصف کو دیکھا کہ ثمانیہ سے دونوں بلاکسر نکلتے ہیں تو انھوں نے ان تینوں فروض کو ایک قسم ٹھہرایا - پھر ثمن کے بعد اقل مخارج کو تلاش کیا تو سدس کو پایا - جس کا مخرج ستہ ہے اور ثلث اور ثلثان کو دیکھا کہ سدس سے دونوں بلاکسر نکلتے ہیں تو ان تینوں کو دوسری قسم قرار دیا اور نوع اول کو اول قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ آدمیوں میں اول موجودات زوجین ہیں یعنی آدم و حوا علیہ السلام اور زوجین کے سہام اسی قسم میں پائے جاتے ہیں - اس لئے اس قسم کو اول ٹھہرایا ۱۲

۵۵ قولہ التضعیف الخ دونا کرنے کو کہتے ہیں ثمن کو دونا کیا جائے تو ربع ہوتا ہے اور ربع کو دونا کیا جائے تو نصف حاصل ہوتا ہے - اور سدس کو دونا کیا جائے تو ثلث اور ثلث کو دونا کیا جائے تو دو ثلث حاصل ہوتا ہے اور تنصیف کے معنی آدھا کرنے کے ہیں - نصف کو آدھا کیا جائے تو ربع ہوتا ہے اور ربع کو آدھا کیا جائے تو ثمن حاصل ہوتا ہے اور ثلثان کو آدھا کیا جائے تو ثلث اور ثلث کو آدھا کیا جائے تو سدس حاصل ہوتا ہے - پس اس کا حاصل یہ ہے کہ نوع اول میں تضعیف کے طور

کہہ سکتے ہیں۔ آٹھویں کا دونا چوتھائی اور چوتھائی کا دونا نصف ہے اور تنصیف کے طور پر کہہ سکتے ہیں کہ نصف کا آدھا چوتھائی اور چوتھائی کا آدھا آٹھواں ہے اور دوسری نوع میں بطور تضعیف کے کہیں گے چھٹے کا دونا تہائی اور تہائی کا دونا دو تہائی ہے اور بطور تنصیف کے کہیں گے دو تہائی کا آدھا تہائی اور تہائی کا آدھا سدس ہے ۱۲

۵۶ قولہ اُحاد الخ۔ اُحاد میں تکرار اس وجہ سے لائی گئی ہے کہ ابن کمال نے اپنی دیوان متنبی کی شرح میں واحدی سے نقل کیا ہے۔ احاد بلا تکرار کے نہیں بولا جاتا بخلاف مثنیٰ اور ثلث کے کہ بلا تکرار استعمال کئے جاتے ہیں۔ ۱۲

۵۷ قولہ فاذا جاء الخ۔ یعنی جبکہ فرائض کے مسئلہ میں ان چھ فرضوں میں سے ایک ایک فرض آئے تو ہر فرض کا مخرج اسکا ہمنام منفرد ہے بجز نصف کے کہ وہ ہمنام سے نہیں اس لئے اسکا مخرج دو ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بجز نصف کے کہ اس کا مخرج دو ہے۔ ہر فرض کے ہم نام سے مسئلہ کیا جائے گا اور ترکہ اسی ہمنام پر تقسیم کیا جائے گا یعنی ترکہ کے اتنے ہی حصے کئے جائیں گے اسی طرح جہاں اس فن میں لفظ مخرج کام آجائے تو اس سے یہی مراد سمجھی جائے گی۔ ربع کا مخرج اربع اور ثمن کا مخرج ثمانیہ اور ثلث کا مخرج ثلاثہ ہے اگر کسی مسئلہ میں فقط ربع ہو مسئلہ ۴ سے ہوگا۔ اور فقط ثمن ہو تو ۸ سے اور فقط ثلث ہو تو ۳ سے مسئلہ ہوگا۔ مصنف نے ثلثان کو اس لئے ترک کردیا کہ وہ ثلث کے حکم میں ہے اس لئے کہ ثلث کے مکرر کرنے سے ثلثان بن جاتا ہے۔ اور سدس کو اس لئے چھوڑ دیا کہ اسکا حال ظاہر ہے بس جس مسئلہ میں نصف پایا جائے گا وہ دو سے ہوگا۔ مثلاً ایک بیٹی اور حقیقی بھائی وارث چھوڑے اگر ربع پایا جائے تو چار سے ہوگا۔ مثلاً عورت شوہر اور بیٹا چھوڑے اور ثمن پایا جائے گا تو آٹھ سے ہوگا مثلاً مرد زوجہ اور بیٹا چھوڑے اور اگر صرف ثلث پایا جائے تو مسئلہ ۳ سے ہوگا مثلاً کوئی شخص دو بیٹیاں اور ایک چچا چھوڑے اور اگر صرف سدس پایا جائے تو مسئلہ ۶ سے ہوگا مثلاً کسی شخص نے ماں باپ اور بیٹا وارث چھوڑے۔ ۱۲

وَإِذَا جَاءَ مَثْنىٰ أَوْ ثُلٰثَ وَهُمَا مِنْ نَوْعٍ وَاحِدٍ فَكُلُّ عَدَدٍ
من النوعين المذكورين ۱۲ — فی المسائل من هذه الفروض ۱۲

يَكُونُ مَخْرَجًا لِجُزْءٍ فَذٰلِكَ الْعَدَدُ أَيْضًا يَكُونُ مَخْرَجًا لِضِعْفِ
ای الفرض ۱۲

ذٰلِكَ الْجُزْءِ وَلِضِعْفِ ضِعْفِهِ كَالسِّتَّةِ هِيَ مَخْرَجُ السُّدُسِ وَ

لِضِعْفِهِ وَلِضِعْفِ ضِعْفِهِ وَإِذَا اخْتَلَطَ النِّصْفُ مِنَ الْأَوَّلِ بِكُلِّ
الذی هو الثلث ۱۲ الثانی هو الثلثان ۱۲

الثَّانِي أَوْ بِبَعْضِهِ فَهُوَ مِنْ سِتَّةٍ وَإِذَا اخْتَلَطَ الرُّبُعُ بِكُلِّ
شروع فی بیان اذا اختلطت فروض احد النوعین بالآخر ۱۲

الثَّانِي أَوْ بِبَعْضِهِ فَهُوَ مِنِ اثْنَىْ عَشَرَ وَإِذَا اخْتَلَطَ الثُّمُنُ
المذکور فی النوع ۱۲

بِكُلِّ الثَّانِي أَوْ بِبَعْضِهِ فَهُوَ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ
الاول من الفروض ۱۲

بَابُ الْعَوْلِ

اَلْعَوْلُ أَنْ يُزَادَ عَلَى الْمَخْرَجِ مِنْ أَجْزَائِهِ إِذَا ضَاقَ عَنْ
کسدس او ثلثه ۱۲

فَرْضٍ اِعْلَمْ أَنَّ مَجْمُوعَ الْمَخَارِجِ سَبْعَةٌ
من الفروض الخارجة ۱۲

ترجمہ :- اور جب (کسی مسئلہ میں فروض مذکورہ سے) دو دو تین تین (فرض) آئیں اور وہ دونوں ایک ہی قسم سے ہوں تو جو عدد کہ کسی جزء کا مخرج ہے سو وہی عدد اس سے دگنے اور تگنے جزء (فرض) کا مخرج ہے جیسے ستہ (چھ) سدس کا مخرج ہے اور (یہی) اس (سدس) کے دو چند (یعنی ثلث) اور اس کے دوچند کے دوچند (یعنی ثلثان) کا بھی مخرج ہے۔ اور جب فرض کی نوع اول کا نصف کل نوع ثانی یا اسکے بعض کے ساتھ مختلط ہو تو وہ مخرج چھ ہوگا۔ اور جب (قسم اول کا) ربع قسم ثانی کی تمام یا اس کے بعض کے ساتھ مجتمع ہو تو اس صورت میں وہ مسئلہ بارہ سے ہوگا اور جب (نوع اول کا) ثمن قسم ثانی کی تمام یا

اس کے بعض کے ساتھ مجتمع ہو تو وہ (مسئلہ) چوبیس سے ہوگا۔

(یہ) باب عول (کے بیان) میں ہے

ترجمہ:۔ عول کی تعریف یہ ہے کہ مخرج (مفروضہ) پر کچھ اس کے اجزاء میں سے زیادہ کیا جائے جبکہ وہ ادائے فرض سے مخرج تنگ ہو جائے۔ جان لو کہ جملہ مخارج سات ہیں

ف۱ قولہ واذا اجاء الخ یعنی اگر ان فروض میں سے دو دو یا تین تین آئیں تو دو حال سے خالی نہ ہونگے یا تو یہ سب ایک نوع کے ہونگے یا دو نوع کے۔ اگر ایک نوع کے ہوں تو جو عدد ان میں سے چھوٹے جزء کا مخرج ہے وہی عدد اس کے دوچند حصے اور اس کے دوچند کے دوچند حصے کا مخرج ہے۔ مثلاً ثمن سب سے چھوٹا حصہ ہے اس کا مخرج آٹھ ہے تو یہی آٹھ ربع اور نصف کا بھی مخرج ہوگا۔ اسی طرح چھوٹے حصہ سدس کا مخرج چھ ہے تو یہی چھ ثلث اور دو ثلث کا بھی مخرج ہوگا اور اگر دو نوع کے ہوں تو نوع اول کو اصل قرار دے کر مخرج نکالا جائے گا کہ پہلی نوع کا نصف دوسری نوع کے کل (سدس یا ثلث یا ثلثان) کے ساتھ یا بعض (سدس یا ثلث یا ثلثان) کے ساتھ ملے تو مخرج چھ ہوگا۔ اور اگر پہلی نوع کا ربع دوسری نوع کے کل یا بعض کے ساتھ ملے تو مخرج بارہ ہوگا اور اگر پہلی نوع کا ثمن دوسری نوع کے کل یا بعض کے ساتھ ملے تو مخرج چوبیس ہوگا۔ ۱۲

ف۲ قولہ یکون الخ حاصل کلام یہ ہے کہ اقل فرض کا جو مخرج ہے وہی اکثر فرض کا مخرج ہے بشرطیکہ فروض مجتمعہ ایک نوع کے ہوں مثلاً ستہ سدس کا مخرج ہے سو یہی ثلث اور ثلثان کا بھی مخرج ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اکثر کا مخرج اقل کے مخرج میں موجود ہے۔ لہٰذا اقل کا مخرج اکثر کے مخرج سے مستغنی ہے مثلاً ثلث اور ثلثان کا مخرج تین ہے اور یہ سدس کے مخرج چھ میں موجود ہے اسی طرح ربع اور نصف کا مخرج ثمن کے مخرج میں داخل ہے۔ ۱۲

ف۳ قولہ لضعف۔ ایک نوع کے دو حصوں یا تین حصوں کے مسائل میں جمع ہونے کی چند صورتیں ہیں: (۱) مسئلہ میں سدس اور ثلث جمع ہونے کی صورت مثلاً ایک شخص نے ماں اور دو اخیافی بہنیں اور ایک بھائی چھوڑا ہے مسئلہ چھ سے ہوکر ایک ماں کو کہ سدس ہے اور دو اخیافی بہنوں کو کہ ثلث ہے ملے گا اور باقی بطور عصوبت کے حقیقی بھائی کو مل جائے گا (۲) سدس اور ثلثان جمع ہونے کی صورتیں مثلاً میت نے ماں دو حقیقی بہنیں اور چچا وارث چھوڑے مسئلہ چھ سے ہوکر سدس (ایک) ماں کو ثلثان (چار) دو حقیقی بہنوں کو اور باقی ایک چچا کو مل جائے گا (۳) ثلث و ثلثان جمع ہونے کی صورت میں مثلاً میت ... اخیافی بہنیں اور دو حقیقی بہنیں چھوڑیں مسئلہ تین سے ہوکر ثلث (ایک) دو

اخیافی بہنوں کو اور دو ثلث (چار) دو حقیقی بہنوں کو ملے گا (۴) سدس اور ثلث و ثلثان جمع ہونے کی صورت میں مثلاً میت نے ماں اور دو حقیقی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں وارث چھوڑے مسئلہ ۶ سے ہو کر سدس (ایک) ماں کو اور ثلثان (چار) حقیقی بہنوں کو اور ثلث (دو) اخیافی بہنوں کو مل کر سات کی طرف عول ہو جائیگا (۵) ثمن اور نصف جمع ہونے کی صورت میں مثلاً میت نے زوجہ، بیٹی، چچا وارث چھوڑے مسئلہ ۸ سے ہو کر ثمن (ایک) زوجہ کو اور نصف (چار) بیٹی کو اور باقی (تین) چچا کو مل جائیں گے (۶) ربع اور نصف جمع ہونے کی صورت میں مثلاً میت نے شوہر، ایک بیٹی، چچا وارث چھوڑے مسئلہ ۴ سے ہو کر ربع (ایک) شوہر کو اور نصف (دو) بیٹی کو اور باقی (ایک) چچا کو مل جائے گا۔ ۱۲

۵۴ قولہ واذا اختلط النصف الخ یعنی جب نوع اول کا نصف نوع ثانی کے تینوں فرضوں ثلثان ثلث اور سدس یا ان تینوں میں سے بعض کے ساتھ مجتمع ہو تو مسئلہ ۶ سے ہو گا۔ نصف کے دوسری نوع کے تمام فرضوں کے ساتھ مجتمع ہو جانے کی مثال یہ ہے کہ ایک عورت نے ماں، شوہر دو حقیقی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑیں۔ شوہر کو نصف اور دو حقیقی بہنوں کو دو ثلث اور دو اخیافی بہنوں کو ثلث ملے گا۔ اور ماں کو سدس پہنچے گا۔ اگرچہ اصل مسئلہ ۶ سے ہے۔ لیکن اس کا عول دس تک ہو گا کہ شوہر کو تین اور ماں کو ایک اور دو حقیقی بہنوں کو چار اور دو اخیافی بہنوں کو دو سہام پہنچیں گے اور نصف کے نوع ثانی کے بعض فرضوں کے ساتھ مجتمع ہونے کی چھ صورتیں ہیں (۱) نصف و ثلث مجتمع ہوں۔ مثلاً میت شوہر اور دو اخیافی بہنیں اور بھتیجا چھوڑے۔ مسئلہ ۶ سے ہو کر تین شوہر کو اور دو اخیافی بہنوں کو اور باقی ایک بطور عصوبت کے بھتیجے کو ملے گا (۲) نصف اور دو ثلث مجتمع ہوں مثلاً میت شوہر اور دو حقیقی بہنیں چھوڑے تین شوہر کو اور چار دو حقیقی بہنوں کو ملیں گے اصل مسئلہ چھ ۶ سے ہو کر سات کی طرف عول ہو گا (۳) نصف اور سدس مجتمع ہوں مثلاً میت ماں، بیٹی اور چچا چھوڑے مسئلہ چھ ۶ سے ہو کر ایک ماں کو تین بیٹی کو اور دو چچا کو بطور عصوبت کے پہنچیں گے (۴) نصف ثلث اور ثلثان کے ساتھ مجتمع ہو۔ مثلاً میت شوہر، دو حقیقی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑے۔ تین شوہر کو اور چار حقیقی بہنوں کو اور دو اخیافی بہنوں کو ملیں گے اصل مسئلہ چھ ۶ سے ہو کر نو کی طرف عول ہو گا (۵) نصف ثلثان اور ثلث کے ساتھ مجتمع ہو مثلاً میت شوہر، ماں اور دو حقیقی بہنیں چھوڑے تین شوہر کو ایک ماں کو اور چار دو حقیقی بہنوں کو ملیں گے۔ اصل مسئلہ چھ ۶ سے ہو کر آٹھ کی طرف عول ہو گا (۶) نصف ثلث اور سدس کے ساتھ مجتمع ہو۔ مثلاً میت شوہر، دو اخیافی بہنیں اور ماں چھوڑے، تین شوہر کو دو سہام دو اخیافی بہنوں کو اور ایک ماں کو ملے گا۔ مسئلہ چھ ۶ سے ہو گا۔ ۱۲

۵۵ قولہ فھو الخ۔ نصف کے نوع ثانی کے ساتھ مجتمع ہونے پر چھ ۶ سے مسئلہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ دو کا عدد نصف کا مخرج ہے۔ اور تین جو ثلث اور ثلثان کا مخرج ہے دونوں چھ میں داخل ہیں۔ پس متداخل کو ساقط کر کے متداخل فیہ یعنی چھ ۶ کو لیں گے اس لئے چھ نصف کے لئے مخرج ہو جائے گا جبکہ وہ

نوع ثانی کے فروض کے ساتھ مجتمع ہو۔ نصف اور سدس کے مخرجوں میں توافق بالنصف ہے جب ایک کے وفق کو دوسرے کے تمام میں ضرب دیں گے تو چھ حاصل ہونگے اور نصف اور ثلث وثلثان کے مخرجوں میں موافقت نہیں بلکہ مباینت ہے۔ اسلئے کہ نصف کا مخرج دو اور ثلث یا ثلثان کا تین ہے پس ان دونوں کو آپس میں ضرب دینگے تو بھی چھ حاصل ہونگے جو نصف، ثلث اور ثلثان تینوں کا مخرج ہے۔ ۱۲

۵۶ قولہ واذا اختلط الخ۔ یعنی جب ربع تمام نوع ثانی یا اس کے بعض کے ساتھ مختلط ہو تو مسئلہ بارہ سے ہوگا۔ ربع کے تمام نوع ثانی یعنی ثلثان، ثلث اور سدس کے ساتھ مجتمع ہونے کی مثال یہ ہے کہ میت نے بیوی، ماں اور دو حقیقی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑیں تین بیوی کو دو ماں کو، آٹھ دو حقیقی بہنوں کو اور چار دو اخیافی بہنوں کو ملیں گے۔ اصل مسئلہ بارہ سے ہو کر سترہ کی طرف عول ہوگا اور اور ربع کے بعض نوع ثانی کے ساتھ مجتمع ہونے کی چھ صورتیں ہیں (۱) ربع صرف دو ثلث کے ساتھ مجتمع ہو مثلاً میت شوہر اور دو بیٹیاں اور چچا چھوڑے مسئلہ بارہ سے ہو کر تین شوہر کو، آٹھ دو بیٹیوں کو اور ایک چچا کو ملے گا (۲) ربع صرف ثلث کے ساتھ مجتمع ہو۔ مثلاً میت بیوی، ماں اور بھتیجا چھوڑے مسئلہ بارہ سے ہو کر تین بیوی کو، چار ماں کو اور باقی پانچ بھتیجے کو ملیں گے (۳) ربع صرف سدس کیساتھ ملے مثلاً میت زوجہ ایک اخیافی بھائی اور چچا چھوڑے مسئلہ بارہ سے ہو کر تین زوجہ کو ایک اخیافی بھائی کو اور آٹھ چچا کو پہنچیں گے (۴) ربع ثلثان اور سدس کے ساتھ مجتمع ہو۔ مثلاً میت زوجہ، ماں اور دو حقیقی بہنیں چھوڑے تو تین زوجہ کو دو ماں کو اور آٹھ دو حقیقی بہنوں کو ملیں گے اصل مسئلہ بارہ سے ہو کر تیرہ کی طرف عول ہوگا (۵) ربع ثلثان اور ثلث کے ساتھ جمع ہو۔ مثلاً میت زوجہ اور دو حقیقی اور دو اخیافی بہنیں چھوڑے۔ تین زوجہ کو، آٹھ دو حقیقی بہنوں کو اور چار دو اخیافی بہنوں کو ملیں گے اصل مسئلہ بارہ سے ہو کر پندرہ کی طرف عول ہوگا (۶) ربع ثلث اور سدس کے ساتھ جمع ہو۔ مثلاً میت زوجہ، ماں، دو اخیافی بہنیں اور چچا چھوڑے تو مسئلہ بارہ سے ہو کر تین زوجہ کو دو ماں کو اور چار اخیافی بہنوں کو اور باقی تین چچا کو بطور عصوبت ملیں گے۔ ۱۲

۵۷ قولہ فهو من اثنی عشر الخ ربع کے نوع ثانی کے ساتھ جمع ہونے پر بارہ سے مسئلہ ہونیکا سبب یہ ہے کہ مخرج ربع کا چار ہے اور سدس کا مخرج جو نوع ثانی کا چھوٹا جزء ہے چھ ہے اور ثلث وثلثان کا مخرج اس میں داخل ہے اور چھ اور چار میں توافق بالنصف ہے جب ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب دیا تو بارہ حاصل ہوئے ۱۲

۵۸ قولہ اربعة وعشرين۔ یعنی ثمن دوسری نوع کے تمام یا بعض کے ساتھ جمع ہو تو مسئلہ چوبیس

سے ہوگا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ مخرج سدس کا جو دوسری نوع کا چھوٹا جز ہے چھ ہے اور اس میں ثلث اور ثلثان کا مخرج کہ تین ہے داخل ہے اور ثمن کا مخرج آٹھ ہے۔ آٹھ اور چھ میں توافق بالنصف ہے، ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب دیا تو چوبیس حاصل ہوئے۔ واضح رہے کہ ثمن کا اختلاط کل نوع ثانی یعنی ثلثان، ثلث اور سدس کے ساتھ حنفیہؒ کے نزدیک متصور نہیں ہوتا البتہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ ان کی تحقیق کی بنا پر محروم شخص دوسرے کا حاجب حجب نقصان سے بن جاتا ہے مثلاً میت نے کافر یا غلام یا قاتل اپنا بیٹا چھوڑا اور اپنی بیوی ماں دو حقیقی اور دو اخیافی بہنیں چھوڑیں تو اس صورت میں محروم بیٹا زوجہ کا حاجب ہو کر اسکا چوتھائی حصہ سے آٹھواں کر دیگا ان کے نزدیک ثمن کا اختلاط تمام نوع ثانی کے ساتھ درست ہے چنانچہ اصل مسئلہ چوبیس ۲۴ سے ہو کر اسکا عول ۳۱ تک ہوگا لیکن حنفیہؒ کے نزدیک محروم معدوم کے حکم میں ہے اسلئے وہ کسی طرح دوسرے کا حاجب نہیں ہو سکتا پس ان کے نزدیک ثمن کا اختلاط دوسری نوع کے کل کے ساتھ متصور نہیں ہے ثمن کا اختلاط دوسری نوع کے بعض فروض کے ساتھ تین طور پر ہے (۱) ثمن کا ثلثان اور سدس کے ساتھ اختلاط مثلاً میت نے زوجہ، ماں دو بیٹیاں اور بھائی چھوڑے مسئلہ چوبیس ۲۴ سے ہو کر تین زوجہ کو اور چار ماں کو اور سولہ دو بیٹیوں کو اور ایک بھائی کو ملیں گے (۲) ثمن کا اختلاط ثلثان کے ساتھ مثلاً میت زوجہ دو بیٹیاں اور چچا چھوڑے مسئلہ ۲۴ سے ہو کر تین زوجہ کو ۱۶ بیٹیوں کو اور باقی پانچ چچا کو ملیں گے (۳) ثمن کا اختلاط سدس کے ساتھ مثلاً میت نے زوجہ، نانی، باپ اور بیٹا وارث چھوڑے مسئلہ ۲۴ سے ہو کر تین زوجہ کو چار ماں کو چار باپ کو اور تیرہ بیٹے کو ملیں گے ۱۲

۵۹ قولہ العول۔ عول بفتح اول وسکون واو کے لغوی معنی جور و غلبہ و رفع اور زیادت کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان معانی میں پہلے معنی اصطلاحی معنی سے مناسبت رکھتے ہیں اس لئے کہ اہل فرائض پر جور و ظلم ہوا کہ انکے حصوں میں عول سے کمی آگئی بعض کہتے ہیں دوسرے معنی اصطلاحی معنی کے زیادہ مناسب ہیں کہ اہل فرائض پر ضرر کا غلبہ ہوا ہے لیکن حق تحقیق یہ ہے کہ معنی اخیر معنی اصطلاحی سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں اسلئے کہ جب مسئلہ فروض مجتمعہ سے تنگ ہو گیا تو ترکہ کو اصل عدد کی طرف مرتفع اور اسکے مخرج سے زیادہ کر دیا تاکہ تمام وارثوں کے فرائض میں نقصان داخل ہو جائے۔ اس عول در د میں عجیب لطافت یہ ہے کہ حکمتِ بالغہ نے یہ احکام ایسے طور پر مقرر فرمائے کہ ہر قوم خواہ حساب جانتی ہو یا نہ جانتی ہو نہایت آسان طریقہ سے ان حقوق کو نکال سکتی ہے اور حقوق اپنی مناسبت کیساتھ محفوظ ہیں چنانچہ بارہ کی جگہ جب سترہ حصہ ہونے تو نصف والے کو جو نسبت چوتھائی والے سے تھی وہ سترہ حصے میں بھی ویسی ہی باقی ہے اور حکمت الٰہی میں اسی نسبت سے مواسات مقصود ہے پس یہ حکمت عجیبہ ہے۔

واضح رہے کہ فرائض کی تین صورتیں ہیں (۱) فریضہ عادلہ (۲) فریضہ قاصرہ (۳) فریضہ عائلہ۔

فریضہ عادلہ یہ ہے کہ ترکہ کے جسقدر سہام اصل مسئلہ میں فرض کئے گئے ہیں اسی قدر اہل فرائض کے حقوق کا مجموعہ ہو یعنی کم و زیادہ نہ ہو مثال یہ ہے کہ میت نے دو حقیقی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑے تو حقیقی بہنیں دو تہائی کی اور اخیافی بہنیں ایک تہائی کی مستحق ہیں تو کل مال کی صرف تین ہی تہائی ہوتی ہیں وہ ان میں برابر پوری اُتریں اور اسی طرح ترکہ کے سہام فرائض بہ نسبت مال کے کم ہیں لیکن باقی کا لینے والا کوئی عصبہ ہے تو بھی تقسیم پوری اُتر گئی کہ نہ کمی ہوگی نہ زیادتی۔

فریضہ قاصرہ کی صورت یہ ہے کہ میت کے وارث کل مال کے حصص سے کم کے مستحق ہیں یعنی اصحاب فرائض کو دے کر مال بچ جاتا ہے اس طرح کہ باقی کا لینے والا کوئی عصبہ نہیں ہے کیونکہ اصحاب فرائض کا حق تو محدود ہوتا ہے اور عصبہ کا کوئی حصہ مفروض نہیں بلکہ اصحاب فرائض کو دیکر جو کچھ بچے سب اسی کے واسطے ہے اور کبھی ایسی صورت ہوتی ہے کہ اصحاب فرائض کے بعد کچھ باقی نہیں رہتا کہ عصبہ پائے مثلاً میت کی دو سگی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں اور چچا ہے تو سگی بہنوں نے جب کل کا دو تہائی اور اخیافی بہنوں نے ایک تہائی لے لیا تو چچا کے لئے کچھ نہیں بچا اور کبھی عصبہ کو بہت مل جاتا ہے جبکہ ذی فرض فقط قلیل کا مستحق ہو تو باقی سب عصبہ کے واسطے ہے اور اگر عصبہ نہ ہو تو بچا ہوا مال بھی ذوی الفروض پر رد کیا جاتا ہے اور اسکی مثال یہ ہے کہ میت نے ماں اور دو سگی بہنیں چھوڑیں تو ماں کو چھٹا حصہ اور بہنوں کو دو تہائی ہے اور باقی چھٹا حصہ رہ گیا تو وہ بھی ان وارثوں پر رد کیا جائے گا۔

فریضہ عائلہ یہ ہے کہ اصحاب فرائض اسقدر موجود ہیں کہ اُن کے سہام کا مجموعہ بہ نسبت مال کے بڑھ جاتا ہے مثلاً میت کا شوہر اور دو سگی بہنیں موجود ہیں تو میت کا شوہر نصف کا اور اسکی دو سگی بہنیں دو تہائی کی مستحق ہیں حالانکہ نصف کے بعد دو تہائی باقی نہیں رہتے ہیں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی ذی فرض کو مستحق نہ کیا جائے بلکہ ہر ایک قطعاً مستحق ہوتا ہے اور کسی کو ترجیح نہیں ہو سکتی ہے تو اسکا حکم اکثر صحابہ کرام کے نزدیک عول ہے اور یہی فقہائے اُمت کا مذہب ہے عول کی علامت یہ ہے عـــ

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے عول کا حکم فرمایا ہے جبکہ ان کے زمانے میں ایک صورت واقع ہوئی جس کا مخرج اس کے ادائے فرض سے تنگ تھا تو آپ نے اصحاب کبار سے مشورہ کیا۔ حضرت عباس بن مطلب نے عول کی طرف اشارہ کیا اس پر سب صحابہ نے اتفاق کر لیا اور کسی نے انکار نہ کیا مگر حضرت عباسؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ نے حضرت عمر فاروق کے مرنے کے بعد عول میں اختلاف کیا حالانکہ اول رائے ان کی باپ کے موافق تھی پس یہ تنبیہ ہے کہ علم شریعت میں ہر شخص پر اللہ تعالےٰ کے واسطے اتباع شریعت فرض ہے تاکہ حسن نیت پر ثواب جلیل کا مستحق ہو۔ ۱۲

ﻉ۵ قولہ سبعۃ۔ یعنی مخارج سات ہیں اس لئے کل فروض چھ ہیں اور ان کے مخارج انفرادی حالت

اَرْبَعَۃٌ مِّنْہَا لَا تَعُوْلُ وَھِیَ الْاِثْنَانِ وَ الثَّلٰثَۃُ وَالْاَرْبَعَۃُ وَ

اصلا ۱۲

الثَّمَانِیَۃُ وَ ثَلٰثَۃٌ مِّنْہَا قَدْ تَعُوْلُ اَمَّا السِّتَّۃُ فَاِنَّہَا تَعُوْلُ

اِلٰی عَشَرَۃٍ وِتْرًا وَ شَفْعًا وَ اَمَّا اِثْنَا عَشَرَ فَھِیَ تَعُوْلُ اِلٰی

بزیادۃ سدسہا او ثلثہا او نصفہا او نصفہا و سدسہا ۱۲

سَبْعَۃَ عَشَرَ وِتْرًا لَا شَفْعًا اَمَّا اَرْبَعَۃٌ وَّعِشْرُوْنَ فَاِنَّہَا تَعُوْلُ

اِلٰی سَبْعَۃٍ وَّعِشْرِیْنَ عَوْلًا وَاحِدًا کَمَا فِی الْمَسْئَلَۃِ الْمِنْبَرِیَّۃِ

وَھِیَ اِمْرَأَۃٌ وَّ بِنْتَانِ وَ اَبَوَانِ وَلَا یُزَادُ عَلٰی ھٰذَا اِلَّا عِنْدَ

اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَاِنَّ عِنْدَہٗ تَعُوْلُ اِلٰی اَحَدٍ وَّثَلٰثِیْنَ

[illegible] بزیادۃ سدسہا و ثمنہا علیہا ۱۲

ترجمہ:۔ ان میں سے چار میں عول نہیں ہوتا۔ اور وہ دو، تین، چار اور آٹھ ہیں اور ان میں سے تین میں کبھی عول ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا ان تین میں سے ایک) چھ (ہے) پس اسمیں دس تک عول آتا ہے طاق بھی اور جفت بھی اور (دوسرا) بارہ (ہے) پس اسمیں سترہ تک ہوتا ہے طاق ہی آتا ہے) نہ جفت (تیسرا) چوبیس ہے۔ پس اس میں صرف ایک عول ستائیس تک ہوتا ہے جیسا کہ مسئلہ منبریہ میں ہے اور وہ (مسئلہ منبریہ) یہ ہے (کسی نے اپنی) بیوی اور دو بیٹیاں اور ماں باپ (وارث چھوڑے) اور چوبیس کا عول اس سے زیادہ کی طرف نہ ہوگا مگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

میں پانچ ہیں ۲، ۳، ۴، ۶، ۸ اس لئے نصف کا مخرج ۲ ثلثان اور ثلث کا مخرج ۳ ربع کا ۴، سدس کا ۶ ثمن کا ۸ ہے۔ جب دو دو تین تین جمع ہو جاتے ہیں اور سب ایک نوع کے ہوں تو ان پانچوں کے علاوہ کوئی جدید مخرج پیدا نہیں ہوتا اور جب نصف دوسری نوع کے ساتھ جمع ہو تو مخرج چھ ہوتا ہے جو ان پانچوں سے باہر نہیں اور جب ربع یا ثمن دوسری قسم کے ساتھ مجتمع ہوں تو نئے مخرج ۱۲ اور ۲۴ پیدا ہوتے ہیں تو سب مخارج سات ہوئے اس سے زائد نہیں ہوتے ۱۲

اس لئے ان کے نزدیک اکتیس تک عول ہو سکتا ہے۔

ف۱ قولہ اربعۃ الخ یعنی سات مخرجوں میں سے چار مخرج ایسے ہیں جن میں بالکل عول نہیں ہوتا وہ دو تین چار آٹھ ہیں۔ یہ حصر استقرائی ہے یعنی جزئیات کی تتبع اور تلاش کے بعد معلوم ہوا ہے ان چار میں عول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مخارج ایسے ہیں کہ ان سے سہام ٹھیک ٹھیک تقسیم ہو جاتے ہیں۔ یا ترکہ بچ رہتا ہے یعنی جس قدر فروض ان سے متعلق ہوتے ہیں بعض صورتوں میں یہ مخرج ان تمام کے ادا کرنے کو کافی ہوتے ہیں اور بعض صورتوں میں ادا کر دینے کے بعد کچھ باقی رہ جاتا ہے لہذا ان میں عول کی ضرورت نہیں پڑتی۔ تفصیل یہ ہے کہ دو سے مسئلہ وہاں ہوا کرتا ہے کہ دو نصف فرضیت کے طور پر جمع ہو۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ میت نے شوہر اور حقیقی بہن چھوڑی مسئلہ دو سے ہو کر نصف شوہر کو اور نصف بہن حقیقی کو دیا جائیگا۔ دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ میت شوہر اور بھائی چھوڑے کہ دو سے مسئلہ ہو کر نصف شوہر کو اور باقی نصف بھائی کو بطور عصوبت کے دیا جائے گا۔ ان صورتوں میں مخرج فرضوں کے ادا کرنے کو کافی ہے۔ فرضوں کے ادا کرنے کے بعد کچھ باقی نہیں رہتا اور تین سے مسئلہ اس جگہ ہوتا ہے جہاں ثلث بطور فرضیت اور باقی عصوبت کے طور پر یا دو ثلث بطور فرضیت اور باقی بطور عصوبت یا ثلث اور ثلثان بطور فرضیت جمع ہوں پہلی صورت کی مثال میت ماں اور حقیقی بھائی چھوڑے تین سے مسئلہ ہو کر ایک ماں کو اور باقی دو بطور عصوبت بھائی کو ملیں گے۔ دوسرے کی مثال میت دو بیٹیاں اور حقیقی بھائی چھوڑے تین سے مسئلہ ہو کر دو سہام دو بیٹیوں کو اور باقی ایک عصوبت کے طور پر بھائی کو ملے گا۔ تیسرے کی مثال:۔ میت نے دو اخیافی بہنیں اور دو حقیقی بہنیں چھوڑیں تین سے مسئلہ ہو کر دو ثلث حقیقی بہنوں کو اور ایک ثلث دو اخیافی بہنوں کو ملے گا۔ اس صورت میں بھی مخرج فرضوں کے ادا کرنے کو کافی ہے ان کے ادا کرنے کے بعد باقی کچھ نہیں بچتا۔ چار سے مسئلہ وہاں ہوتا ہے جہاں ربع بطور فرضیت کے اور باقی بطور عصوبت کے یا ربع و نصف بطور فرضیت کے اور باقی بطور عصوبت کے یا ربع و ثلث بطور فرضیت کے اور باقی بطور عصوبت کے جمع ہو۔ پہلے کی مثال میت شوہر اور بیٹا چھوڑے دوسرے کی مثال میت شوہر، بیٹی اور حقیقی بھائی چھوڑے۔ تیسرے کی مثال۔ میت زوجہ ماں اور باپ چھوڑے اور آٹھ سے مسئلہ وہاں ہوگا جہاں ثمن بطور فرضیت کے اور باقی بطور عصوبت کے یا ثمن اور نصف بطور فرضیت کے اور باقی بطور عصوبت کے جمع ہو۔ پہلے کی مثال میت زوجہ اور بیٹا چھوڑے۔ دوسرے کی مثال زوجہ بیٹی اور حقیقی بھائی چھوڑے۔ اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ ان مسائل میں مطلقاً عول نہیں ہے۔ ۱۲

ف۲ قولہ قد تعول۔ مصنف رح نے لفظ قد سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ مخارج ثلاثہ میں عول لازم نہیں۔ کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ ۱۲

ف۳ قولہ اما الستۃ۔ یعنی ان تین میں سے ایک چھ ہے جس میں چار عول واقع ہوتے ہیں۔ دستر

تک طاق بھی اور جفت بھی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کبھی چھ کے عول میں اسکا چھٹا حصہ بڑھتا ہے تو سات ہو جاتے ہیں۔ کبھی اسکا تہائی بڑھ کر آٹھ ہو جاتے ہیں۔ کبھی نصف بڑھ کر نو ہو جاتے ہیں کبھی نصف اور چھٹا بڑھ کر دس ہو جاتے ہیں۔ چھ کے سات کی طرف عول ہونے کی مثال یہ ہے کہ میت نے حقیقی بہن، علاتی بہن، جدہ صحیحہ اور دو اخیافی بہن چھوڑیں۔ اصل مسئلہ ۶ سے ہو کر ۳ حقیقی بہن کو ایک علاتی بہن کو بطور تکملہ دو ثلث کے ایک جدہ صحیحہ کو اور دو اخیافی بہنوں کو مل کر سات کی طرف عول ہو جائیگا۔ اور آٹھ کی طرف عول ہونے کی مثال شوہر دو حقیقی بہنیں اور ماں میت نے چھوڑی اصل مسئلہ چھ سے ہو کر تین شوہر کو چار دو حقیقی بہنوں کو اور ایک ماں کو مل کر آٹھ کی طرف عول ہو جائے گا۔ خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں پہلا عول یہی پیش آیا تھا۔ نو کی طرف عول ہونے کی مثال میت نے شوہر ماں حقیقی بہن علاتی بہن اخیافی بہن۔ وارث چھوڑے اصل مسئلہ ۶ سے ہو کر تین شوہر کو ایک ماں کو تین حقیقی بہن کو ایک علاتی بہن کو ایک اخیافی بہن کو مل کر نو کی طرف عول ہو جائے گا۔ دس کی طرف عول ہونے کی مثال شوہر دو حقیقی بہنیں، ماں اور دو اخیافی بھائی میت نے چھوڑے اصل مسئلہ چھ سے ہو کر ۳ شوہر کو: ۴ دو حقیقی بہنوں کو ایک ماں کو دو اخیافی بہنوں کو مل کر دس کی طرف عول ہو جائیگا۔ ۱۲

ﮞ۵۴ قولہٗ واما اثنی عشر الخ یعنی بارہ کا عول سترہ تک آتا ہے۔ جفت نہیں آتا طاق ہی آتا ہے (۱۳، ۱۵، ۱۷) آتا ہے (۱۴، ۱۶) نہیں آتا۔ اسمیں عول اس طرح ہوتے ہیں۔ کبھی بارہ پر اسکے چھٹے حصے کا نصف بڑھایا جاتا ہے۔ ۱۳ ہو جاتے ہیں۔ کبھی بارہ کے چوتھائی حصہ کو اس پر بڑھاتے ہیں ۱۵ ہو جاتے ہیں کبھی اس کے چوتھائی اور چھٹے حصہ کے نصف کو بڑھانے سے ۱۷ ہو جاتے ہیں۔ پہلی مثال میت نے زوجہ، جدہ اور دو حقیقی بہنیں چھوڑیں۔ اصل مسئلہ ۱۲ سے ہو کر ۳ زوجہ کو ۲ جدہ کو اور آٹھ دو حقیقی بہنوں کو ملکر ۱۳ کیطرف عول ہو جائیگا۔ دوسری مثال میت نے بیوی دو اخیافی بھائی دو سگی بہنیں چھوڑیں ۱۲ مسئلہ سے ہو کر ۳ زوجہ کو ۴ دو اخیافی بھائیوں کو اور ۸ دو سگی بہنوں کو ملکر ۱۵ کیطرف عول ہو جائیگا۔ تیسری مثال میت نے بیوی، ماں، دو۲ اخیافی بہنیں اور دو۲ حقیقی بہنیں، چھوڑیں مسئلہ ۱۲ سے ہو کر ۳ زوجہ کو ۲ ماں کو ۴ دو۲ اخیافی بہنوں کو اور ۸ دو حقیقی بہنوں کو ملکر ۱۷ کیطرف عول ہو جائیگا۔ ﮞ۵۵ قولہٗ المسئلۃ المنبریہ۔ اس مسئلہ کو منبریہ اسلئے کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد کوفہ میں ایک روز خطبہ پڑھ رہے تھے ایک شخص نے یہ مسئلہ آپ سے دریافت کیا تو آپ نے برجستہ اسی وقت سائل کو جواب عنایت فرمایا تب سائل نے ازراہ تعنت یہ کہا کہ زوجہ کو ثمن چاہیئے اس صورت میں ثمن کہاں گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا صَارَ ثُمُنُہَا تِسْعًا یعنی اسکا آٹھواں حصہ نواں ہو گیا اور خطبہ پڑھنے میں مشغول رہے لوگ آپ کی فطانت اور ذکاوت پر متعجب ہوئے۔

ﮞ۵۶ قولہٗ ولا یزاد الخ یعنی چوبیس کا ستائیس سے زیادہ کی طرف عول نہ ہوگا۔ البتہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک اکتیس ۳۱ تک ہوتا ہے اس لئے کہ محروم ان کے نزدیک دوسرے کو حجب

فَصْلٌ فِي مَعْرِفَةِ التَّمَاثُلِ وَالتَّدَاخُلِ وَالتَّوَافُقِ وَالتَّبَايُنِ بَيْنَ الْعَدَدَيْنِ

تَمَاثُلُ الْعَدَدَيْنِ كَوْنُ أَحَدِهِمَا مُسَاوِيًا لِلْآخَرِ وَتَدَاخُلُ الْعَدَدَيْنِ

كاربعة واربعة ١٢

الْمُخْتَلِفَيْنِ أَنْ يَعُدَّ أَقَلُّهُمَا الْأَكْثَرَ أَيْ يُفْنِيَهُ أَوْ نَقُولُ هُوَ

قلة وكثرة ١٢ — تفسير لقوله يعد ١٢

أَنْ يَكُونَ أَكْثَرُ الْعَدَدَيْنِ مُنْقَسِمًا عَلَى الْأَقَلِّ قِسْمَةً صَحِيحَةً

أَوْ نَقُولُ هُوَ أَنْ يَزِيدَ عَلَى الْأَقَلِّ مِثْلُهُ أَوْ أَمْثَالُهُ فَيُسَاوِيَ

من زاد اللازم فانه يستعمل لازما ومتعديا الى مفعول او مفعولين ١٢

الْأَكْثَرَ أَوْ نَقُولُ هُوَ أَنْ يَكُونَ الْأَقَلُّ جُزْءًا لِلْأَكْثَرِ مِثْلُ

مثال ١٢

ثَلٰثَةٍ وَتِسْعَةٍ وَتَوَافُقُ الْعَدَدَيْنِ أَنْ لَّا يَعُدَّ أَقَلُّهُمَا الْأَكْثَرَ

١٢ التداخل على جميع التفاسير ١٢ — في جزء كالنصف ونظائره ١٢

وَلٰكِنْ يَعُدُّهُمَا عَدَدٌ ثَالِثٌ كَالثَّمَانِيَةِ مَعَ الْعِشْرِيْنَ يَعُدُّهُمَا

أَرْبَعَةٌ فَهُمَا مُتَوَافِقَانِ بِالرُّبْعِ لِأَنَّ الْعَدَدَ الْعَادَّ لَهُمَا مَخْرَجٌ

هو الاربعة في المثال المذكور ١٢

لِجُزْءِ الْوَفْقِ وَتَبَايُنُ الْعَدَدَيْنِ أَنْ لَّا يَعُدَّ الْعَدَدَيْنِ مَعًا

هو الربع ١٢ — المختلفين ١٢

ثَالِثٌ كَالتِّسْعَةِ مَعَ الْعَشَرَةِ

فانه لا يعدهما معا شيء سوى الواحد الذي ليس بعدد ١٢

ترجمہ:- (یہ) فصل دو عددوں کے درمیان تماثل وتداخل وتوافق اور تباین کے پہچاننے (کے بیان میں ہے)

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

نقصان سے محروم کر دیتا ہے مثلاً اس مسئلہ میں کہ میت نے زوجہ، ماں، دو علاتی بہنیں اور دو اخیافی

دو عددوں میں سے ایک کا دوسرے کے مساوی ہونا تماثل العددین کہلاتا ہے) اور دو مختلف عددوں کا تداخل یہ ہے کہ ان دونوں میں کا اقل اکثر کو تمام کر دے یعنی اس (اکثر) کو فنا کر دے یا ہم (یوں) کہیں کہ وہ تداخل یہ ہے کہ دو عددوں میں سے بڑا عدد چھوٹے عدد پر تقسیم صحیح پر منقسم ہو جائے یا ہم (یوں) کہیں کہ وہ تداخل یہ ہے کہ چھوٹے عدد پر اس کا مثل یا اسکے کئی مثل زیادہ کئے جائیں تو وہ بڑے عدد کے مساوی ہو جائے یا ہم (یوں) کہیں کہ چھوٹا عدد بڑے عدد کا جزء ہو جیسے تین اور نو دو عددوں کا توافق یہ ہے کہ ان دونوں میں کا چھوٹا عدد بڑے عدد کو فنا نہ کرے لیکن ان دونوں کو تیسرا عدد فنا کر دے جیسے آٹھ بیس کے ساتھ کہ ان دونوں کو چار فنا کر دیتا ہے پس وہ دونوں متوافق بالربع ہیں اس لئے کہ فنا کرنے والا عدد جزء وفق کا مخرج ہے اور دو عددوں کا تباین یہ ہے کہ ان دونوں عددوں کو تیسرا عدد (بھی) فنا نہ کرے جیسے نو اور دس (کہ ایک کے سوا جو عدد نہیں ان کو کوئی فنا نہیں کر سکتا)

لہ قولہ فصل الخ ۔ چونکہ ترکہ کی تقسیم میں مستحقین کی تعداد پر اکثر کسر لازم آتی ہے اور بغیر نسبت کے جانے ہوئے دو قاعدوں کے درمیان تقسیم درست نہیں ہو سکتی اس لئے مصنف نے ایک عدد کی دوسرے عدد کے ساتھ نسبت کا بیان اس عبارت سے شروع کیا۔ اور دو عددوں کے درمیان چار قسم کی نسبت ہوتی ہے۔ تماثل، تداخل، توافق اور تباین اعداد کی نسبتیں ان چار میں اس وجہ سے منحصر ہیں کہ جب ایک عدد کو دوسرے کی طرف نسبت کریں یا وہ دونوں عدد مساوی ہونگے یا مساوی نہ ہونگے بلکہ ایک چھوٹا ہوگا اور دوسرا بڑا اگر مساوی ہو تو تماثل ہے دوسری صورت میں اگر چھوٹا عدد بڑے عدد کو فنا کر دیگا یا نہ کریگا۔ اگر فنا کر دے گا تو تداخل ہے۔ اگر چھوٹا عدد بڑے عدد کو فنا نہ کرے تو ان

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

بہنیں اور کافر بیٹا چھوڑا۔ اصل مسئلہ ۲۴ سے ہو کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک زوجہ کو تین ماں کو ۴ دو علاتی بہنوں کو ۱۶ دو اخیافی بہنوں کو ۸ سہام ملکر ۳۱ کی طرف عول ہو جائیگا کیونکہ محروم بیٹے نے زوجہ کو حجب نقصان سے ربع سے ثمن کی طرف محجوب کر دیا جس کی وجہ سے مسئلہ ۲۴ سے کیا گیا۔ جمہور کے نزدیک محروم دوسرے کے لئے بالکل حاجب نہیں ہوتا لہٰذا یہ مسئلہ ۱۲ سے ہو کر ۳ زوجہ کو ۸ علاتی بہنوں کو ۲ ماں کو ۴ اخیافی بہنوں کو ملکر سترہ کی طرف عول ہو جائیگا۔ ۱۲ تنبیہ: (۱) اگر مسئلہ ۶ سے ہو کر ۸ یا ۹ یا ۱۰ کی طرف عول کرے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ میت ضرور عورت ہے یعنی بغیر میت عورت کے یہ عول کبھی نہ ہوگا۔ اور اگر اصل مسئلہ ۶ سے ہو کر ۷ کی طرف عول کرے تو میت مرد ہو یا عورت کسی کی تخصیص نہیں (۲) اگر اصل مسئلہ ۱۲ سے ہو کر ۱۳ یا ۱۵ کی طرف عول کرے تو میت عام ہے کہ مرد ہو یا عورت ہو اور اگر اصل مسئلہ ۱۲ سے ہو کر ۱۷ کی طرف کرے تو میت قطعاً مرد ہوگا۔ (۳) اگر اصل مسئلہ ۲۴ سے ہو کر ۲۷ کی طرف عول کرے تو میت بالضرور مرد ہوگا۔ ۱۲

دونوں کو تیسرا عدد سوائے ایک کے فنا کریگا یا نہ کریگا۔ اگر تیسرا عدد فنا کردے تو توافق ہے ورنہ تباین
واضح ہو کہ دو عددوں کے درمیان چار نسبتیں پائی جاتی ہیں بین العددین میں عدد سے مراد وہ ہے جو ایک سے زیادہ ہو کی
طرح جہاں کہیں اس کتاب میں لفظ عدد کا آجائے اس سے یہی مراد سمجھیں اس لئے کہ اگر یہ مراد نہ ہو تو
نسبتیں تماثل، تداخل اور توافق میں منحصر ہو جائیں گی اور تباین میں کوئی نسبت نہ ٹھہریگی ۱۲

۵۲ قولہ تماثل العددین الخ تماثل کے لغوی معنی ایک دوسرے کے ساتھ مشابہ ہونے کے ہیں۔ اہل
فرائض کی اصطلاح میں دو عددوں کے برابر ہونے کو تماثل کہتے ہیں۔ اور ان دونوں عددوں کو متماثلین
کہا جاتا ہے جیسے تین و تین یا چار و چار یعنی اگر دو عدد برابر ہوں تو ان دونوں کے درمیان تماثل کی نسبت ہے
اگر اس پر یہ شبہ کیا جائے تماثل ایک نسبت ہے جو دو عددوں متغایرہ کے درمیان واقع ہو اور تین تین اور
چار چار میں کسی طرح کا تغائر نہیں۔ اگرچہ ہزار مرتبہ کہا جائے تو اسکا جواب یہ ہے کہ تماثل کی تعریف میں دو
عددوں کا دو محل میں اعتبار کرنا ضروری ہے مثلاً تین تین تو ان میں ایک تین کو دراہم میں واقع ہونا مانیں
گے اور دوسرے تین کو دینار میں تماثل عددین جب ہی مانا جائے گا کہ دو محل میں ایسے عدد ہوں۔ ۱۲

۵۳ قولہ العددین۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ عدد اس کو کہتے ہیں جو اکائیوں سے مرکب ہو جیسے دو یا زیادہ
اور اسکا خاصہ یہ ہے کہ اپنے اطراف قریبہ یا بعیدہ کے مجموعہ کا نصف ہو مثلاً چار کہ اس کی اطراف قریبہ
تین اور پانچ ہیں جن کا مجموعہ آٹھ ہے چار اس کا نصف ہے اور اس کے اطراف بعیدہ دو اور چھ یا ایک و
سات ہیں۔ جن کا مجموعہ آٹھ ہے چار اس کا نصف ہے اسی طرح دو کہ اپنے اطراف ایک اور تین کے مجموعہ کا
نصف ہے اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ واحد (ایک) اہل حساب کے نزدیک عدد نہیں ہے اور یہ بھی
معلوم ہو گیا کہ عدد کی یہ تعریف جو اپنے اطراف کے مجموعہ کا نصف ہو تعریف بالخاصہ ہے۔ ۱۲

۵۴ قولہ تداخل العددین الخ تداخل کے لغوی معنی ایک چیز کے دوسری چیز میں داخل ہو جانے
کے ہیں اور اصطلاح میں تداخل یہ ہے کہ دو مختلف عددوں میں سے جب چھوٹا عدد بڑے عدد میں سے
چند بار نکالیں تو بڑا عدد ختم ہو جائے اور اسمیں کچھ باقی نہ رہے جیسے دو اور چھ کہ جب دو کو تین بار چھ سے
نکالیں تو چھ فنا ہو جائے گا۔ دوسری مثال چار اور سولہ ہے کہ جب چار کو سولہ میں سے چار بار نکالیں تو سولہ
فنا ہو جائے گا۔ بخلاف تین اور آٹھ کے اگر آٹھ میں سے دو بار تین کو نکالا جائے تو باقی دو رہ جائیں گے۔ تمام
آٹھ کا عدد بالکل فنا کر دینا تین سے ناممکن ہے۔ ہاں اگر دو کو چار بار آٹھ سے نکالا جائے تو پورا آٹھ
کا عدد فنا ہو جائے گا۔ ایسے دو مختلف عددوں کے درمیان تداخل کی نسبت ہوتی ہے اور ایسے دو
عددوں کو متداخلین کہتے ہیں۔ یا تداخل کی تعریف یوں سمجھو کہ بڑا عدد چھوٹے عدد پر بلا کسر پورا پورا تقسیم
ہو جائے جیسے تین اور نو کہ ان میں سے نو تین پر بلا کسر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح چار اور سولہ
کہ سولہ چار پر بلا کسر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے یا یوں سمجھو کہ چھوٹے عدد پر اس کی برابر عدد دو یا تین مرتبہ

بڑھایا جائے تو بڑے عدد کے برابر ہو جائے۔ مثلاً تین پر اسی کی برابر کا عدد یعنی تین ایک بار زیادہ کریں تو چھ ہو جائے اور دو بار زیادہ کریں تو نو بن جائے یا یوں کہو کہ تداخل یہ ہے کہ چھوٹا عدد بڑے عدد کا جزء ہو جیسے تین نو کا جزء ہے اور چار سولہ کا جزء ہے۔ اس تعریف پر یہ نقض وارد ہوتا ہے کہ چار اور چھ میں تداخل ہو اس لئے ان میں اقل اکثر کا جزء ہے یقیناً حالانکہ ان میں توافق ہے اسی طرح تین اور پانچ میں تداخل ہو اس لئے تین پانچ کا یقینی جزء ہے حالانکہ ان میں تباین ہے اسکا جواب یہ ہے کہ اس تعریف میں جزء سے مراد جزء اصطلاحی ہے کہ ایک ہوتا ہے مگر نہیں ہو سکتا۔ پس چار جزء واحد اصطلاحی چھ کا نہیں ہے۔ اسی طرح تین جزء واحد اصطلاحی پانچ کا نہیں ہے اس لئے جزء اصطلاحی وہ ہے کہ جو اپنے سے اکثر میں سے نکالا جائے تو اکثر کو فنا کر دے۔ اور اگر اس کو فنا نہ کرتا ہو تو وہ جزء نہیں بلکہ اکثر کے اجزاء میں داخل ہے غرضکہ تعریف میں وحدیت جزء اصطلاحی کی ذات میں معتبر ہے ۱۲

۵۵ قولہ المختلفین۔ تداخل کو اختلاف عددین کے ساتھ اس لئے خاص کیا ہے کہ دو عددوں میں بالذات اختلاف قلت وکثرت کیساتھ تماثل میں مقصود نہیں ہوتا بلکہ تداخل اور اسکے مابعد توافق اور تباین میں ہے

۵۶ قولہ توافق العددین الخ۔ یعنی توافق العددین یہ ہے کہ چھوٹا عدد بڑے کو فنا نہ کرے بلکہ تیسرا عدد دونوں کو فنا کر دے۔ یا یوں کہو کہ بڑا عدد چھوٹے عدد پر بلا کسر پورا پورا تقسیم نہ ہو سکے بلکہ ایک تیسرے عدد پر دونوں بلا کسر تقسیم ہو جائیں ایسے دو عددوں کے درمیان نسبت توافق کی ہوتی ہے اور ایسے دو عدد متوافقین کہلاتے ہیں یعنی یہ دونوں فنا کرنیوالے کے جزء کے ساتھ متوافق ہونگے فنا کرنیوالے عدد کے واسطے یہ ضروری ہے کہ واحد سے زیادہ ہو واحد کا فنا کرنا معتبر نہیں اسلئے واحد صحیح قول میں عددیں میں داخل نہیں ہے اسلئے عدد اس مقدار کو کہتے ہیں جو اکائیوں سے مرکب ہو جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور واحد ایسا نہیں ہے بہر حال مصنف رح کے نزدیک یہ امر مسلمات میں سے ہے کہ واحد عددیں میں داخل نہیں لہٰذا ان کی عبارت میں عدد ثالث کے بعد سوی الواحد مقدر ماننا پڑیگا جیسے آٹھ اور بیس کہ آٹھ بیس کو فنا نہیں کر سکتا بلکہ چار جو ان سے علیحدہ ایک عدد ہے وہ ان دونوں کو فنا کر دیتا ہے پس آٹھ اور بیس چوتھائی میں متوافق ہیں اسلئے چار کا عدد جو آٹھ اور بیس کو فنا کرنیوالا ہے چوتھائی کا مخرج ہے جو آٹھ اور بیس کے درمیان جزء وفق ہے

۵۷ قولہ تباین العددین الخ یعنی دو عددوں میں تباین یہ ہے کہ نہ تو انمیں سے بڑا عدد چھوٹے عدد پر تقسیم ہو سکے اور نہ کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو فنا کرے جیسے نو اور دس کو واحد کے علاوہ کوئی عدد ان کو فنا نہیں کر سکتا۔ اور واحد علی الاصح عددیں میں داخل نہیں ہے ایسے عددوں کے درمیان نسبت تباین کی ہوتی ہے اور یہ دونوں عدد متباینین کہلاتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ متباینین کو ضروری نہیں کہ دونوں عدد ہی ہوں جیسے ایک اور دو بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ دونوں غیر عدد ہوں جیسے ایک اور ایک پس متباینین میں عددین کو فنا کرنا صرف اکثر کے اعتبار سے ہے نہ اس اعتبار سے کہ غیر عددین متباینین نہیں ہوتے اور یہ بھی معلوم ہے کہ جانبین میں سے کسی جانب میں ایک ہوگا جیسے ایک اور ایک یا ایک اور دو تو وہاں بھی تباین کی نسبت ہوگی ۱۲

وَطَرِيقُ مَعْرِفَةِ الْمُوَافَقَةِ وَالْمُبَايَنَةِ بَيْنَ الْعَدَدَيْنِ الْمُخْتَلِفَيْنِ

اَنْ يَنْقُصَ مِنَ الْاَكْثَرِ بِمِقْدَارِ الْاَقَلِّ مِنَ الْجَانِبَيْنِ مَرَّةً اَوْ

مِرَارًا حَتّٰى اتَّفَقَا فِيْ دَرَجَةٍ وَاحِدَةٍ فَاِنِ اتَّفَقَا فِيْ وَاحِدٍ فَلَا

وَفْقَ بَيْنَهُمَا وَاِنِ اتَّفَقَا فِيْ عَدَدٍ فَهُمَا مُتَوَافِقَانِ بِذٰلِكَ الْعَدَدِ

فَفِي الْاِثْنَيْنِ بِالنِّصْفِ وَفِي الثَّلٰثَةِ بِالثُّلُثِ وَفِي الْاَرْبَعَةِ بِالرُّبُعِ

هٰكَذَا اِلَى الْعَشَرَةِ وَفِيْ مَا وَرَاءَ الْعَشَرَةِ يَتَوَافَقَانِ بِجُزْءٍ اَعْنِيْ

فِيْ اَحَدَ عَشَرَ بِجُزْءٍ مِّنْ اَحَدَ عَشَرَ وَفِيْ خَمْسَةَ عَشَرَ بِجُزْءٍ مِّنْ

خَمْسَةَ عَشَرَ فَاعْتَبِرْ بِهٰذَا

بَابُ التَّصْحِيْحِ

يُحْتَاجُ فِي التَّصْحِيْحِ الْمَسَائِلِ اِلٰى سَبْعَةِ اُصُوْلٍ ثَلٰثَةٌ بَيْنَ

السِّهَامِ وَالرُّءُوْسِ وَاَرْبَعَةٌ بَيْنَ الرُّءُوْسِ وَالرُّءُوْسِ اَمَّا الثَّلٰثَةُ

فَاَحَدُهَا اِنْ كَانَتْ سِهَامُ كُلِّ فَرِيْقٍ مُنْقَسِمَةً عَلَيْهِمْ بِلَا كَسْرٍ

فَلَا حَاجَةَ اِلَى الضَّرْبِ كَاَبَوَيْنِ وَبِنْتَيْنِ مسئلہ ۶

ب	ا	ام	بنت	بنت
۱	۱	۲	۲	۲

ترجمہ[1]: - اور دو مختلف عددوں میں توافق اور تباین جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں جانب سے بڑے عدد سے چھوٹے عدد کی مقدار کو ایک بار یا کئی بار گھٹایا جائے یہانتک کہ دونوں ایک درجہ میں (جاکر) متفق ہوجائیں اگر ایک میں متفق ہوں تو ان دونوں کے درمیان وفق نہیں (بلکہ تباین کی نسبت ہے) اور اگر اور کسی عدد (دو تین وغیرہ) میں متفق ہوں تو وہ دونوں اسی عدد (کے جزء) سے متوافق ہیں پس (اگر) دو میں (متوافق ہوں) تو متوافقان بالنصف اور چار میں (متوافقان) بالربع ہیں اسی طرح دس تک (قیاس کرلو) اور ماسوا دس میں جزء کے ساتھ متوافق ہونگے یعنی گیارہ میں گیارہ کے ایک جزء کے ساتھ اور پندرہ میں پندرہ کے ایک جزء کے ساتھ (متوافق ہیں) دوسرے عددوں کے توافق کا حال جو اس سے زیادہ ہوں اس پر قیاس کرلو۔

یہ باب تصحیح (کے بیان) میں ہے

ترجمہ[1]: - تصحیح مسائل میں سات قاعدوں کی طرف ضرورت پڑتی ہے تین تو سہام (مخارج) اور رؤس (ورثہ) کے درمیان ہیں اور چار رؤس اور رؤس کے درمیان ہیں۔ تین (میں) کا پہلا قاعدہ یہ ہے کہ اگر ہر فریق کے سہام ان پر بلا کسر کے تقسیم ہوجائیں تو ضرب کی ضرورت نہیں جیسے (ایک شخص کے وارث) ماں باپ اور دو بیٹیاں ہوں مسئلہ ۶

اب	ام	بنت	بنت
۱	۱	۲	۲

---

[1] قولہ وطریق الخ چونکہ تماثل اور تداخل کی معرفت میں پوشیدگی نہیں ہے بلکہ توافق اور تباین کی معرفت میں پوشیدگی ہے اس لئے مصنف رحہ نے توافق اور تباین کے پہچاننے کا طریقہ بیان کیا۔ واضح ہو کہ توافق کے دو معنی ہیں۔ ایک خاص اور دوسرے عام۔ خاص معنی تو وہی ہیں جو متن میں مذکور ہوئے یعنی یہ کہ دو ایسے چھوٹے بڑے عدد ہوں کہ بڑا چھوٹے سے پورا تقسیم نہ ہوسکے لیکن دونوں کسی تیسرے عدد سے تقسیم ہوجائیں اور عام معنی یہ ہیں کہ ایسے دو چھوٹے بڑے عدد ہوں کہ جن میں یا بڑا چھوٹے پر یا دونوں کسی تیسرے پر پورے تقسیم ہوجائیں پس یہ معنی تداخل کو بھی شامل ہیں بخلاف پہلے معنی کے اور اس فن میں جب توافق بولتے ہیں تو کبھی اس سے پہلے معنی (یعنی خاص) مراد لیتے ہیں اور یہاں اور نیز تصحیح کے بعض قاعدوں میں اور باب مناسخہ میں اور نیز فصل تقسیم ترکات میں یہی عام معنی مراد ہیں۔ تو چونکہ یہ معنی تداخل کو بھی شامل تھے لہٰذا یہ نہیں کہا کہ طریق دریافت کرنے تداخل و توافق و تباین کا دو مختلف عددوں میں اور چونکہ تماثل ظاہر تھا لہٰذا اس کے طریق دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ۱۲

[2] قولہ العددین الخ عددین کی بجائے مقدارین ہوتا جیساکہ شرح اور بعض صحیح نسخوں میں ہے تو بہتر تھا تاکہ اس صورت کو بھی شامل ہوجاتا جس کی ایک جانب واحد اور دوسری جانب میں عدد ہو۔ اس لئے

مقدار عدد اور غیر عدد دونوں کو شامل ہے۔ واحد عدد نہیں ہوتا مقدار کے تحت میں آ سکتا ہے۔ ۱۲

۵۳ قولہ مرۃ الخ۔ ایک بار گھٹانے کی مثال تین و چار ہیں۔ چار میں سے تین گھٹائے ایک باقی رہا۔ چونکہ چار و تین کمتر عدد کے دونوں طرف سے ایک بار گرانے سے ایک پر قرار پکڑتے ہیں پس ایسے دونوں عدد متباین ہیں۔

۵۴ قولہ مراراً۔ چند بار گرانے کی مثال دس اور سات ہیں۔ جب سات کو دس میں سے ایک بار گرایا جائے تو تین باقی رہیں گے اور جب تین کو سات میں سے دو بار گرایا جائے تو ایک باقی رہیگا اور اگر ایک کو دو بار تین سے گرائیں تو بھی ایک ہی باقی رہے گا جو کہ دس اور سات کمتر عدد کے دونوں طرف کے گرانے سے ایک ہی پر قرار پکڑتے ہیں یعنی دونوں عددوں میں سے اسقاط درجات میں ایک ہی باقی رہتا ہے پس ایسے دو عدد متباین ہیں۔

۵۵ قولہ الی العشرۃ الخ یعنی پانچ میں خمس ہے۔ مثلاً پندرہ اور دس اور چھ میں سدس ہے۔ مثلاً بارہ اور اٹھارہ سات میں سبع ہے۔ مثلاً چودہ اور اکیس اور آٹھ میں ثمن ہے۔ مثلاً سولہ اور چوبیس اور نو میں تسع ہے۔ مثلاً اٹھارہ و ستائیس اور دس میں عشر ہے مثلاً بیس اور تیس ان کو کسور منطقہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی تعبیر دو طرح ہوتی ہے۔ ایک بطور جزئیت جیسے پانچویں کو خمس کہتے ہیں دوسرے مخرج کی طرف اضافت کے ساتھ بھی مثلاً پانچویں جزء من خمسۃ یعنی پانچ میں سے ایک جزو دوسرے الفاظ میں یوں سمجھو کہ ان کو کسور منطقہ اس لئے کہتے ہیں کہ ایسی کسور کی تعبیر بدون اس کے مخرج کی طرف اضافت کرنے کے بھی ممکن ہے مثلاً آدھا تہائی چوتھا وغیرہ۔ ۱۲

۵۶ قولہ وفی ما وراء الخ یعنی دس سے زیادہ میں موافقت واقع ہونے کی صورت میں دونوں عدد اس کسر کے ایک جزء میں متوافق ہونگے جس کو کسر اصم کہتے ہیں اور اصم کے لغوی معنی گونگے کے ہیں اور ایسی کسر کو گونگا کہنا مجاز کے اعتبار سے ہے۔ کسر منطق کی تعبیر دو طرح ہو سکتی تھی لیکن کسر اصم کی تعبیر بغیر اضافت اس کے مخرج کے ناممکن ہے۔

۵۷ قولہ اعنی الخ یعنی دو عدد دس کے گیارہ میں متوافق ہونے کو کہا جائیگا کہ ان کا توافق گیارہ کے ایک جزء میں ہے۔ مثلاً بائیس اور تینتیس ۳۳ ہے۔ اگر بائیس کو تینتیس ۳۳ سے گھٹایا جائے تو گیارہ باقی رہیں گے اور گیارہ کا عدد دونوں کو فنا کر دیتا ہے۔ تو دونوں عددوں میں توافق گیارہ کے ایک جزء میں ہوگا۔ اسی طرح توافق بارہ کے ایک جزء میں کہیں گے مثلاً ۲۴ اور ۳۶ کہ ۲۴ کو ۳۶ میں سے گھٹایا جائے تو بارہ رہیں گے جو دونوں کو فنا کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر دونوں عدد میں توافق تیرہ میں ہوگا تو ان کا توافق تیرہ کے ایک جزء میں مانیں گے۔ مثلاً ۲۶ و ۳۹ کہ ۲۶ کو ۳۹ سے گھٹایا جائے تو تیرہ باقی رہیں گے جو دونوں کو فنا کر دیتا ہے تو یہ دونوں عدد تیرہ کے ایک جزء میں متوافق ہیں۔ اسی طرح

دونوں عددوں میں توافق چودہ میں ہوگا تو ان کا توافق چودہ کے ایک جزء میں مانیں گے مثلاً ۲۸، ۴۲ کہ اگر ۲۸ کو ۴۲ میں سے گھٹائیں تو چودہ باقی رہیں گے۔ جو دونوں کو فنا کرتا ہے تو یہ دونوں چودہ کے ایک جزء میں متوافق ہوں گے۔ ۱۲

۵۸ قولہ خمسۃ عشر الخ یعنی اور پندرہ میں توافق ہو تو پندرہ کے ایک جزء میں ہوگا جس سے مراد یہ ہے کہ توافق پندرھویں کے ساتھ ہوگا مثلاً ۳۰ اور ۴۵ کہ اگر ۳۰ کو ۴۵ سے گھٹائیں تو پندرہ باقی رہتے ہیں جو دونوں کو فنا کرتا ہے۔ دوسرے عددوں کے توافق کا حال اسی پر قیاس کرلو مثلاً انیس میں توافق ہو تو انیسویں کے ساتھ توافق کہلائیگا۔ مثلاً ۳۸ و ۵۷ کہ اگر ۳۸ کو ۵۷ سے گھٹائیں تو ۱۹ باقی رہتے ہیں جو دونوں کو فنا کرتا ہے تو ۱۹ کے جزء میں دونوں متوافق ہونگے۔ ۱۲

۵۹ قولہ التصحیح۔ تصحیح تفعیل کے وزن پر صحت سے ماخوذ ہے جو سقم کی ضد ہے۔ تصحیح کے اصطلاحی معنی یہ ہیں ایسا چھوٹا عدد حاصل کرنا جس سے ہر وارث کا حصہ بلا کسر صحیح طور پر نکل آئے۔ تصحیح میں ہر کسر کا نام عدد صحیح رکھ دیا جاتا ہے۔ تصحیح مسئلہ کی صورت اسوقت واقع ہوتی ہے جبکہ حصے از روئے مخرج یا عول کے تقسیم کردیئے جائیں اور وہ حصے وارثوں کی تعداد زیادہ ہونے کیوجہ سے بلا کسر تقسیم نہ ہوسکتے ہوں تو تصحیح کرنا لازم ہوجاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تصحیح کی ضرورت صرف اسوقت پیش آتی ہے کہ سہام میں کسر واقع ہو اور جب سہام میں کسر واقع نہ ہو بلکہ وارثوں پر پورے پورے تقسیم ہوجائیں تو تصحیح کی ضرورت نہیں۔ تصحیح کی علامت یہ ہے۔ تصحـ۔ اور کبھی صرف یوں لکھتے ہیں لـ۔ کسر لکھنے کی صورت یہ ہے آٹھواں $\frac{1}{8}$ چھٹا $\frac{1}{6}$ چوتھائی $\frac{1}{4}$ تہائی $\frac{1}{3}$ دو تہائی $\frac{2}{3}$ آدھا $\frac{1}{2}$ پون $\frac{3}{4}$ پانچواں $\frac{1}{5}$ ساتواں $\frac{1}{7}$ نواں $\frac{1}{9}$ دسواں $\frac{1}{10}$

۶۰ قولہ ثلٰثۃ الخ سات میں تین قاعدہ۔ تو سہام (مخارج) اور رؤس (ورثہ) کے درمیان یعنی وارثین کی تعداد کو عدد رؤس یا رؤس کہتے ہیں جنہیں کی تعداد کو عدد سہام یا سہام کہتے ہیں۔ اعداد رؤس اور اعداد سہام کے درمیان نسبت دیکھی جائے کہ چار نسبتوں تماثل، تداخل، توافق اور تباین میں سے کونسی نسبت ہے تماثل کی نسبت ہے یا تداخل کی یا توافق یا تباین کی نسبت ہے۔ تماثل کی صورتیں تصحیح کی حاجت نہیں خود ہی تصحیح ہے جیساکہ مسئلہ منبریہ میں اور تداخل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ سہام زیادہ ہوں اور رؤس کم تو اس صورتیں بھی تصحیح کی ضرورت نہیں اس کو تماثل حکمی کہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سہام کم ہوں اور رؤس زیادہ و اسکا طریقہ توافق کیطرح ہے اس لئے کہ اس کو توافق حکمی کہتے ہیں پس چار نسبتوں میں سے توافق اور تباین ہی میں تصحیح کی ضرورت پڑتی ہے۔ خواہ توافق حقیقی ہو یا حکمی۔

۶۱ قولہ والاربعۃ الخ یعنی چار قاعدہ وارثوں کے گروہ کے ہیں۔ اس طرح کہ کبھی گروہوں کے عدد رؤس میں باہم تماثل کی نسبت ہوتی ہے۔ کبھی تداخل کی کبھی توافق کی اور کبھی تباین کی ان چار صورتوں کی تفصیل آگے آتی ہے۔

وَالثَّانِيْ[1] اِنِ انْكَسَرَ عَلٰى طَائِفَةٍ وَّاحِدَةٍ وَّلٰكِنْ بَيْنَ سِهَامِهِمْ وَرُءُوْسِهِمْ

نصیبہم من الترکۃ ۱۲ — من الورثۃ فقط ۱۲

مُوَافَقَةٌ فَيُضْرَبُ وَفْقُ عَدَدِ رُءُوْسِ مَنِ انْكَسَرَتْ عَلَيْهِمُ السِّهَامُ فِيْ

بکسر من الکسور المنطقۃ والاصمیۃ ۱۲ — وھم تلک الطائفۃ الواحدۃ ۱۲

اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ وَعَوْلِهَا اِنْ كَانَتْ عَائِلَةً كَاَبَوَيْنِ وَعَشْرِ بَنَاتٍ اَوْ

ان لم تکن المسئلۃ عائلۃ ۱۲

زَوْجٍ وَّاَبَوَيْنِ وَسِتِّ بَنَاتٍ وَّالثَّالِثُ اَنْ لَّا تَكُوْنَ بَيْنَ سِهَامِهِمْ

من الاصول الثلثۃ التی بین السھام والرؤس ۱۲

وَرُءُوْسِهِمْ مُوَافَقَةٌ فَيُضْرَبُ كُلُّ عَدَدِ رُءُوْسِ مَنِ انْكَسَرَتْ عَلَيْهِمُ

بل مباینۃ ۱۲

السِّهَامُ فِيْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ وَعَوْلِهَا اِنْ كَانَتْ عَائِلَةً كَاَبٍ وَّاُمٍّ

ان لم تکن المسئلۃ عائلۃ ۱۲ — ای یضرب کل العدد فی اصلہا مع عولہا ان کانت عائلۃ

وَّخَمْسِ بَنَاتٍ اَوْ زَوْجٍ وَّخَمْسِ اَخَوَاتٍ لِاَبٍ وَّاُمٍّ اَمَّا الْاَرْبَعَةُ

فَاَحَدُهَا اَنْ يَّكُوْنَ الْكَسْرُ عَلٰى طَائِفَتَيْنِ اَوْ اَكْثَرَ وَلٰكِنْ بَيْنَ

اَعْدَادِ رُءُوْسِهِمْ مُمَاثَلَةٌ فَالْحُكْمُ فِيْهَا اَنْ يُّضْرَبَ اَحَدُ الْاَعْدَادِ فِيْ اَصْلِ

فی ھذہ الصورۃ ۱۲ — المماثلۃ ۱۲

الْمَسْئَلَةِ مِثْلُ سِتِّ بَنَاتٍ وَّثَلٰثِ جَدَّاتٍ وَّثَلٰثَةِ اَعْمَامٍ۔

اذا کانت عائلۃ ولو تکن عائلۃ ۱۲

ترجمہ :- دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ صرف ایک فریق پر کسر واقع ہو لیکن انکے سہام اور رؤس کے درمیان

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

[1] قولہ اما الثلثۃ - سہام اور رؤس کے ان تینوں قاعدوں کا حاصل مقام یہ ہے کہ اگر حصے ورثہ کے ہر فریق پر بلا کسر پورے منقسم ہوگئے تو پہلا قاعدہ ہے اور اگر حصے ورثہ کے ہر فریق پر پورے منقسم نہ ہوں تو یا ایک فریق پر کسر واقع ہوگی یا زیادہ پر - دوسری شق تو اصول اربعہ میں مذکور ہے - اول شق اگر ایک ہی فریق پر کسر واقع ہو تو وہ دو حال سے خالی نہیں کہ اس فریق کے سہام میں اور اسکے عدد رؤس میں موافقت یا مباینت - اگر موافقت ہے تو دوسرا قاعدہ ہے - اگر مباینت ہے تو تیسرا قاعدہ ہے -

موافقت ہے تو ان (وارثوں) کے عدد رؤس کے دفق کو جن پر سہام منکسر ہوئے ہیں۔ اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے (اگر مسئلہ عائلہ نہ ہو) اور اگر مسئلہ عائلہ ہے تو (مسئلہ کے) عول میں ضرب دیا جائیگا جیسے (میت) ماں باپ اور دس بیٹیاں یا شوہر، ماں باپ اور چھ بیٹیاں (چھوڑے) اور تیسرا (قاعدہ) یہ ہے (صرف ایک فریق پر کسر واقع ہونے پر) ان کے سہام اور ان کے (عدد) رؤس کے درمیان موافقت نہ ہو تو ان (وارثوں) کے کل عدد رؤس کو جن پر سہام منکسر ہوئے ہیں اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے (اگر عائلہ نہ ہو) اس (مسئلہ) کے عول میں ضرب دیا جائے۔ اگر مسئلہ عائلہ ہو جیسے (میت) باپ (ماں اور پانچ بیٹیاں یا شوہر اور پانچ حقیقی بہنیں (چھوڑے) اور چار قاعدے (جو رؤس اور رؤس کے درمیان ہیں ان کی تفصیل اس طرح ہے) ان میں سے پہلا قاعدہ یہ ہے کہ دو گروہ یا دو سے زیادہ پر کسر واقع ہو لیکن ان سب گروہوں کے اعداد رؤس کے درمیان مماثلت ہے پس اس (صورت) میں حکم یہ ہے کہ اعداد (مماثلت میں سے) ایک کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے جیسے (میت) چھ بیٹیاں تین دادیاں اور تین چچا چھوڑے۔

بقیہ سابق

ﻫ۱ قولہ والثانی الخ۔ یعنی دوسرا قاعدہ موافقت کا ہے وہ یہ ہے کہ ایک فریق کے حصہ پر کسر واقع ہو لیکن ان کے سہام اور رؤس میں توافق کی نسبت ہے تو اس فریق کے عدد رؤس کے دفق کو اصل مسئلہ میں اور بر تقدیر عول کے عول میں ضرب دیں گے۔ دفق رؤس سے رؤس کی وہ کسر مراد ہے جس کسر کے ساتھ سہام اور رؤس میں توافق ہو مثلاً توافق بالنصف میں نصف توافق بالثلث میں ثلث توافق بالربع میں ربع۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ جب سہام و رؤس میں توافق بالنصف ہو تو نصف رؤس کو ضرب دیں اور جب توافق بالثلث ہو تو ثلث رؤس کو اور جب توافق بالربع ہو تو ربع رؤس کو علیٰ ہذا القیاس توافق سے مراد یہاں عام ہے خواہ یہاں توافق ہو یا تداخل اور اصل مسئلہ وہ عدد ہے جو کل وارثوں کے حصے کے اعتبار سے مقرر کیا جائے اور اس سے حصہ داروں کا مقرر حصہ علیحدہ کیا جائے ۱۲

ﻫ۲ قولہ کابوین الخ یعنی غیر عائلہ مسئلہ کی مثال ہے کہ میت نے باپ ماں اور دس بیٹیاں چھوڑیں۔ ماں باپ کو دو سدس اور لڑکیوں کو دو ثلث ملیں گے۔ چھ سے مسئلہ ہو کر ایک سہم ماں کو ایک باپ کو اور چار دس لڑکیوں کو پہنچیں گے۔ چونکہ بیٹیاں دس ہیں اور ان کے سہم چار ہیں جو ان پر بلا کسر تقسیم نہیں ہو سکتے

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

ﻫ۱۳ قولہ فاحدھا الخ۔ یعنی پہلا قاعدہ جس کو قاعدہ استقامت سے موسوم کیا جاتا ہے یہ ہے کہ ہر فریق کے ورثہ پر سہام بلا کسر پورے تقسیم ہو جائیں تو ضرب کی حاجت نہیں جیسے ایک شخص کے ورثہ ماں باپ اور دو بیٹیاں ہیں۔ چھ سے مسئلہ ہو کر ماں باپ میں سے ہر ایک کو سدس یعنی ایک ایک سہم دو بیٹیوں کو دو ثلث یعنی چار کہ ہر بیٹی کے دو دو سہم ہو گئے۔ ۱۲

اور چار اور دس میں توافق بالنصف کی نسبت ہے پس بیٹیوں کے عدد رؤس کا نصف پانچ لیکر اصل
مسئلہ چھ میں ضرب دینے سے تیس ۳۰ سے تصحیح ہوئی لہٰذا ماں باپ میں سے ہر ایک کو پانچ پانچ سہام اور بیس ۲۰
سہام بیٹیوں کو ملے ہر بیٹی کو دو دو سہام پڑے مسئلہ عائلہ کی مثال یہ ہے

مسئلہ ۶ ت ۳۰

باپ	ماں	بیٹیاں
۱/۵	۱/۵	۴/۲۰

کہ میت نے شوہر باپ ماں اور چھ بیٹیاں وارث چھوڑے۔ ربع شوہر کو سدسان باپ ماں کو اور ثلثان چھ بیٹیوں کو ملیں گے۔ ۱۲ سے مسئلہ ہو کر ۳ سہام شوہر کو دو دو سہام باپ ماں کو اور آٹھ سہام چھ بیٹیوں کو ملکر پندرہ کی طرف عول ہوگا۔ بیٹیوں کا حصہ ان کے عدد رؤس پر بلا کسر پورا تقسیم نہیں ہو سکتا۔ اور آٹھ عدد سہام اور چھ عدد رؤس میں توافق بالنصف کی نسبت ہے۔ پس عدد رؤس کے نصف کو کہ تین ہے مسئلہ کے عول میں کہ پندرہ ہے ضرب دیا جس کی تصحیح ۴۵ سے ہوئی پھر ہر وارث کے سہام کو

مسئلہ ۱۲ عـ ۱۵ ت ۴۵

تین میں ضرب دیا تو شوہر کے نو ۹ سہام اور باپ ماں کے چھ چھ سہام اور بیٹیوں کے چوبیس سہام ہوئے ہر بیٹی کو چار سہام پڑے جس کی صورت یہ ہے

شوہر	باپ	ماں	بیٹیاں ۶
۳/۹	۲/۶	۲/۶	۸/۲۴

۵۳ قولہ والثالث الخ یعنی تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ کسر تو صرف ایک فریق پر ہو مگر اس فریق کے عدد رؤس اور سہام میں توافق یا تداخل کی نسبت نہ ہو بلکہ تباین کی نسبت ہو تو اس صورت میں اس فریق کے کل عدد رؤس کو اصل مسئلہ میں اور عائلہ ہونے کی تقدیر پر عول میں ضرب دیا جائے۔ مثلاً میت نے باپ ماں اور پانچ بیٹیاں چھوڑیں۔ چھ سے مسئلہ ہو کر باپ ماں کو ایک ایک سہم ملا اور بیٹیوں کو چار سہام ملے جو کہ ان کے عدد رؤس پر بلا کسر نہیں تقسیم ہو سکتے۔ عدد رؤس پانچ اور سہام چار میں تباین ہونے کی وجہ سے پانچ کو اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے تیس ۳۰ سے تصحیح ہوئی جس میں سے پانچ پانچ سہام باپ ماں کو اور بیس ۲۰ سہام پانچ لڑکیوں کو پہنچے۔

مسئلہ ۶ ت ۳۰

ہر لڑکی کو چار سہام پڑے یہ غیر عائلہ کی مثال ہے ←

اب	ام	بنات ۵
۱/۵	۱/۵	۴/۲۰

عائلہ کی مثال یہ ہے کہ میت نے شوہر اور پانچ حقیقی بہنیں چھوڑیں۔ چھ سے مسئلہ ہو کر تین سہام شوہر کو اور چار حقیقی بہنوں کو مل کر سات کی طرف عول ہوگیا اس میں چار سہم پانچ حقیقی بہنوں پر بلا کسر پورے تقسیم نہیں ہو سکتے۔ ان کے رؤس اور سہام میں تباین کی نسبت ہے۔ پس پانچ رؤس کو عول میں ضرب دینے سے ۳۵ سے تصحیح ہوئی جس میں ۱۵ شوہر کو اور بیس ۲۰ پانچ حقیقی بہنوں کو ملے۔ ہر بہن کو چار پڑے۔

مسئلہ ۶ عـ ۷ ت ۳۵

زوج	اخوات لاب وام ۵

۵۴ قولہ فاحفظہا الخ۔ ان چار قاعدوں میں سے جو رؤس اور رؤس کے درمیان جاری ہوتے ہیں پہلا قاعدہ یہ ہے کہ دو یا زیادہ فریق پر کسر واقع ہو لیکن عدد رؤس میں تماثل ہے تو ایک کو اصل مسئلہ میں اور عول کی تقدیر پر عول میں ضرب دیا جائے۔ مثلاً میت نے چھ بیٹیاں اور تین جدات اور تین چچا چھوڑے اصل مسئلہ ۶ سے ہو کر چھ بیٹیوں کو چار سہام بیٹیوں کے سہام اور رؤس میں توافق بالنصف کی نسبت ہے اس لئے ان کے چھ رؤس کا وفق تین معتبر ہوگا۔ اور تین جدات کو ایک سہم اور تین چچوں کو ایک سہم ملا۔ ان دونوں فریق کے سہم اور رؤس میں تباین ہے۔ پس تینوں فریق کے عدد رؤس اور وفق رؤس میں قاعدے کے بموجب جو نسبت ملحوظ ہوئی تو تماثل معلوم ہوا۔ اب ان میں سے ایک کو یعنی فقط ۳ کو ۶ میں ضرب دیا اٹھارہ حاصل ہوئے ان میں تین سہام دادیوں کو اور تین سہام چچوں کو اور بارہ سہام چھ بیٹیوں کو پہنچے۔ ہر بیٹی کو دو سہام پڑے ہر ایک کو صحیح حصہ مل گیا ←

مسئلہ ۶ / ۱۸

بنات ۶	جدات ۳	اعمام ۳
۴/۱۲	۱/۳	۱/۳

عول کی مثال یہ ہے کہ میت نے دو زوجہ ۳۲ بیٹیاں اور آٹھ جدہ اور باپ وارث چھوڑے مسئلہ ۲۴ سے ہو کر ۴ سہام جدہ کو اور ۱۶ سہام ۳۲ بیٹیوں کو اور ۳ سہام دو زوجہ کو اور ۴ سہام باپ کو مل کر ۲۷ کی طرف عول ہوا یہاں تین فریق کے حصے ان کے رؤس پر پورے پورے تقسیم نہیں ہوتے بلکہ کسر واقع ہوتی ہے اس لئے اولاً جن فریق کے سہام میں کسر واقع ہوئی ہے ان کے سہام اور رؤس میں نسبت لحاظ کی تو زوجہ کے سہام اور رؤس کے درمیان تباین پایا اس لئے کل رؤس یعنی دو کو محفوظ رکھا اور بیٹیوں کے سہام اور رؤس کے درمیان توافق سولہویں کے ساتھ پایا اس لئے سولہواں حصہ یعنی دو کو کہ وفق رؤس ہے محفوظ رکھا۔ اور جدہ کے سہام اور رؤس میں توافق بالربع پایا اس لئے ربع رؤس یعنی دو کو کہ وفق رؤس ہے محفوظ رکھا اس کے بعد اعداد محفوظ میں نسبت لحاظ کی تو تماثل پایا اس لئے اس میں سے ایک کو یعنی دو کو عول یعنی ۲۷ میں ضرب دیا ۵۴ حاصل ہوئے اس میں سے بموجب قاعدہ ۶ دو زوجہ کو ملے کہ ہر کو تین سہم پڑے اور ۳۲ بیٹیوں کو ۳۲ پہنچے کہ ہر ایک بیٹی کو ایک پڑا اور ۸ جدہ کو آٹھ ملے کہ ہر ایک جدہ کو ایک ایک پڑا ۸ باپ کو یاد رکھو ان چار قاعدوں میں دو یا اس سے زیادہ فریق پر کسر واقع ہوتی ہے۔ اگر کسر دو یا زیادہ فریق پر واقع ہو تو پہلے جس جس فریق پر کسر واقع ہوتی ہو ان کے

مسئلہ ۲۴ عول ۲۷ / ۵۴

بنات ۳۲	زوجہ ۲	جدات ۸	باپ
۱۶/۳۲	۳/۶	۴/۸	۴/۸

سہام اور رؤس میں مثل سابق نسبتوں (توافق اور تباین) کا لحاظ کریں۔ اگر توافق ہے تو وفق رؤس کو اور تباین ہے تو کل رؤس کو محفوظ رکھیں پھر محفوظات میں مذکورہ بالا چار قاعدوں کے پیش نظر تصحیح کریں۔ ۱۲

وَالثَّانِي أَنْ يَكُوْنَ بَعْضُ الْأَعْدَادِ مُتَدَاخِلًا فِي الْبَعْضِ فَالْحُكْمُ

ای بعض اعداد رؤس الورثۃ المنکسر علیهم سهامهم من طائفتین او اکثر ۱۲

فِيْهَا أَنْ يُضْرَبَ أَكْثَرُ الْأَعْدَادِ فِي أَصْلِ الْمَسْئَلَةِ مِثْلُ

ای فی هذه الصورة ۱۲ — او فی اصلها وعولها ان کانت عائلة ۱۲

أَرْبَعُ زَوْجَاتٍ وَثَلٰثُ جَدَّاتٍ وَاثْنَا عَشَرَ عَمًّا وَالثَّالِثُ

أَنْ يُوَافِقَ بَعْضُ الْأَعْدَادِ بَعْضًا فَالْحُكْمُ فِيْهَا أَنْ يُضْرَبَ

سواء کان الوفاق بین العدد الی جزء الوفق الاول ۱۲

وَفْقُ أَحَدِ الْأَعْدَادِ فِي جَمِيْعِ الثَّانِي ثُمَّ مَا بَلَغَ فِي وَفْقِ الثَّالِثِ

یعنی ب ۱۲

إِنْ وَافَقَ الْمَبْلَغُ الثَّالِثَ وَإِلَّا فَالْمَبْلَغُ فِي جَمِيْعِ الثَّالِثِ ثُمَّ

ای ان لم یوافق المبلغ الثالث فحینئذ یضرب المبلغ ۱۲

الْمَبْلَغُ فِي الرَّابِعِ كَذٰلِكَ ثُمَّ الْمَبْلَغُ فِي أَصْلِ الْمَسْئَلَةِ كَأَرْبَعِ زَوْجَاتٍ وَ

ای فی وفقه ان وافق المبلغ الثانی و فی جمیعه ان لم یوافق ۱۲

ثَمَانِيْ عَشَرَةَ بِنْتًا وَخَمْسَ عَشَرَةَ جَدَّةً وَسِتَّةِ أَعْمَامٍ وَالرَّابِعُ أَنْ

تَكُوْنَ الْأَعْدَادُ مُتَبَايِنَةً لَا يُوَافِقُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَالْحُكْمُ فِيْهَا

ای اعداد رؤس من انکسرت علیهم سهامهم من الطائفتین او اکثر ۱۲ — فی هذه الصورة ۱۲

أَنْ يُضْرَبَ أَحَدُ الْأَعْدَادِ فِي جَمِيْعِ الثَّانِي ثُمَّ مَا بَلَغَ فِي جَمِيْعِ الثَّالِثِ

ای اعداد رؤسهم

ثُمَّ مَا بَلَغَ فِي جَمِيْعِ الرَّابِعِ ثُمَّ مَا اجْتَمَعَ فِي أَصْلِ الْمَسْئَلَةِ

الحاصل وهو مفتی بعدم العول ۱۲

كَامْرَأَتَيْنِ وَسِتِّ جَدَّاتٍ وَعَشْرِ بَنَاتٍ وَسَبْعَةِ أَعْمَامٍ

ثم ان کانت عائلة فیضرب فی اصل المسئلة مع عولها کما مر ۱۲

ترجمہ:۔ اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ (دو یا زیادہ فریق پر کسر واقع ہونے پر) بعض اعداد (رؤس) بعض میں متداخل ہوں تو اس (صورت) میں حکم یہ ہے کہ بڑے عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا

جائے مثلاً چار زوجہ اور تین جدہ اور بارہ چچا (میت چھوڑے) اور تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ (دو یا زیادہ فریق پر کسر واقع ہونے پر) بعض فریق کے اعداد (رؤس) بعض فریق کے اعداد رؤس کیساتھ موافقت رکھتے ہوں تو اس (صورت) میں حکم یہ ہے کہ ایک فریق کے اعداد رؤس کے وفق کو دوسرے فریق کے تمام اعداد رؤس میں ضرب دیا جائے پھر جو ضرب سے حاصل ہو تو اس کو تیسرے فریق کے اعداد رؤس کے وفق میں ضرب دیا جائے بشرطیکہ حاصل ضرب تیسرے فریق کے وفق کے ساتھ توافق رکھتا ہو۔ ورنہ حاصل ضرب کو تیسرے کے کل عدد رؤس میں ضرب دیا جائے۔ پھر اس (دوسرے) حاصل ضرب کو چوتھے فریق کے عدد رؤس میں اسی طرح ضرب دیا جائے۔ پھر (اس تیسرے) حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب (دیا جائے) مثلاً (میت نے) چار بیویاں اور اٹھارہ بیٹیاں اور پندرہ جدہ اور چھ چچا (چھوڑے) اور چوتھا قاعدہ یہ ہے کہ کسر دو یا زیادہ فریق پر (واقع ہونے پر) اعداد رؤس میں باہم تباین ہو۔ بعض فریق کے اعداد رؤس کو بعض دوسرے فریق کے اعداد رؤس کے ساتھ توافق نہ ہو تو اس (صورت) میں حکم یہ ہے کہ ایک فریق کے کل عدد رؤس کو دوسرے کے کل میں ضرب دیا جائے پھر اس حاصل ضرب کو تیسرے فریق کے تمام عدد رؤس میں ضرب دیا جائے پھر (اس دوسرے) حاصل ضرب کو چوتھے فریق کے تمام عدد رؤس میں ضرب دیا جائے پھر جو کچھ جمع ہو (یعنی تیسرے مرتبہ میں حاصل ضرب ہو) اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے۔ مثلاً (ایک مرد نے) دو بیویاں چھ جدہ اور دس بیٹیاں اور سات چچا (وارث چھوڑے)

سے قولہ والثانی الخ یعنی رؤس اور رؤس کے درمیان چار قاعدوں کا دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ دو یا زیادہ فریق پر کسر واقع ہو اور اعداد رؤس میں تداخل کی نسبت ہو تو بڑے عدد کو اصل مسئلہ میں اور عول کی صورت میں عول میں ضرب دی جائے تو حاصل ضرب بلاکسر صحیح طور پر وارثوں پر تقسیم ہو جائیگا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے چار بیویاں تین جدہ بارہ چچا وارث چھوڑے مسئلہ ۱۲ سے ہوکر ۳ سہام چار بیویوں کو اور دو سہام تین جدہ کو اور سات سہام بارہ چچوں کو ملیں گے اور سب کے سہام اور رؤس میں تباین ہے اور جملہ وارثوں پر بلاکسر تقسیم نہیں ہو سکتے اس لئے تمام اعداد رؤس بحیثیت موجودہ رکھے گئے۔ اعداد رؤس کے درمیان نسبت دیکھی گئی تو تداخل کی نسبت پائی پس سب سے بڑے عدد ۱۲ کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا تو ۱۴۴ ہوکر تصحیح ہوئی۔ ان میں سے ۳۶ سہام چار بیویوں کو دیئے کہ ہر بیوی کو نو سہم پڑے اور ۲۴ سہام تین جدہ کو دیئے کہ ہر جدہ کو ۸ سہام

پڑے اور ۸۴ سہام بارہ چچوں کو دیئے کہ ہر چچا کو ۷ سہام پڑے۔ یہ مثال غیر عائلہ کی ہے۔

مسئلہ ۲۴ ت ۱۴۴ نسبت تداخل

زوجات ۴	جدات ۳	اعمام ۱۲
۳ / ۳۶	۲ / ۲۴	۷ / ۸۴

مسئلہ عائلہ کی مثال یہ ہے کہ میت نے دو بیوی تین حقیقی بہنیں اور بارہ جدہ چھوڑیں مسئلہ ۱۲ سے ہو کر ۱۳ کی طرف عول ہوا۔ دو زوجہ کو ۳ سہم تین حقیقی بہنوں کو آٹھ اور بارہ جدہ کو دو سہم۔ بیویوں اور بہنوں کے سہام اور رؤس میں تباین کی نسبت اس لئے دونوں کے تمام عدد رؤس محفوظ رکھے گئے۔ اور جدات کے رؤس و سہام میں توافق بالنصف ہونے سے نصف عدد رؤس جدہ یعنی چھ لئے گئے۔ پھر رؤس اور رؤس کے درمیان نسبت دیکھی گئی تو تداخل پایا۔ یعنی دو زوجہ کے اور تین بہنوں کے یہ دونوں عدد رؤس ۶ میں جو جدہ کا وفق ہے داخل ہو جاتے ہیں اس لئے متداخلین میں بڑا عدد کہ چھ ہے مسئلہ کے عول میں ضرب دیا ۷۸ سے تصحیح ہوئی۔ ان میں ۱۸ سہام دو بیویوں کو دیئے کہ ہر بیوی کو ۹ سہام پڑے اور ۴۸ سہام تینوں بہنوں کو دیئے کہ ہر بہن کو ۱۶ سہام پڑے اور ۱۲ سہام ۱۲ جدات کو دیئے ہر جدہ کو ایک سہم پڑا

مسئلہ ۱۲ عـ ۱۳ ت ۷۸

زوجہ ۲	اخوات لاب وام ۳	جدہ ۱۲
۳ / ۱۸	۸ / ۴۸	۲ / ۱۲

۹۵ قولہ والثالث الخ یعنی ان چار قاعدوں میں سے تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ کسر دو یا زیادہ فریق پر واقع ہو اور بعض فریق کے اعداد رؤس میں بعض فریق کے اعداد رؤس کے ساتھ توافق کی نسبت ہو تو ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دیا جائے پھر حاصل ضرب اور تیسرے کے درمیان اگر توافق ہے تو بدستور ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دیا جائے خواہ کسی ایک کا وفق لیا جائے مگر دوسرے کا کل ہی لیا جائیگا اور اگر تباین ہے تو ایک کے کُل کو دوسرے کے کل میں ضرب دیا جائے۔ علی ہذا القیاس اس حاصل ضرب اور چوتھے کے درمیان نسبت دیکھی جائے پھر توافق اور تباین کے دستور سابق کے مطابق عمل کیا جائے۔ وعلم جرا پھر اخیر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں اور عول ہونے کی تقدیر پر عول میں ضرب دیا جائے مثلاً میت نے چار بیویاں اٹھارہ بیٹیاں اور پندرہ جدہ اور چھ چچا چھوڑے جسکا نقشہ یہ ہے

مسئلہ ۲۴ ت ۴۳۲۰ مضروب ۱۸۰

زوجات ۴	بنات ۱۸	جدات ۱۵	اعمام ۶
۳ / ۵۴۰	۱۶ / ۲۸۸۰	۴ / ۷۲۰	۱ / ۱۸۰

صورت ہٰذا میں بجز اٹھارہ بیٹیوں اور ان کے سہام کے تمام اعداد رؤس اور ان کے سہام میں تباین ہے۔ لہٰذا اٹھارہ کی جگہ اس کے وفق نو کو محفوظ رکھا اور دیکھا کہ ۶ اور ۱۵ میں توافق بالثلث ہے پس ۶ کے وفق ۲ کو ۱۵ میں

ضرب دیگر حاصل ضرب ۳۰ آیا۔ ۳۰ اور ۹ میں توافق بالثلث ہے پس ۳۰ کے وفق ۱۰ کو ۹ میں ضرب دیگر حاصل ۹۰ آیا۔ اب ۹۰ اور چار میں توافق بالنصف ہے لہٰذا حسب دستور ۹۰ کے وفق ۴۵ کو چالیس میں ضرب دیا تو حاصل ضرب ۱۸۰ ہوا اس کو محفوظ رکھ کر اصل مسئلہ میں ضرب دیا حاصل ضرب ۴۳۲۰ آیا۔ جس سے ہر وارث کے سہام اس پر بلا کسر پورے تقسیم ہو جائیں گے مسئلہ عائلہ کی مثال یہ ہے کہ میت نے چار بیویاں نو حقیقی بہنیں اور بارہ جدہ وارث چھوڑے بارہ سے مسئلہ ہو کر ۳ سہام ۴ بیویوں کو اور ۸ سہام ۹ بہنوں کو ۲ سہم ۱۲ جدہ کو مل کر ۱۳ کی طرف عول ہوگا۔

مسئلہ ۱۲ عول ۱۳ تصحیح ۴۶۸		
زوجات ۴	اخوات لاب وام ۹	جدہ ۱۲
۳	۸	۲
۱۰۸	۲۸۸	۷۲

تمام حصے بلا کسر نہیں تقسیم ہو سکتے ہیں۔ پس چار بیویوں اور ان کے تین سہام میں اور نو بہنوں اور ان کے ۸ سہام میں تباین ہے اس لئے پورے عدد رؤس محفوظ رکھے گئے لیکن بارہ جدہ اور ان کے دو سہم میں توافق بالنصف ہے اس لئے عدد جدہ کے نصف ۶ کو وفق قرار دیا گیا۔ اس کے بعد رؤس در رؤس میں نسبت دیکھی گئی۔ وفق رؤس جدہ جو ۶ ہیں اور بہنوں کے ۹ رؤس میں توافق بالثلث ہے پس ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دیا تو ۱۸ ہوئے۔ اب حاصل ضرب ۱۸ ہوا اور ۱۸ اور زوجات کے چار میں توافق بالنصف ہے اس لئے نصف رؤس زوجات یعنی ۲ کو ۱۸ میں ضرب دیا ۳۶ حاصل ہوئے پھر ۳۶ کو مسئلہ عول میں ضرب دیا تو ۴۶۸ پر تصحیح ہوئی جس سے ہر وارث کے سہام اس پر پورے تقسیم ہو جائیں گے۔

۵۳ قولہ والرابع الخ یعنی چوتھا قاعدہ یہ ہے کہ دو یا زیادہ فریق پر کسر واقع ہو اور اعداد رؤس میں تباین کی نسبت ہو کسی دو فریق میں بھی توافق کی نسبت نہ ہو تو ایک کے کل عدد رؤس کو دوسرے کے کل میں ضرب دی جائے پھر اس کے حاصل کو تیسرے عدد میں اسی طرح اسی کے حاصل کو چوتھے میں وعلیٰ ہذا القیاس آخیر میں جو حاصل ضرب آئیگا اس کو اصل مسئلہ میں اور بصورت عول عول میں ضرب دی جائے اور اس حاصل ضرب سے تصحیح ہوگی مثلاً میت نے ۲ زوجہ ۶ جدہ ۱۰ بیٹیاں اور سات چچا چھوڑے ۲۴ سے مسئلہ ہو کر ۳ سہام دو زوجہ کو ۴ سہم ۶ جدہ کو ۱۶ سہام ۱۰ بیٹیوں کو اور ایک سہم سات چچوں کو ملے جو ہر فریق کے وارثوں پر بلا کسر تقسیم نہیں ہو سکتے اس صورت میں دادیوں کے عدد رؤس ۶ اور ان کے سہام ۴ میں توافق بالنصف ہونے کی وجہ سے حسب دستور سابق ان کا عدد رؤس ۳ فرض کیا گیا۔ بیٹوں کے عدد رؤس ۱۰ اور ان کے ۱۶ سہام میں توافق بالنصف ہونے کی وجہ سے ان کے عدد رؤس ۵ فرض کیا گیا۔ اب دیکھا دو اور تین میں

تبائن ہے لہٰذا ضرب دیا تو ۶ حاصل ہوئے اور ۶ اور ۵ میں تبائن ہے ان کو ضرب دیا تو تیس ۳۰ حاصل ہوئے اور ۳۰ اور سات میں تبائن ہونے کی وجہ سے کُل کو کُل میں ضرب دیا تو ۲۱۰ حاصل ہوئے۔ اس کو اصل مسئلہ ۲۴ میں ضرب دیا تو ۵۰۴۰ حاصل ہوئے اس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔

عائلہ کی مثال کو اسی پر قیاس کر لیا جائے۔ ۲

مسئلہ ۲۴ ت ۵۰۴۰

زوجات ۴	جدہ ۶	بنات ۱۰	اعمام ۷
۳	۴	۱۶	۱
۶۳۰	۸۴۰	۳۳۶۰	۲۱۰

مسئلہ عائلہ کی مثال لکھے دیتا ہوں میت نے دو زوجہ تین جدہ پندرہ اخیافی بہنیں سات حقیقی بہنیں وارث چھوڑے یہاں ربع کے نوع ثانی کے ساتھ جمع ہونے سے مسئلہ بارہ سے ہوکر سترہ کی طرف عول ہوا اس کی صورت یہ ہے ←

مسئلہ ۱۲ عـ ۱۷ ـ ۳۵۷۰

زوجہ ۲	جدہ ۳	اخیافی بہنیں ۱۵	حقیقی بہنیں ۷
۳	۲	۴	۸
۶۳۰	۴۲۰	۸۴۰	۱۶۸۰

اس کی تفصیل یہ ہے کہ دونوں زوجہ کے لئے ربع ہے یعنی تین سہام ہیں جو ان پر مستقیم نہیں ہیں اور زوجات کے عدد رؤس اور سہام میں مباینت ہے اس لئے ان کے تمام عدد رؤس کو محفوظ رکھا جو دو ہیں اور تین جدہ کے لئے چھٹا حصہ یعنی دو ہیں یہ دو سہام بھی ان کے تین رؤس پر مستقیم نہیں بلکہ عدد رؤس و سہام میں مباینت ہے اس لئے ان کے عدد رؤس کو بھی محفوظ رکھا اور پانچ اخیافی بہنوں کے ثلث یعنی چار سہام ہیں ان کے رؤس سہام میں بھی مباینت ہے اس لئے ان کے عدد رؤس کو محفوظ رکھا اور سات حقیقی بہنوں کے لئے دو ثلث یعنی آٹھ سہام ہیں اور ان کے عدد رؤس و سہام میں بھی مباینت ہے اس لئے ان کے عدد رؤس کو بھی محفوظ رکھا اب اعداد رؤس ۲، ۳، ۵، ۷ ہیں ان اعداد رؤس میں بھی باہم مباینت ہے اس لئے ایک کو دوسرے میں ضرب دیا اس طرح دو کو تین میں ضرب دیا تو چھ حاصل ہوئے یہ چھ پہلا حاصل ہے اس کو پانچ میں ضرب دیا تو ۳۰ حاصل ہوئے پھر اس دوسرے حاصل کو سات میں ضرب دیا ۲۱۰ حاصل ہوئے اس عدد اخیر کو جس کا نام جز سہم ہے مسئلہ کے عول یعنی ۱۷ میں ضرب دینے سے ۳۵۷۰ سے تصحیح ہوتی ہے جس میں سے ۶۳۰ سہام دو بیوں کو اور ۴۲۰ سہام تین جدہ کو اور ۸۴۰ سہم پانچ اخیافی بہنوں کو اور ۱۶۸۰ سہام سات حقیقی بہنوں کو تقسیم ہوئے۔ تمام تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اعداد میں کئی نسبتیں جمع ہو جائیں خواہ دو دو جیسے تماثل و تداخل ۲ + ۲ + ۴ یا تماثل و توافق ۴ + ۴ + ۶ یا تماثل و تباین ۴ + ۴ + ۵ یا تداخل و تباین ۲ + ۴ + ۵ یا تداخل و توافق ۲ + ۴ + ۶ یا توافق و تباین ۴ + ۶ + ۵ خواہ تین تین جیسے تماثل و تداخل و تباین ۲ + ۲ + ۴ + ۵ یا تماثل و تداخل و توافق ۲ + ۲ + ۴ + ۶ یا تماثل و تباین و توافق ۴ + ۴ + ۶ + ۷ یا تداخل و تباین و توافق ۲ + ۴ + ۶ + ۵

فصل

اذا اردت ان تعرف نصيب كل فريق من التصحيح فاضرب ما كان لكل فريق من اصل المسئلة في ما ضربته في اصل المسئلة فما حصل كان نصيب ذلك الفريق واذا اردت ان تعرف نصيب كل واحد من احاد ذلك الفريق فاقسم ما كان لكل فريق من اصل المسئلة على عدد رؤسهم ثم اضرب الخارج في المضروب فالحاصل نصيب كل واحد من احاد ذلك الفريق ووجه اخر وهو ان تقسم المضروب على اي فريق شئت ثم اضرب الخارج في نصيب الفريق الذي قسمت عليهم المضروب فالحاصل نصيب كل واحد من احاد ذلك الفريق

من هذا الضرب ۱۲ — كما رأيت في الامثلة السابقة فلا نعيدها ۱۲ — من التصحيح ۱۲ — من هذه القسمة ۱۲ — الذي ضربته في اصل المسئلة لاجل التصحيح ۱۲ — من ضرب الخارج في المضروب ۱۲ — من فرق الورثة ۱۲ — فيخرج من القسمة شئ فرده ۱۲ — من هذا الضرب ۱۲

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

توان صورتوں میں سے جس صورت میں تماثل ہو تو اس صورت میں اعداد متماثلہ میں سے صرف کسی ایک کو لیکر اسمیں اور باقی اعداد میں نسبت لحاظ کرکے حسب قواعد بالا تصحیح کے عمل کریں اور جس صورت میں تداخل ہو تو اس صورت میں اعداد متداخلہ میں سے بڑے عدد کو لے کر اس میں اور باقی اعداد میں نسبت لحاظ کرکے حسب قواعد صدر کا ربند ہوں اور جس صورت میں تماثل و تداخل دونوں ہوں تو اس صورت میں اعداد متماثلہ میں سے کسی ایک کو اور اعداد متداخلہ میں سے بڑے عدد کو لیکر اسمیں اور باقی اعداد میں نسبت لحاظ کرکے بدستور عمل کریں۔ اور واضح ہے کہ چار نسبتوں کا اجتماع کبھی نہ ہوگا جیسا کہ استقراء سے معلوم ہوا۔ ۱۲

ش۵ وَوَجْهٌ اٰخَرُ وَهُوَ طَرِيْقُ النِّسْبَةِ وَهُوَ اَوْضَحُ وَهُوَ اَنْ تَنْسِبَ سِهَامَ
لانہ لا یحتاج الی قسمۃ ومضرب کما فی الوجہین الاولین
كُلِّ فَرِيْقٍ مِنْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ اِلٰى عَدَدِ رُؤُسِهِمْ مُفْرَدًا ثُمَّ تُعْطِيَ بِمِثْلِ
من اعداد رؤس غیرہم
تِلْكَ النِّسْبَةِ مِنَ الْمَضْرُوْبِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ اٰحَادِ ذٰلِكَ الْفَرِيْقِ
مثل الزوجات والجدات والبنات والاعمام وغیرہم

ترجمہ: (یہ) فصل (تصحیح سے ہر فریق کا حصہ اور ہر فریق سے ہر ایک کا حصہ معلوم کرنے کے بیان میں) ہے اگر تم چاہو کہ (وارثوں میں سے) تصحیح (مسئلہ) سے ہر فریق کا حصہ معلوم کرو تو اصل مسئلہ سے اس فریق کو جتنا ملا ہے اس کو اس عدد میں ضرب دو جس کو تم نے اصل مسئلہ میں ضرب دیا ہے پس حاصل ضرب اس فریق کا حصہ ہوگا۔ اور اگر تم یہ چاہو کہ تصحیح سے اس فریق کے ہر ایک شخص کا حصہ معلوم کرو تو ہر فریق کے سہام کو جو اصل مسئلہ سے اس کو ملے ہیں اس فریق کے عدد رؤس پر تقسیم کردو پھر خارج قسمت کو اس مضروب میں ضرب دیدو جس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا تھا۔ تو حاصل ضرب اس فریق کے ہر شخص کا حصہ ہوگا اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مضروب کو عدد رؤس پر چاہے جس فریق کے ہوں تقسیم کرو۔ پھر خارج قسمت کو اس فریق کے عدد سہام میں جو اس کو مسئلہ سے پہنچے ہیں ضرب دو۔ جس فریق پر مضروب کو تقسیم کیا ہے تو حاصل ضرب اس فریق کے ہر شخص کا حصہ ہوگا۔ تیسرا طریقہ ہر ایک شخص کا حصہ معلوم کرنیکا جو نسبت کا طریقہ کہلاتا ہے۔ اور جو (پہلے دونوں طریقوں سے) زیادہ واضح ہے یہ ہے کہ ہر فریق کے جس قدر سہام اصل مسئلہ سے مقرر ہیں ان سہام کو تنہا اس فریق کے عدد رؤس کیطرف نسبت کیا جائے پھر اس نسبت کیمطابق مثل اس فریق کے ہر شخص کو اس عدد میں سے دیا جائے جو تصحیح کے لئے اصل مسئلہ میں مضروب ہے۔

ـلہ فصل ۔ چونکہ مواریث سے مقصود یہ ہے کہ ہر وارث کو اس کا حق دیا جائے۔ اس لئے اس اہتمام کے لئے مصنف رحہ نے تصحیح کے ذیل میں چار طریقے ذکر کئے۔ ۱۲

ـ۹۲ قولہ اذا اردت الخ یعنی اگر یہ بات معلوم کرنی منظور ہو کہ ہر فریق کو تصحیح سے کسقدر پہنچتا ہے تو اصل مسئلہ سے اس فریق کو جتنا ملا ہے اس کو اس عدد میں ضرب دو جس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا تھا۔ حاصل ضرب اس فریق کا حصہ ہوگا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ میت نے پانچ بیٹیاں تین دادیاں اور دو چچا چھوڑے اس صورت میں ۶ سے مسئلہ ہوکر ۴ سہام بیٹیوں کو اور ایک دادیوں کو اور ایک جو باقی رہا چچوں کو ملا۔ ان تمام سہام اور رؤس میں مباینت ہے اور رؤس و رؤس میں بھی آپس میں تباین کی نسبت ہے ہم نے بیٹیوں کے ۵ عدد رؤس کو دادیوں کے تین عدد رؤس میں ضرب دیا تو ۱۵ حاصل ہوئے پھر

ہم نے ۱۵ کو ۲ عدد رؤس چچوں میں ضرب دیا تو ۳۰ حاصل ہوئے پھر اس سب سے پچھلے حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا ۱۸۰ حاصل ہوئے۔ اس مجموعہ سے مسئلہ کی تصحیح ہوئی۔ اگر بیٹیوں کا حصہ معلوم کرنا چاہو تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ ان کو اصل مسئلہ میں سے جو ۴ سہام پہنچے ہیں ان کو ۳۰ میں ضرب دینے سے ۱۲۰ حاصل ہونگے وہ تمام بیٹیوں کا حصہ ہے اسی طرح دادیوں کو جو اصل مسئلہ سے ایک سہم پہنچا ہے اس کو ۳۰ میں ضرب دینے سے جو ۳۰ حاصل ہوئے یہ تینوں دادیوں کا حصہ ہے وعلیٰ ہذا القیاس ۱۲

۵۳ قولہ واذا اردت الخ یعنی اگر یہ معلوم کرنا منظور ہو کہ ان فریق میں سے ہر وارث کو تصحیح سے کتنا حصہ پہنچتا ہے تو جس قدر اصل مسئلہ سے اس شخص کے فریق کو ملا ہے اس کو اس فریق کے عدد رؤس پر تقسیم کرو پھر خارج قسمت کو اس مضروب میں ضرب دو جس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا تھا تو حاصل ضرب اس فریق کے ہر شخص کا حصہ ہوگا اس کی مثال تباین اعداد رؤس سے یہ ہے کہ میت نے دو زوجہ چھ دادیاں دس بیٹیاں اور سات چچا چھوڑے یہ مسئلہ ۲۴ سے ہوگا۔ ۲ بیویوں کو ۳ سہام ۶ دادیوں کو ۴ سہام اور دس بیٹیوں کو ۱۶ سہام اور سات چچوں کو ایک سہم ملا۔ دو زوجہ کے سہام اور رؤس میں تباین کی وجہ سے ۲ دو رؤس محفوظ رکھے گئے۔ دادیوں کے سہام اور رؤس میں توافق بالنصف ہونیکی وجہ سے ۳ النصف رؤس قرار پائے۔ بیٹیوں کے سہام اور رؤس میں توافق بالنصف ہونیکی وجہ سے نصف رؤس ۵ قرار پائے اور چچوں کے سہام اور رؤس میں تباین ہونے کی وجہ سے سات رؤس برقرار رہے۔ ۲، ۳، ۵، ۷ میں تباین ہونے کی وجہ سے سب کو ایک دوسرے میں ضرب دیکر ۲۱۰ حاصل ہوئے اس آخیر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ ۲۴ میں ضرب دیکر ۵۰۴۰ حاصل ہوئے جس سے مسئلہ کی تصحیح ہوئی۔ اس تصحیح سے فریق زوجہ کے ۶۳۰ اور چھ دادیوں کے ۸۴۰ سہام اور دس بیٹیوں کے ۳۳۶ سہام اور سات چچوں کے ۲۱۰ سہام ہوئے دو بیویوں کے حصہ ۶۳۰ سہام میں ہر بیوی کا حصہ معلوم کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ دو بیویوں کا حصہ اصل مسئلہ سے ۳ سہام تھا۔ اس کو ۲ رؤس پر تقسیم کیا تو ہر ایک کا حصہ ایک اور نصف ہوا یعنی ڈیڑھ (۱½) ہوا۔ اس کو جب اصل مسئلہ کے مضروب یعنی ۲۱۰ میں ضرب دیا تو ۳۱۵ حاصل ہوئے پس یہی حصہ ہر بیوی کا ہے۔ بیٹیوں کا حصہ اصل مسئلہ سے ۱۶ سہام تھا اس کو دس پر تقسیم کیا۔ ایک اور تین خمس ۱⅗ خارج قسمت ہوا۔ جب اس کو مضروب ۲۱۰ میں ضرب دیا تو ۳۳۶ حاصل ہوئے جو ہر بیٹی کا حصہ ہے وعلیٰ ہذا القیاس ۱۲

۵۴ قولہ ووجہ آخر۔ یعنی دوسرا طریقہ ہر شخص کا حصہ معلوم کرنیکا خواہ کسی فریق سے ہو یہ ہے جو عدد اصل مسئلہ میں مضروب ہے اس کو اس فریق کے عدد رؤس پر جس کا حصہ معلوم کرنا چاہتے ہو تقسیم کرو جو کچھ خارج قسمت آئے اس کو فریق مذکور کے اس عدد سہام پر جو اصل مسئلہ سے اسکو ملا ہے ضرب دو۔ حاصل ضرب اس فریق میں سے ہر ایک شخص کا حصہ ہوگا۔ پس جبکہ مسئلہ مذکورہ بالا میں

فصل في قسمة التركات بين الورثة والغرماء

إذا كان بين التصحيح والتركة مباينة فاضرب سهام كل وارث من التصحيح في جميع التركة ثم اقسم المبلغ على التصحيح مثاله بنتان و أبوان والتركة سبعة دنانير وإذا كان بين التصحيح والتركة موافقة فاضرب سهام كل وارث من التصحيح في وفق التركة ثم اقسم المبلغ على وفق التصحيح فالخارج نصيب ذلك الوارث في الوجهين هذا لمعرفة نصيب كل فرد أما المعرفة نصيب كل فريق منهم فاضرب ما كان لكل فريق من أصل المسئلة في وفق التركة ثم اقسم المبلغ على وفق المسئلة إن كان بين التركة والمسئلة موافقة و إن كان مباينة فاضرب في كل التركة ثم اقسم الحاصل على جميع المسئلة فالخارج نصيب ذلك الفريق الوجهين

(حواشی: هذا المثال ايضا لا يوجد في بعض النسخ التصحيحية ١٢ — م حكم التوافق ١٢ — اي الحاصل من هذا الضرب ١٢ — اي المباينة والموافقة ١٢ — اي القاعدة — اي من الورثة ١٢ — قبل التصحيح ١٢ — اي الحاصل من هذا الضرب ١٢ — اي تصحيح المسئلة ١٢ — شرط — جزاء — من الضرب ١٢ — اي على جميع تصحيحها ١٢ — اي الموافقة والمباينة ١٢)

ترجمہ:- (یہ) فصل وارثوں اور قرض خواہوں کے درمیان تقسیم ترکہ (کے بیان) میں ہے۔ اگر تصحیح اور ترکہ میں مباینت ہے تو ہر وارث کے سہام کو جو تصحیح سے ملے ہیں تمام ترکہ میں ضرب دو۔ پھر حاصل

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق) مضروب یعنی ۲۱۰ کو دو بیویوں پر تقسیم کیا تو خارج قسمت ۱۰۵ ہوا۔ پھر جب اس خارج قسمت ۱۰۵ کو دونوں بیویوں کے حصہ میں جو اصل مسئلہ میں تھا یعنی تین میں ضرب دیا تو ۳۱۵ حاصل

ضرب کو تصحیح پر تقسیم کر دو پس خارج قسمت ہر وارث کا حصہ ہوگا) اس کی مثال (یہ ہے کہ میت نے) دو بیٹیاں اور ماں باپ چھوڑے اور ترکہ سات اشرفیاں ہیں۔ اور اگر تصحیح اور ترکہ کے درمیان موافقت ہے تو ہر وارث کے سہام کو جو تصحیح سے ملے ہیں۔ وفق ترکہ میں ضرب دو پھر حاصل ضرب کو وفق صحیح پر تقسیم کر دو پس خارج قسمت اس وارث کا حصہ ہوگا (مباینت و موافقت کی) دونوں صورتوں میں (یہ قاعدہ مذکور ہوا) ہر وارث کا حصہ دریافت کرنے کے لئے ہے اور وارثوں میں سے ہر فریق کا حصہ معلوم کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر فریق کے حصہ کو جو اس کو اصل مسئلہ تصحیح سے ملا ہے وفق ترکہ میں ضرب دو پھر حاصل ضرب کو وفق تصحیح پر تقسیم کر دو اگر ترکہ اور مسئلہ تصحیح میں موافقت ہو اور اگر ان دونوں (ترکہ و تصحیح مسئلہ) میں مباینت ہو تو ہر فریق کے حصہ کو تمام ترکہ میں ضرب دو۔ پھر حاصل ضرب کو تمام تصحیح مسئلہ پر تقسیم کر دو۔ جو خارج قسمت ہوگا وہ ہر فریق کا حصہ ہے (توافق و تباین کی) دونوں کی صورت میں۔

سلہ قولہ فصل۔ جب مصنف رہ تصحیح مسائل کے قواعد بیان کرنے اور تصحیح سے وارثوں میں سے ہر

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

ہوئے۔ پس ہر عورت کا یہی حصہ ہوا۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس ۱۲

ﮧ قولہ ووجہ آخر۔ یعنی تیسرا طریقہ ہر وارث کا حصہ معلوم کرنے کا جس کو نسبت کا طریقہ کہتے ہیں یہ ہے کہ ہر فریق کے جسقدر سہام اصل مسئلہ سے مقرر ہوں۔ ان سہام کو تنہا اس فریق کے عدد رؤس کی طرف نسبت کیا جائے پھر اس نسبت کے اعتبار سے اس فریق کے ہر شخص کو اس عدد میں سے دیدیا جائے جو تصحیح کے لئے اصل مسئلہ میں مضروب ہے پس جب کہ مسئلہ مذکورہ بالا میں دونوں بیویوں کے تین سہام کی نسبت رؤس کی طرف کی تو مثل اور نصف یعنی ڈیوڑھی نسبت ہوئی اور جبکہ ہر بیوی کو مضروب یعنی ۲۱۰ سے اس نسبت کے مطابق دیا تو ۳۱۵ ہوئے وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ مصنف رہ اس صورت کو اوضح فرماتے ہیں اس لئے کہ اس طریقہ میں تقسیم و ضرب کی حاجت نہیں پڑتی برخلاف اور طریقوں کے مصنف نے اس کو زیادہ واضح لکھا ہے حالانکہ دقت سے خالی نہیں احقر کے نزدیک آسان اور مختصر طریقہ یہ ہے کہ ہر فریق کو جو سہام تصحیح مسئلہ سے پہنچے ہیں۔ ان کو اس فریق کے عدد رؤس پر تقسیم کر دیا جائے تو فریق مذکور کے ہر ایک شخص کا حصہ تصحیح سے معلوم ہو جائیگا۔ پس مسئلہ مذکورہ میں دو بیویوں کو ۶۳۰ سہام جو تصحیح مسئلہ سے پہنچے ہیں دو پر تقسیم کریں تو ۳۱۵ سہام آتے ہیں۔ یہی ہر بیوی کا حصہ ہے لڑکیوں کے سہام ۳۳۶۰ جو تصحیح مسئلہ سے پہنچے ہیں ان کے عدد رؤس دس پر تقسیم کرنے سے ۳۳۶ خارج قسمت آیا۔ یہی ہر بیٹی کا حصہ ہے۔ اسی طرح دادیوں کے ۸۴۰ سہام کو ۴ پر تقسیم کیا تو خارج قسمت ۲۱۰ ہوا جو ہر دادی کا حصہ ہے۔ ۱۲

فریق کا اور اس فریق سے ہر ایک شخص کا حصہ معین کرنے سے فارغ ہوئے تو اب وارثوں اور قرض خواہوں کے درمیان ترکات کے تقسیم کرنے اور ترکہ سے ان کے حصہ معین کرنے کا بیان کرتے ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ اس فصل میں دو باتوں کا بیان ہے۔ ایک اس بات کا کہ میت کے ترکہ کو جو روپیہ اشرفی وغیرہ کی قسم سے ہوں اس کے وارثوں پر کس طرح تقسیم کریں۔ دوسرے اس بات کا کہ جب مُردہ کئی شخصوں کا قرضدار مرا ہو اور اسقدر مال نہ چھوڑا ہو جس سے ہر ایک قرضخواہ کا پورا پورا قرض ادا ہو سکے تو اس مال کو پرتے کے طور پر کیونکر تقسیم کریں۔ یہاں مصنف رح پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ورثہ اور غرماء کے درمیان واو کے ساتھ جو جمع کا حرف ہے عطف کرنا درست نہیں اس لئے کہ اگر ترکہ بقدر وافر ہے کہ تمام قرضخواہوں کا قرض ادا کرنے کے بعد وارثوں کے لئے باقی رہتا ہے تو اس صورت میں قرضخواہوں پر تقسیم کی ضرورت نہیں صرف وارثوں پر تقسیم کی ضرورت رہے گی۔ اور اگر ترکہ اتنا نہیں ہے کہ قرضخواہوں کو دیکر باقی رہے تو ورثہ کی تقسیم کا ذکر بیکار ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یا تو لفظ غرماء پر بین کا لفظ مقدر ہے۔ مصنف رح کی مراد یہ ہے فی قسمۃ الترکات بین الورثۃ وبین الغرماء۔ یا واؤ یہاں او کے قائم مقام ہے جسکا ترجمہ یا ہے جو تردید کے لئے آتا ہے دونوں صورتوں میں یہ معنی ہونگے کہ وارثوں کی تقسیم ان کے احوال کے موافق علیحدہ طور پر ہے۔ اور قرضخواہوں کی تقسیم اُن کے احوال کے موافق علیحدہ طریق پر ہے۔ ہر صورتمیں ترکہ کی تقسیم یا فقط وارثوں پر ہوتی ہے یا فقط قرضخواہوں پر دونوں پر ایک ساتھ نہیں ہوتی لیکن قرضخواہ وارثوں کی تقسیم پر مقدم ہیں۔ حاشیہ عم زادہ میں ہے دو گروہوں میں تقسیم ترکہ سے مراد یہ ہے کہ ہر گروہ کے افراد میں خصوصیت کے ساتھ تقسیم ہوگی نہ مشترک طور پر گروہوں میں بعد تصحیح مسئلہ کے یہ دیکھا جائے کہ جسقدر متروکہ ہے اس میں اور تصحیح میں چار نسبتوں میں سے کونسی نسبت ہے ۱۲

۵۲ قولہ اذا کان الخ یعنی اگر یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ ہر وارث کو ترکہ یعنی مالِ متروکہ سے کتنی مقدار ملے گی تو پہلے یہ دیکھو کہ اس شخص کو تصحیح سے کتنا ملا ہے۔ یہاں تصحیح سے مراد عام ہے خواہ تصحیح ہو یا اصل مسئلہ یا عول یا رد۔ پھر دیکھا جائے کہ ترکہ کی مقدار اور تصحیح میں کیا نسبت ہے۔ اگر ترکہ اور تصحیح میں مباینت ہے تو ہر وارث کے سہام کو جو تصحیح سے اس کو ملے ہیں تمام ترکہ میں ضرب دو۔ پھر حاصل ضرب کو کل تصحیح پر تقسیم کر دو۔ خارج قسمت اس شخص کا حق ہے۔ مثلاً کسی نے دو بیٹیاں اور ماں باپ چھوڑے اور ترکہ سات اشرفیاں ہیں۔ اصل مسئلہ ۶ سے ہو کر ہر بیٹی کو دو سہم اور ماں باپ میں سے ہر ایک کو ایک سہم ملے گا۔ اصل مسئلہ ۶ اور سات اشرفی ترکہ میں تبائن ہے پس ہم نے ماں باپ کے حصہ کو کہ ایک ایک سہم ہے سات میں ضرب دیا تو حاصل ضرب سات ہوا اس کو ۶ پر تقسیم کیا تو خارج قسمت ایک اشرفی اور ایک اشرفی کا چھٹا حصہ ہوا جو ماں باپ میں سے ہر ایک کا حصہ ہے اور ہر بیٹی کے دو سہم ہیں۔ جب دو کو سات میں ضرب دیا تو ۱۴ حاصل ضرب ہوا اس کو ۶ پر تقسیم کیا

توہر ایک کو دو اشرفی اور تہائی اشرفی پہنچی۔
تنبیہ :۔ فاضل جرجانی کی شرح میں اذا کان بین التصحیح والترکۃ مباینۃ کا فقرہ نہیں ہے اور اس کے نہ ہونے کی توجیہ بھی انھوں نے اس قول "واذا کان بین الترکۃ والتصحیح موافقۃ" کی شرح میں بتلائی ہے۔ سراجی کے مطبوعہ نسخوں میں یہ فقرہ پایا جاتا ہے۔ سراجی کے قلمی نسخہ میں یہ ہے انہ اذا کان بین الترکۃ والتصحیح مماثلۃ فالامر ظاہر واذا لم یکن فاضرب سہام کل وارث من التصحیح فی جمیع الترکۃ ثم اقسم المبلغ علی التصحیح۔ شریفیہ کے ایک قلمی نسخہ میں یہ ہے اذا کان بین التصحیح والترکۃ مماثلۃ فالامر ظاہر واذا لم یکن بینہما مماثلۃ بل کانت بینہما مباینۃ فاضرب سہام کل وارث من التصحیح فی جمیع الترکۃ ثم اقسم المبلغ علی التصحیح۔ شریفیہ کے دوسرے قلمی نسخہ میں یہ ہے انہ اذا کان بین الترکۃ والتصحیح مماثلۃ فالامر ظاہر واذا لم یکن بینہما مماثلۃ فاضرب سہام کل وارث الی آخرہ۔ شریفیہ کے تیسرے قلمی نسخہ میں ہے اذا لم یکن بینہما مماثلۃ فاضرب سہام کل وارث من التصحیح فی جمیع الترکۃ الی آخرہ۔ ابوالعلاء محمد بن ابوبکر بخاری ثم کلاآبادی متوفی ۸۰۰ھ کی شرح موسوم بہ ضوء السراج کے نسخہ مکتوبہ ۸۱۱ھ میں یوں ہے اذا کان بین التصحیح والترکۃ مباینۃ یعنی ضم المسئلۃ ثم اطلب الوفق بین التصحیح وبین الترکۃ فان کان بینہما مباینۃ فاضرب الی آخرہ اور سراجی کی شرح موسوم بہ نور السراج کے قلمی نسخہ میں ہے ان کان بین التصحیح والترکۃ مباینۃ فاضرب سہام کل وارث اور شیخ الاسلام سیف الدین احمد متوفی ۹۱٦ھ کی شرح کے نسخہ مکتوبہ ۹۸۲ھ میں یوں ہے ان کانت الترکۃ متساویۃ للتصحیح فحصول المطلوب واضح والا فاضرب سہام کل وارث من التصحیح فی جمیع الترکۃ ثم اقسم المبلغ علی التصحیح۔ اس بیان سے واضح ہوا کہ سراجی کے مختلف طور کے نسخے مروج ہوگئے تھے ان میں سے ایک وہ بھی تھا جس کے مطابق سید شریف جرجانی نے شرح لکھی ہے۔ مصنف کے الفاظ کیا ہیں اسکا پتہ نہ چل سکا۔ ۱۲

۵۳ قولہ مباینۃ۔ مصنف رح نے ترکہ و تصحیح کے درمیان مماثلت کی صورت کا بیان اسلئے نہیں کیا کہ وہ امر ظاہر ہے۔ بنظر توضیح ایک مثال لکھی جاتی ہے کہ میت نے ماں باپ اور چار لڑکیاں چھوڑیں اور ترکہ چھ اشرفی ہے اصل مسئلہ ٦ سے ہوکر ماں باپ کو ایک ایک سہم اور ہر لڑکی کو ایک ایک سہم مل جائیگا۔ چھ اشرفی میں سے ثلث یعنی دو اشرفی ماں باپ کو ان میں سے ہر ایک کو ایک اشرفی پہنچے گی۔ اور دو ثلث یعنی چار اشرفیاں چار لڑکیوں کو کہ ان میں سے ہر لڑکی کو ایک ایک اشرفی ملے گی۔ اس صورت میں ترکہ بلا دقت تقسیم ہوگیا۔ کچھ اور عمل کی ضرورت نہ پڑی۔ لہٰذا مصنف نے مماثلت کی صورت سے بحث نہیں کی اور مباینت اور توافق کا ذکر شروع کیا۔ ۱۲ ۵۴ قولہ اذا کان الخ یعنی اگر تصحیح اور ترکہ میں توافق ہے تو سہام تصحیح وارث کو وفق ترکہ میں ضرب دو۔ پھر حاصل ضرب کو وفق تصحیح پر تقسیم کردو تو خارج قسمت اس وارث کا حق ہوگا۔ مثلاً ایک عورت نے شوہر دو سگی بہنیں اور ماں چھوڑی اور ترکہ میں پچاس روپے چھوڑے۔ اصل مسئلہ ٦ سے ہوکر

۸ کی طرف عول ہو جائیگا لہٰذا مسئلہ کی تصحیح ۸ سے ہوگی ۳ سہام شوہر کو ۴ سہام دو سگی بہنوں کو اور ایک سہم ماں کو ملے گا۔ یہاں ترکہ اور تصحیح میں توافق بالنصف ہے جب ہم نے ترکہ سے شوہر کا حصہ معلوم کرنا چاہا تو اس کے تین سہام کو وفق ترکہ یعنی ۲۵ میں ضرب دیا تو ۷۵ حاصل ضرب ہوا اس کو وفق تصحیح ۴ سے تقسیم کیا تو خارج قسمت ۱۸ ۳/۴ (اٹھارہ روپے اور پون روپیہ) ہوا۔ یہی حصہ شوہر کا ہے۔ ماں کے حصہ کو معلوم کرنا چاہا تو اس کے سہم کو وفق ترکہ ۲۵ میں ضرب دیا تو حاصل ضرب ۲۵ ہوا اس کے وفق تصحیح ۴ سے تقسیم کیا تو سوا چھ روپے ہوئے یہی ماں کا حصہ ہیں وعلیٰ ہذا القیاس ہر بہن کا حصہ ساڑھے بارہ روپے ہوا۔ مداخلت عمل میں موافقت کے شریک ہے۔ چنانچہ مسئلہ مذکورہ بالا میں جبکہ ترکہ ۲۴ روپے فرض کرو تو تصحیح اور ترکہ میں تداخل ہے اس صورت میں تم کو اختیار ہے خواہ مباینت کی طرح عمل کرو۔ خواہ ہر وارث کے حصہ کو وفق ترکہ میں ضرب دو اور حاصل ضرب کو وفق تصحیح پر تقسیم کرو۔ خارج قسمت ہر وارث کا حصہ ہوگا اور تداخل کی صورت میں اگر تصحیح کم ہوگی جیسے ترکہ ۲۴ اور تصحیح ۸ تو تصحیح کا وفق ہمیشہ ایک ہوگا۔ پس صرف وارث کے سہام کو وفق ترکہ میں ضرب دینا پڑیگا مثلاً شوہر کے ۳ سہام ہیں اور وفق ترکہ بھی ۳ ہے تو دونوں کا حاصل ضرب ۹ ہوا۔ یہی شوہر کا حصہ ہے۔ اور اگر ترکہ کم ہو اور تصحیح زائد۔ مثلاً مثال مذکور میں ترکہ چار روپے ہوں تو وفق ترکہ ایک ہوگا تو اسمیں ضرب کی حاجت نہیں۔ وارثوں کے سہام کو صرف وفق تصحیح پر تقسیم کرنا ہوگا۔ مثلاً شوہر کے ۳ سہام کو دو پر تقسیم کریں گے تو ڈیڑھ روپیہ نکلے گا۔ یہی ۴ میں سے اسی کا حصہ ہوگا۔ ہر بہن کے دو سہام کو دو پر تقسیم کیا تو ہر بہن کا ایک ایک روپیہ ہوا ماں کے ایک سہام کو دو پر تقسیم کیا تو آٹھ آنے ہوئے یہ ماں کا حصہ ہے ۵۵ قولہ اما المعرفۃ الخ یعنی وارثوں میں سے ہر فریق کے حصہ کے معلوم کرنے کا قاعدہ آگے ذکر کیا جاتا ہے۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ مصنف ؒ نے ہر وارث کے حصہ کے بیان کو ہر فریق کے حصے کے بیان سے پہلے ذکر کیا حالانکہ ترتیب طبعی بالعکس ہے۔ ترتیب طبعی یہ ہے کہ ہر فریق کے حصہ کو ہر شخص کے حصے سے مقدم کرتے جیسا کہ فصل سابق میں کیا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ مصنف ؒ نے یہ خیال کیا کہ تقسیم میں مقصود یہ ہے کہ ہر شخص کو حصہ بغیر کمی وبیشی کے دیا جائے اس لئے جو اہم تھا اس کو پہلے لائے ۱۲

۵۶ قولہ فاضرب الخ یعنی اگر ترکہ سے ہر فریق کا حق معلوم کرنا چاہو تو اسی طرح پہلے یہ دیکھو کہ کل ترکہ اور تصحیح میں کیا نسبت ہے اگر توافق ہے تو ہر فریق کو اصل تصحیح سے جو حصہ پہنچا ہے اس کو وفق ترکہ میں ضرب دو۔ پھر حاصل ضرب کو وفق تصحیح پر تقسیم کرو جو خارج قسمت ہوگا وہی اس فریق کا حق ہوگا۔ اور اگر ان دونوں میں تباین ہے تو ہر فریق کو اصل تصحیح سے جو ملا ہے اسکو کل ترکہ میں ضرب دو۔ اور حاصل ضرب کو تمام تصحیح پر تقسیم کرو جو خارج قسمت ہوگا وہی اس فریق کا حق ہوگا توافق کی مثال یہ ہے کہ میت نے دو بیٹیاں دو سگے بھائی اور ماں وارث چھوڑے اور تیس روپے ترکہ چھوڑا۔ تصحیح مسئلہ ۱۲ سے ہوکر ۸ سہام دو بیٹیوں کو دو بھائیوں کو دو سہام

مسئلہ ۱۲ / ۶

بنات ۲	اخ حقیقی ۲	ام
۴	۱	۱
۸	۲	۲

أَمَّا فِي قَضَاءِ الدُّيُوْنِ فَدَيْنُ كُلِّ غَرِيْمٍ بِمَنْزِلَةِ سِهَامِ كُلِّ وَارِثٍ فِي

شروع في معرفة القسمة بين الغرماء ١٢

الْعَمَلِ وَمَجْمُوْعُ الدُّيُوْنِ بِمَنْزِلَةِ التَّصْحِيْحِ وَإِنْ كَانَ فِي التَّرِكَةِ

اى لافرق بين وارث و غريم في العمل ١٢

كُسُوْرٌ فَابْسِطِ التَّرِكَةَ وَالْمَسْئَلَةَ كِلَيْهِمَا أَيْ اِجْعَلْهُمَا مِنْ جِنْسِ

واحد اذا كانت كربع او ثلث او مختلف كربع وسدس ١٢

الْكَسْرِ ثُمَّ قَدِّمْ فِيْهِ مَا رَسَمْنَاهُ

فَصْلٌ فِي التَّخَارُجِ

مَنْ صَالَحَ عَلَى شَيْءٍ مِنَ التَّرِكَةِ فَاطْرَحْ سِهَامَهُ مِنَ التَّصْحِيْحِ

من الورثة ١٢ — معلوم ١٢ — الطرح بالفتح انداختن، دور كردن ١٢

ثُمَّ اقْسِمْ مَا بَقِيَ مِنَ التَّرِكَةِ عَلَى سِهَامِ الْبَاقِيْنَ كَزَوْجٍ وَأُمٍّ وَ

بعد ما اخذه الصالح ١٢

عَمٍّ فَصَالَحَ الزَّوْجُ عَلَى مَا فِي ذِمَّتِهِ مِنَ الْمَهْرِ وَخَرَجَ مِنَ الْبَيْنِ

من سهمه الذى هو النصف في المسئلة المعروضة ١٢

فَتُقْسَمُ بَاقِي التَّرِكَةِ بَيْنَ الْأُمِّ وَالْعَمِّ أَثْلَاثًا بِقَدْرِ سِهَامِهِمَا سَهْمَانِ

وهو ما على المهر ١٢ — وتصح المسئلة من ثلثة ١٢ — من الباقى لا من اصل المال ١٢

لِلْأُمِّ وَسَهْمٌ لِلْعَمِّ أَوْ زَوْجَةٍ وَأَرْبَعَةِ بَنِيْنَ فَصَالَحَ أَحَدُ الْبَنِيْنَ

عَلَى شَيْءٍ وَخَرَجَ مِنَ الْبَيْنِ فَيُقْسَمُ مَا فِي التَّرِكَةِ عَلَى خَمْسَةٍ وَ

من حصته ١٢ — اى بين الورثة ١٢

عِشْرِيْنَ سَهْمًا لِلْمَرْأَةِ أَرْبَعَةُ أَسْهُمٍ وَلِكُلِّ ابْنٍ سَبْعَةٌ۔

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

ماں کو دو سہام ملے تصحیح اور ترکہ میں توافق بالثلث ہے۔ اگر زینب بنات کا حصہ ترکہ سے معلوم کرنا چاہو تو بیٹیوں کے ۸ سہام کو وفق ترکہ ۱۰ میں ضرب دو۔ تو حاصل ضرب ۸۰ ہوگا۔ اس کو وفق تصحیح چار پر تقسیم

ترجمہ :- قرض خواہوں کے قرض ادا کرنے میں (یہ قاعدہ ہے) کہ ہر قرض خواہ کے قرض کو بمنزلہ سہام ہر وارث کے اور قرضوں کے مجموعہ کو بمنزلہ تصحیح کے (تصور کیا جائے) اگر ترکہ میں کسور ہوں تو ترکہ اور مسئلہ کو بسط کرو یعنی ان دونوں (مال اور مسئلہ) کو کسر کی جنس سے بنالو پھر اس میں وہ عمل کرو جس کو ہم لکھ چکے ہیں۔

(یہ) فصل تخارج (کے بیان) میں ہے

ترجمہ :- جو شخص (وارثوں میں سے) معین چیز پر ترکہ میں سے صلح کرلے تو اس وارث کے سہام تصحیح سے گرادو اور جسقدر ترکہ صلح کرنیوالے کو دینے کے بعد باقی رہا ہے اس کو باقی ورثار کے سہام پر تقسیم کردو۔ مثلاً (میت کے وارث) شوہر، ماں اور چچا ہے۔ پس شوہر نے اس مہر پر جو اس کے ذمہ ہے صلح کرلی اور وہ وارثوں کے درمیان سے نکل گیا تو باقی ترکہ ماں اور چچا کے درمیان بقدر ان کے سہام کے تین حصّے کرکے تقسیم کردیا جائیگا اور اسوقت میں دو سہم ماں کے اور ایک سہم چچا کا ہوگا یا زوجہ اور چار بیٹے وارث ہیں۔ بیٹوں میں سے ایک بیٹے نے ایک معین چیز پر صلح کرلی اور ورثار کے درمیان سے نکل گیا تو باقی ترکہ ۲۵ سہام پر تقسیم کیا جائے گا۔ چار سہم زوجہ کے اور سات سہم ہر بیٹے کے ہونگے۔

سلہ امّا الخ۔ اگر میت کی تجہیز و تکفین کے بعد متروکہ مال اسقدر باقی بچا ہے کہ تمام قرضخواہوں کے تمام قرضے ادا ہونے کے لئے کافی ہے تو اس صورت میں کوئی دقت نہیں پیش آتی۔ اور اگر اتنا مال نہیں بچا بلکہ مال کم ہے اور قرضے زیادہ ہیں تو اس صورت میں ہر قرضخواہ کو بمنزلہ ایک وارث کے اور اس کے قرض کو بمنزلہ سہام کے قرار دیا جائے اور تمام قرضخواہوں کے قرض کو بمنزلہ تصحیح مسئلہ کے سمجھا جائے حسب دستور سابق توافق اور تباین کی نسبت کو پیش نظر رکھ کر وہ عمل کیا جائے جو وارثوں کی تقسیم میں کیا ہے مثلاً ایک شخص مرا اور اس نے بیس رپئے چھوڑے اور اس پر زید کے ۱۰ روپے عمر کے ۲۵ رپئے اور بکر کے ۱۵ روپے قرض ہیں۔ قرضوں کا مجموعہ ۵۰ روپے بمنزلہ تصحیح مسئلہ کے ہے ۲۰ اور ۵۰ میں توافق بالعشر ہے پس جب ہم نے زید کے ۱۰ روپے کو ۲۰ کے عشر ۲ میں ضرب دیا۔ ۲۰ حاصل ہوئے پھر اس حاصل ضرب کو دفق تصحیح ۵ پر تقسیم کیا تو خارج قسمت ۴ ہوا یہی زید کا ہے اور جب ہم نے عمر کے قرض ۲۵ رپئے کو دفق ترکہ ۲ پر ضرب دیا تو ۵۰ حاصل ہوئے اور پھر اس حاصل ضرب کو دفق تصحیح ۵ پر تقسیم کیا ۱۰ ہوا یہی عمر کا حصہ ہے اسیطرح بکر کے قرض ۱۵ روپے کو

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

کرو تو خارج قسمت ۲۰ رپئے ہوگا یہی حق بیٹیوں کا ہے علیٰ ہذا القیاس بھائیوں کا پانچ رپئے ہے۔ تباین کی مثال یہ ہے کہ مسئلہ مذکورہ بالا میں ترکہ ۱۳ رپئے ہوں تو ترکہ اور تصحیح میں تباین ہے اس صورت میں جب بیٹیوں کا حصہ ۸ سہام ہیں تمام ترکہ کو ۱۳ میں ضرب دو تو ۱۰۴ حاصل ضرب ہوا اس کو تصحیح ۱۲ پر تقسیم کیا تو خارج قسمت آٹھ روپے دس آنے آٹھ پائی ہوا یہی حصہ بیٹیوں کا ہے (علیٰ ہذا القیاس بھائیوں کا حصہ ۲ روپے ۲ آنے ۸ پائی ہے۔ ۱۲۔

وفق ترکہ ۲ میں ضرب دیا تو ۳۰ حاصل ضرب ہوا۔ اس حاصل ضرب کو وفق تصحیح ۵ پر تقسیم کیا تو خارج قسمت ۶ روپے ہوا۔ یہی حصہ بکر کا ہے۔ یہ توافق کی مثال تھی۔ تباین کی مثال یہ ہے کہ میت نے ۱۳ روپے ترکہ چھوڑا اور اس کے ذمہ زید کے ۱۷ روپے اور عمر کے ۱۵ روپے قرض ہیں جن کا مجموعہ ۳۲ ہوتا ہے جو بمنزلہ تصحیح مسئلہ کے ہے ترکہ اور تصحیح میں تباین ہے پس زید کے قرض ۱۷ روپے کو کل ترکہ ۱۳ روپے میں ضرب دیا۔ تو ۲۲۱ حاصل ضرب ہوا اس حاصل ضرب کو کل تصحیح ۳۲ پر تقسیم کیا تو خارج قسمت ۶ روپے ۱۴ امر ہوا یہی زید کا حصہ ہے عمر کے قرض ۱۵ روپے کو کل ترکہ ۱۳ میں ضرب دیا تو ۱۹۵ حاصل ضرب ہوا پھر اس حاصل ضرب کو کل تصحیح ۳۲ پر تقسیم کیا [illegible] چھ روپے ڈیڑھ آنہ حاصل ہوئے یہی عمر کا حصہ ہے۔

۵۲ قولہ وان کان الخ یعنی اگر مال متروکہ میں کسر واقع ہو تو علم الحساب کے اصول پر تمام ترکہ اور مسئلہ (تمام قرضوں) کو جنس کسور سے بناکر حسب دستور عمل کرو۔ یاد رکھو۔ عدد صحیح کو کسر کی جنس سے کر لینے کو اہل حساب کی اصطلاح میں تجنیس کہتے ہیں اور اس سے جو حاصل ہو مجنس کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ تجنیس کا طریقہ یہ ہے کہ جس عدد صحیح کا کسر کی جنس سے معلوم کرنا منظور ہو تو اس کو اس کسر کے مخرج میں ضرب دو۔ پس اگر اس عدد کی تصحیح کے ساتھ کوئی کسر نہیں تو فقط یہی حاصل ضرب اسکا مجنس ہے۔ اور اگر کوئی کسر ہے تو اس حاصل ضرب پر عدد کسر بڑھا دو۔ مثلاً میت نے دو بیٹیاں ماں باپ وارث چھوڑے۔ اور ترکہ ساڑھے چھ روپے چھوڑا۔

مسئلہ ۶ ۱۲ حاصل اخیر ترکہ ۶½ روپے مجنس ۱۳

بنات ۲	اب	ام
۴	۱	۱

صورت مذکورہ بالا میں ترکہ ۶½ روپے کسر مرکب ہے۔ یعنی عدد صحیح اور کسر دونوں ہیں۔ پس عدد صحیح ۶ کو مخرج کسر یعنی دو میں ضرب دو۔ ۱۲ حاصل ہوئے۔ پھر اس حاصل کے ساتھ عدد کسر یعنی ایک جمع کرو۔ ۱۳ حاصل ہوئے تو مجنس تصحیح کا بارہ اور مجنس ترکہ کا ۱۳ ہے۔ پھر اس حاصل اخیر یعنی ۱۲ اور مجنس ۱۳ میں تباین کی نسبت پائی لہذا ترکہ میں سے ہر فریق کا حصہ معلوم کرنے کے لئے دو بنات کے سہام ۴ کو کل ترکہ مجنس ۱۳ میں ضرب دو۔ ۵۲ حاصل ہوئے۔ پھر اس حاصل کو کل تصحیح یعنی حاصل اخیر ۱۲ پر تقسیم کیا تو چار روپے ۵ آنہ ۴ پائی خارج قسمت ہوا۔ یہی دو لڑکیوں کا حصہ ہے وعلیٰ ہذا القیاس باپ کے ایک سہام کو ۱۳ میں ضرب دیا۔ ۱۳ حاصل ہوئے۔ اس کو ۱۲ پر تقسیم کیا ایک روپیہ ایک آنہ ۴ پائی خارج قسمت ہوا یہی باپ کا حصہ ہے اسی طرح یہی ماں کا حصہ بھی ہے۔

۵۳ قولہ ثم تقدم فیہ ما رسمناہ۔ مصنف رح کی تمام عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ترکہ میں عدد صحیح اور کسر دونوں ہوں تو عدد صحیح کو اس کسر کے مخرج میں ضرب دیں پھر حاصل کے ساتھ عدد کسر کو جوڑ لیں۔ اسی طرح تصحیح کو بھی مخرج مذکور میں ضرب دیں پھر اس حاصل اخیر یعنی حاصل ضرب تصحیح در مخرج اور حاصل سابق یعنی مجنس میں باہم نسبت ملحوظ کر کے بدستور عمل کریں یعنی اگر حاصل اخیر اور حاصل سابق

یعنی مجنس میں تباین ہو تو ہر فریق یا ہر ایک شخص کے حاصل کو جو تصحیح سے اس کو ملا ہے کل ترکہ یعنی کل مجنس میں اور توافق ہو تو دفق ترکہ یعنی دفق مجنس میں ضرب دیں پھر حاصل کو کل تصحیح میں کل حاصل اخیر پر پہلی صورت میں اور دفق تصحیح یعنی دفق حاصل اخیر پر دوسری صورت میں تقسیم کریں جیسا کہ تباین کی مثال حاشیہ ۲ میں گزری توافق کی مثال یہی ہے میت نے دو بیٹیاں باپ ماں وارث چھوڑے اور ترکہ ۱۰ؔ۲ روپے ہے یعنی دس روپے۔ اور ایک روپے کے دو ثلث ہوں تو مجنس ترکہ کا ۳۲ اور مجنس تصحیح کا اٹھارہ ہوگا اور ان دونوں میں توافق بالنصف ہے پس دو بیٹیوں کے حصے کے دریافت کرنے کے واسطے ۴ کو دفق ۳۲ یعنی ۱۶ میں ضرب دیں گے حاصل ضرب ۶۴ ہوگا۔ پھر حاصل یعنی ۶۴ کو ۱۸ کے دفق یعنی ۹ پر تقسیم کریں گے خارج قسمت ۷ ۱/۹ روپے یعنی سات روپے ایک آنہ ۹ ۳/۴ پائی ہوگا یہ دو لڑکیوں کا حصہ ہے وعلیٰ ہذا القیاس ماں باپ کے ایک ایک سہام کو ۳۲ کے دفق یعنی ۱۶ میں ضرب دیں گے حاصل ۱۶ ہی ہوگا پھر حاصل کو نو پر تقسیم کریں گے تو خارج قسمت ۷/۹ ۱ روپے یعنی ایک روپیہ بارہ آنے ۵ ۱/۳ پائی ہوئی جو کہ ماں باپ میں سے ہر ایک کا حصہ ہے۔

تنبیہ۔ متن کی یہ عبارت وان کان فی الترکۃ کسور الخ سراجی کے مطبوعہ متداول نسخوں میں ہے مگر فاضل جرجانی کی شرح میں اور سراجی کے قلمی نسخہ میں نہیں ہے اور شریفیہ کے قلمی نسخے میں متن اور شرح کی عبارت یوں لکھی ہے وان کان فی الترکۃ کسر فابسط الترکۃ والمسئلۃ کلیہما ای اجعلہما من جنس الکسر ثم قدم ما ذکرناہ اور ایک قلمی نسخہ میں کلتیہما بھی ہے مگر اور شرح کچھ نہیں لکھی۔ نور السراج میں یہ عبارت ہے ولو کان فی الترکۃ فابسط الترکۃ علی جنس الکسور مگر قلمی نسخہ سے یہ نہ معلوم ہوا کہ یہ الفاظ شارح کے ہیں یا ماتن کے۔ ضوء السراج اور شرح شیخ الاسلام وابن کمال پاشا کی شرح میں بھی یہ عبارت نہیں ہے ۱۲

۵۴ قولہ التخارج۔ بروزن تفاعل خروج سے مشتق ہے۔ اصطلاح فرائض میں اس کو کہتے ہیں کہ کوئی وارث اپنے حصہ کے عوض کچھ لیکر تقسیم ترکہ سے علیحدہ ہو جائے۔ تخارج کی یہ بھی تعریف کی گئی ہے کہ وارث آپس میں بعضے وارث کو میراث سے نکالنے پر اس مال پر صلح کریں جو اس کے حصہ سے کم یا زیادہ یا برابر ہے۔ یہ بھی تعریف کی گئی ہے جب کوئی وارث اپنے سہام کے بدلے جو اس کو تصحیح سے ملتے ہیں کوئی چیز ترکہ سے لیکر صلح کرے اور اپنے سہام سے دست بردار ہو جائے خواہ اس کے سہام سے جو تصحیح سے ملتے ہیں وہ چیز یا زر نقد کم ہو یا زیادہ یا برابر تخارج کو مالکیہ اور شافعیہ فرائض میں نہیں لکھتے ان کے نزدیک کتاب الصلح سے متعلق ہے ترکہ میں سے کسی چیز پر تخارج ورثا کی رضامندی سے جائز ہے۔ امام محمدؒ نے کتاب الصلح میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ ہدایہ میں ہے وفیہ اثر عثمان رضی اللہ عنہ فانہ صالح تماضر الاشجعیۃ امرأۃ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عن ربع ثمنہا علی ثمانین الف دینار یعنی اس کے جائز ہونے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ انہوں نے تماضر اشجعیہ زوجہ عبد الرحمٰن

بن عوف کی مصالحت اس کے آٹھویں حصہ کی چوتھائی سے اسی ہزار دینار پر جائز رکھی یہ عورت عبدالرحمٰن رض
سے دو طلاق پاکر رجعت میں تھی - پھر جب عبدالرحمٰن بیمار ہوئے تو اس کو تیسری طلاق دیدی اور اس کی عدت
گزر جانے کے بعد انتقال کیا مگر حضرت عثمان رض نے اس کو فرار قرار دے کر میراث دلائی جیسا کہ ابن سعد
نے طبقات میں روایت کیا ہے اس روایت میں کئی اختلاف ہیں کسی میں اسی ہزار درم مذکور ہیں اور کسی
روایت میں چوتھی عورت کا حصہ ایک لاکھ مذکور ہے - تخارج کی شرط یہ ہے کہ کل ترکہ یا بعض ترکہ قرض
میں گھرا ہوا نہ ہو - دوسری شرط یہ ہے کہ جو کچھ اس کو دیا گیا وہ اس کی جنس ترکہ سے زائد ہو اور بعض کے
نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ صلح کے وقت یہ بات معلوم ہو کہ ترکہ میں جو اموال عین ہیں وہ کس جنس کے ہیں - تو
ایسی صلح جائز ہے خواہ یہ مال جو اس کو بالفعل دیا ہے کم ہو یا زیادہ اس لئے کہ اس صلح کو بطور بیع کے صحیح
بنانا ممکن ہے پھر یہ حکم اسوقت ہے کہ ترکہ آراضی و مکان و اسباب ہو یعنی چاندی، سونا نہ ہو تو عوض صلح میں
قلیل و کثیر سب جائز ہے اور اگر ترکہ چاندی ہو پس اس کے عوض میں سونا دیا یا ترکہ سونا ہے اور اسکے عوض
میں چاندی دی تو بھی یہی حکم ہے کہ قلیل و کثیر سب جائز ہے اس واسطے کہ ایک جنس کو اسکے خلاف جنس کے
عوض بیچنا ہے تو ان میں برابر ہونا معتبر نہیں لیکن اسی مجلس میں قبضہ ہو جانا شرط ہے اس لئے کہ بیع صرف
ہے - اور اگر ترکہ سونا اور چاندی اور اسکے سوا مختلط ہو پھر وارثوں نے ایک وارث سے سونے یا چاندی
پر صلح کر لی تو ضرور ہے کہ جو کچھ انھوں نے صلح میں عوض دیا ہے وہ اس وارث کے اس جنس کے حصہ سے
زیادہ ہو حتیٰ کہ اس کے حصہ کے مقابلہ میں برابر نقد واقع ہو اور زیادتی بمقابلہ حصہ ترکہ کے ہو تاکہ سود سے
احتراز ہو یعنی اس وارث کے حصہ ترکہ میں بھی سونا اور چاندی مع اشیاء کے موجود ہے اور جبکہ اس کے
حصہ سے سونے یا چاندی پر صلح کی تو اس کی مقدار اس کے حصہ نقد سے زیادہ ہونی چاہیئے تاکہ اس
میں بقدر اسکے حصہ سیم و زر کے اپنی جنس میں برابر ہو اور باقی بمقابلہ باقی حصہ ترکہ کے ہو پس سود نہ ہوگا
اور اگر ترکہ میں روپے و اشرفی ہوں تو ہر طرح صلح جائز ہے خواہ کم ہوں یا زیادہ - اس طرح کہ ایک جنس کو
اس کے غیر جنس کی طرف پھیرا جائے روپے بمقابلہ اشرفیوں کے اور اشرفیاں بمقابلہ روپیوں کے رکھی جائیں
جیسے بیع میں ہوتا ہے اور ترکہ میں لوگوں پر قرض ہو اور وارثوں نے قرض کو بھی صلح میں اس شرط پر داخل
کیا کہ جس وارث سے صلح کی ہے اس کو شرکت سے نکالیں اور یہ سب قرض ان ہی وارثوں کے واسطے ہو جائے
تو یہ صلح باطل ہو جائے گی کیونکہ ایسا کرنے میں قرض کا مالک کرنا ایسے شخص کو لازم آتا ہے جس پر قرض نہیں ہے
وہ صلح کرنے والے کا حصہ ہے حالانکہ جس پر قرض ہے اگر اس کو قرض کا مالک کرے تو جائز ہوتا ہے - اور
دوسرے کو مالک کرنا باطل ہے اور یہاں جس وارث کو صلح کر کے نکالا ہے اس نے اپنے حصہ قرض کا مالک
قرضدار کو نہیں کیا بلکہ ان وارثوں کو کر دیا تو یہ باطل ہے تو صلح بھی باطل ہو جائے گی -
نیز تخارج میں یہ شرط لازمی ہے کہ جو چیز یا زر نقد وارث لیکر علیحدہ ہوتا ہے وہ مال متروکہ میں سے

بَابُ الرَّدِّ

اَلرَّدُّ[۵۲] ضِدُّ الْعَوْلِ مَا[۵۳] فَضَلَ عَنْ فُرُوْضِ ذَوِي الْفُرُوْضِ وَلَا مُسْتَحِقَّ

لان فی العول یزاد المخرج وفی الرد ینقص ۱۲

لَهٗ يُرَدُّ عَلٰى ذَوِي الْفُرُوْضِ بِقَدْرِ حُقُوْقِهِمْ اِلَّا عَلَى الزَّوْجَيْنِ وَ

ای علی حسب النسب بینھما ثم ولا یلتفت الی عدد رؤسھم ۱۲

ای الرد علیٰ وجہ المذکور ۱۲

هُوَ قَوْلُ عَامَّةِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ وَبِهٖ اَخَذَ

کعثمان بن عفان وعلی ابن ابی طالب ومن تابعھم رضی اللہ عنھم وعروۃ والزھری الیسار ۱۲

اَصْحَابُنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ اَلْفَاضِلُ لِبَيْتِ

من بعض الصحابہ ۱۲

الْمَالِ وَبِهٖ اَخَذَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ ثُمَّ مَسَائِلُ

الْبَابِ عَلٰى اَقْسَامٍ اَرْبَعَةٍ اَحَدُهَا اَنْ يَّكُوْنَ فِي الْمَسْئَلَةِ

ای باب الرد عند من قال بہ ۱۲

جِنْسٌ وَاحِدٌ مِمَّنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ عِنْدَ عَدَمِ مَنْ لَّا يُرَدُّ عَلَيْهِ

وھم عشرۃ ۱۲ — ای الزوج والزوجۃ ۱۲

فَاجْعَلِ الْمَسْئَلَةَ مِنْ رُءُوْسِهِمْ كَمَا لَوْ تَرَكَ بِنْتَيْنِ اَوْ

ای وعلیٰ ھذا التقدیر فاجعل الخ ۱۲

اُخْتَيْنِ اَوْ جَدَّتَيْنِ فَاجْعَلِ الْمَسْئَلَةَ مِنْ اِثْنَيْنِ

ویکون لکل منھما النصف الاٰرکۃ ۱۲

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

ہو اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ جس قدر وہ وارث لیتا ہے وہ اس سے کم ہو یا زیادہ اس لئے کہ یہ صلح ہے ۱۲

۵۵ قولہ علیٰ شئی ۔ شیخ الاسلام کی شرح میں شئی کے بعد معین کا لفظ بھی متن میں لکھا ہے ۱۲

۵۶ قولہ فاطرح الخ ۔ یعنی پہلے صلح کرنے والے کو ورثاء کے ساتھ شامل کر کے تصحیح مسئلہ کر کے اس کے سہام معلوم کرو اس کے بعد مصالح کے سہام تصحیح مسئلہ سے منہا کر دو ۔ اگر کہا جائے کہ مصالح کو شامل کر کے جو تصحیح مسئلہ کی کرتے ہو اس کی کیا وجہ ہے مصالح کو معدوم خیال کر کے باقی وارثوں سے تصحیح مسئلہ کریں تو کیا خرابی ہے تو جواب یہ ہے اگر ابتداء سے مصالح کو خارج کر دیں اور مسئلہ کی تصحیح بغیر اس کے شمول کے کریں تو بعض صورتوں میں وارثوں کا نقصان بلا سبب لازم آئے گا مثلاً میت نے زوجہ اور ماں اور چچا چھوڑا

(یہ) باب رد (کے بیان میں) ہے

ترجمہ :- رد عول کی ضد ہے۔ ذوی الفروض کے حصّے (دینے سے) جو کچھ (ترکہ) بچ رہے اور (عصبات) میں سے کوئی اس کا مستحق نہ ہو تو سوائے زوجین کے (دوسرے) ذوی الفروض پر بقدر ان کے حقوق (حصّوں) کے رد کردیا جائے۔ یہی قول اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے اور اسی کو ہمارے اصحاب (یعنی احناف رح) نے اختیار فرمایا ہے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے (عصبہ نہ ہونے کی صورتیں فی الفروض پر رد نہ کیا جائیگا بلکہ) فاضل (ترکہ) بیت المال کے لئے ہے اسی کو مالک و شافعی رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے پھر باب (رد) کے مسائل چار قسم پر ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے من لا یرد علیہ (جن پر رد نہیں کیا جاتا) کے نہ ہونے کی صورت میں من یرد علیہ (جن پر رد کیا جاتا ہے) کی جنس متحد ہوں تو مسئلہ کو انکے رؤس سے کرو جیسے کہ اگر میت دو بیٹیاں یا دو بہنیں یا دو جدہ چھوڑے تو مسئلہ دو سے کرو۔

سلہ قولہ باب الردّ الخ جب مصنف رح نے ورثار کی درمیانی تقسیم ترکہ کے بیان سے فراغت حاصل کی تو باب رد کا بیان شروع کرتے ہیں۔ ۱۲

سلہ قولہ الردّ۔ یعنی رد عول کی ضد ہے اس لئے عول سے ذوی الفروض کے سہام گھٹ جاتے ہیں اور اصل مسئلہ بڑھ جاتا ہے۔ اور رد سے سہام بڑھ جاتے ہیں اور اصل مسئلہ گھٹ جاتا ہے یا اس طرح تعبیر کرو کہ عول میں مخرج پر سہام فاضل ہو جاتے ہیں اور رد میں سہام پر مخرج فاضل ہو جاتا ہے۔ یا یوں کہو عول سے مخرج بڑھ جاتا ہے اور رد سے مخرج گھٹ جاتا ہے۔ رد کی یہ تعریف کہ عول کی ضد ہے تعریف لفظی ہے شئے کا اپنی ضد سے منکشف ہونا خصوصاً تعریفات لفظیہ میں کافی ہے اہلِ فرائض کی اصطلاح میں رد کہتے ہیں۔ ذوی الفروض کو ان کے حصّے دینے کے بعد اگر کچھ مال باقی رہے اور کسی قسم کے عصبہ نہ ہوں تو ذوی الفروض ہی کو ان کے حصہ رسدی کے مطابق دوبارہ دینا(ذوی الفروض پر فاضل مال کو رد کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کا مسلک ہے اور اسی کو حنفیہ رح نے اختیار فرمایا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

زوجہ نے شوہر کے ترکات میں سے ایک جوڑی کڑوں کی لے کر اپنے حصّہ سے دست بردار ہوگئی۔ اب اگر زوجہ کو معدوم قرار دیکر مسئلہ کی تصحیح کریں۔ باقی ترکہ کا مسئلہ تین سے ہوکر ایک سہام ماں کو اور دو سہام چچا کو پہنچیں گے پس ماں کو ثلث ما بقی ملے گا۔ حالانکہ مسئلہ مذکورہ میں ماں ثلث الکل کی مستحق ہے نہ ثلث ما بقی کی اور جبکہ تصحیح میں زوجہ کو شامل کرلیا تو اب مسئلہ بارہ سے ہوکر چار سہم ماں کو پہنچیں گے جو ثلث الکل کے ہیں۔ غرض زوجہ کے ۳ سہام جو کڑوں کی جوڑی پر صلح کرنے کی وجہ سے منہا ہو گئے باقی ۵ سہام جو رہے وہ چچا کو پہنچے۔ ۱۲

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ فاضل مال ذوی الفروض پر رد نہ کیا جائیگا بلکہ وہ بیت المال میں داخل کیا جائیگا اور اسی کو مالکؒ اور شافعیؒ نے لیا ہے۔ محققین شافعیہؒ نے فرمایا ہے کہ اگر بیت المال فاسد ہو جائے تو ذوی الفروض پر ان کے حصوں کی نسبت سے رد کرنا چاہیئے۔ حنفیہؒ کے بہت سے دلائل ہیں منجملہ ان کے یہ آیت قرآنی ہے۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ میراث میں بعض اہل قرابت بعض سے بسبب قرابت کے زیادہ مستحق ہیں اس آیت سے صلہ رحمی کی وجہ سے جمیع میراث کا مستحق ہونا ثابت ہوا اور آیت مواریث نے ہر وارث کے لئے مال کے جزء معین کا استحقاق واجب کر دیا تو دونوں آیتوں پر عمل کرنا واجب ہوا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ہر وارث کو بحکم آیت مواریث حصہ دیا جائے پھر باقی مال انھیں وارثوں پر صلہ رحمی کی وجہ سے اس آیت کے حکم سے رد کر دیا جائے۔ ۱۲

۵۳ قولہ ما فضل الخ مطلب یہ ہے اگر وارثوں میں صرف اصحاب فرائض ہوں اور کوئی عصبہ نہ ہو اور اصحاب فرائض کے حصے دینے کے بعد مال بچ رہتا ہو تو سوائے زوجین کے دوسرے اصحاب فرائض پر بقدر ان کے حقوق رسدی کے رد کیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ زوج و زوجہ اور جدہ ان تین اصحاب فرائض پر رد نہ کیا جائے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے چھ شخصوں پر رد نہ کیا جائے۔ زوجہ و زوج پر اور بنت الابن پر بنت صلبی کے ساتھ اخت علاتی پر اخت عینی کے ساتھ اولاد ام پر ماں کے ساتھ اور جدہ پر ذی سہم کے ساتھ رد نہ ہوگا۔ اسی کو احمد حنبل رہ نے اختیار کیا ہے علمائے حنفیہؒ نے فرمایا ہے کہ صرف زوجین پر رد نہ کیا جائے خواہ بیت المال منتظم ہو یا نہ ہو (کمافی ضوء السراج)، نوویؒ کا منہاج میں بیان ہے کہ متاخرین نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور روضہ میں ہے کہ یہ زیادہ صحیح ہے ۱۲ ۵۴ قولہ الا الخ یعنی فاضل مال شوہر اور زوجہ پر رد نہ ہوگا اس لئے کہ رد کا سبب قرابت ہے اور موت کی وجہ سے ان کی قرابت باقی نہیں رہتی۔ ہاں اگر شوہر اور زوجہ کے آپس میں قرابت ہو تو قرابت کی وجہ سے ان پر رد ہو جائیگا نہ زوجیت کی وجہ سے۔ اشباہ میں مذکور ہے کہ فاضل مال کو بیت المال معدوم ہونیکی وجہ سے زوجین پر رد کیا جائے اس زمانہ میں فتویٰ اسی پر ہے کہ اگر سوائے زوجین کے اور کوئی مستحق وارث نہ ہو تو زوجین پر رد جائز ہے بہر صورت زوجین پر اسوقت رد کیا جائیگا جبکہ کسی قسم کا وارث آخری درجہ کا کیوں نہ ہو موجود نہ ہو ۵۵ قولہ قال زید الخ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو مال اصحاب فرائض کے حصوں سے فاضل رہا ہے اسکا کوئی مستحق نہیں ہے تو وہ بیت المال میں داخل کیا جائے اصحاب فرائض پر رد نہ ہوگا۔ اسی کو مالک، شافعی، عروہ اور زہری رحمہم اللہ تعالی نے اختیار کیا ہے منکرین رد نے اس طور پر استدلال کیا ہے کہ حق تعالی شانہ نے تمام اصحاب فرائض کے حصص نص صریح یعنی آیت مواریث میں ارشاد فرمادیئے تو اب اس پر زیادتی کرنا جائز نہیں ہے ورنہ حد شرعی سے تجاوز لازم آئیگا۔

دوسری دلیل اُن کی یہ ہے کہ جو مال اصحاب فرائض سے باقی رہا۔ اور اس کا نص سے کوئی مستحق نہیں ہے تو اس حالت میں بیت المال کا حق ہے جس طرح میت کوئی وارث ہی نہ چھوڑے اس صورت میں بیت المال کا حق ہوتا ہے اسی طرح بعض کو کل پر قیاس کرکے یہاں بھی بیت المال کا حق ہوگا حنفیہ رحمہم اللہ کی ایک دلیل تو یہی آیت وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ جس کا ذکر اوپر گزر چکا۔ دوسری دلیل یہ حدیث ہے حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی عیادت کو تشریف لے گئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) ایک دُختر کے سوا میرا اور کوئی وارث نہیں ہے کیا میں اپنے تمام مال کی وصیت کر دوں۔ فرمایا نہیں۔ پھر عرض کیا نصف مال کی وصیت کر دوں۔ فرمایا نہیں۔ پھر عرض کیا کہ ثلث مال کی، فرمایا کہ ثلث بہتر ہے اور بہت ہے۔ پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دختر سب مال کی وارث ہوتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار نہیں فرمایا اور ان کو ثلث سے زائد وصیت کرنے سے روکا۔ باوجودیکہ حضرت سعد رض کا بجز اس دُختر کے اور کوئی وارث نہ تھا تو یہ حدیث صحت و ثبوت رَد پر صریح دلالت کرتی ہے اس لئے کہ اگر وہ دُختر نصف مال سے زائد کی مستحق نہ ہوتی تو نصف مال کی وصیت کرنا حضرت سعد رض کو جائز ہوتا۔ رد کے ثبوت و صحت کے لئے یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کو حضرت عمرو بن شعیب نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ملاعنہ کو اس کے لڑکے کے تمام مال کا وارث کیا اور یہ بطریق رَد ہی کے ہو سکتا ہے اس لئے بطور فرض ماں کا ثلث ہوتا۔ ۱۲

ف۵۶ قولہ ثم مسائل الباب الخ یعنی رد کے باب میں چار قسم کے مسائل ہیں دلیل حصر یہ ہے کہ جن ذوی الفروض پر رد کیا جائیگا وہ ایک صنف کے ہوں گے یا زیادہ کے پھر ہر تقدیر پر زوجین میں سے ہوگا یا نہ ہوگا۔ لہٰذا مسائل بھی چار قسم کے ہوں گے۔ ۱۲

ف۵۷ قولہ احدھا الخ اول یہ ہے کہ مسئلہ میں جن پر رد کیا جائے گا وہ ایک جنس کے ہوں گے اور ان کے ساتھ زوجین میں سے کوئی نہ ہو تو اس صورت میں مسئلہ اس ایک جنس کے رؤس سے کرنا چاہیے ایک ہو تو ایک سے، دو ہوں تو دو سے اور تین ہوں تو تین سے وعلیٰ ہذا القیاس۔ مثلاً دو بیٹیاں یا دو بہنیں یا دو دادیاں وارث ہوں تو مسئلہ دو سے ہوگا اور ہر ایک کو دو بیٹیوں یا دو بہنوں یا دو دادیوں میں سے نصف ترکہ دینا پڑے گا اس لئے کہ دونوں کا استحقاق برابر ہے اور تمام مال یکساں طور پر ان کے لئے ہے۔ پس تقسیم عدد رؤس پر ہوگی تاکہ تطویل قطع ہو جائے اس لئے کہ اگر ہر ایک کو بقدر فرض کے دیا جائے۔ پھر دوبارہ باقی مال ان کو بقدر ان کے سہام کے دیا جائے تو دوبارہ تقسیم کرنی ہوگی تو سب متروکہ مال برابر تقسیم کر دینا مختصر اور آسان تر ہے۔ ۱۲

وَالثَّانِي إِذَا اجْتَمَعَ فِي الْمَسْئَلَةِ جِنْسَانِ أَوْ ثَلٰثَةُ أَجْنَاسٍ مِّمَّنْ

ای القسم الثانی ۱۲

يُرَدُّ عَلَيْهِ عِنْدَ عَدَمِ مَنْ لَّا يُرَدُّ عَلَيْهِ فَاجْعَلِ الْمَسْئَلَةَ مِنْ

ای اذا تحقق اجتماع جنسین او اجناس

فاجعل ۱۲

سِهَامِهِمْ أَعْنِي مِنِ اثْنَيْنِ إِذَا فِي الْمَسْئَلَةِ سُدُسَانِ أَوْ

ای اجعل المسئلة من اثنین ۱۲

مِنْ ثَلٰثَةٍ إِذَا كَانَ فِيهَا ثُلُثٌ وَّسُدُسٌ أَوْ مِنْ أَرْبَعَةٍ إِذَا كَانَ

لاولاد الام ۱۲ — للام ۱۲ — ای اجعل المسئلة من اربعة ۱۲

فِيهَا نِصْفٌ وَّسُدُسٌ أَوْ مِنْ خَمْسَةٍ إِذَا كَانَ فِيهَا ثُلُثَانِ وَسُدُسٌ

ای اجعل المسئلة من خمسة ۱۲

أَوْ نِصْفٌ وَسُدُسَانِ أَوْ نِصْفٌ وَ ثُلُثٌ وَالثَّالِثُ أَنْ يَّكُوْنَ مَعَ

الْأَوَّلِ مَنْ لَّا يُرَدُّ عَلَيْهِ فَأَعْطِ فَرْضَ مَنْ لَّا يُرَدُّ عَلَيْهِ مِنْ

فاعل یکون ۱۲ — صیغة امر من الاعطاء ۱۲ — کزوج والزوجة ۱۲

أَقَلِّ مَخَارِجِهِ فَإِنِ اسْتَقَامَ الْبَاقِيْ عَلٰى رُءُوْسِ مَنْ يُّرَدُّ عَلَيْهِ

من اقل مخارج من لا یرد علیه ۱۲

فِيهَا كَزَوْجٍ وَثَلٰثِ بَنَاتٍ وَإِنْ لَّمْ يَسْتَقِمْ فَاضْرِبْ وَفْقَ رُءُوْسِهِمْ

بان یکون بینهما التوافق ۱۲

فِيْ مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لَّا يُرَدُّ عَلَيْهِ إِنْ وَافَقَ رُءُوْسُهُمُ الْبَاقِيَ

كَزَوْجٍ وَّسِتِّ بَنَاتٍ وَإِلَّا فَاضْرِبْ كُلَّ رُءُوْسِهِمْ فِيْ مَخْرَجِ

علی قیاس ما مر فی باب التصحیح ۱۲

فَرْضِ مَنْ لَّا يُرَدُّ عَلَيْهِ فَالْمَبْلَغُ تَصْحِيْحُ الْمَسْئَلَةِ كَزَوْجٍ وَّخَمْسِ

بَنَاتٍ وَالرَّابِعُ أَنْ يَّكُوْنَ مَعَ الثَّانِيْ مَنْ لَّا يُرَدُّ عَلَيْهِ

ترجمہ :۔ دوسری قسم یہ ہے کہ جبکہ مسئلہ میں من لایرد علیہ (دوبارہ نہ پانے والوں) کے نہونے کی حالت میں دو جنس یا تین جنس مَن یُرَدُّ علیہ (دوبارہ پانیوالوں) کی ہوں تو مسئلہ ان کے سہام سے کرو یعنی دو سے (کرو) جبکہ مسئلہ میں دو سدس (جمع) ہوں یا تین سے (کرو) جبکہ اس (مسئلہ میں ایک ثلث اور ایک سدس ہو۔ یا چار سے (کرو) جبکہ اس مسئلہ میں نصف اور سدس (جمع) ہو یا پانچ سے (کرو) جبکہ اس (مسئلہ) میں دو ثلث اور ایک سدس ہو یا کہ نصف اور سدس (جمع) ہوں یا کہ نصف اور ثلث (جمع) ہو۔ تیسری قسم یہ ہے کہ اول (یعنی اہل رد) کے ساتھ مَن لایُرَدُّ عَلَیہ (یعنی غیر اہل رد) ہو پس فرض من لایرد علیہ (غیر اہل رد) کا اس کے، کمتر مخارج سے دیدو۔ پس اگر باقی رؤس مَن یُرَدُّ علیہ (یعنی اہل رد) پر مستقیم ہو جائے تو بہتر ہے مثلاً شوہر اور تین بیٹیاں (وارث) ہوں اور اگر وہ (باقی رؤس اہل رد پر) مستقیم نہ ہو تو ان (اہل رد) کے رؤس کے وفق کو مَن لایُرَدُّ عَلَیہ (غیر اہل رد) کے مخرج میں ضرب دو۔ اگر ان (اہل رد) کے رؤس باقی کے متوافق ہوں مثلاً شوہر اور چھ بیٹیاں (وارث) ہوں۔ ورنہ ان (اہل رد) کے تمام رؤس کو فرض من لایرد علیہ (غیر اہل رد) کے مخرج میں ضرب دو پس حاصل ضرب مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ مثلاً شوہر اور پانچ بیٹیاں (وارث) ہوں۔ اور چوتھی قسم یہ ہے کہ ثانی (یعنی) (اہل رد کی دو جنسوں) کے ساتھ من لایرد علیہ (یعنی زوجین) میں سے کوئی ہو۔

۵لـه قوله والثانی۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اہل رد دو یا تین جنس کے اشخاص ہوں اور زوجین سے کوئی نہ ہو تو مسئلہ ان کے جملہ سہام سے کیا جائے یعنی جب مسئلہ میں دو ایسے فریق جمع ہوں کہ ان میں سے ہر ایک کو سدس ملتا ہو تو مسئلہ دو سے کیا جائے گا مثلاً میت نے جدہ اور ایک اخیافی بہن چھوڑی تو مسئلہ ۶ سے ہے۔ ہر ایک کو ایک ایک سہم یعنی دونوں کے دو سہم بطور فرضیت کے ہیں تو اصل مسئلہ دو سے قرار دیا جائے گا اور جب مسئلہ میں ایک ثلث اور ایک سدس ہو تو مسئلہ تین سے ہوگا۔ مثلاً میت نے دو اخیافی بھائی اور ماں وارث چھوڑے تو اس صورت میں بھی اصل مسئلہ ۶ سے ہے اور وارثوں کے تمام سہام تین ہیں۔ دو اخیافی بھائیوں کے دو سہام اور ماں کا ایک سہم بقدر سہام ردی مسئلہ تین سے قرار دیا گیا۔ اور اگر مسئلہ میں ایک سدس اور نصف جمع ہو تو مسئلہ ۴ سے کیا جائے گا۔ مثلاً میت نے ایک بیٹی اور ماں چھوڑی۔ اصل مسئلہ ۶ سے ہے۔ بیٹی کو ۳ سہام اور ماں کو ایک سہم۔ کل سہام چار ہوئے تو مسئلہ چار سے ہوگا۔ اور جب مسئلہ میں دو ثلث اور ایک سدس ہو تو مسئلہ ۵ سے کیا جائے گا۔ مثلاً میت نے دو بیٹیاں اور ماں وارث چھوڑے تو اصل مسئلہ ۶ سے ہے دو بیٹیوں کے چار سہام اور ماں کا ایک سہم کل پانچ سہام ہوئے تو مسئلہ ۵ سے ہوگا۔ نیز جب مسئلہ میں نصف اور دو سدس ہوں یا نصف اور ایک ثلث ہو تو بھی مسئلہ ۵ سے ہوگا۔ مثلاً میت نے بیٹی اور پوتی اور ماں وارث چھوڑے۔

اصل مسئلہ ۶ سے ہے پوتی کا ایک سہم، بیٹی کے ۳ سہام اور ماں کا ایک سہم کل پانچ سہام ہوئے ردی مسئلہ ۵ سے ہوگا یا مثلاً میت نے ایک حقیقی بہن اور ماں وارث چھوڑی ۔ اصل مسئلہ چھ سے ہے۔ حقیقی بہن کے ۳ سہام اور ماں کے دو سہم کل پانچ سہام ہوئے تو مسئلہ ۵ سے ہوگا۔ ان تمام ردی مسائل میں حساب کی یہ صورت حساب کی سہولت کے لئے اختیار کی گئی ورنہ دو مرتبہ تقسیم کرنا پڑتا اور اس سے کوئی فائدہ نہ ہوتا جیسا کہ دوسرے قاعدے سے حاصل ہوا۔

۵۲ قولہ جنسان الخ ماتن در پئے اختصار ہے تو بجائے جنسان او ثلثۃ اجناس کے جنسان اواکثر لاتے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے جزئیات کے تتبع اور تلاش کرنے سے معلوم ہوا کہ اہل رد کا اجتماع یا تو دو جنسوں کے درمیان ہوتا ہے یا تین جنسوں کے درمیان اس سے زیادہ نہیں ہوتا اس لئے ماتنؒ نے او ثلثۃ اجناس کہا۔ جنسان او اکثر نہیں کہا ۱۲

۵۳ قولہ والثالث الخ یعنی تیسری قسم یہ ہے کہ مسئلہ میں ایک جنس اہل رد کے ساتھ غیر اہل رد شریک ہو یعنی زوجین میں سے کوئی موجود ہو تو اس صورت میں احد الزوجین کا حصہ اس کے اقل مخارج سے دیکر جسقدر مال باقی رہا ہے وہ اہل رد پر تقسیم کیا جائے پس اگر وہ باقی اہل رد پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے تو بہتر ہے مثلاً میت نے شوہر اور تین بیٹیاں چھوڑیں تو شوہر کو اس کے اقل مخارج چار سے ایک سہم دیدیا تین باقی رہے جو تین بیٹیوں پر پورے پورے تقسیم ہوگئے۔ ضرب وغیرہ کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ دوسرے عنوان سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ شوہر چوتھائی کا مستحق ہے اور دو بیٹیاں دو تہائی کی حقدار ہیں۔ اس صورت میں اصل مسئلہ بارہ سے ہو کر تین سہام شوہر کو پہنچتے ہیں۔ اور آٹھ سہام بیٹیوں کو۔ ایک بچ رہتا ہے اس لئے قاعدہ رد اس میں جاری کیا۔ پس شوہر کو اسکے اقل مخارج چار میں ایک سہم دیا باقی تین بیٹیوں کو دیدئے۔ چونکہ اہل رد ایک ہی جنس کے تھے ان کے عدد رؤس تین پر تقسیم ہوگئے۔ ۱۲

۵۴ قولہ وان لم یستقم الخ یعنی اگر احد الزوجین کا اس کے اقل مخارج سے حصہ دینے کے بعد باقی ماندہ مال ان لوگوں کے رؤس پر جن پر رد کیا جانا چاہیئے۔ پورا پورا تقسیم نہیں ہوتا تو اس صورت میں اہل رد کے عدد رؤس کے وفق کو من لا یرد علیہ (یعنی غیر اہل رد) کے مخرج میں ضرب دیا جائے اس لئے کہ غیر اہل رد کا مخرج اصل مسئلہ کی طرح ہے پس جس طرح اس گروہ کا وفق عدد رؤس جس پر کسر واقع ہوتی ہے اصل مسئلہ میں ضرب دیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں غیر اہل رد کے مخرج میں ضرب دیا جائیگا پس حاصل ضرب مسئلہ کی تصحیح ہوگی یہ وفق عدد رؤس کو غیر اہل رد کے مخرج میں ضرب دینا اسوقت ہے جبکہ اہل رد کے عدد رؤس اور باقی مال میں توافق کی نسبت ہو مثلاً میت نے شوہر اور چھ بیٹیاں چھوڑیں شوہر کا اقل مخرج چار ہے اس کو چار میں سے ایک سہم دینے کے بعد تین سہام باقی رہے

فَاقْسِمْ[۱] مَا بَقِيَ مِنْ مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لَّا يُرَدُّ عَلَيْهِ عَلٰى مَسْئَلَةِ

اى الحاصل الذى حصل منه السدس

مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ فَإِنِ اسْتَقَامَ فِيْهِمَا وَهٰذَا فِيْ صُوْرَةٍ وَّاحِدَةٍ

وَّهِيَ[۲] أَنْ يَّكُوْنَ لِلزَّوْجَاتِ الرُّبُعُ وَالْبَاقِيْ بَيْنَ أَهْلِ الرَّدِّ

اى لصنف الجنسين واحدًا كان او اكثر ۱۲

أَثْلَاثًا كَزَوْجَةٍ وَّأَرْبَعِ جَدَّاتٍ وَّسِتِّ أَخَوَاتٍ لِأُمٍّ

وَإِنْ[۳] لَّمْ يَسْتَقِمْ فَاضْرِبْ جَمِيْعَ مَسْأَلَةِ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ فِيْ

ما بقى من مخرج فرض من لا يرد عليه مع مسئلة من يرد عليه ۱۲

مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لَّا يُرَدُّ عَلَيْهِ فَالْمَبْلَغُ مَخْرَجُ فُرُوْضِ الْفَرِيْقَيْنِ

اى الحاصل لهذا الضرب ۱۲

كَأَرْبَعِ زَوْجَاتٍ وَّتِسْعِ بَنَاتٍ وَّسِتِّ جَدَّاتٍ ثُمَّ[۴] اضْرِبْ

سِهَامَ مَنْ لَّا يُرَدُّ عَلَيْهِ فِيْ مَسْئَلَةِ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ وَسِهَامَ مَنْ

اى اضرب ايضا ۱۲

يُرَدُّ عَلَيْهِ فِيْمَا بَقِيَ مِنْ مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لَّا يُرَدُّ عَلَيْهِ وَإِنِ

اى سهام كل فريق من يرد عليه ۱۲ — فما بلغ فهو له ۱۲

انْكَسَرَ[۵] عَلَى الْبَعْضِ فَتَصْحِيْحُ الْمَسَائِلِ بِالْأُصُوْلِ الْمَذْكُوْرَةِ

او الجميع — فى الباب التصحيح ۱۲

ترجمہ:۔ (اگر دو جنسوں کے ساتھ احد الزوجین ہو) تو فرض احد الزوجین کے مخرج سے جو باقی رہے اس کو ان وارثوں کے مسئلہ پر جن پر رد کیا جاتا ہے تقسیم کردو اگر مستقیم (یعنی بلا کسر تقسیم) ہو جائے تو

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

جو چھ بیٹیوں پر بلا کسر تقسیم نہیں ہو سکتے۔ لیکن تین اور چھ میں توافق بالثلث ہے تو بیٹیوں کے عدد رؤس کے وفق کو جو دو ہے چار میں ضرب دیا۔ آٹھ خارج قسمت ہوا۔ اب تقسیم صحیح ہو گئی یہاں توافق بالثلث اہل فرائض کے نزدیک ہے لیکن اہل حساب کے نزدیک ان دونوں میں تداخل ہے ۱۲

بہتر ہے اور یہ (بلا کسر تقسیم ہونا) صرف ایک صورت میں ہے وہ (صورت) یہ ہے کہ بیویوں کے لئے ربع ہو اور باقی اہلِ رد کے لئے اثلاثاً (تین حصہ کرکے) ہو۔ مثلاً زوجہ چار جدہ چھ اخیافی بہنیں وارث ہوں۔ اور اگر وہ (باقی سہام اہلِ رد پر) پورے تقسیم نہ ہوں تو مَن یُرَدُّ عَلَیہِ (اہلِ رد) کے تمام مسئلہ (یعنی سہام) کو مخرج فرض من لا یرد علیہ (یعنی غیر اہلِ رد کے اقل مخرج فرض) میں ضرب دے دو پس حاصل ضرب دونوں فریق کے حصّوں کا مخرج ہوگا۔ مثلاً (میت نے) چار بیویاں دنو بیٹیاں اور چھ جدہ (وارث چھوڑے) پھر من لا یرد علیہ (یعنی غیر اہلِ رد) کے سہام کو من یرد علیہ (اہلِ رد) کے مسئلہ میں ضرب دیدو اور اہلِ رد کے سہام کو غیر اہلِ رد کے مخرج فرض سے جو باقی رہا ہے۔ اس میں ضرب دو اور اگر بعض (یا سب) وارثوں کے سہام پر (مسائل رد میں) کسر واقع ہو تو ان قواعد کے موافق تصحیح کیجائے جو باب تصحیح میں مذکور ہو چکے ہیں۔

سلہ قولہ فالقسم الخ یعنی اگر اہلِ رد کی دو جنس ہوں اور اُن کے ساتھ احد الزوجین بھی ہو تو اقل

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

۵۵ قولہ والاّ الخ۔ یعنی اگر باقی اور اہلِ رد کے عدد رؤس میں توافق کی نسبت نہ ہو بلکہ تباین کی نسبت ہو تو اہلِ رد کے تمام عدد رؤس کو غیر اہلِ رد کے مخرج میں ضرب دیا جائے۔ حاصل ضرب اس مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ مثلاً میت نے شوہر اور پانچ بیٹیاں چھوڑیں تو شوہر کا اقل مخرج چار ہے۔ ان میں شوہر کا ایک سہم ہے۔ باقی تین سہام پانچ بیٹیوں کے لئے ہیں۔ جو ان پر بلا کسر تقسیم نہیں ہوسکتے لہذا بیٹیوں کے تمام عدد رؤس پانچ کو چار میں ضرب دیا تو بیس۲۰ حاصل ضرب ہوئے۔ شوہر کا ایک تھا اسکو پانچ میں ضرب دیا تو پانچ ہی حاصل ہوئے یہی پانچ شوہر کا حصّہ ہے اور باقی حصّہ تین بیٹیوں کا حصہ ہے۔ اس کو پانچ میں ضرب دیا۔ پندرہ حاصل ضرب ہوئے۔ ہر بیٹی کو تین سہم ملیں گے یہ صورت اگلی دو صورتوں کی طرح ہے اس کی اصل ربع اور دو ثلث کے اجتماع کی وجہ سے ۱۲ سے ہے لیکن اسکو چار کی طرف پھیر دیا کہ وہ اقل مخرج ہے ۱۲

۵۶ قولہ والرابع الخ۔ یعنی چوتھی قسم یہ ہے کہ ثانی اہلِ رد کی دو جنس کے ساتھ غیر اہلِ رد بھی شریک ہو یعنی اہلِ رد دو جنس ہوں اور ان کے ساتھ احد الزوجین بھی ہو۔ یہاں اہلِ رد کی دو جنسوں پر غیر اہلِ رد کے ساتھ اکتفا کرنا استقراء کی بناء پر ہے اس لئے چار جنسوں کے ساتھ رد کرنا دلیل استقرائی سے کبھی نہیں ہوتا۔ یعنی اگرچہ دوسری قسم میں تین جنسوں کا اجتماع ممکن ہے لیکن چوتھی قسم میں تین جنسوں کا اجتماع واقع نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر تین جنسوں کے ساتھ احد الزوجین کو فرض کیجئے تو چار جنسیں ہو جاتی ہیں حالانکہ چار جنسوں کے ساتھ رد کرنا استقراء کی دلیل سے ہرگز نہیں ہوتا۔ ۱۲

مخارج سے احدالزوجین کا حصہ دیکر جو باقی رہے اس کو اہلِ رد پر تقسیم کرد۔ اگر اہلِ رد پر باقی پورا
تقسیم ہوجائے تو بہتر ہے ضرب کی ضرورت نہیں اس لئے کہ وہ بقدر سہام اہلِ رد کا حق ہے۔ پس ان کے
مسئلہ پر تقسیم ہوجائیگا۔ جس کو ایک سہم پہنچے گا وہ ایک سہم والا ہے اور جس کو دو سہم پہنچیں گے وہ دو سہم
والا ہے جبکہ باقی اہلِ رد کے مسئلہ پر بلا کسر پورا تقسیم ہوگیا تو دوسرے عمل کی ضرورت نہ رہی۔ ہاں یہ ممکن ہے
کہ باقی اہلِ رد پر بلا کسر پورا تقسیم ہوجائے اور نہ پورا تقسیم ہو۔ ہر جنس کے عدد رؤس پر وہ حصہ جو
اس کو باقی سے پہنچا ہے تو اس صورت میں ضرب کی ضرورت ہوگی جیسا کہ آئندہ معلوم ہوجائے گا۔ یہ
اقل مخارج سے احدالزوجین کا حصہ دیکر باقی اہلِ رد کے مسئلہ پر بلا کسر پورا تقسیم ہونا بجز ایک
صورت کے چوتھی قسم میں ناممکن ہے اس لئے کہ مخرج فرض احدالزوجین سے یا تو ایک باقی رہے گا۔
جبکہ اس کا مخرج فرض دو ہو۔ مثلاً زوج کو ولد کے نہ ہونے کی صورت میں نصف دیا جائیگا تو ایک
اہلِ رد کے مسئلہ پر اسوقت بلا کسر پورا تقسیم ہوگا کہ رد کا مستحق شخص واحد ہو تو اس صورت میں مسئلہ
تیسری قسم میں سے ہوگا۔ یا مخرج فرض احدالزوجین سے تین باقی رہیں گے جبکہ مخرج فرض احدالزوجین
چار سے ہو مثلاً زوج کو بیٹی ہونے کی حالت میں ربع دیا گیا۔ پس اگر صاحب ربع زوج ہے اور انکے
ساتھ بنات ہیں۔ ان کے سوا کوئی دوسرا وارث نہیں تو اس صورت میں مسئلہ قسم ثالث سے ہوگا
اور اگر بنات کسی دوسرے ذی فرض کے ساتھ ہیں تو اسوقت مسئلہ اہلِ رد کا چار سے ہوگا۔ مثلاً
شوہر بنت جدہ وارث ہیں۔ یا پانچ سے ہوگا۔ مثلاً زوج دو بنت جدہ وارث ہیں۔ پس
ظاہر ہے کہ باقی یعنی تین نہ چار پر بلا کسر تقسیم ہوگا نہ پانچ پر اور اگر صاحب ربع زوجہ ہے تو یہاں
باقی کا بلا کسر پورا تقسیم ہونا متصور ہے جیسا کہ ہم اس کا ذکر کریں گے یا مخرج فرض احدالزوجین
سے باقی سات ہوں گے جبکہ مسئلہ کا مخرج آٹھ ہو۔ آٹھواں حصہ زوجہ کو دے کر سات باقی
رہیں گے تو یہاں بھی باقی بلا کسر تقسیم نہ ہوگا کیونکہ اہلِ رد کا مسئلہ پانچ سے متجاوز نہیں ہوتا۔ ۱۲

۵۲ قولہ وھی الخ یعنی وہ ایک صورت جس میں باقی مسئلہ اہلِ رد پر پورا تقسیم ہوجاتا ہے یہ ہے
کہ زوجات کا چوتھائی ہو اور باقی مال اہلِ رد کے درمیان تین حصے ہوں مثلاً بیوی اور چار جدہ
اور چھ اخیافی بہنیں وارث ہوں۔ اصل مسئلہ رد کی وجہ سے چار سے ہے اس لئے کہ اقل مخرج
فرض غیر اہلِ رد کہ زوجہ ہے چار ہے جب اس میں سے بیوی نے ایک سہم لے لیا تو تین باقی رہے
جو صورت مذکورہ میں مسئلہ اہلِ رد پر بلا کسر پورا تقسیم ہوجاتا ہے کیونکہ وہ مسئلہ بھی تین سے ہے
اس لئے کہ دادیوں کا حق چھٹا حصہ اور اخیافی بہنوں کا تہائی حصہ ہے اور سب کا مجموعہ تین ہے
ایک سہم چار دادیوں کے لئے اور دو سہام چھ اخیافی بہنوں کے لئے لیکن ایک چار جدہ پر پورا تقسیم
نہیں ہوسکتا بلکہ ان کے رؤس اور سہم میں تباین کی نسبت ہے لہٰذا چار عدد رؤس کو محفوظ رکھا

اسی طرح چھ اخیافی بہنوں پر دو سہم پورے تقسیم نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے سہام اور رؤس میں توافق بالنصف ہے۔ لہٰذا ان کے عدد رؤس کا نصف کہ تین ہیں قرار دیا اس کے بعد اعداد رؤس اور رؤس کے درمیان نسبت کو تلاش کیا تو تباین کی پائی پس وفق عدد رؤس اخوات کو کہ تین ہیں کل عدد رؤس جدات میں کہ چار ہے ضرب دیا تو حاصل ضرب بارہ ہوا۔ پھر بارہ کو چار میں جو مخرج فرض غیر اہل رد ہے ضرب دیا تو ۴۸ حاصل ہوئے اس سے مسئلہ کی تصحیح ہوئی۔ بیوی کے ایک سہم کو بارہ میں کہ اصل مسئلہ کا مضروب ہے ضرب دیا گیا تو وہی بارہ حاصل ہوئے جو بیوی کا حصہ ہے اور چار دادیوں کا ایک سہم ہے ۱۲ میں ضرب دیا۔ وہی ۱۲ حاصل ہوئے کہ یہ چار دادیوں کا حصہ ہے ہر ایک کو ان میں سے تین سہام پہنچے۔ چھ اخیافی بہنوں کے دو سہام کو جب ۱۲ میں ضرب دیا تو ۲۴ حاصل ہوئے۔ یہی چھ اخیافی بہنوں کا حصہ ہے ہر ایک کو چار سہام ملیں گے۔ ۱۲

۵۳ قولہ وان لم یستقم الخ یعنی اگر باقی مخرج فرض غیر اہل رد اہل رد پر بلا کسر پورا تقسیم نہ ہو تو اہل رد کے تمام سہام کو غیر اہل رد کے مخرج میں ضرب دو۔ حاصل ضرب دونوں فریق یعنی فریق اہل رد اور فریق غیر اہل رد کا مخرج ہوگا مثلاً میت نے چار بیویاں اور نو بیٹیاں اور چھ دادیاں وارث چھوڑیں ان میں بیویوں کا جو غیر اہل رد ہیں آٹھواں حصہ ہے جس کا مخرج آٹھ ہے جب آٹھ میں سے ایک سہم بیویوں کو جو ان کا حصہ ہے دیدیا تو سات باقی رہے اس کے بعد غیر اہل رد کو معدوم فرض کر کے اہل رد یعنی نو بیٹیوں اور چھ دادیوں کا مسئلہ علیحدہ کیا تو چھ ہوا ان میں دو ثلث یعنی ۴ نو بیٹیوں کو اور سدس یعنی ایک چھ جدہ کو دیا۔ پس اہل رد کے کل سہام پانچ ہوئے جس پر سات باقی پورا تقسیم نہیں ہوتا بلکہ دونوں میں مباینت ہے اس صورت میں تمام اہل رد کے مسئلہ یعنی ۵ کو ۸ مخرج میں ضرب دیا۔ ۴۰ حاصل ہوئے یہی دونوں فریق کا مخرج ہے۔ اہل رد کے مسئلہ کو پانچ اس لئے کہا کہ بیٹیاں دو ثلث اور جدات سدس کی مستحق ہیں اور مخرج دو ثلث اور سدس کا چھ ہے تو اس کے دو ثلث ۴ اور سدس ایک ہوا تو ان دونوں فرضوں کا مجموعہ ۵ ہوا جب پانچ کو ۸ میں ضرب دیا تو چالیس ہوئے۔ ۱۲

۵۴ قولہ ثم اضرب الخ یعنی پھر اہل الزوجین کے سہام کو یعنی بیویوں کے ایک سہم کو اہل رد کے مسئلہ ۵ میں ضرب دو تو وہی پانچ حاصل ہوئے۔ ۴۰ میں سے یہ ۵ سہام بیویوں کا حصہ ہے اور اہل رد کے سہام کو کہ چار سہام بیٹیوں کے اور ایک دادیوں کا حصہ ہے اس باقی یعنی سات میں جو مخرج فرض غیر اہل رد سے باقی رہا ہے ضرب دو تو حاصل ضرب ۲۸ اور ۷ ہوا ان میں سے ۲۸ بیٹیوں کے سہم ہیں اور ۷ سہم دادیوں کے ہیں۔ ۱۲

۵۵ قولہ وان انکسر الخ یعنی اگر مسائل رد میں کسر واقع ہو اور وارثوں پر سہام پورے تقسیم

بَابُ مُقَاسَمَةِ الْجَدِّ

قَالَ اَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَمَنْ تَابَعَهٗ مِنَ الصَّحَابَةِ بَنُو الْاَعْيَانِ وَبَنُو الْعَلَّاتِ لَا يَرِثُوْنَ مَعَ الْجَدِّ

مقولة القول ۱۲ — ای الاخوة والاخوات لاب ۱۲ — کما لا یرثون مع الاب ۱۲

وَهٰذَا قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَبِهٖ يُفْتٰى وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَرِثُوْنَ مَعَ الْجَدِّ وَهُوَ قَوْلُهُمَا

ووافقه علی وعمر وابن مسعود رضی الله عنهم — هذا صورة جمع الفريقين مع الجد ۱۲

وَقَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَعِنْدَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ لِلْجَدِّ مَعَ بَنِي الْاَعْيَانِ وَبَنِي الْعَلَّاتِ اَفْضَلُ الْاَمْرَيْنِ مِنَ الْمُقَاسَمَةِ وَمِنْ ثُلُثِ جَمِيْعِ الْمَالِ وَتَفْسِيْرُ الْمُقَاسَمَةِ

بیان للامرین ۱۲ — اذا لم یختلط بهم ذو سهم ۱۲

اَنْ يُّجْعَلَ الْجَدُّ فِي الْقِسْمَةِ كَاَحَدِ الْاِخْوَةِ وَبَنُو الْعَلَّاتِ يَدْخُلُوْنَ فِي الْقِسْمَةِ مَعَ بَنِي الْاَعْيَانِ اِضْرَارًا لِلْجَدِّ فَاِذَا اَخَذَ الْجَدُّ

مفعول له ۱۲

نَصِيْبَهٗ فَبَنُو الْعَلَّاتِ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْبَيْنِ خَائِبِيْنَ بِغَيْرِ شَيْءٍ

ای افضل الامرین ۱۲ — من بینهم ۱۲ — من الخيبة نومیدی ۱۲

وَالْبَاقِيْ لِبَنِي الْاَعْيَانِ

من المال بعد نصيب الجد ۱۲

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

نہ ہوسکیں تو ان اُصولوں کے ماتحت جو باب تصحیح میں بیان کئے گئے ہیں تصحیح کرلی جائے پس اگر ایک فریق پر کسر واقع ہو تو رؤس اور سہام میں تباین کی نسبت ہونے کی صورت میں کل عدد رؤس

ترجمہ :- (یہ باب مقاسمہ جد (کے بیان میں) ہے

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان صحابہ کرام نے جنہوں نے آپ کی اتباع کی فرمایا کہ حقیقی بھائی بہنیں اور علاتی بھائی بہنیں دادا کے ساتھ وارث نہیں ہوتے یہی ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ (بھائی بہنیں حقیقی ہوں یا علاتی) دادا کے ساتھ وارث ہوتے ہیں اور یہی قول ان دونوں یعنی ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ کا ہے۔ اور یہی مالک اور شافعی رحمہما اللہ کا قول ہے اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک دادا کو حقیقی بھائی بہنوں اور علاتی بھائی بہنوں کے ساتھ دو امر مقاسمہ اور ثلث جمیع ترکہ میں سے جو بہتر ہو (وہ دیا جائے) مقاسمہ کی تفسیر یہ ہے کہ دادا کو تقسیم (ترکہ) میں مثل ایک بھائی کے قرار دیا جائے۔ اور علاتی بھائی بہنیں حقیقی بھائی بہنوں کے ساتھ دادا کا حصہ کم کرنے کے واسطے تقسیم میں داخل ہوں گے پس جب دادا اپنا حصہ لے لے گا تو علاتی بھائی بہنیں درمیان سے بغیر کسی شے کے محروم ہو کر نکل جائیں گے اور باقی حقیقی بھائی بہنوں کا ہے۔

سلہ قولہ باب المقاسمۃ الخ مقاسمہ بروزن مفاعلہ قسمت سے مشتق ہے۔ بھائی بہنوں کے ساتھ دادا کو ملنے نہ ملنے کے باب میں مجتہدین کا اختلاف ہے (۱) ایک جماعت کا یہ کہنا ہے کہ ان کے ساتھ دادا پر تقسیم ہوتی ہے (۲) دوسری جماعت کا قول ہے کہ تقسیم نہیں ہوتی۔ تیسرا گروہ اس میں متردد ہے یہ باب اسی لئے باندھا گیا ہے کہ ان اختلافات کو بتایا جائے اور دادا پر تقسیم ہونے کے ثبوت کی تقدیر پر جو کچھ احکام مرتب ہوتے ہیں ان کو دکھایا جائے۔ مصنف رہ نے مقاسمہ جد کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ دادا کو تقسیم ترکہ میں مثل ایک بھائی کے شمار کیا جائے۔ ابو حنیفہ رہ کا قول ہے کہ دادا اور بھائی بہنوں کے درمیان تقسیم نہیں ہوتی۔ دادا کی موجودگی میں حقیقی و علاتی بھائی بہن وارث نہیں ہوتے پس اس صورت

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

کو مخرج مسئلہ ردیہ میں ضرب دو اور توافق کی نسبت ہونیکی صورتمیں وفق رؤس کو اسی طرح مسئلہ ردیہ میں ضرب دو اور اگر چند فریق پر کسر واقع ہو تو تماثل کی نسبت ہونے کی صورت میں تمام رؤس میں سے ایک رؤس کے عدد کو مخرج مسئلہ ردیہ میں ضرب دو اور تداخل ہونے کی صورت میں اکثر کو ضرب دو اور توافق ہونے کی صورت میں ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دو اور حاصل ضرب کو مخرج مسئلہ میں اور تباین ہونیکی صورتمیں ایک کے کل کو دوسرے میں ضرب دیکر مخرج میں ضرب دو اسی سے سب وارثوں کے سہام صحیح منقسم ہوجائیں گے۔ یاد رکھو جس صورت میں صرف ذوی الفروض ایک ہی صنف کے آدمی ہوں زوجین نہ ہوں تو وہاں کسر واقع نہ ہوگی اس لئے اس صورتمیں مسئلہ وارثوں کے رؤس سے ہوتا ہے جتنے آدمی ہوں ان پر برابر تقسیم ہوجاتا ہے پس انکسار ممکن نہیں باقی سب صورتوں میں انکسار ہوتا ہے۔ ۱۲

میں مقاسمۃ الجد صاحبین اور اُن کے مذہب کی بناء پر ہے اس لئے کہ صاحبین کے نزدیک حقیقی و علاتی بھائی بہن دادا کے ساتھ وارث ہوتے ہیں باقی اخیافی بھائی بہن بالاتفاق دادا کے ساتھ وارث نہیں ہوتے۔

۵۲ قولہ قال ابو بکرؓ الخ یعنی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان صحابۂ کرام نے جو آپکے تابعین میں سے ہیں مثلاً سیدنا ابن عباس، ابن زبیر، ابن عمر و حذیفہ بن الیمان و ابو سعید خدری و اُبی بن کعب و معاذ بن جبل و ابو موسیٰ اشعری، عمران بن حصین، عبادہ بن صامت اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ حقیقی اور علاتی بہن بھائی دادا کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے جس طرح باپ کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے بلکہ کل مال متروکہ دادا کو ملے گا جس طرح باپ کو ملتا ہے اور یہی قول حضرت امام اعظمؒ کا ہے یہی حضرت قتادہ، جابر بن زید، عمران بن عقبہ ابو الشعثاک شعبی و شریح و عطاء و عروہ بن زبیر و عمر بن عبد العزیز و حسن بصری و ابن سیرین وغیرہ تابعین رحمہم اللہ کا قول ہے امام اعظمؒ کے نزدیک اسی پر فتویٰ ہے ۱۲

۵۳ قولہ وقال زید الخ یعنی زید بن ثابت رضؓ نے فرمایا ہے دادا کی موجودگی میں حقیقی علاتی بھائی بہن وارث ہوتے ہیں صاحبین و مالک اور شافعی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے اور سرخسی نے مبسوط میں اسی کو مفتیٰ بہ بتلایا ہے اور یہی حضرت علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے مگر ان دونوں بزرگوں میں کیفیت تقسیم میں اختلاف ہے اس طرح کہ حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ دادا بھائیوں کے ساتھ اس وقت تک مقاسمۃ کرتا ہے جب تک اسکا حصہ سُدس سے کم نہ ہو، اس لئے باپ کا حصہ سدس سے کم نہیں ہوتا جب سدس سے کم ہوگا تو اس کو سدس دیا جائیگا اور جب اس کے ساتھ دو یا تین یا چار حقیقی بھائی موجود ہوں تو دادا کے لئے مقاسمۃ بہتر ہوگی اور اگر اس کے ساتھ پانچ حقیقی بھائی ہوں تو دادا کے لئے مقاسمۃ اور چھٹا حصہ دونوں برابر ہیں۔ اور اگر چھ بھائی ہوں تو دادا کے لئے چھٹا حصہ بہتر ہے اور حقیقی بھائیوں کے ساتھ حضرت علی رضؓ کے نزدیک علاتی بھائی بہن مقاسمۃ میں شمار نہیں ہوتے پس دادا حقیقی بھائی اور دو علاتی بھائی جمع ہوں تو ترکہ نصف نصف ہو کر آدھا دادا کو اور آدھا حقیقی بھائی کو دیا جائیگا اور حضرت علی رضؓ کا یہ بھی قول ہے کہ اگر دادا کے ساتھ صرف بہنیں ہوں تو دادا ان کو عصبہ نہیں کرتا بلکہ ذی فرض ہوتی ہے پس اگر دادا کے ساتھ حقیقی اور علاتی بہن جمع ہوگی تو حقیقی بہن کو آدھا اور علاتی کو چھٹا حصہ ملکر مل کر باقی مال دادا کو مل جائیگا۔ ابن ابی لیلیٰؒ نے حضرت علی رضؓ کا قول اختیار کیا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دادا بھائیوں کے ساتھ اسوقت تک مقاسمۃ کرتا ہے جب تک اس کا حصہ ثلث سے کم نہ ہو اور اس قول میں انہوں نے زید رضؓ سے اتفاق رائے کیا ہے اور اس بات میں کہ علاتی بھائی حقیقی بھائی کے ساتھ مقاسمۃ میں شمار نہیں کیا جاتا۔ ابن مسعود رضؓ نے حضرت علی رضؓ سے موافقت کی ہے اور اس بارے میں بھی کہ

جب دادا کے ساتھ صرف بہن ہو تو وہ ذی فرض ہوتی ہے وہ حضرت علی رض کے موافق ہیں علقمہؒ اسود اور نخعیؒ نے ابن مسعودؓ کی اتباع کی ہے اور ابو یوسفؒ محمدؒ، ثوریؒ، مالکؒ اور شافعیؒ نے زید بن ثابت کی اتباع کی ہے۔ ۱۲

۵۴ قولہ وعند زید الخ چونکہ حضرت مصنف رح کے نزدیک صاحبین کا قول مختار ہے۔ اس لئے زید بن ثابت رض کے مذہب کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ اور چھ قسم پر کرتے ہیں اس لئے کہ دادا صرف حقیقی بھائی بہنوں کے ساتھ ہوگا یا صرف علاتی بھائی بہنوں کے ساتھ یا دونوں کے ساتھ ہوگا تین صورتوں میں کوئی ذوی الفروض ہوگا یا نہیں پس یہ چھ قسمیں ہوئیں جن کو یہاں بیان کرتے ہیں جب کوئی ذی فرض مختلط نہ ہو صرف دادا کے ساتھ حقیقی اور علاتی بھائی بہن ہوں تو دادا کو دو امر یعنی مقاسمہ اور ثلث جمیع مال میں سے جو افضل ہوگا وہی ملے گا۔ ۱۲

۵۵ قولہ وتفسیر المقاسمۃ الخ مقاسمہ کی تفسیر یہ ہے کہ دادا کو تقسیم ترکہ میں مثل ایک بھائی کے قرار دیا جائے پس اگر کسی شخص نے بھائی بہنیں اور دادا چھوڑا تو ترکہ اس طرح تقسیم کیا جائے کہ دادا کو بہن سے دگنا اور بھائی کے برابر دیا جائے اس لئے دادا ایک اعتبار سے باپ کی طرح ہے اور دوسرے اعتبار سے بھائی کی مثل پس دونوں اعتبار کی رعایت کی جائیگی یعنی اس کو اخیافی بھائی بہنوں کے محجوب کرنے میں مثل باپ کے سمجھا گیا اور تقسیم ترکہ میں بھائیوں کی طرح مانا گیا ہے جب تک اس کے لئے مقاسمہ بہتر ہو ورنہ متروکہ مال کا ثلث اس کو دیا جائیگا اس لئے کہ وہ میت کی اولاد کے ساتھ سدس کا مستحق ہے پس بھائیوں کے ساتھ اس سے دوچند ثلث کا حقدار ہوگا یاد رکھو کہ دادا بعض احکام میں باپ کے مشابہ ہے اور بعض احکام میں بھائیوں کے مشابہ ہے تفصیل یہ ہے (۱) اخیافی بھائی دادا کی موجودگی میں محروم ہو جاتے ہیں جس طرح باپ کی موجودگی میں محروم ہو جاتے ہیں (۲) اگر دادا نابالغ پوتا پوتی کا نکاح کردے تو بالغ ہونے کے بعد اُن کو فسخ کا اختیار نہیں رہتا جس طرح باپ کے نکاح کردینے سے ان کو بالغ ہونے کے بعد فسخ کا اختیار باقی نہیں رہتا (۳) بھائی کو دادا کی موجودگی میں صغیر لڑکے لڑکی کے نکاح کا حق حاصل نہیں ہے (کذا فی ظاہر الروایۃ) (۴) دادا پوتے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جاتا (۵) دادا اور پوتے میں ایک کی بیوی دوسرے پر حرام ہے جس طرح باپ کی بیوی بیٹے پر اور بیٹے کی بیوی باپ پر حرام ہے (۶) دادا کی گواہی پوتے کے حق میں اور پوتے کی گواہی دادا کے حق میں مقبول نہیں ہے جس طرح بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں اور باپ کی گواہی بیٹے کے حق میں قبول نہیں کی جاتی (۷) اور اگر دادا پوتے کی کنیز سے صحبت کرکے اس کے بچہ کو اپنی طرف

إلّا[١] إذا كانت من بني الأعيان أختٌ واحدةٌ فإنها إذا أخذت

فرضها نصف الكلّ بعد نصيب الجدّ فإن بقي شيءٌ فلبني

العلّات وإلّا فلا شيء لهم كجدٍّ[٢] وأختٍ لأبٍ وأمٍّ وأختين

لأبٍ فبقي للأختين لأبٍ عشر المال وتصح من عشرين

ولو كانت[٣] في هذه المسألة أختٌ لأبٍ لم يبق لها شيءٌ

وإن اختلط بهم ذو سهمٍ فللجدّ هنا أفضل[٤] الأمور

الثلثة بعد فرض ذي سهمٍ إمّا المقاسمة كزوجٍ وجدٍّ وأخٍ

وإمّا ثلث ما بقي كجدٍّ[٥] وجدّةٍ وأخوين وأختٍ وإمّا

سدس جميع المال كجدٍّ[٦] وجدّةٍ وبنتٍ وأخوين وإذا كان

ثلث الباقي خيرًا للجدّ وليس للباقي ثلث صحيح فاضرب

مخرج الثلث في أصل المسألة فإن[٨] تركت جدًّا وزوجًا

وبنتًا وأمًّا وأختًا لأبٍ وأمٍّ أو لأبٍ فالسدس[٩] خيرٌ

للجدّ وتعول المسألة إلى ثلثة عشر ولا شيء للأخت

منسوب کرے تو جائز ہے کنیز اس کی ام ولد ہو جائے گی جس طرح باپ اپنے بیٹے کی کنیز سے صحبت

ترجمہ :- ہاں اگر (دادا کے ساتھ) ایک حقیقی بہن ہو تو دادا کا حصہ دینے کے بعد جب وہ اپنا حصہ یعنی کل ترکہ کا نصف لے چکے گی۔ پس اگر کچھ باقی رہے گا تو وہ علاتی بھائی بہنوں کے لئے ہے اور اگر کچھ باقی نہ رہے تو ان کو کچھ نہ ملے گا۔ مثلاً (میت) دادا اور ایک حقیقی بہن اور دو علاتی بہنیں چھوڑے، پس دونوں علاتی بہنوں کے لئے دسواں حصہ (ترکہ) کا باقی رہتا ہے اور مسئلہ کی بیس سے تصحیح ہوگی اور اگر اس مسئلہ میں (بجائے دو بہنوں کے) ایک علاتی بہن ہو تو اس کے لئے کچھ باقی نہ بچیگا اور اگر ان (دادا اور بھائی بہنوں) کے ساتھ کوئی اور صاحب فرض جمع ہو جائے تو ایسی حالت میں اس صاحب فرض کا حصہ دینے کے بعد دادا کے لئے تین امور میں سے جو افضل ہو وہی ملے گا (وہ افضل) یا تو مقاسمہ ہے مثلاً (میت) شوہر، دادا اور بھائی چھوڑے یا ثلث مابقی افضل ہوگا۔ مثلاً میت نے دادا۔ دادی دو بھائی اور ایک بہن چھوڑی یا تمام مال کا سدس افضل ہوگا۔ مثلاً میت نے دادا، دادی، بیٹی اور بھائی چھوڑے اور جبکہ باقی کا تہائی دادا کے لئے افضل ہو اور باقی سے ثلث صحیح نہ نکلے تو تہائی کے مخرج کو اصل مسئلہ میں ضرب دیدو۔ پس اگر

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

کر کے اس کے بچہ کو اپنی طرف منسوب کرے تو جائز ہے کنیز اسکی ام ولد بنجاتی ہے (۸) جس طرح بیٹے کو باپ پر زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں اسی طرح پوتے کو دادا پر خرچ کرنا جائز نہیں (۹) دادا کو پوتے کے مال و نفس میں اسی طرح تصرف کرنیکا حق ہے جسطرح باپ کو بیٹے کے مال و نفس میں تصرف کرنیکا حق ہے یہ احکام تو وہ تھے جس میں دادا باپ کے مشابہ ہے احکام مذکورہ میں دادا بھائی کے مشابہ ہے (۱) اگر صغیر بچہ کا دادا اور ماں موجود ہو تو ان دونوں پر اسکا نفقہ واجب ہیگا دو حصہ دادا کے ذمہ اور ایک حصہ ماں کے ذمہ ہے جسطرح اسکا نفقہ بھائی اور ماں پر واجب ہوتا ہے (۲) اگر دادا تنگدست ہو تو پوتے کا نفقہ اس پر واجب نہیں جس طرح بھائی پر واجب نہیں ہوتا (۳) صدقۂ فطر صغیر کی طرف سے دادا پر واجب نہیں جس طرح بھائی پر واجب نہیں (۴) دادا کے مسلمان ہوجانے سے صغیر پوتا مسلمان نہیں سمجھا جاتا جس طرح بھائی کے مسلمان ہونے سے (۵) اگر دادا اقرار کرے کہ یہ میرا پوتا ہے اور پوتے کا باپ زندہ ہے تو صرف دادا کے اقرار سے نسب ثابت نہ ہوگا جس طرح بھائی کے اقرار سے بھائی کی موجودگی میں بھتیجے کا نسب ثابت نہیں ہوتا (۶) دادا پوتے کی ولاء اپنے مالکوں کی طرف نہیں کھینچ سکتا جسکی صورت یہ ہے کہ دادا اور پوتا دونوں دو شخصوں کے غلام ہیں۔ پوتے کے مالک نے اس کو آزاد کر دیا پھر وہ مرگیا تو اسکی ولاء اسکے مالک کو پہنچے گی اور دادا وارث نہ ہوگا۔ اس لئے کہ وہ غلام ہے پھر دادا کے مالک نے اس کو آزاد کر دیا اسکے بعد دادا مرگیا تو دادا پوتے کی ولاء اپنے مالک کی طرف نہیں کھینچ سکتا بلکہ پوتے کی ولاء اسکے مالک کو پہنچے گی جس طرح دو ملوک بھائیوں کا حال ہے احکام میں ایسے تعارض پائے جانے کی وجہ سے مجتہدین نے اختلاف کیا ہے۔

عورت نے دادا، شوہر اور بیٹی دماں اور ایک حقیقی یا علاتی بہن چھوڑی تو (اس صورتمیں) دادا کے لئے تہائی ترکہ افضل ہے، اور مسئلہ تیرہ کی طرف عول کریگا اور بہن کو (ترکہ میں سے) کچھ نہ ملے گا۔

لہ قولہ الا اذا کانت الخ یعنی علاتی بھائی بہن حقیقی بھائی بہن کے ساتھ تقسیم میراث میں دادا کا حصہ کم کرنے کے لئے شامل کئے جائیں گے اور دادا کا حصہ ملنے کے بعد محجوب الارث ہوجائیں گے اس لئے کہ علاتی بھائی بہن حقیقی بھائی اور حقیقی بہن کی موجودگی میں جبکہ وہ بیٹی کے ساتھ عصبہ ہو محروم ہوجاتے ہیں۔ اور دادا کو بدستور مذکورہ دینے کے بعد جتنا باقی رہتا ہے وہ حقیقی بھائی بہنوں کو مل جاتا ہے لیکن اگر دادا کے ساتھ ایک حقیقی بہن ہو تو دادا کا حصہ دینے کے بعد اس کو اس کا حصہ مقرر نصف دیا جائیگا۔ اگر کچھ باقی رہے گا تو علاتی بھائی بہن کو مل جائیگا ورنہ ان کو کچھ نہ ملے گا اسکا سبب یہ ہے کہ اولاد اب اولاد ام سے محجوب ہوتے ہیں نہ دادا کی وجہ سے پس حجب کا فائدہ اولاد اب وام کی طرف عود کریگا نہ دادا کی طرف اور یہ جو ہم نے حصہ مقررہ کی قید لگائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضؓ کے نزدیک حقیقی اور علاتی بہنیں دادا کے ساتھ عصبہ ہوجاتی ہیں تو اس صورت میں ان کے نزدیک ان کے لئے کچھ باقی نہ رہیگا بجز مسئلہ اکدریہ میں جیسا کہ عنقریب تم کو معلوم ہوجائے گا۔

۵۲ قولہ کجد الخ ۔ یہ مثال اس کی ہے دادا کے ساتھ علاتی بہن کو حقیقی بہن کے حصہ لینے کے بعد ما بقی ترکہ پہنچا اس صورتمیں مقاسمۃ دادا کے حق میں سدس مال سے افضل ہے اس لئے کہ دادا کو بھائی کے مانند قرار دیں گے گویا اس مسئلہ میں پانچ بہنیں جمع ہوئی کیونکہ ایک بھائی بمنزلہ دو بہنوں کے ہے اور دادا کے لئے پانچ سہام میں دو سہم ہونگے یعنی وہ تنہا دو بہنوں کے برابر ہوگا لیکن حقیقی بہن کا حصہ کل مال میں سے نصف ہے اور وہ ڈھائی سہم ہوتے ہیں۔ پس کسر لازم آئی اس لئے پانچ کو نصف کے مخرج میں کہ دو ہیں ضرب دیا دس حاصل ہوتے اسمیں دادا کے لئے چار سہم اور حقیقی بہن کے لئے پانچ سہم ہیں ایک سہم جو باقی رہا وہ علاتی بہنوں کا حصہ ہے جو ان پر پورا پورا تقسیم نہیں ہوسکتا لہذا ان کے عدد رؤس کو دس میں ضرب دیا بیس[۲۰] حاصل ہوئے اور مسئلہ کی تصحیح اس سے ہوگئی۔ پس بیس[۲۰] میں سے دادا کے لئے آٹھ سہم اور حقیقی بہن کے لئے دس سہم اور دو علاتی بہنوں کے لئے دو سہم ہوئے کہ ان میں سے ہر ایک کو ایک سہم ملیگا۔

۵۳ قولہ ولو کانت الخ یعنی مسئلہ مذکور میں بجائے دو علاتی بہنوں کے ایک علاتی بہن فرض کرلی جائے تو یہ مثال اس کی ہوجائے گی کہ دادا کے ساتھ حقیقی بہن کے حصہ لینے کے بعد علاتی بہن کو کچھ ترکہ نہ پہنچے گا اس لئے کہ دادا کے لئے مقاسمۃ تہائی ترکہ سے افضل ہے پس آدھا ترکہ

اس کے لئے ہوگا اور جو آدھا ترکہ باقی رہے گا حقیقی بہن کا حق ہے۔ ایسی حالت میں علاتی بہن کے لئے کچھ باقی نہ رہا۔

ؔ۵۳ قولہ افضل الخ یعنی پہلے صاحب فرض کو اس کا حصہ دیدیا جائے پھر ترکہ سے جو باقی رہے تو اسمیں سے دادا کو وہ دیا جائے جو تین چیزوں میں سے بہتر ہو اور وہ تین چیزیں یہ ہیں (۱) مقاسمۃ (۲) صاحب فرض کا حصہ نکالنے کے بعد بقیہ مال کا تہائی (۳) تمام ترکا کا چھٹا ۱۲

ؔ۵۵ قولہ کسن وج الخ یہ مثال مقاسمۃ کے افضل ہونے کی ہے یہاں اصل مسئلہ نصف پائے جانے کی وجہ سے دو سے کیا جائیگا جس میں سے ایک سہم شوہر کو اور ایک جو باقی رہے گا اُس کو آدھوں آدھ کرکے دادا اور بھائی کو ملے گا۔ لیکن ایک سہم دو پر پورا پورا تقسیم نہیں ہو سکتا اس لئے دو کو جو دادا اور بھائی کے رؤس کا عدد ہے اصل مسئلہ یعنی دو میں ضرب دیا جائیگا۔ چار حاصل ہونگے انیں سے دو سہم شوہر کو ایک، دادا اور ایک بھائی کو ملیگا پس دادا کو بوجہ مقاسمۃ کے تمام ترکہ میں سے چوتھائی پہنچتا ہے جو چھٹے سے افضل ہے اور تہائی مابقی سے بھی افضل ہے اس لئے کہ یہ تہائی مابقی بھی تمام ترکہ کا چھٹا حصہ ہے ۱۲

ؔ۵۶ قولہ کجد الخ۔ یہ مثال صاحب فرض کا حصہ نکال دینے کے بعد مابقی مال میں سے تہائی کے افضل ہونے کی ہے یہاں اصل مسئلہ چھ سے ہوکر چھٹا حصہ یعنی ایک دادی کو دیکر پانچ باقی رہتے ہیں جس میں تہائی دادا کے لئے ہے۔ پانچ کا تہائی بلا کسر نہیں نکل سکتا۔ اور قاعدہ ہے کہ اگر قسمت غیر صحیح مقسوم سے نکلے تو اس قسمت پر غیر صحیح کے مخرج کو مقسوم میں ضرب دیتے ہیں۔ اس لئے تہائی کے مخرج کو کہ تین ہے چھ میں کہ مقسوم ہے ضرب دینے سے اٹھارہ حاصل ہوتے ہیں اس میں سے چھٹا حصہ دادی کو کہ تین ہوئے فرض کے طور پر دینے کے بعد پندرہ باقی رہے اُس کی تہائی کہ پانچ سہام ہوتے ہیں دادا کو اور مابقی دس میں سے دو بھائیوں میں سے ہر ایک کے لئے چار سہم ہوئے اور بہن کے لئے دو سہم ہوئے اس مثال میں دادا کے لئے تہائی ترکہ ہے جو مقاسمۃ اور ترکہ کے چھٹے حصہ سے افضل ہے اس لئے کہ مسئلہ اس صورت میں مقاسمۃ کی تقدیر پر بھی چھ سے ہوتا ہے جب اس میں سے دادی کو ایک دیا پانچ باقی رہے گے اور دادا دو بہنوں کے برابر ہے پس دادا اور دو بھائی اور ایک بہن سات بہنوں کی مثل ہوئے اور پانچ سات پر پورا پورا تقسیم نہیں ہو سکتا اور پانچ اور سات میں تباین کی نسبت ہے لہٰذا سات کو کہ عدد رؤس کا مجموعہ ہے اصل مسئلہ میں کہ چھ ہے ضرب دینے سے بیالیس ۴۲ حاصل ہوئے جس سے مسئلہ کی تصحیح ہوتی ہے

ان میں سے دادی کے سات سہم ہیں جو بیالیس کا چھٹا حصہ ہے اور مابقی پینتیس ۳۵ میں سے دادا
اور دو بھائیوں میں سے ہر ایک کو دس دس سہم ہیں اور بہن کے پانچ سہم ہیں اور ظاہر ہے کہ دادا
کے لئے اٹھارہ میں سے پانچ بہتر ہیں اس سے کہ بیالیس میں سے دس سہام اس کے لئے ہوں اور
ثلث مابقی کی چھٹے ترکہ سے بہتر ہونے کی وجہ اس مثال میں یہ ہے کہ دادا کے لئے چھٹا حصہ اعتبار
کرنے کی صورت میں بھی مسئلہ چھ سے ہوتا ہے اس صورت میں دادی کو چھٹا اور دادا کو بھی چھٹا پہنچتا
ہے اور باقی چار حصے دو بھائی اور ایک بہن کو پہنچتے ہیں جو بمنزلہ پانچ بہنوں کے ہیں اور چار
پانچ پر پورا پورا تقسیم نہیں ہو سکتا اور ان کے درمیان تباین کی نسبت ہے پس عدد رؤس کے
مجموعہ کو کہ پانچ ہیں اصل مسئلہ چھ میں ضرب دیا تیس ۳۰ حاصل ہوئے ان میں سے دادا اور دادی
میں سے ہر ایک کے لئے پانچ پانچ سہام اور دو بھائیوں میں سے ہر ایک کے لئے آٹھ آٹھ سہام
اور بہن کے لئے چار سہم ہیں۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ دادا کے لئے اٹھارہ میں سے پانچ سہام
بہتر ہیں اس سے کہ اس کے لئے تیس ۳۰ میں سے پانچ سہام ہوں ۔۱۲

۵۶ قولہ کجد الخ۔ یہ مثال اس کی ہے کہ دادا کے لئے تمام ترکہ کا چھٹا حصہ افضل ہے یہاں
اصل مسئلہ نصف، اور سدس سے جمع ہونے کی وجہ سے چھ سے ہوگا۔ بیٹی کو نصف یعنی تین سہم
ملیں گے اور دادی کو چھٹا یعنی ایک سہم ملے گا دو سہام باقی رہتے ہیں پس اگر دادا کے لئے دو بھائیوں
کے ساتھ مقاسمہ اختیار کیا جائے تو اس صورت میں اس کو ایک سہم میں سے دو تہائی ملتے ہیں اور
اگر اس کے لئے مابقی کا تہائی اختیار کیا جائے تو اس صورت میں بھی اس کو ایک سہم میں دو تہائی
ملتے ہیں لیکن اگر اس کو تمام ترکہ میں سے چھٹا حصہ دیا جائے تو اس کو پورا ایک سہم ملتا ہے جو مقاسمہ
اور مابقی تہائی ترکہ دونوں سے بہتر ہے لیکن اس مسئلہ کی تقسیم کی درستی کے لئے تصحیح کرنی ہوگی
اس طور سے کہ مابقی سہموں میں سے جب ایک سہم دادا کو مل جائیگا دوسرا ایک سہم دو بھائیوں
پر پورا پورا تقسیم نہ ہوگا۔ پس دو کو اصل مسئلہ یعنی چھ میں ضرب دیا بارہ حاصل ہوئے جس
سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ ان میں سے چھ سہام بیٹی کے اور دادا اور دادی میں سے ہر ایک کے
دو دو سہم اور دو بھائیوں میں سے ہر ایک کے ایک ایک سہم ہوئے ۱۲

۵۷ قولہ واذا کان الخ اس سے مصنف نے فائدہ مہمہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب
ثلث باقی دادا کے لئے بہتر ہو لیکن باقی کے لئے بلا کسر کوئی ثلث صحیح نہ نکل سکتا ہو تو اس صورت میں ثلث
کے مخرج یعنی تین کو اصل مسئلہ میں ضرب دیدیا جائے جیسا کہ مقاسمہ اور سدس پر ثلث باقی کو فضل ہونے
کی بحث میں گزرا اور وہ یہ ہے کہ ثلث کے مخرج یعنی تین کو چھ میں ضرب دیا تو اٹھارہ حاصل
ہوئے جس سے مسئلہ کی تصحیح ہو جاتی ہے ۔۱۲

وَاعْلَمْ[۵۱] اَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَجْعَلُ الْاُخْتَ

لِاَبٍ وَّ اُمٍّ اَوْ لِاَبٍ صَاحِبَةَ فَرْضٍ مَعَ الْجَدِّ اِلَّا فِي الْاَكْدَرِيَّةِ

بل يجعلها معه عصبة ۱۲ — فی شیٔ من مسائل الام

وَهِيَ زَوْجٌ وَّ اُمٌّ وَّجَدٌّ وَّ اُخْتٌ لِاَبٍ وَّ اُمٍّ اَوْ لِاَبٍ فَلِلزَّوْجِ

النِّصْفُ وَلِلْاُمِّ الثُّلُثُ وَلِلْجَدِّ السُّدُسُ وَلِلْاُخْتِ النِّصْفُ

وهو تسعة من سبعة وعشرين ۱۲ — وهو ستة من سبعة وعشرين ۱۲ — ثمانية منها ۱۲ — اربعة منها ۱۲

ثُمَّ يَضُمُّ الْجَدُّ نَصِيْبَهٗ اِلٰى نَصِيْبِ الْاُخْتِ فَيَقْسِمَانِ لِلذَّكَرِ

مجموع النصيبين ۱۲

مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ لِاَنَّ الْمُقَاسَمَةَ خَيْرٌ لِلْجَدِّ اَصْلُهَا

من السدس وثلث الباقی ۱۲

مِنْ[۵۲] سِتَّةٍ وَتَعُوْلُ اِلٰى تِسْعَةٍ وَتَصِحُّ مِنْ سَبْعَةٍ وَّعِشْرِيْنَ

لاختلاط النصف بالسدس والثلث ۱۲

وَسُمِّيَتْ اَكْدَرِيَّةً لِاَنَّهَا وَاقِعَةُ امْرَاَةٍ مِّنْ بَنِي اَكْدَرَ

فانها ماتت وترکت الورثة المذکورة ۱۲ — هذه المسئلة ۱۲

وَقَالَ بَعْضُهُمْ سُمِّيَتْ اَكْدَرِيَّةً[۵۳] لِاَنَّهَا كَدَّرَتْ عَلٰى زَيْدِ

لا توجد هذه العبارة من هنا الی قوله مذهبه فی الشروح ولا فی النسخ الصحیحة ۱۲

بْنِ ثَابِتٍ مَذْهَبَهٗ وَلَوْ كَانَ[۵۴] مَكَانَ الْاُخْتِ اَخٌ اَوْ

اُخْتَانِ فَلَا عَوْلَ وَلَا اَكْدَرِيَّةَ[۵۵]

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

۵۵ قولہ فان ترکت الخ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے کہ جس میں دادا کے لئے سدس مقاسمہ اور ثلث مابقی دونوں سے بہتر ہے اگر شبہ کیا جائے کہ اس جگہ یہ مسئلہ کیوں بیان کیا گیا مثال سابق پر اکتفا کیوں نہ کیا گیا تو جواب یہ ہے کہ اس مثال کے ذکر کرنے میں دوسرا فائدہ ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی یا علاتی بہن اگرچہ دادا کیساتھ محجوب نہیں ہوتی مگر بعض مسائل میں کسی عارض کیوجہ سے وہ دادا کیساتھ وارث نہیں ہوتی ۱۲

ترجمہ :- جاننا چاہیئے کہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حقیقی یا علاتی بہن کو دادا کے ساتھ
صاحب فرض نہیں قرار دیتے (بلکہ عصبہ قرار دیتے ہیں) مگر مسئلہ اکدریہ میں (صاحب فرض مانتے ہیں)
اور وہ (مسئلہ اکدریہ) یہ ہے کہ (ایک عورت متوفیہ نے) شوہر و ماں، دادا اور ایک حقیقی یا علاتی بہن
چھوڑی۔ پس شوہر کے لئے نصف اور ماں کے لئے تہائی اور دادا کے لئے چھٹا اور بہن کے لئے نصف ہے
پھر دادا کے حصہ کو بہن کے حصہ کے ساتھ ملاکر (دونوں کے مجموعہ کو دونوں پر اس طرح) تقسیم کیا جائیگا
کہ ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ پہنچے گا اس لئے کہ مقاسمۃ دادا کے لئے (چھٹے اور تہائی حصہ سے) بہتر
ہے۔ اس (مسئلہ) کی اصل چھ سے ہے اور نو تک عول کرتا ہے اور اسکی تصحیح ستائیس سے ہوتی ہے
اور اسکا اکدریہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ قبیلہ بنی اکدر کی ایک عورت کا واقعہ ہے اور بعض کا قول ہے
اس مسئلہ کا اکدریہ نام اسوجہ سے رکھا گیا کہ اس مسئلہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مذہب
مکدر اور مشتبہ ہوگیا اور اگر بہن کی جگہ بھائی یا دو بہنیں ہوں تو مسئلہ تو عائلہ ہوگا اور نہ اکدریہ۔

سلہ قولہ واعلم الخ یعنی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حقیقی یا علاتی بہن کو دادا کے ساتھ مسئلہ اکدریہ

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

۵۹ قولہ فالسدس الخ اس لئے کہ اصل مسئلہ نصف ربع اور سدس جمع ہونیکی وجہ سے بارہ سے ہوگا۔ اور
اسکا عول تیرہ کیطرف ہوجائیگا کیونکہ بیٹی کے لئے ۱۲ کا نصف چھ شوہر کے لئے بارہ کا چوتھائی تین اور دادا کے
لئے بارہ کا چھٹا دو سہام ہوتے ہیں اور ماں کا چھٹا حصہ اسمیں سے دو ہے جسکا مجموعہ ۱۳ ہوتا ہے اس لئے
بارہ نے تیرہ کی طرف عول کیا۔ جب مسئلہ میں عول واقع ہوا تو اب بہن کے لئے جو عصبہ ہے کچھ باقی نہ رہا اور دادا
نے جو چھٹا حصہ پایا ہے وہ بطور فرضیت ہے نہ عصوبت کی وجہ سے اس مثال میں دادا کو جو چھٹا حصہ
افضل ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو تیرہ میں سے دو سہام ملے مقاسمۃ کا عمل اگر اختیار کیا جاتا تو بارہ
میں سے چوتھائی تین سہام شوہر کو اور بارہ کا نصف چھ بیٹی کو اور اسکا چھٹا دو ماں کو ملتے تو دادا اور بہن
کیلئے ایک باقی رہتا۔ دادا دو بہنوں کی برابر ہے پس خود ایک بہن اور دو جمع ہو کر تین بہنوں کی مانند ہوئے
اور ایک سہم تین پر پورا پورا تقسیم نہیں ہوسکتا ان کے تین عدد دوس کو بارہ میں ضرب دینے سے چھتیس ۳۶
حاصل ہوئے اس تصحیح سے ۱۸ سہام بیٹی کو نو شوہر کو چھ ماں کو ملتے ہیں۔ ان میں سے دو دادا کو اور ایک
بہن کو ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ تیرہ میں سے دو سہام بڑھ کر ہیں۔ چھتیس میں کے دو سہام سے اور اگر ثلث
باقی کا عمل اختیار کیا جاتا تو ذوی الفروض یعنی بیٹی شوہر اور ماں کا حصہ دینے کے بعد اب بھی بقیہ میں
سے دادا کو تہائی ملتا تو اس کا بھی مفہوم یہی ہے اس لئے کہ صورت مذکور میں صاحبانِ فرض کا حصہ
نکالنے کے بعد ایک باقی رہتا ہے اور اس سے صحیح تہائی نہیں نکل سکتا۔ پس تہائی کے مخرج تین کو بارہ
میں ضرب دیکر بھی چھتیس ۳۶ حاصل ہوں گے۔ ۱۲

کے علاوہ اور مسائل میں عصبہ قرار دیتے ہیں اس لئے کہ دادا ان کے نزدیک بھائی کی طرح ہے۔ مسئلہ
اکدریہ میں وہ حقیقی یا علاتی بہن کو صاحب فرض مانتے ہیں۔ پھر دادا کے حصہ کو جو از روئے فرائض
اس کو پہنچتا ہے بہن کے حصہ کے ساتھ ملا کر دادا اور بہن کے درمیان بطور مقاسمہ کے تقسیم کر دیتے ہیں۔
اس لئے کہ یہاں پر مقاسمہ ثلث باقی اور سدس دونوں سے افضل ہے ۱۲

۵۷ قولہ من ستۃ الخ یعنی اصل مسئلہ نصف ثلث اور سدس کے اختلاط سے چھ سے ہوگا جس
میں سے شوہر کا نصف، تین ماں کا تہائی دو اور دادا کا چھٹا ایک ہے اور ..... بہن کے لئے کچھ
باقی نہ رہا حالانکہ یہاں بہن کے لئے کوئی حاجب نہیں جو اس کو محجوب کرتا ہو اس لئے اصل مسئلہ
چھ پر اس کا نصف تین بڑھایا گیا تو نو ہوئے اس عول میں سے دادا کو ایک اور بہن کو تین ملتے ہیں
جس کا مجموعہ چار ہے اور یہ نامناسب ہے کہ بہن کا حصہ دادا کے حصہ سے بڑھ جائے اس لئے کہ دادا
بہن کے ساتھ عصبہ قرار پاتا ہے تو عصوبت کی وجہ سے دادا کو بہن سے دوچند پہنچتا ہے۔ اسلئے
کہ دادا بمنزلہ بھائی کے ہوتا ہے اور ایک بھائی دو بہنوں کے برابر ہوتا ہے تو یہاں تین بہنیں
ہوئیں اس طرح کہ تنہا دادا دو بہنوں کی طرح ہے اور ایک بہن خود موجود ہے یہ پہلے گزر چکا ہے
کہ دادا اور بہن کے سہام کا مجموعہ چار ہے جو تین رؤس پر پورا پورا تقسیم نہیں ہو سکتا چار اور تین
میں تباین کی نسبت ہے لہذا تین کو نو سے کہ اصل مسئلہ عائلہ ہے ضرب دینے سے ستائیس
حاصل ہوئے ان میں سے شوہر کو ۹ سہام ماں کو چھ سہام دادا کو تین اور بہن کو نو سہام پہنچے
اس طرح ——— مسئلہ ۶ عـ ۹ تـ ۲۷ ۳ رؤس

شوہر	ماں	دادا	بہن
$\frac{3}{9}$	$\frac{2}{9}$	$\frac{1}{9}$	$\frac{3}{9}$

چونکہ دادا بمنزلہ بھائی کے ہے اور دادا کے حصہ کو بہن کے حصہ کے ساتھ جمع کرنے سے بارہ سہام
ہوتے ہیں۔ ان بارہ کو مرد کو عورت سے دوچند کے حساب سے تقسیم کرنے سے آٹھ سہام دادا کو
اور چار سہام بہن کو پہنچے۔ یہ تقسیم امام محمدؒ کے قول کے مطابق ہے اس لئے کہ انھوں نے ماں کو کل
تہائی دلایا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مسئلہ اٹھارہ سے تصحیح پائے گا کیونکہ انھوں نے
ماں کو باقی کا تہائی دلایا ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک دادا باپ کی مانند ہے جبکہ میت کا شوہر
وماں اور دادا جمع ہوں جس کی صورت یہ ہے

مسئلہ ۶ تـ ۱۸

شوہر	ماں	دادا	بہن
$\frac{3}{9}$	$\frac{2}{6}$	۲	۱

اس تمام توضیح وتفصیل کے بعد یاد رکھو کہ زید
رضی اللہ عنہ نے اول اس جگہ اول بہن کو صاحب فرض بنایا تاکہ میراث سے بلکہ محروم نہ ہو جائے
آخر کار اس کو عصبہ قرار دیا تاکہ اسکا حصہ دادا کے حصہ سے جو بمنزلہ بھائی کے ہے بڑھ نہ

جائے اور اس مثال سے پہلے جو مثال گزر چکی اس میں بیٹی کا ہونا بہن کے صاحب فرض ہونے کے مانع ہے اور مسئلہ اکدریہ میں وہ مانع موجود نہیں ہے۔

تنبیہ :- حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اصول کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دادا حقیقی یا علاتی بھائی بہنوں کے ساتھ جمع ہو تو دادا ایک بھائی کے برابر یعنی اُن سے برابر مقاسمہ کرے گا۔ جب تک مقاسمہ سے دادا کا حصہ تہائی سے کم نہ ہو اور اگر تہائی سے کم ہوگا تو اس کیلئے تہائی مفروض ہوگا اور باقی دو تہائی بھائی بہنوں میں للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہو جائیگا۔ مثلاً اگر ایک بھائی اور دادا ہے تو متروکہ مال بالمناصفہ تقسیم ہوگا اس لئے کہ دادا کے لئے مقاسمہ بہتر ہے۔ اور اگر دادا اور دو بھائی ہوں تو ہر ایک کو تہائی مال مل جائے گا۔ اور اگر دادا اور تین بھائی ہوں تو تہائی مال دادا کا فرض ہے اور باقی مال بھائیوں میں تقسیم ہوگا اس لئے کہ اس صورت میں مقاسمہ سے چوتھائی مال دادا کو ملتا ہے جو تہائی سے کم ہے۔ اور اگر دادا اور بھائیوں کے ساتھ کوئی صاحب فرض ہے تو اس کو فرض دیکر غور کیا جائے گا کہ دادا کے لئے تین حالات میں سے کون حال بہتر ہے مقاسمہ یا ثلث باقی یا سدس تو ان میں سے جو اس کے حق میں بہتر ہو وہ اس کو دیا جائیگا اور باقی بھائی بہنوں میں مرد کو عورت سے دو چند کے حساب سے تقسیم ہوگا (کذا فی الطحاوی) ۱۲

۵۳ قولہ سمیت اکدریۃ الخ علماء فرائض کے مسئلہ اکدریہ کی وجہ تسمیہ میں مختلف اقوال ہیں۔ اول یہ کہ اس مسئلہ کو اکدریہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اکدریہ کی طرف منسوب ہے۔ اکدر بفتح اول و سکون کاف تا نزی و فتح دال ایک قبیلے کے مورث کا نام ہے اس قبیلہ کی ایک عورت نے اسیقدر وارث چھوڑ کر وفات پائی تھی اسلئے مسئلہ مذکورہ اسکی طرف منسوب ہو کر مسئلہ اکدریہ کہلانے لگا۔

۲- بعض کا قول ہے کہ اس مسئلہ کو اکدریہ اس لئے کہتے ہیں کہ اسمیں زید کا مذہب ان پر مشتبہ ہو گیا اس لئے کہ وہ دادا کے ساتھ بہنوں کو حقیقی ہوں یا علاتی صاحب فرض (وارث) نہیں مانتے اور نہ مسئلہ کا عول کرتے ہیں بلکہ اگر کچھ باقی نہ رہے تو بہنوں کو ساقط کر دیتے ہیں باوجود اس کے کہ انھوں نے اس مسئلہ میں بہن کے لئے کچھ فرض (حصہ) بھی مقرر کیا اور مسئلہ کا عول بھی چھ سے نو کی طرف کیا۔ اور پھر بہن کے نصف کو اور دادا کے چھٹے کو ملا کر دونوں پر تعصیب کے طور پر تقسیم کر دیا کہ دادا کو بہن سے دونا دلوایا۔

(۳) تیسری وجہ تسمیہ یوں منقول ہے کہ ایک شخص قبیلہ بنی اکدر کا فرائض میں زید کے مذہب کو بہت پسند کرتا تھا۔ ایک دن خلیفہ عبد الملک بن مروان نے اس سے یہی مسئلہ پوچھا۔ اس نے جواب میں غلطی کی تو ظرافت کے طور پر یہ مسئلہ اکدریہ کہلانے لگا۔ ابن ابی شیبہ مصنف میں اس کی وجہ تسمیہ کی یوں تقریر کرتے ہیں کہ عبد الملک بن مروان نے ایک شخص اکدر نام جو فرائض میں توغل

رکھتا تھا اس مسئلہ کا سوال کیا وہ جواب صحیح نہ دے سکا اس لئے مسئلہ مذکورہ اکدریہ کہلانے لگا۔
لیکن واضح رہے کہ اکدر عبد الملک کی مسند نشینی سے پہلے مقتول ہو چکا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ ہونے سے پہلے اس نے اکدر سے یہ مسئلہ پوچھا ہوگا ۔۱۲

(۴) یہ وجہ تسمیہ بھی بیان کی ہے کہ اس مسئلہ میں بہن نے دوسرے اصحاب فرائض کے حصوں کو مکدر کر دیا یعنی بگاڑ دیا ہے اس لئے کہ اس کے ذی فرض بنا دینے کی وجہ سے مسئلہ میں عول آ گیا اسلئے بہن کے سوا ہر ایک کے حصوں میں نقصان ہو گیا۔

(۵) دادا نے بہن کی میراث کو مکدر کر دیا اس لئے کہ اسکا حصہ نو سہام سے تین سہام کر دیا

(۶) بعض نے یہ وجہ تسمیہ بیان کی ہے کہ اس مسئلہ میں جو شوہر مذکور ہے اس کا نام اکدر تھا۔

(۷) بعض کہتے ہیں اکدر اس شخص کا نام ہے جس نے ابن مسعودؓ کے روبرو یہ مسئلہ بیان کیا تھا۔

(۸) بعض کہتے ہیں کہ اکدر ایک مقام کا نام کذا فی فوائد الصبغیہ یہ وجہ بھی اسی تعبیر میں داخل ہے کہ میت جس شہر میں رہتی تھی اسکا نام اکدر ہے حالانکہ کتاب مذکور میں اس کو علیحدہ لکھا ہے۔

(۹) بعض کہتے ہیں اس لئے اکدریہ کہلایا کہ اس مسئلہ میں صحابہؓ کرام کے اقوال میں تکدر یعنی اختلاف پڑ گیا۔ (۱۰) بعض کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ اصحاب فرائض پر مکدر ہو گیا کیونکہ زید کا تو مذہب یہ ہے کہ دادا بہن کے ساتھ عصبہ ہو جاتا ہے اور جب دادا کو اس مسئلہ میں عصبہ بنایا جائے تو دادا کا حصہ سدس سے گھٹ جاتا ہے حالانکہ اجماع اس پر ہے کہ دادا کا حصہ سدس سے گھٹ سکتا ہی نہیں۔ پس زید کے مذہب پر علماء نے تکدر پیدا کر دیا۔

۵۴ قولہ ولو کان الخ بھائی ہونے کی صورت میں عول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سدس دادا کیلئے بہتر ہے اور مسئلہ چھ سے ہے جب شوہر چھ کا نصف تین لے گا اور ماں چھ کا تہائی دو لے لے گی تو بجز ایک سہم کے کہ سدس ہے باقی نہ رہا اور یہ دادا کو ملے گا اور بھائی محروم رہے گا جیسا کہ پہلے مسئلہ میں بہن کے لئے کچھ نہ تھا اس لئے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ دادا کا حصہ چھٹے سے کم نہ ہو اس لئے ایک بہن سے بھائی کو کچھ نہ دیا جائیگا اور دو بہنوں کے ہونے کی صورتیں عول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دو بہنیں ماں کو تہائی سے چھٹے پر لے آتی ہیں پس مسئلہ چھ سے ہے اسمیں سے شوہر کے تین سہام ماں کا ایک سہم یعنی سدس ہے اور دادا کا ایک سہم۔ باقی ماندہ ایک ایک سہم دونوں بہنوں کے لئے رہا ایک دو پر پورا پورا تقسیم نہیں ہو سکتا تو دو کو اصل مسئلہ چھ سے ضرب دینے سے بارہ حاصل ہوئے جس سے مسئلہ کی تصحیح ہوتی ہے بخلاف اکدریہ کے کہ وہاں کچھ باقی نہیں رہتا اور اس صورتیں کہ دو بہنیں ہیں تو زید بن ثابت رض کا قاعدہ مستقیم ہے کہ چھٹا حصہ دادا کے لئے مقاسمہ کے تو برابر ہے اور باقی مال کی تہائی سے بہتر ہے ۱۲

بَابُ الْمُنَاسَخَةِ [۹۱]

وَلَوْ صَارَ [۹۲] بَعْضُ الْاَنْصِبَاءِ مِيْرَاثًا قَبْلَ الْقِسْمَةِ كَزَوْجٍ [۹۳] وَ
(قبل قسمة التركة ۱۲)
بِنْتٍ وَاُمٍّ فَمَاتَ الزَّوْجُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ عَنِ امْرَأَةٍ وَ
اَبَوَيْنِ ثُمَّ مَاتَتِ الْبِنْتُ عَنِ ابْنَيْنِ وَبِنْتٍ وَجَدَّةٍ ثُمَّ
(ای بنت المیت ۱۲)
مَاتَتِ الْجَدَّةُ عَنْ زَوْجٍ وَاَخَوَيْنِ
(ای ام امرۃ التی ماتت اولا)

(یہ) باب مناسخہ (کے بیان میں) ہے

ترجمہ :۔ اگر بعض حصے تقسیم (ترکہ) سے پہلے میراث ہو جائیں۔ مثلاً (میت نے) شوہر اور بیٹی اور ماں (وارث چھوڑے) پھر شوہر تقسیم (ترکہ) سے پہلے ایک بیوی اور باپ ماں چھوڑ کر مر گیا پھر بیٹی دو بیٹے اور ایک بیٹی اور دادی چھوڑ کر مر گئی۔ پھر دادی شوہر اور دو بھائی چھوڑ کر مر گئی۔

[۹۱] قولہ المناسخۃ ۔ مناسخہ مفاعلۃ کے وزن پر نسخ سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی ازالہ تغیر و نقل اور تحویل کے ہیں (کذا مجمع الانہر) اصطلاح میں مناسخہ اس کو کہتے ہیں کہ بعض یا کل ورثہ کے سہام

— بقیہ حاشیہ صفحہ سابق —

[۹۵] قولہ ولا الاکدریۃ الخ اکدریہ اس لئے نہ بنے گا کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بھائی عصبہ ہے زید بن ثابت رض کے لئے ممکن نہ تھا کہ اس کو صاحب فرض بنا دیں اس لئے اس کو محروم کر دیا بخلاف بہن کے جس کا حال اکدریہ میں گزرا ۔۱۲ (ف) کفایۃ الفرائض کے مصنف ابو العباس شہاب الدین ابن ہائم کا قول ہے کہ اس کو مکدرہ کہنا چاہیئے نہ اکدریہ اور یہ مسئلہ شافعیہ میں مشہور ہے۔ مسئلہ اکدریہ کو مربعۃ الجماعۃ بھی کہتے ہیں کیونکہ انھوں نے اسبات پر اتفاق کیا ہے کہ چار وارثوں پر مشتمل ہے ایک شوہر دوسری ماں تیسری بہن چوتھا دادا۔ اس کا نام غرا بھی ہے اسکے ظہور کی وجہ سے اس لئے کہ بہن کیلئے دادا کے ساتھ فرض نہیں مگر اس مسئلہ میں ایسا ہے بعض کہتے ہیں کہ اہل عراق میں یہ نام رائج ہے کیونکہ انکے نزدیک مسئلہ مشہور ہے اسکا نام غالیہ بھی ہے اسلئے جس میت کا ذکر تہائی ہو رہا تھا وہ قبیلہ ہمدان سے تھی اور نام غالیہ تھا۔۱۲

تقسیم کرنے سے پہلے ان کے مرنے کے سبب سے ان کے وارثوں کی طرف استحقاق وراثت کی وجہ سے منتقل
ہو جانا اسی کی طرف حضرت مصنف رحمہ نے اپنے اس قول وھو صار بعض الانصباء میراثا قبل القسمۃ
سے اشارہ کیا ہے۔ معنی لغوی واصطلاحی میں یہ مناسبت ہے کہ اس جگہ بھی اول مورث کا حصہ جو قسمت
سے قبل مرجاتا ہے اس کے وارثوں کی طرف نقل کیا جاتا ہے یا یوں سمجھو کہ ایک وارث کے مال کو اس
کی موت کی وجہ سے زائل کر کے دوسرے کی طرف نقل کرتے ہیں۔ شیخ شہاب الدین احمد اپنے ایک
رسالہ میں جو نظم الدر المنثور فی علم المناسخات بالتصحیح والکسور کے نام سے موسوم ہے لکھا ہے کہ مناسخہ
تصحیح مطلق کی ایک قسم ہے کیونکہ یہ تصحیح مخصوص ہے کہ اس کے ذریعہ سے میت کے ایسے وارث کے
ترکہ کا حال معلوم ہوتا ہے جو میراث کی تقسیم سے قبل مرجائے اور تصحیح مطلق کی حقیقت جسکو مصحح بفتحہ
حا بھی کہتے ہیں یہ ہے کہ وہ مخرج ہے جامع واسطے کسور مستحقہ ترکہ سے مخرج جو جامع ہو تمام وارثوں
کے کسور کو وہ مصحح المناسخہ ہے جس کو جامعہ بھی کہتے ہیں۔ مناسخہ جب کسی عدد سے صحیح ہو جاتا ہے
تو تصحیح اس کی اس سے کم سے محال ہے۔ یہ بھی اس رسالہ میں لکھا ہے کہ عمل مناسخہ اختصار کی ایک قسم
ہے اس کا نام اختصار جوامع رکھنا مناسب ہے۔ اختصار تین طور پر ہوتا ہے (۱) اختصار مسائل
(۲) اختصار سہام جس کا نام اختزال ہے (۳) اختصار جوامع مالکی مذہب کی کتاب شیا کی میں لکھا ہے
کہ مناسخات کا اختصار جہاں تک ممکن ہو کبھی ابتداء عمل میں ہوتا ہے کبھی انتہاء عمل میں یعنی ایسے عدد
کی تقسیم کے بعد جس سے مسائل کی تصحیح ہوتی ہو اور حصے اس سے مقرر ہو جاتے ہوں۔ اول کو اختصار
سہام اور دوسرے کو اختصار مسائل کہتے ہیں۔ ابتداء میں اختصار کی صورت یہ ہے کہ مسئلہ میں دو
میت ہوں اور دوسری میت کی میراث موافق میراث میت اول کے ہوتی ہے اس لئے دوسری
میت کو کالعدم قرار دیتے ہیں برابر ہے کہ ارث اول سے فقط بطور عصوبت کے ہو یا فقط بطور فرض کے
ہو یا عصوبت اور فرض دونوں کے طور سے ہو۔ بعض مرتبہ ترکہ تقسیم ہونے میں کسی وجہ سے یا وارثوں
کی غفلت سے اتنی تاخیر ہو جاتی ہے کہ میت کے ان وارثوں میں سے جو از روئے فرائض کسی حصہ
کے حقدار ہو چکے تھے۔ کوئی شخص مرجاتا ہے اور یہ حصہ شرعی اور مال کی مقدار جو شریعت نے اس
کے لئے مقرر کی تھی اس دوسرے شخص کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء کو شرعاً پہنچتی ہے کبھی
ایسا ہوتا ہے کہ اس طرح یکے بعد دیگرے دو چار وارثوں کا انتقال ہو جاتا ہے اور تقسیم کی نوبت
نہیں آتی۔ ایسی صورتوں میں مسئلہ بتانے والے اور فرائض لکھنے والے کو تو آسانی اور سہولت
اسی میں ہے کہ ہر ایک میت کا مسئلہ علیحدہ علیحدہ لکھ کر دیدے اور جتنے لوگ انتقال کر گئے ہیں۔
ہر ایک کے مال میں سے ان کا حصہ بتلا دے لیکن وارثوں اور مال تقسیم کرنے والوں کے لئے
اس میں بڑی دشواری پیش آتی ہے وہ اس کے سمجھنے سے بھی عاجز ہوتے ہیں اور مال کو ہر مسئلہ

کے مطابق بار بار تقسیم کرنا تو بالکل ہی دشوار تر معلوم ہوتا ہے لہٰذا ان کی سہولت اور آسانی کیلئے اہلِ فرائض و علمائے فرائض نے مناسخہ کی صورت تجویز کی ہے جس میں نمبر وار ہر میت کو لکھ کر اور پھر اسکے وارثوں کی تفصیل اور حصّوں کی مقدار تحریر کر کے حساب کے قواعد ملحوظ رکھ کر آخری نتیجہ ایسا بتلا دیا ہے جس میں موجود اور زندہ وارثوں کا مجموعی استحقاق اور کل حصّے اور سہام جو ان کو ایک یا چند مرنیوالے مورثوں سے پہنچے ہیں۔ یکجای صاف طور پر معلوم ہو جاتے ہیں۔ اس طرز میں فرائض اور مسئلہ لکھنے والوں کو بہت دشواری ہوتی ہے اور حساب کے قواعد اور اعداد کی باہمی نسبتوں کا سمجھنا اور ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں جسقدر مرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اسی قدر لکھنے والے کی محنت بڑھتی ہے۔ ۵۲ قولہ ولو صار الخ۔ یعنی کسی شخص کا انتقال ہوا اور ابھی اس کا ترکہ تقسیم نہ ہوا تھا کہ اس کے بعض وارثوں کا انتقال ہو گیا تو جس نے میت اول کے بعد انتقال کیا ہے۔ اس کا حق میت اول کے ترکہ سے متعلق ہو چکا۔ پہلا متوفی جس سے سلسلہ وراثت چلتا ہے وہ مورث اعلیٰ کہلاتا ہے۔ پہلے مورث اعلیٰ کا مسئلہ نکالا جاتا ہے پھر اس وارث کا مسئلہ نکالا جاتا ہے جو اس کے بعد انتقال کرے۔ علیٰ ہذا القیاس یکے بعد دیگرے ترتیب وار مرنے والے وارثوں کے مسائل نکالے جاتے ہیں۔ مناسخہ کرنے کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ دوسری میت کے وارث وہی ہوں جو پہلی میت کے دوسری میت کے علاوہ وارث ہیں اور ایک جنس ہونے کی وجہ سے تقسیم بھی متغیر نہ ہوتی ہو اور دوسری میت کے وارثوں کے درمیان اس کے مرجانے کے بعد طریقہ تقسیم بھی نہ بدلے یعنی تقسیم کا جو طریقہ میت اول کے وارثوں کے درمیان تھا وہی طریقہ تقسیم دوسری میت کے وارثوں کے درمیان ہو تو ایسی صورت میں ایک بار ہی تقسیم کافی ہو گی اس طرح مکرر تقسیم کرنے میں کہ پہلے میت اول کا ترکہ اس کے وارثوں پر تقسیم کریں۔ پھر دوسری میت کا حصّہ جو اس کو میت اول کے ترکہ سے پہنچا ہے دوسری میت کے وارثوں پر تقسیم کریں کوئی فائدہ نہیں جیسے ایک عورت ہندہ نے دو بیٹے عبداللہ اور عبدالرحیم اور دو بیٹیاں فاطمہ اور زینب وارث چھوڑے۔ ترکہ تقسیم ہونے سے پیشتر ایک بیٹی زینب مر گئی اور اس نے دو بھائی عبداللہ و عبدالرحیم اور ایک بہن فاطمہ کو اپنا وارث چھوڑا تو اس صورت میں دوسری میت کے وارث بجز میت ثانی کے وہی ہیں جو میت اول کے وارث تھے اور تقسیم کا جو طریقہ میت اول کے وارثوں کے درمیان تھا یعنی لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ وہی تقسیم کا طریقہ دوسری میت کے وارثوں کے درمیان موجود ہے تو اس صورت میں کچھ فائدہ نہیں کہ پہلے میت اول کا ترکہ اس کے وارثوں کے درمیان تقسیم کریں پھر دوسری میت کا حصّہ جو اس کو میت اول کے ترکہ سے پہنچا ہے اس کے وارثوں پر تقسیم کریں۔ اس تطویل لاطائل کی ضرورت نہیں بلکہ پہلے ہی میت اول کا ترکہ علاوہ میت ثانی کے اس کے وارثوں پر تقسیم کریں اور دوسری میت کا نام

بھی ان ہی وارثوں کے نام کے ساتھ لکھ کر اس کے نیچے کالعدم لکھ دیں۔ اس طرح اس قسم میں دوسری میت کا جو استثنا رکیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری میت

مسئلہ

عبداللہ ابن	عبدالرحیم ابن	فاطمہ بنت	زینب بنت
۲	۲	۱	کالعدم

کے وارثوں کا بعینہ میت اوّل کے وارث ہونا محال ہے اس لئے دوسری میت بھی منجملہ میت اول کے وارثوں کے ہے۔ پس اگر دوسری میت کے وارث بعینہ میت اول کے وارث ہوں تو لازم آئے گا کہ خود دوسری میت اپنی وارث ہوجائے اور یہ محال ہے (۲) دوسری قسم یہ ہے کہ دوسری میت کے وارث وہی ہوں جو میت اوّل کے وارث ہیں لیکن طریقۂ تقسیم جدا ہو تو اس صورت میں ایک بار تقسیم کافی نہ ہوگی جیسے ایک شخص مسعود احمد کا انتقال ہوا اس نے ایک بیٹا محمود احمد ایک بیوی کے بطن سے اور تین بیٹیاں فاطمہ، زینب، کلثوم دوسری بیوی کے بطن سے وارث چھوڑے۔ مثلاً

مسئلہ مسعود احمد

بیٹا پہلی زوجہ سے محمود احمد	بیٹی زینب	بیٹی فاطمہ	بیٹی دوسری زوجہ سے کلثوم
۲	۱	۱	۱

ابھی ترکہ تقسیم نہ ہوا تھا کہ ان میں ایک لڑکی فاطمہ مرگئی اور دو حقیقی بہنیں زینب اور کلثوم اور ایک علاتی بھائی محمود احمد وارث چھوڑے اس طرح ←

مسئلہ ۳ فاطمہ

حقیقی بہن زینب	حقیقی بہن کلثوم	علاتی بھائی محمود احمد
۱	۱	۱

اس صورت میں تقسیم کا جو طریقہ میت اوّل کے وارثوں میں تھا یعنی للذکر مثل حظ الانثیین وہ طریقہ دوسری میت کے وارثوں میں قائم نہیں رہا۔ بلکہ دو تہائی ترکہ حقیقی بہنوں کو ملا اور باقی علاتی بھائی کو پہنچ گیا۔ (۳) تیسری قسم یہ ہے کہ دوسری میت کے وارث میت اول کے وارثوں سے غیر ہوں۔ اور طریقہ تقسیم میں بھی تغیر ہو۔ مثلاً مورث اعلیٰ نے دو بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑیں ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے ایک بیٹا مرگیا۔ اس نے ایک بیوی اور ایک بیٹا وارث چھوڑے اس صورت میں بھی پہلی تقسیم کافی نہ ہوگی پس دوسری اور تیسری قسم میں چاہیئے کہ اول مسئلہ میت اول کی تصحیح کریں۔ اور جس میت کے مسئلہ کی تصحیح کریں لفظ میت کے سرے پر اس میت کا نام لفظ مسئلہ کے نیچے لکھ دیں اور اس کے ہر وارث کے سہام نام لکھ کر دیدیں پھر دوسری میت کے مسئلہ کی تصحیح کریں اور اس کے ہر وارث کے سہام نام کے نیچے لکھ دیں۔ اگر تصحیح کی ضرورت پڑے ورنہ کچھ حاجت نہیں۔ پھر دوسری میت کے حصّہ کو جو مافی الید کہلاتا ہے لفظ میت کے دوسرے سرے پر اس طرح لکھیں کہ پہلے مافی الید لکھیں اس کے بعد دوسری میت کے حصّہ کو لکھیں اور تصحیح اول میں دوسری میت کے نیچے ایک خط قوسی اس طرح کھینچ دیں (تاکہ ضرب دینے کے وقت غلطی واقع نہ ہو اور تصحیح ثانی اور مافی الید میں نسبت دیکھیں۔ جو نسبت پائیں، وہ تصحیح ثانی اور مافی الید کے درمیان

فَالْاَصْلُ[1] فِيْهِ اَنْ تُصَحِّحَ[2] مَسْئَلَةَ الْمَيِّتِ الْاَوَّلِ وَتُعْطِيْ سِهَامَ

اى فى ما ذكر من صيرورة بعض الانصباء ميراثا ۱۲

كُلِّ وَارِثٍ مِنَ التَّصْحِيْحِ ثُمَّ تُصَحِّحَ مَسْئَلَةَ الثَّانِيْ وَتَنْظُرُ

بَيْنَ مَا فِيْ يَدِهٖ مِنَ التَّصْحِيْحِ الْاَوَّلِ وَبَيْنَ تَصْحِيْحِ الثَّانِيْ

ثَلٰثَةُ اَحْوَالٍ فَاِنِ اسْتَقَامَ مَا فِيْ يَدِهٖ مِنَ التَّصْحِيْحِ الْاَوَّلِ

هى المماثلة والموافقة والمباينة ۱۲ ما فى يده من التصحيح الاول على التصحيح الثانى ۱۲

عَلَى الثَّانِيْ فَلَا حَاجَةَ اِلَى الضَّرْبِ

ترجمہ :- پس قاعدہ عمل کا اس میں یہ ہے کہ پہلے میت اول کے مسئلہ کی تصحیح کرو اور تصحیح سے ہر وارث کے سہام اس کو دیدو۔ پھر (اس کے بعد) دوسری میت کے مسئلہ کی تصحیح کرو اور اس (میت ثانی) کے ما فی الید اور دوسری تصحیح کے درمیان تین احوال (مماثلت، موافقت اور مباینت) کو دیکھو پس اگر دوسری میت کا ما فی الید دوسری تصحیح پر پورا پورا تقسیم ہوجائے تو ضرب کی حاجت نہیں۔

[1] قولہ فالاصل الخ - یعنی مناسخہ کا طریق عمل یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میت اول کی تصحیح کی جائے اور تصحیح سے ہر وارث کو اس کے سہام دیدے جائیں اس کے بعد دوسری میت کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے۔ پھر تصحیح ثانی کا میت ثانی کے حصہ سے جو اس کو میت اول سے پہنچا ہے اور جس کو ما فی الید کہتے ہیں مقابلہ کیا جائے۔ اگر ما فی الید تصحیح ثانی پر پورا پورا تقسیم ہوجائے تو پھر کسی عمل

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

لکھدیں لیکن جس صورتیں ما فی الید تصحیح ثانی پر پورا پورا تقسیم ہوجائے اس کی جگہ استقامت لکھیں اس وقت ضرب کی ضرورت نہیں۔ اور اگر مسئلہ اور ما فی الید میں تداخل ہو پس اگر مسئلہ کثیر ہو تو اس کا حکم توافق کا سا ہے اور اگر ما فی الید کثیر ہو تو استقامت کی صورت ہے اس مسئلہ پر وہ صحیح تقسیم ہوجائے گا۔ واضح رہے کہ تصحیح کرنے کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں وارثوں کے سہام پر کسر واقع ہوتی ہے ورنہ تصحیح کی کچھ ضرورت نہیں صرف مسئلہ مخارج فروض کے قواعد کے موافق کرلیں۔ اور اگر عول و رد کی ضرورت ہو تو عول اور رد بھی کرلیں۔ آئندہ صفحہ پر

کی ضرورت نہیں۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ تصحیح اور مافی الید میں تماثل ہو جیسا کہ تصحیح کے بیان میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب کسی فریق کے سہام اس پر بلاکسر منقسم ہو جائیں تو ضرب کی ضرورت نہیں پڑتی تو یہاں بھی یہی صورت ہے اس لئے کہ یہاں پر پہلی میت کی تصحیح اس طرح ہے جیسے وہاں اصل مسئلہ ہوتا ہے اور دوسری میت کی تصحیح یہاں پر اس طرح ہے جس طرح تصحیح کے باب میں اس فریق کے رؤس ہیں جس پر تقسیم ہوتی ہے اور دوسری میت کا مافی الید یہاں اس طرح ہے جیسے وہاں اصل مسئلہ سے ان کے سہام ہوتے ہیں۔ پس جس طرح جب کسی فریق کے سہام بلاکسر منقسم ہو جاتے ہیں تو ضرب کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح یہاں بھی جب دوسری میت کا مافی الید تصحیح ثانی پر پورا تقسیم ہو جاتا ہے تو یہاں بھی ضرب کی ضرورت نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ دوسری تصحیح پر مافی الید کے مستقیم ہونے کی وجہ سے پہلی اور دوسری میت کے دونوں مسئلے پہلی تصحیح سے مستقیم ہو جاتے ہیں اور ضرب کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور اگر مافی الید تصحیح ثانی پر پورا پورا تقسیم نہ ہو تو دیکھنا چاہیئے کہ تصحیح ثانی اور مافی الید میں توافق کی نسبت ہے یا تباین کی اور تداخل توافق کے حکم میں ہے اگر توافق کی نسبت ہے تو وفق تصحیح ثانی کو تصحیح اول میں اور اگر تباین کی نسبت ہے تو

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

تصحیح کے دو معنی ہیں۔ ایک خاص جسکا بیان باب تصحیح میں گزرا یعنی یہ کہ کسر کو جبکہ سہام پر واقع ہو تصحیح بنایا۔ دوسرے عام جو اس معنی خاص کو شامل ہیں اور اصل مسئلہ اور عول ورد کو بھی مشتمل ہیں پس اس باب میں جہاں کہیں لفظ تصحیح یا تصحیح اول یا تصحیح ثانی آجائے تو اس سے بھی تصحیح عام مراد سمجھیں اسی طرح ترکات کی تقسیم اور تخارج کی فصل میں بھی ۱۲ ص۹۳ تو ذکر وجہ جبکہ مصنف رح نے اصل باب مناسخہ میں استقامت و موافقت اور مباینت کو ذکر کیا تو ایسا مسئلہ ایجاد کیا جو تینوں کی وراثت کو شامل ہو اور ان کی موت میں بھی ترتیب کا اعتبار کیا انمیں سے پہلی موت کو استقامت کی مثال دوسری موت کو موافقت کی نظیر بنایا اور تیسری موت کو مباینت کی تمثیل قرار دیا وہ مثال یہ ہے کہ ایک عورت نے جسکا نام فاطمہ تھا انتقال کیا اور اسنے شوہر مسمی عبداللہ لڑکی مسماۃ زینب ماں مسماۃ کلثوم وارث چھوڑے پھر ترکہ تقسیم ہونے سے پیشتر شوہر عبداللہ مرگیا اس نے ایک بیوی مسماۃ رئیسہ باپ مسمی عبدالرحیم ماں مسماۃ انیسہ وارث چھوڑے۔ یہ بیوی مورث اعلیٰ فاطمہ کی سوت ہے پھر لڑکی مسماۃ زینب دو بیٹے مسمیان محمود احمد و مسعود احمد اور ایک بیٹی مسماۃ نفیسہ اور ایک جدہ مسماۃ کلثوم چھوڑ کر مرگئی۔ یہ جدہ میت اول مسماۃ فاطمہ کی ماں ہے پھر جدہ مسماۃ کلثوم نے شوہر مسمی عبدالکریم اور دو بھائی مسمیان عبدالحمید و عبدالوحید چھوڑ کر انتقال کیا اس مسئلہ میں دوسری میت میں استقامت تیسری میت میں موافقت چوتھی میت میں مباینت کی مثال ہے اور مسئلہ ہذا میں چار بطن جمع ہیں۔ ۱۲

تمام تصحیح ثانی کو تصحیح اول میں ضرب دی جائے ہر تقدیر پر حاصل ضرب دونوں مسئلوں کا مخرج ہوگا جس سے دونوں مسئلوں کی تصحیح کی جائے گی۔ بعد ازاں اس مخرج سے بطن اول (یعنی میت اول) اور بطن ثانی (یعنی دوسری میت) کے ہر وارث کا حصہ معلوم کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ توافق کی صورت میں پہلی میت کے ہر وارث کے حصہ کو سوائے میت ثانی کے حصہ کے تصحیح ثانی کے وفق میں ضرب دیا جائے۔ دوسری میت کے ہر وارث کے حصہ کو اس کے مافی الیدکے وفق میں ضرب دیا جائے اور تباین کی صورتمیں میت اول کے ہر وارث کے حصہ کو سوائے میت ثانی کے حصہ کے کل تصحیح ثانی میں اور میت ثانی کے ہر وارث کے حصہ کو اسکے تمام مافی الیدمیں ضرب دیاجائے دونوں میت کے ہر وارث کا حصہ معلوم ہو جائیگا۔ اگر میت دو سے زیادہ ہوں تو مبلغ (یعنی توافق کی صورت میں تصحیح اول ور وفق تصحیح ثانی کے حاصل ضرب کو اور تباین کی صورتمیں تصحیح اول اور کل تصحیح ثانی کے حاصل ضرب) کو بجائے تصحیح اول کے اور تصحیح ثالث کو بجائے تصحیح ثانی کے مان کر بدستور مذکور عمل کیا جائے۔ اسی طرح رابع، خامس، سادس وغیرہ میں جہاںتک ہوں عمل کیا جائے۔

۵۲ قولہ ان تصحح الخ جب مصنف رہ کی ذکر کردہ مثال میں تصحیح اور عمل مذکور کا ارادہ کیا جائے تو پہلے میت اول کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے اور تصحیح سے ہر وارث کے سہام دیدئے جائیں جس کی صورت اس طرح ہے۔ اس مسئلہ کی تصحیح نصف، ربع اور سدس کے جمع ہونے کی وجہ سے بارہ سے ہوئی۔ اس لئے کہ بیٹی نصف کی شوہر ربع کا اور ماں سدس کی حقدار ہے۔ اس مسئلہ میں رد فرض کرنا پڑیگا کیونکہ

مسئلہ ۴ بطور رد زینب النساء ۶ مسئلہ اہل رد ۱۲ — تصحیح ۱۶ ۳۲ ۴۸

ماں	بیٹی	شوہر
رابعہ	زاہدہ	عبداللہ
۱ — ۳/۶	۳/۹	۱/۴

شوہر کے تین سہم بیٹی کے چھ سہم اور ماں کے دو سہم کل گیارہ سہم ہوئے۔ ایک سہم باقی رہا جس کا کوئی دوسرا شخص حقدار نہیں ہے لہٰذا ایک سہم کو بیٹی اور ماں پر بقدر ان کے سہام کے رد کیا جائیگا اب اس عمل کی ضرورت ہوئی جس کا ذکر رد فرض میں پہلے گزرا تو اس مسئلہ میں جن پر رد ہوتا ہے ان کی دو جنسوں کے ساتھ وہ شخص موجود ہے جس پر رد نہیں ہوتا یعنی بیٹی اور ماں کے ساتھ شوہر جمع ہے۔ شوہر اہل رد میں سے نہیں اور بیٹی اور ماں اہل رد میں سے ہیں۔ اسوجہ سے مسئلہ کو شوہر کے اقل مخارج یعنی چار کی طرف رد کیا۔ جب شوہر ان میں سے اپنا ربع ایک سہم لے لیگا تو تین سہام باقی رہیں گے جو چار سہام پر کہ بیٹی اور ماں کے مسئلہ رد یہ کے طور پر ہیں پورے پورے تقسیم نہیں ہوتے اس لئے کہ دونوں میں مباینت ہے لہٰذا ان چار سہام کو جو بمنزلہ رؤس کے ہیں چار میں جو غیر اہل رد کا اقل مخرج ہے ضرب دیا۔ حاصل ضرب سولہ ہوا جس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ ان میں سے شوہر کو چار سہام اور بیٹی کو نو سہام اور ماں کو

تین سہام ملیں گے جن کا مجموعہ سولہ ہے۔ اس کے بعد دوسری میت یعنی شوہر (عبداللہ) کے مسئلہ کی تصحیح کرنی چاہیئے جس نے بیوی اور ماں باپ وارث چھوڑے مسئلہ ۴ سے ہو کر ربع یعنی ایک سہم بیوی رابعہ کو تین سہم باقی رہے ان میں سے تہائی یعنی ایک سہم ماں ساجدہ کو دو سہم باپ عبدالرحیم کو پہنچے جس کی صورت یہ ہے

مسئلہ شوہر عبداللہ ۴ مماثلت مافی الید ۲

بیوی	ماں	باپ
رابعہ	ساجدہ	عبدالرحیم
(۱/۲)	۱/۲	۲/۴
	۸	۱۶

جب ہم نے شوہر کے مافی الید میں غور کیا تو چار سہم پائے جو اس کے وارثوں پر بلا کسر مستقیم ہیں ان میں سے بیوی رابعہ کا ایک سہم ماں ساجدہ کا تہائی باقی یعنی ایک سہم اور باپ عبدالرحیم کے دو تہائی باقی یعنی دو سہم ہوئے تو اس تصحیح میں ضرب دینے کی ضرورت نہ ہوئی پہلا اور دوسرا مسئلہ تصحیح اول سولہ سے صحیح ہو گیا جن میں میت اول کی بیٹی زاہدہ کے نو سہم اور ماں رابعہ کے تین سہم ہیں، دوسری میت عبداللہ کی بیوی رابعہ کا ایک سہم اور باپ عبدالرحیم کے دو سہم ہیں اس کے بعد پہلی اور دوسری میت کے دونوں مسئلوں کی تصحیح کو تصحیح اول تیسری میت کو بجائے دوسری میت کے قرار دے کر اس کی تصحیح کریں گے۔ مثال مذکور میں میت اول کی بیٹی زاہدہ نے تقسیم ترکہ سے پہلے نانی رابعہ اور دو بیٹے حامد اور محمود اور ایک بیٹی شاہدہ چھوڑ کر وفات کی تو مسئلہ ۶ سے ہو کر ایک سہم نانی کو اور ہر بیٹے کو دو سہم اور بیٹی کو ایک سہم پہنچا جس کی صورت اس طرح ہے

مسئلہ زاہدہ ۶ توافق بالثلث مافی الید ۹

نانی	بیٹا	بیٹا	بیٹی
رابعہ	حامد	محمود	شاہدہ
(۱/۳)	۲/۶	۲/۶	۱/۳
	۲۴	۲۴	۲۴

جب ہم نے تیسری میت کے مافی الید کہ نو ہے اور اس کے مسئلہ میں کہ چھ ہے غور کیا تو توافق بالثلث کی نسبت پائی تو اس مسئلہ کے ثلث دو کو جو بجائے وفق تصحیح ثانی کے ہے۔ تمام تصحیح اول میں جو سولہ ہیں ضرب دیا تو حاصل ضرب بتیس ۳۲ ہوا پھر اس دو کو میت اعلیٰ کے جملہ وارثوں کے سہام میں جو سولہ سے ملے تھے ضرب دیں گے سو میت اول زیب النساء کی ماں رابعہ کے سولہ میں سے تین سہم تھے جب ان کو دو میں ضرب دیا تو چھ حاصل ہوئے جو ماں کا حصہ ہوا دوسری میت عبداللہ کی بیوی رابعہ کا ایک سہم تھا اس کو دو سے ضرب دیا تو دو حاصل ہوئے جو بیوی کا حصہ ہوا عبداللہ کی ماں ساجدہ کا ایک سہم تھا اس کو دو سے ضرب دیا تو دو حاصل ہوئے جو ماں کا حصہ ہوا عبداللہ کے باپ عبدالرحیم کے دو سہم تھے ان کو دو سے ضرب دیا تو چار حاصل ہوئے جو باپ کا حصہ ہوا۔ پھر تیسری میت زاہدہ (جس کو میت ثانی قرار دیا گیا ہے) کے وارثوں کے سہام اس کے

مافی الید کے دفق تین سے ضرب دیں گے پس اس کی نانی رابعہ کا ایک سہم تھا تین سے ضرب دینے سے
تین سہم ہوگئے اور اس کے دونوں بیٹوں حامد و محمود کے دو دو سہم تھے تین سے ضرب دینے سے چھ چھ
سہم ہوگئے اور اس کی بیٹی شاہدہ کا ایک سہم تھا تین سے ضرب دینے سے تین سہم ہوگئے یہاں تک کہ
مجموعہ سہام کا بتیس ۳۲ ہوگیا۔ اس کے بعد پہلی دوسری تیسری میت کے تینوں مسئلوں کی تصحیح کو تصحیح اول
مان کر چوتھی میت کو دوسری میت قرار دیکر اس کی تصحیح کریں گے جدہ رابعہ نے تقسیم ترکہ سے پہلے شوہر
محبوب احمد اور دو بھائی مرغوب احمد مطلوب احمد وارث چھوڑ کر وفات پائی اس مسئلہ کی تصحیح چار
سے ہوگی اس لئے کہ شوہر کا حصہ نصف ہے تو اصل مسئلہ دو سے ہوا۔ اسکا نصف ایک شوہر کو
دیا۔ ایک باقی رہا۔ جو دو بھائیوں پر بلا کسر پورا پورا تقسیم نہیں ہوسکتا۔ دو بھائیوں کے دو دو س
کو اصل مسئلہ دو میں ضرب دیا چار حاصل ہوئے ان میں سے نصف دو شوہر کو اور دو بھائیوں
میں سے ہر ایک کو ایک سہم ملا جسکی صورت اس طرح ہے

مسئلہ ۲ ۴ رابعہ تباین		مافی الید ۱۱
شوہر	بھائی	بھائی
محبوب احمد	مرغوب احمد	مطلوب احمد
۲ / ۲۲	۱ / ۱۱	۱ / ۱۱

جب ہم نے چوتھی میت کے مافی الید گیارہ ۱۱ اور اس کے
مسئلہ کی تصحیح چار کے درمیان غور کیا تو تباین کی
نسبت پائی تو اس صورت میں کل تصحیح چار کو تصحیح
اول یعنی بتیس ۳۲ میں ضرب دیا حاصل ضرب ایک سو اٹھائیس ہوا پھر تصحیح ثانی چار کو میت اعلیٰ کے
جملہ وارثوں کے سہام میں جو بتیس سے ملے تھے ضرب دیں گے۔ پس دوسری میت عبداللہ کی بیوی
رابعہ کے دو سہم تھے چار میں ضرب دیے سے آٹھ سہم ہوگئے اور اس کی ماں ساجدہ کے دو سہم تھے
چار میں ضرب دینے سے آٹھ سہم ہوگئے اور اس کے باپ عبدالرحیم کے چار سہم تھے چار میں ضرب
دینے سے سولہ سہم ہوگئے تیسری میت ناہدہ کے دونوں بیٹوں حامد و محمود کے چھ چھ سہم تھے چار
میں ضرب دینے سے چوبیس چوبیس سہم ہوگئے اور اس کی بیٹی شاہدہ کے تین سہم تھے چار میں ضرب
دینے سے بارہ سہم ہوگئے۔ چوتھی میت کے (جس کو بجائے میت ثانی کے قرار دیا گیا ہے) ان وارثوں
کے سہام کو کل مافی الید گیارہ میں ضرب دیں گے اس کے شوہر محبوب احمد کے دو سہم تھے گیارہ میں
ضرب دینے سے بائیس سہم ہوگئے اس کے دونوں بھائیوں مرغوب احمد و مطلوب احمد کا ایک ایک سہم تھا
گیارہ میں ضرب دینے سے گیارہ گیارہ سہم ہوگئے ایکسو اٹھائیس سہام سے تقسیم تمام ہوگئی بطون کے تمام ہونے
کے بعد مدالاحیاء کی کھینچ کر اس کے نیچے ان اشخاص کے نام جن کے مرنے کا ذکر نہ ہوا ہو لکھ کر
جو کچھ ہر ایک کو تمام بطون سے پہنچا ہے جمع کرکے اس کے نام کے نیچے لکھ دیتے ہیں۔ اس کے بعد
الاحیاء کے نیچے لکھے ہوئے تمام سہام کو جمع کرکے المبلغ کا لفظ مدالاحیاء کے اوپر لکھ کر اس کے
اوپر یا نیچے تحریر کرتے ہیں۔ اگر المبلغ کے اوپر یا نیچے کے عدد مسئلہ میت اعلیٰ کے مطابق ہوں تو فرائض

صورت یہ ہے۔

تصحیح: ۱۲۸ — ۳۲ — ۱۶ — ۴

(۱) مسئلہ زینب النساء ردیہ — مسئلہ ۶ — ردیہ ۴

شوہر	بیٹی	ماں
عبداللہ	زاہدہ	رابعہ
۱/۴	۳/۹	۱/۳/۶

(۲) مسئلہ عبداللہ — مماثلت — مافی الید ۴

بیوی	ماں	باپ
رابعہ	ساجدہ	عبدالرحیم
۱/۴	۱/۴/۸	۲/۴/۱۶

(۳) مسئلہ زاہدہ — توافق بالثلث — مصح ۹ — مسئلہ ۶

نانی	بیٹا	بیٹا	بیٹی
رابعہ	حامد	محمود	شاہدہ
۱/۳	۲/۶/۲۴	۲/۶/۲۴	۱/۳/۱۲

(۴) مسئلہ ۲ ثلث رابعہ — تباین — مصح ۱۱

شوہر	بھائی	بھائی
محبوب احمد	مرغوب احمد	مطلوب احمد
۲/۲۲	۱/۱۱	۱/۱۱

المبلغ ۱۲۸

الاحیاء

ساجدہ	عبدالرحیم	حامد	محمود	شاہدہ	محبوب احمد	مرغوب احمد	مطلوب احمد
۸	۱۶	۲۴	۲۴	۱۲	۲۲	۱۱	۱۱

صورت مسئولہ میں بعد تقدیم ما تقدم علی الارث و رفع موانع ترکہ زینب النساء ایک سو اٹھائیس ۱۲۸ سہام پر منقسم ہو کر ان میں سے آٹھ سہام مسماۃ ساجدہ کو اور سولہ سہام عبدالرحیم کو اور چوبیس ۲۴ چوبیس ۲۴ سہام حامد اور محمود کو اور بائیس ۲۲ سہام محبوب احمد کو اور گیارہ گیارہ سہام مرغوب احمد و مطلوب احمد کو از روئے فرائض ملیں گے۔

وَإِنْ لَمْ يَسْتَقِمْ فَانْظُرْ إِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا مُوَافَقَةٌ فَاضْرِبْ
مافی یدہ من التصحیح الاول علی التصحیح الثانی ۱۲ ای بین ما فی یدہ من التصحیح الاول وبین
وَفْقَ التَّصْحِيحِ الثَّانِي فِي التَّصْحِيحِ الْأَوَّلِ وَإِنْ كَانَ
علی قیاس ما مر فی باب التصحیح ۱۲ تصحیح المسئلتین ۱۲ فالمبلغ مخرج المسئلتین ومنہ
بَيْنَهُمَا مُبَايَنَةٌ فَاضْرِبْ كُلَّ التَّصْحِيحِ الثَّانِي فِي كُلِّ
التَّصْحِيحِ الْأَوَّلِ فَالْمَبْلَغُ مَخْرَجُ الْمَسْئَلَتَيْنِ فَسِهَامُ
ای مسئلتی الموافقۃ والمباینۃ ۱۲
وَرَثَةِ الْمَيِّتِ الْأَوَّلِ تُضْرَبُ فِي الْمَضْرُوبِ أَعْنِي فِي
التَّصْحِيحِ الثَّانِي أَوْ فِي وَفْقِهِ وَسِهَامُ وَرَثَةِ الْمَيِّتِ
الثَّانِي تُضْرَبُ فِي كُلِّ مَا فِي يَدِهِ عَلَى تَقْدِيرِ الْمُبَايَنَةِ
أَوْ فِي وَفْقِهِ عَلَى تَقْدِيرِ الْمُوَافَقَةِ

ترجمہ:۔ اور اگر وہ (میت ثانی کا حصہ اس کے وارثوں پر) مستقیم نہ ہو تو غور کر۔ اگر ان دونوں (یعنی دوسری میت کے سہام اور اس کے مسئلہ) کے درمیان توافق ہو تو دوسری تصحیح کے وفق کو (کل) تصحیح اول میں ضرب دو۔ اور اگر ان دونوں (دوسری میت کے سہام اور اس کے مسئلہ) کے درمیان تباین ہو تو کل تصحیح ثانی کو کل تصحیح اول میں ضرب دو۔ پس حاصل ضرب دونوں مسئلوں کا مخرج ہوگا۔ پھر میت اول کے سہام کو مضروب یعنی دوسری تصحیح میں یا تصحیح ثانی کے وفق میں ضرب دو اور دوسری میت کے وارثوں کے سہام کو اس (دوسری میت) کے تمام مافی الید میں (جبکہ دونوں میں مباینت ہو) یا اس (مافی الید کے وفق میں جبکہ دونوں میں موافقت ہو) ضرب دو۔

سلہ قولہ ان لم یستقم الخ۔ یعنی اگر دوسری میت کا حصہ جو اسکو میت اول کے ترکہ سے ملا ہے (جس کو مافی الید کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے) اس کے وارثوں پر بلا کسر پورا تقسیم نہ ہو تو دوسری میت

کے مافی الید اور اس کے مسئلہ میں غور کرو کہ ان دونوں کے درمیان توافق کی نسبت ہے یا تباین کی اور توافق سے ہماری مراد عام ہے خواہ توافق ہو یا تداخل اگر ان دونوں کے درمیان توافق کی نسبت پاؤ تو دوسری تصحیح کے وفق کو کل تصحیح اول میں ضرب دو جیسا کہ تصحیح کے بیان میں گزر چکا کہ جب کسی فریق کے سہام ان پر بلا کسر پورے پورے تقسیم نہ ہوں اور انکے سہام اور رؤس میں توافق کی نسبت ہو تعداد رؤس کے وفق کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے گا۔

اسی طرح یہاں دوسری تصحیح کے وفق کو جو بمنزلہ رؤس کے ہے تصحیح اول میں جو بمنزلہ اصل مسئلہ کے ہے ضرب دیں تو حاصل ضرب سے دونوں مسئلوں کی تصحیح ہو جائے گی جس کی مثال مصنف رہ کی تمثیل کے تیسرے بطن میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں دوسری مثال یہ ہے

مسئلہ ۲۴ / ۷۲ رحیم اللہ

م

بیوی	ماں	بیٹا
رئیسہ	فاطمہ	نعیم اللہ
۳ / (۹)	(۴)	۱۷ / ۵۱

مسئلہ ۶ فاطمہ توافق بالنصف مع ۲

م

بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
سلیم اللہ	کریم اللہ	رابعہ	ساجدہ
۲ / ۴	۲ / ۴	۱ / ۲	۱ / ۲

المبلغ ۷۲

الاحیاء

رئیسہ	نعیم اللہ	سلیم اللہ	کریم اللہ	رابعہ	ساجدہ
۹	۵۱	۴	۴	۲	۲

اس کی تفصیل یہ ہے کہ رحیم اللہ میت اول ہے۔ اس نے ایک بیوی رئیسہ ماں فاطمہ اور ایک بیٹا نعیم اللہ وارث چھوڑے پس اسکا مسئلہ ۲۴ سے ہو کر تین سہام رئیسہ کو اور چار سہام فاطمہ کو اور سترہ سہام نعیم اللہ کو ملے۔ اس کے بعد رحیم اللہ کی ماں فاطمہ تقسیم ترکہ سے پہلے ہی دو بیٹے سلیم اللہ و کریم اللہ اور دو بیٹیاں رابعہ ساجدہ چھوڑ کر مر گئی سو اس کا مسئلہ چھ سے ہوا۔ دو بیٹوں سلیم اللہ و کریم اللہ میں سے ہر ایک کو دو دو سہم ملے اور دو بیٹیوں رابعہ و ساجدہ میں سے ہر ایک کو ایک ایک سہم ملا۔ فاطمہ کا مافی الید چار اور اسکا مسئلہ چھ ہے دونوں کے درمیان توافق بالنصف ہے لہذا چھ کے وفق تین کو کل تصحیح اول یعنی چوبیس میں ضرب دیا تو حاصل ضرب بہتر (۷۲) ہوا جو دونوں مسئلوں کا مخرج ہو گیا۔ میت اول رحیم اللہ کی بیوی رئیسہ کے تین سہم تھے ان کو وفق تصحیح ثانی تین میں ضرب دینے سے نو سہم ہو گئے اس کے بیٹے نعیم اللہ کے سترہ سہم تھے۔ تین میں ضرب دینے سے اکیاون سہم ہو گئے۔ میت ثانی فاطمہ کے دونوں بیٹوں سلیم اللہ و کریم اللہ میں سے ہر ایک کے دو دو سہم تھے انکو فاطمہ کے مافی الید کے وفق دو میں ضرب دینے سے چار چار سہم ہو گئے اور اس کی دونوں بیٹیوں رابعہ ساجدہ میں سے ہر ایک کا ایک ایک سہم تھا۔ دو میں ضرب دینے سے دو دو سہم ہو گئے اور تقسیم

تمام ہو گئی۔ اُس توافق کی مثال جو تداخل کے ضمن میں پایا جاتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ
عبدالواحد نے ایک بیوی حلیمہ اور ایک بھائی
عبدالماجد چھوڑ کر وفات پائی پھر تقسیم ترکہ سے
پہلے عبدالماجد دو پوتے عبدالاحد اور عبدالصمد
اور دو پوتیاں سلیمہ اور میمونہ چھوڑ کر مر گیا اس
صورت میں قاعدہ گزشتہ کے مطابق میت
اول عبدالواحد اور میت ثانی عبدالماجد کی
تصحیح کرکے ان کے ہر وارث کو سہام دے کر
مافی الید میت ثانی یعنی تین کو تصحیح ثانی چھ کی
دوسری جانب لکھ کر تصحیح ثانی اور مافی الید
مذکور میں نسبت کو دیکھا تو توافق بالثلث کی

مسئلہ ۴ عبدالواحد

بیوی	بھائی
حلیمہ	عبدالماجد
1/۴	(۳)

(۲) مسئلہ ۶ عبدالماجد توافق بالثلث ۳

پوتا	پوتا	پوتی	پوتی
عبدالاحد	عبدالصمد	سلیمہ	میمونہ
۲	۲	۱	۱

المبلغ ۸
الاحیاء

حلیمہ	عبدالاحد	عبدالصمد	سلیمہ	میمونہ
۲	۲	۲	۱	۱

نسبت پائی۔ اس لئے توافق بالثلث درمیان لکھ کر تصحیح ثانی کے وفق دو کو کل تصحیح اول چار میں
ضرب دیا آٹھ حاصل ہوئے اس حاصل کو جسے مبلغ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے تصحیح اول کے اوپر
یا دوسری جانب لکھ دیا۔ پھر قاعدہ کے بموجب میت اول کے وارث یعنی حلیمہ کے ایک سہم کو
تصحیح ثانی کے وفق یعنی دو میں ضرب دیا۔ دو حاصل ہوئے۔ اس دو کو اس کے ایک سہم کے نیچے
لکیر کھینچ کر لکھ دیا۔ اور چونکہ میت ثانی کے ہر وارث عبدالاحد عبدالصمد سلیمہ اور میمونہ کے دو
دو ایک ایک سہم ہیں۔ ان کو مافی الید کے وفق ایک میں ضرب دینے سے اتنے ہی سہم ہوتے ہیں
اس لئے ان کو دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ پھر حسب قاعدہ مذکور الاحیاء کھینچ کر اوپر مبلغ مذکور آٹھ
کو اور اس کے نیچے زندہ وارثوں کے نام اور ہر ایک کے نام کے نیچے اسکے سہام لکھ دیئے ۱۲

۵۲ قولہ وان کان الخ یعنی اگر دوسری میت کے مافی الید اور تصحیح ثانی کے درمیان تباین کی نسبت ہو
تو کل تصحیح ثانی کو کل تصحیح اول میں ضرب دو جیسا کہ تصحیح کے بیان میں گزرا کہ جب وارثوں کے سہام
اور رؤس میں مباینت ہو تو کل عدد رؤس کو جس پر سہام بلا کسر پورے تقسیم نہیں ہوتے اصل
مسئلہ میں ضرب دیا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی جبکہ مافی الید اور اس کے مسئلہ کی تصحیح کے درمیان
مباینت ہو تو کل تصحیح ثانی کو کل تصحیح اول میں ضرب دیا جاتا ہے جو حاصل ہوتا ہے اسکو مبلغ
کہتے ہیں جس سے دونوں مسئلوں کی تصحیح ہو جاتی ہے جس کی مثال مصنف رح کی تمثیل کے جرتے لیکن

وَاِنْ مَاتَ ثَالِثٌ اَوْ رَابِعٌ اَوْ خَامِسٌ فَاجْعَلِ الْمَبْلَغَ مَقَامَ [۵۱]
من الورثۃ قبل القسمۃ ۱۲
الْاُوْلٰی وَالثَّالِثَۃَ مَقَامَ الثَّانِیَۃِ فِی الْعَمَلِ ثُمَّ فِی الرَّابِعَۃِ [۵۲]
ای المسئلۃ الاولیٰ ۱۲ ای المسئلۃ الثالثۃ ۱۲ ای ثم اعمل ۱۲
وَالْخَامِسَۃِ کَذٰلِکَ اِلٰی غَیْرِ النِّهَایَۃِ
فیہ مبالغۃ ای ولو الیٰ غیر النھایۃ ۱۲

ترجمہ :- اور اگر تیسرا یا چوتھا یا پانچواں شخص (تقسیم ترکہ سے پہلے) مرگیا تو اس مبلغ (یعنی میت اول و دوم کے مخرج) کو عمل میں (مسئلہ) اول کی جگہ اور تیسرے (مسئلہ) کو دوسرے (مسئلہ) کی جگہ قرار دو۔ پھر چوتھے اور پانچویں (مسئلہ میں) اسی طرح غیر نہایت تک (عمل کرنا چاہیے)

۵۱ قولہ وان مات الخ یعنی اگر وارثوں میں سے تیسرا یا چوتھا یا پانچواں شخص تقسیم ترکہ سے پہلے فوت ہو جائے تو اس مبلغ کو جو اول اور دوسری میت کا مخرج ہے اور دونوں کے وارثوں پر پورا پورا منقسم ہے۔ بجائے تصحیح اول کے اور تیسری میت کے مسئلہ کی تصحیح کو بجائے تصحیح ثانی کے مانکر

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

میں ہے اس کو ہم صفحہ سابق کے حاشیہ ۲۷ میں بیان کر چکے ہیں۔ ۱۲

۵۳ قولہ فلمبلغ۔ یاد رکھو مبلغ سے دو چیزیں مراد ہوتی ہیں (۱) وہ حاصل ضرب جو وفق کی صورت میں وفق تصحیح ثانی کو کل تصحیح اول میں اور تباین کی صورت میں کل تصحیح ثانی کو کل تصحیح اول میں ضرب دینے سے حاصل ہوا ہو (۲) استقامت کی صورتمیں تصحیح اول مراد ہے ۱۲

۵۴ قولہ فسهام الخ۔ یہ شرط محذوف کی جزا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حصول مخرج کے بعد جب اس مخرج سے وارثوں میں سے ہر ایک کے حصہ کو معلوم کرنا چاہو تو دیکھو کہ اگر میت ثانی کے مافی الید اور اس کے مسئلہ کی تصحیح کے درمیان تباین ہے تو اس صورت میں میت اول کے وارثوں کے سہام کو جو ان کو تصحیح اول سے پہنچے ہیں کل تصحیح ثانی میں ضرب دو۔ اور اگر ان دونوں میں توافق ہو تو اس صورت میں بجائے تصحیح ثانی کے اس کے وفق میں ضرب دو جیسا کہ تصحیح کے بیان میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب اس بات کا معلوم کرنا ہو کہ ہر ایک فریق کو تصحیح سے کتنا حصہ پہنچا ہے تو جسقدر ہر فریق کو اصل مسئلہ سے ملا ہے اس کو مضروب یعنی اس عدد میں ضرب دو جس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا ہے اور یہ مضروب اس فریق کا عدد روس ہے جس پر سہام بلا کسر

جو سلوک عمل مذکور کرو۔ گویا پہلی اور دوسری میت ایک میت ہو گئی تو تیسری میت دوسری میت قرار دی جائے گی۔ اسی طرح چوتھی اور پانچویں اور اس سے زیادہ میں بھی عمل کرنا چاہیئے چنانچہ جبکہ پہلی دوسری اور تیسری میت کی یہ تصحیح ایک تصحیح ہو گئی تو یہ سب بمنزلہ میت واحد کے ہو جائیں گی اسی طرح جب چار میتوں کی یہ تصحیح ایک تصحیح قرار دی جائے گی تو یہ سب ایک میت بن جائیں گی اور پانچویں میت دوسری میت ہو جائے گی۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھو کہ جس مبلغ سے پہلا اور دوسرا مسئلہ صحیح ہو جاتا ہے اس کو پہلے مسئلہ کی تصحیح کے قائم مقام کر دیتے ہیں۔ اور تیسری میت کی تصحیح کو دوسری میت کی جگہ عمل میں لاتے ہیں۔ اسی طرح چوتھی پانچویں اور اس سے زیادہ کے ساتھ جہاں تک بطون ختم ہوں عمل کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ جب پہلے اور دوسرے کا مخرج ایک ہو گیا تو دونوں پہلے کے قائم مقام ہو گئے لہذا تیسرا دوسرے کے قائم مقام ہو گا۔ اور جب تیسرے کے ساتھ وہ عمل واقع ہوا جو دوسرے کے ساتھ ہوتا تو مخرج سب کا ایک ہو گیا۔ اور پہلا اور دوسرا اور تیسرا پہلے کے قائم مقام ہو گیا۔ اب چوتھا مسئلہ دوسرے کے قائم مقام ہو جائے گا۔ جہاں تک بطون ہو یہی عمل رہے گا۔

یاد رکھو کہ تعدد مناسخات کا میراث کے مرتبہ واحدہ میں ہو یا مراتب متعددہ میں ہو عمل میں کچھ فرق نہیں ہے۔ **تنبیہ**:۔ یہ اگر مناسخے کے وارثوں میں کوئی خنثیٰ مشکل ہو یا حمل ہو یا مفقود ہو تو اول اس کے مسائل کی تصحیح بموجب ان کے قواعد کے کر کے اس کے بعد مناسخہ میں شریک کیا جائے ورنہ بڑی دشواری پیش آئے گی۔

فائدہ۔ مناسخہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) کامل (۲) ناقص۔ مناسخہ کامل تو یہی ہے جس کی تفصیل اوپر گزری کہ جب دوسرا شخص فوت ہوا تو اپنے ایسے وارث چھوڑے جو میت اول کی

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

منقسم نہیں ہوتے۔ سہام اور رؤس کے مباینت کی صورت میں اس فریق کا کل عدد رؤس تاہر اور ان دونوں کے درمیان موافقت کی صورتمیں عدد رؤس کا وفق ہوتا ہے یہاں مناسخہ میں بھی یہی صورت ہے اس لئے یہاں دوسری تصحیح کا وہ مرتبہ ہے جو تصحیح کے باب میں مضروب کا ہوتا ہے دوسری میت کے وارثوں کے سہام کو جو ان کو مسئلہ ثانی کی تصحیح سے پہنچے ہیں اس کے تمام مافی الیدمیں ضرب دو جب کہ تصحیح ثانی اور مافی الید میں مباینت ہو۔ اور اگر ان دونوں میں موافقت ہو تو میت ثانی کے سہام کو مافی الید کے وفق میں ضرب دو اس لئے کہ جبکہ دوسری میت کے وارثوں کا حق اس کے مافی الید میں ہے تو اسمیں ضرب دیا جائیگا اور وہی مضروب فیہ ہوگا اور اسی ضرب سے ہر وارث کا حصہ ہوگا۔

وراثت میں اس کے ساتھ شریک نہ تھے یعنی ان سے غیر ہوں یا دوسری میت کے وارث بھی وہی ہوں جو میت اول کے وارث ہیں لیکن ان کی وراثت کی جہت دونوں میت سے مختلف ہو۔ مناسخہ ناقص یہ ہے ان دونوں باتوں کے خلاف ہو اس طرح یا تو دوسری میت کے تمام وارث وہی ہوں جو میت اول کے تھے اور دوسری میت نے میت اول کے وارثوں کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں چھوڑا ہو یا سب کی وراثت کی جہت دونوں میتوں سے متحد ہو تو اس صورت میں جو شخص تقسیم ترکہ سے پہلے فوت ہو گا وہ لغو اور کالعدم قرار پائے گا اور صرف میت اخیر کا فریضہ صحیح کیا جائیگا گویا سوائے اس کے اور کوئی شخص مرا ہی نہیں ہے اور نہ کوئی دوسرا شخص سوا اسکے وارثوں کے وارث تھا اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے وفات پائی اور اس نے پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں وارث چھوڑے پھر تقسیم ترکہ سے پہلے ان میں سے ایک شخص مرگیا اور اس نے بھی وہی وارث چھوڑے جو میت اول کے ترکہ میں اس کے شریک حال تھے اُن کے سوائے کوئی اور شخص وارث نہیں چھوڑا تو ان شخصوں پر مال متروکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی۔ مرد کو عورت سے دونا دیا جائے گا اور ایسی حالت میں میت اول کے فریضہ کی تصحیح کی ضرورت نہ پڑیگی اسی طرح ان میں سے جو کوئی آگے پیچھے تقسیم ترکہ سے پہلے مرجائیگا اور ان کے علاوہ اور کسی غیر شخص کو وارث نہ چھوڑیگا تو ترکہ کی تقسیم صرف ان پر ہوگی۔ پہلی یا دوسری یا تیسری وغیرہ میت کی تصحیح کی ضرورت نہ پڑے گی ۱۲

۵۲ قولہ ثم فی الرابعۃ الخ چار بطن والے مناسخہ کی مثال مصنف رہ نے خود لکھی ہے جس کی تفصیل صفحہ سابق پر حاشیہ ۲ میں گزر چکی ہے اب پانچ بطن والے مناسخہ کی مثال لکھی جاتی ہے تاکہ مناسخہ کا قاعدہ خوب ذہن نشین ہو جائے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ فرید احمد میت اعلیٰ ہے اس نے ایک بیوی حسینہ اور باپ سعید احمد ماں جمیلہ اور ایک بیٹا عقیل احمد وارث چھوڑے۔ پس اس کا مسئلہ ۲۴ سہام پر منقسم ہو کر ۳ سہام حسینہ کو ۴ سہام سعید احمد کو ۴ سہام جمیلہ کو اور ۱۳ سہام عقیل احمد کو ملے جو ان کے ناموں کے نیچے لکھ دیئے۔ اس

۵۷۶
۱۴۴
۴۸

(۱) مسئلہ ۲۴ فرید احمد مورث اعلیٰ

زوجہ	اب	ام	ابن
حسینہ	سعید احمد	جمیلہ	عقیل احمد
(۳)	۴ / (۸)	(۴)	۱۳ / ۲۶ / (۷۸)

(۲) مسئلہ ۴ ما ثلث جمیلہ معــ ۴

زوج	ابن	بنت
سعید احمد	حمید احمد	متینہ
۱ / (۲)	۲ / ۴ / ۱۲ / ۴۸	۱ / ۲ / ۶ / ۲۴

کے بعد زید احمد کی ماں جمیلہ نے تقسیم ترکہ سے پہلے
شوہر سعید احمد ایک بیٹا حمید احمد اور ایک بیٹی
متینہ چھوڑ کر وفات پائی جمیلہ کے نام اور سہاموں
پر میت اول میں قبر کی علامت بنا کر دوسری
میت کے بائیں طرف نام اور اس پر مف جو
مافی الید کی علامت ہے لکھ کر ۴ سہام جو اس
کو ملے تھے اس پر لکھ دیئے جب ہم نے اسکے
مسئلہ کی تصحیح کی تو چار سے مسئلہ ہو کر ایک شوہر
کو اور دو سہم بیٹے کو اور ایک بیٹی کو ملا۔ اسکا
مافی الید بھی چار ہی تھا جو اس کے وارثوں پر
بلا کسر پورا تقسیم ہوگیا تو اس تصحیح میں ضرب
دینے کی ضرورت نہ پڑی اور پہلا اور دوسرا
مسئلہ تصحیح اول یعنی ۲۴ سے صحیح ہوگئے۔
میت اول سے حسینہ کے ۳ سہم سعید احمد کے
۴ سہم اور ایک سہم دوسری میت سے (کل ۵
سے سہم ہوگئے) عقیل احمد کے ۱۲ سہم اور دوسری
میت سے حمید احمد کے دو سہم اور متینہ کا ایک
سہم ان دونوں میتوں کو میت اول قرار دیا۔
اس کے بعد حسینہ تقسیم ترکہ سے پہلے باپ جبیب احمد
ماں شکیلہ اور ایک بیٹا عقیل احمد چھوڑ کر فوت
ہوگئی اس کے نام اور سہاموں پر جو میت اول
میں ہیں قبر کی علامت بنا کر تیسری میت کے
بائیں جانب نام اور اس پر مف لکھ کر تین سہام
جو اس کو ملے تھے اس پر لکھ دیئے پھر اس کو
دوسری میت مان کر مسئلہ کی تصحیح کی مسئلہ چھ
سے ہو کر ان میں سے ایک سہم باپ کو اور ایک
ماں کو اور چار بیٹے کو ملے۔ جب ہم نے اس کے مافی الید اور اس کے مسئلہ ۶ میں غور کیا تو توافق

(۳) مسئلہ ۶ توافق بالنصف حسینہ مف ۳

اب	ام	ابن
جبیب احمد	شکیلہ	عقیل احمد
۱ / ۳ / ۱۲	۱ / ۳ / ۱۲	۴ / (۱۲)

(۴) مسئلہ ۳ تباین سعید احمد مف ۱۰

ابن	بنت
حمید احمد	متینہ
۲ / ۲۰ / ۸۰	۱ / ۱۰ / ۴۰

(۵) مسئلہ ۸ توافق بالنصف عقیل احمد مف ۹

زوجہ	ابن	ابن	ابن	بنت
زبیدہ	محمد حسن	محمد حسین	محمد محسن	خالدہ
۱ / ۴۵	۲ / ۹۰	۲ / ۹۰	۲ / ۹۰	۱ / ۴۵

الاحیاء — المبلغ ۵۷۶

حمید احمد	متینہ	جبیب احمد	شکیلہ	زبیدہ	محمد حسن	محمد حسین	محمد محسن	خالدہ
۱۲۸	۶۴	۱۲	۱۲	۴۵	۹۰	۹۰	۹۰	۴۵

صورت مذکورہ میں بعد تقدیم حقوق متقدمہ علی الارث
ودفع موانع ترکہ زید احمد پانسو چھہتر ۵۷۶ سہام پر
تقسیم ہو کر ان میں سے ایکسو اٹھائیس سہام حمید احمد
کو اور چونسٹھ سہام سماۃ متینہ کو بارہ سہام جبیب احمد
کو بارہ سہام سماۃ شکیلہ کو پینتالیس ۴۵ سہام سماۃ
زبیدہ کو نوے سہام محمد حسین کو نوے سہام محمد حسن کو
اور پینتالیس سہام سماۃ خالدہ کو اور نوے محمد محسن
ملیں گے واللہ اعلم وعلمہ اتم

بالنصف پایا۔ جب مسئلہ کے وفق یعنی دو کو کل تصحیح اول یعنی ۲۴ میں ضرب دیا تو حاصل ضرب ۴۸ ہوا پس جن کے سہام ۲۴ سے تھے یعنی میت اول اور ثانی کے وارثوں کے سہام ان کو دو میں ضرب دیا جائیگا لہٰذا میت اول سے سعید احمد کے ۴ سہام دو میں ضرب دینے سے ۸ ہو گئے عقیل احمد کے ۱۳ سہام دو میں ضرب دینے سے ۲۶ ہو گئے۔ میت دوم سے سعید احمد کے ایک سہم کو دو میں ضرب دینے سے دو ہو گئے۔ حمید احمد کے دو سہم دو میں ضرب دینے سے چار ہو گئے متینہ کا ایک سہم دو میں ضرب دینے سے دو ہو گئے تیسری میت کے وارثوں کے سہام کو اسکے مافی الید کے وفق ایک میں ضرب دیا تو ان کے جو سہام تھے وہی رہے کل مجموعہ ۴۸ ہو گیا جس سے اول اور دوسرا تیسرا مسئلہ صحیح ہو گیا اور تینوں میتوں کو میت اول قرار دیا اسکے بعد سعید احمد نے تقسیم ترکہ سے پہلے وفات پائی اور ایک بیٹا حمید احمد اور ایک بیٹی متینہ چھوڑی اس کے نام اور سہاموں پر جو میت اول و دوم میں ہیں قبر کی علامت بناکر چوتھی میت کے بائیں جانب اسکا نام اور اس پر مف لکھکر اس پر ۱۰ سہام جو اس کو تینوں میتوں سے ملے تھے جن کا مجموعہ ۱۰ ہوتا ہے لکھدیئے۔

اور اس کو دوسری میت مان کر مسئلہ کی تصحیح کی تین سے مسئلہ ہوکر دو سہم بیٹے کو اور ایک سہم بیٹی کو ملا۔ جب ہم نے اس کے مافی الید ۱۰ اور مسئلہ ۳ کے درمیان نسبت میں غور کیا تو تباین کی نسبت پائی تو کل تصحیح ثانی یعنی ۳ کو تصحیح اول یعنی ۴۸ میں ضرب دیا حاصل ضرب ۱۴۴ ہوا۔ جو دو مسئلوں کا مخرج ہے۔ پس جن کے سہام ۴۸ سے تھے یعنی میت اول و ثانی اور ثالث کے وارثوں کے سہام کو ۳ میں ضرب دیں گے۔ میت اول سے عقیل احمد کے ۲۶ سہام کو ۳ میں ضرب دینے سے ۷۸ سہام ہو گئے۔ میت دوم سے حمید احمد کے چار سہام کو ۳ سے ضرب دینے سے ۱۲ سہام اور متینہ کے ۲ سہام کو ۳ میں ضرب دینے سے ۶ سہام ہو گئے۔ تیسری میت سے حبیب احمد کے ایک سہام کو ۳ میں ضرب دینے سے ۳ سہام اور متینہ کے ایک سہام کو ۳ میں ضرب دینے سے ۳ سہام اور عقیل احمد کے ۴ سہام کو ۳ میں ضرب دینے سے ۱۲ سہام ہو گئے۔ اور چوتھی میت (جو دوسری میت کے قائم مقام قرار دی گئی ہے) کے وارثوں کے سہام کو اس کے بھی مافی الید ۱۰ میں ضرب دیں گے۔ حمید احمد کے ۲ سہام کو ۱۰ میں ضرب دینے سے ۲۰ سہام اور متینہ کے ایک سہام کو ۱۰ میں ضرب دینے سے ۱۰ سہام ہو گئے اسکے بعد عقیل احمد ایک بیوی زاہدہ اور تین بیٹے محمد حسن۔ محمد حسین اور محمد محسن اور ایک بیٹی خالدہ چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ عقیل احمد کے نام اور سہاموں پر میت اول اور سوئم میں قبر کی علامت بناکر پانچویں میت کے بائیں طرف اس کا نام اور اس پر مف لکھکر ۹۰ سہام جو اس کو اول اور تیسری میت سے جن کا مجموعہ ۹۰ ہوتا ہے ملے تھے اس پر لکھدیئے جب ہم نے ان کے مسئلہ کی تصحیح کی تو مسئلہ ۸

بابٌ ذوی الارحام

ذُو الرَّحِمِ هُوَ كُلُّ قَرِيبٍ لَيْسَ بِذِي سَهْمٍ وَلَا عَصَبَةٍ

وَكَانَتْ عَامَّةُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ يَرَوْنَ

تَوْرِيثَ ذَوِي الْأَرْحَامِ وَبِهِ قَالَ أَصْحَابُنَا رَحِمَهُمُ

اللهُ وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ لَا مِيرَاثَ

لِذَوِي الْأَرْحَامِ وَيُوضَعُ الْمَالُ فِي بَيْتِ الْمَالِ وَبِهِ

قَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللهُ وَذَوُو الْأَرْحَامِ

أَصْنَافٌ أَرْبَعَةٌ

(حواشی: ای فرض مقدر فی الکتاب ۱۲ — هذا المعنی منقول شرعی ۱۲ — او السنۃ او اجماع الامۃ ۱۲ — مطلقا سواء کان الرحم منتسبین من جھۃ الاب او الام ۱۲ — من ائمۃ الحنفیۃ ۱۲ — وابن عباس فی روایۃ شاذۃ ۱۲ — الا لم یوجد لہ مستحق من اصحاب الفرائض والعصبات ۱۲)

(یہ) باب ذوی الارحام (کی توریث) کا ہے۔

ترجمہ :- ذوالرحم ہر وہ رشتہ دار ہے کہ نہ ذی فرض ہو نہ عصبہ ہو۔ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم توریث ذوی الارحام کے قائل ہوئے ہیں اور ہمارے اصحاب حنفیہ رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ ذوی الارحام کیلئے میراث نہیں ہے اور مال بیت المال میں رکھا جائیگا اور اسی کے مالک اور شافعی رحمہما اللہ قائل ہیں اور ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں۔

لہ قولہ باب ذوی الارحام - مصنف رح جب ذوی الفروض اور عصبات کی توریث کے بیان

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

سے ہو کر ایک سہم بیوی کو تینوں لڑکوں میں سے ہر ایک کو دو سہم اور بیٹی کو ایک سہم ملا۔ اب ہم نے اس کی تصحیح ۸ اور اس کے مافی الید ۹۰ کے درمیان توافق بالنصف کی نوبت پائی تصحیح ثانی ۸ کے وفق چار کو کل تصحیح اول ۱۴۴ میں ضرب دیا۔ حاصل ضرب ۵۷۶ ہوا جو سب۔ کا

سے فارغ ہوئے تو اب ذوی الارحام کی توریث کا بیان شروع کرتے ہیں اس لئے ذوی الفروض اور عصبات کے موجود ہوتے ہوئے ذوی الارحام وراثت کے مستحق نہیں ہوتے ۱۲

۵۲ قولہ ھوالخ ذوالرحم۔ لغت میں صاحب قرابت کو کہتے ہیں خواہ وہ ذوالفرض ہو یا عصبہ یا ان کے غیر ہو مگر پیدائشی وجہ سے ہو اس لئے رحم اصل میں بچے کے بلنے کی جگہ اور اس کا ظرف ہے۔ پیدائشی وجہ سے جو قرابت اور رشتہ داری ہو اس کا نام رحم ہوگا اس واسطے کہ رحم قرابت کا سبب ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ لغت میں ذوالرحم سے مطلقاً صاحب قرابت مراد ہے خواہ وہ قرابت ولادت کی وجہ سے ہو یا نہ ہو۔ اصطلاح شرع میں ذوالرحم ہر اس رشتہ دار کو کہتے ہیں جو نہ ذوی الفروض میں سے ہو نہ عصبات میں سے تو وہ وارثوں کی تیسری قسم ہوئی بہرحال ذوی الارحام کی میراث کا استحقاق رحم کیوجہ سے ہے اور ان میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں ذوی الارحام کی توریث میں بڑا اختلاف ہے لیکن مفتی بہ قول یہ ہے کہ جب ذوی الفروض نسبیہ اور کسی قسم کے عصبات موجود نہ ہوں تو ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں۔ ذوی الفروض سببیہ کی موجودگی میں ذوی الارحام محروم نہیں ہوتے بلکہ ذوی الفروض سببیہ کا حصہ نکالنے کے بعد جو مال باقی رہے گا وہ ذوی الارحام میں تقسیم کردیا جائے گا۔ پھر اس میں خلاف نہیں ہے کہ اصحاب فرائض پر رد کرنا توریث ذوی الارحام سے مقدم ہے مگر ایک روایت عمر بن عبدالعزیز رح سے یہ کرتے ہیں کہ وہ

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

مخرج ہے جن کے سہام ۱۴۴ اسے تھے یعنی میت دوم سوم اور چہارم کے وارثوں کے سہام کو مسئلہ کے وفق ۴ میں ضرب دینگے اور دوسری میت سے حمید احمد کے ۱۲ سہام کو چار میں ضرب دینے سے ۴۸ سہام اور متینہ کے ۶ سہام کو ۴ میں ضرب دینے سے ۲۴ سہام ہوگئے۔ تیسری میت سے حبیب احمد کے ۳ سہام کو ۴ میں ضرب دینے سے ۱۲ سہام اور شکیلہ کے ۳ سہام کو ۴ میں ضرب دینے سے ۱۲ سہام ہوگئے چوتھی میت سے حمید احمد کے ۲۰ سہام کو ۴ میں ضرب دینے سے ۸۰ سہام اور متینہ کے ۱۰ سہام کو ۴ میں ضرب دینے سے ۴۰ سہام ہوگئے۔ اب پانچویں میت کے مافی الید ۹۰ کے وفق ۴۵ میں اس کے وارثوں کے سہام کو ضرب دیں گے۔ زبیدہ کے ایک سہم کو ۴۵ میں ضرب دینے سے ۴۵ سہام ہوگئے۔ محمد حسن محمد حسین محمد محسن میں سے ہر ایک کے دو سہم کو ۴۵ میں ضرب دینے سے ۹۰ سہم اور خالدہ کے ایک سہم کو ۴۵ میں ضرب دینے سے ۴۵ سہام ہوگئے اب پانچوں بطون کے ختم ہونے کے بعد مدالاحیار کھینچ کر اس کے نیچے جو اشخاص نہیں مرے ہیں یعنی حمید احمد متینہ حبیب احمد و شکیلہ زبیدہ محمد حسن محمد حسین محمد محسن اور خالدہ کے نام لکھ کر جو کچھ سہام ہر ایک

ذوی الارحام کو اصحاب فرائض پر رد کرنے سے مقدم کرتے تھے ان کی دلیل یہ ہے کہ جب اصحاب فرائض کے حق میں وصف خاص (قوتِ قرابت) کا اعتبار کیا تو وصفِ عام کا اعتبار جو اللہ تعالیٰ کے اس قول اُولُوا الاَرحامِ بَعضُہُم اَولیٰ بِبَعضٍ سے ثابت ہوتا ہے اس کے مقابلے میں ساقط ہوگیا اور ذوی الارحام ایسے ہی ہیں کہ وہ وصف عام کے ساتھ استحقاق رکھتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وصف عام میں دونوں فریق (اصحاب فرائض اور ذوی الارحام) برابر ہیں، اور اصحاب فرائض کو جو ترجیح حاصل ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ ان کے لئے قوت کا سبب موجود ہے پس وہ اپنی قوت کے سبب سے ذوی الارحام پر مقدم ہوں گے ۱۲

۵۳ قولہ کل قریب الخ - یہاں لفظ کل اپنے موقع میں واقع نہیں ہے اس لئے کہ تعریف ماہیت کے لئے ہوا کرتی ہے نہ افراد کے لئے اور قریب بمنزلہ جنس کے ہے جس میں تمام ذوی الفروض اور عصبات داخل ہیں لَیسَ بِذِی سَہمٍ وَلَا عَصَبَۃٍ بمنزلہ فصل کے ہیں۔ پس بذی سہم سے اصحاب فرائض نکل گئے۔ اور لا عصبۃ سے تمام عصبات خارج ہوگئے۔ پس ذوی الارحام کی تعریف جامع مانع ہوگئی ۱۲

۵۴ قولہ عامۃ الصحابۃ - یعنی اکثر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جیسے عمر فاروق رض علی مرتضیٰ رض ابن مسعود رض ابوعبیدہ بن الجراح رض، معاذ بن جبل رض، ابی درداء رض اور ابن عباس رض بروایت مشہورہ سوائے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے توریث ذوی الارحام کے قائل ہیں اور تابعین میں سے علقمہ، ابراہیم، شریح، ابن سیرین، حسن بصری، عطاء اور مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ بھی ان کو وارث مانتے ہیں اور عراق اور بصرہ اور کوفہ وغیرہ کے فقہا بھی۔ یہی ابوحنیفہ رح، ابو یوسف، محمد زفر اور اُن کے تابعین کا قول ہے صاحب بحر نے لکھا ہے کہ شعبی، مسروق، محمد بن حنفیہ، نخعی ثوری، حسن بن صالح، ابونعیم، یحییٰ بن آدم، قاسم بن سلامہ، (ایک نسخہ میں سلام ہے) اور اہل بیت اور امام ابوحنیفہ، اسحاق اور حسن بن زیاد اسی طرف گئے ہیں کہ جب ذوی الارحام کے ساتھ ذوی الفروض اور عصبہ نہ ہوں تو وہ وارث ہوتے ہیں۔ قائلین وراثت حق تعالیٰ شانہ کے اس قول وَاُولُوا الاَرحَامِ بَعضُہُم اَولیٰ بِبَعضٍ فِی کِتٰبِ اللہِ (یعنی اور کتاب اللہ میں قرابت والوں میں سے بعض سے اولیٰ ہیں) سے استدلال کرتے ہیں اس کے نزول کا سبب یہ ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو آپ نے مہاجرین

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

کو تمام بطون سے ملے تھے جمع کرکے اس کے نام کے نیچے لکھدیئے جیسا کہ مثال مذکور میں ہر ایک کے نام کے نیچے مسطور ہیں اسکے بعد تمام سہام جو ہر ایک کے ہیں جمع کرکے الاحیاء کے اوپر المبلغ کا لفظ لکھ کر ۷۰ لکھدیئے

اور انصار کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔ اس مواخات کی بنا پر باہم ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی جس سے اس حکم کو منسوخ فرمایا اور حکم فرمایا کہ مواخات اور موالات سے قرابت مقدم ہے۔ پس اس زمانہ میں جو کچھ مواخات اور موالات کو حصہ ملتا تھا اس کو ذوی الارحام کی طرف منتقل فرمایا اور جو کچھ ارث مولا موالات سے باقی رہا وہ توریث ذوی الارحام سے مؤخر رہا۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ذوی الارحام کی میراث کو بلا تفصیل کرنے اس ذی رحم کے درمیان جس کے لئے فرض یا تعصیب ہے اور اس ذی رحم کے درمیان جس کے لئے ان دونوں میں سے کچھ نہیں ہے بیان فرمادیا اس آیت کریمہ سے بالعموم ذوی الارحام کی میراث ثابت ہوگئی اور آیات مواریث میں ان سب کی تفصیل کی کچھ ضرورت نہ رہی۔ حق تعالےٰ شانہٗ کا یہ قول بھی توریث ذوی الارحام پر دال ہے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ یعنی مردوں کے لئے اس چیز سے حصہ ہے جو ان کے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہے اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اُس مال میں سے جس کو اُن کے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہے لفظ رجال و نساء اور اقربون۔ ذوی الارحام کو بھی شامل ہے جو شخص تخصیص کا دعویٰ کرے اس کے ذمہ دلیل بیان کرنا ہے۔ ذوی الارحام کی توریث سے نفی کرنے والوں نے آیات مواریث سے استدلال کیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اصحاب فرائض اور عصبات کا ذکر فرمایا ہے ذوی الارحام کا کچھ بھی تذکرہ نہیں کیا پس ذوی الارحام کی توریث کتاب اللہ پر زیادتی ہے دوسرے یہ کہ پھوپھی، اور خالہ کی میراث کے بارے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے انھوں نے خبر دی کہ ان دونوں کے لئے میراث نہیں ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قبا کی طرف تشریف لے گئے تاکہ حق سبحانہ تعالیٰ سے استحقاق ذوی الارحام کے بارہ میں استخارہ کریں تو آپ پر وحی نازل ہوئی کہ ان کے لئے کچھ میراث نہیں ہے۔ قائلین کی طرف سے اسکا جواب یہ ہے کہ باری تعالےٰ کے اس قول وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ سے بالعموم ذوی الارحام کی میراث ثابت ہوتی ہے گویہ استحقاق کا ثبوت وصفِ عام کے ساتھ ہے مگر ایسے استحقاق میں جو وصفِ عام کے ساتھ ہو اور ایسے استحقاق میں جو وصفِ خاص کے ساتھ ہو منافات نہیں ہے۔ پس جس شخص کے حق میں استحقاق وصف خاص کے ساتھ موجود نہ ہو اس کے لئے استحقاق وصف عام کے ساتھ ثابت ہے۔ لہٰذا یہ کتاب اللہ پر زیادتی نہ ہوگی۔ اس حدیث کی تاویل جس میں پھوپھی اور خالہ کی میراث کی نفی آئی ہے یہ ہے کہ جبکہ صاحب فرض یا عصبہ موجود ہو تو انکو کچھ

نہ ملے گا۔ یا یہ روایت مذکورہ آیت کریمہ کے نزول سے پہلے کی ہے اور ذوی الارحام کے وارث بنانے کی ابن ملاعنہ کی حدیث بھی تائید کرتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ذوی الارحام کو اس کے ترکہ کا وارث بنایا اور ولد ملاعنہ کی حدیث کو ابو داؤد نے مکحول سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے مِيْرَاثُ اِبْنِ الْمُلَاعِنَةِ لِاُمِّهٖ ثُمَّ لِوَرَثَتِهَا مِنْ بَعْدِهَا۔ یعنی ملاعنہ کے بیٹے کی میراث اس کی ماں کے لئے ہے پھر اس کے بعد اس کے وارثوں کے لئے۔ ملاعنہ وہ عورت ہے جس سے اس کے شوہر نے لعان کیا ہے اور اس کے بیٹے سے انکار کیا ہے اور نیز ابو داؤد کی یہ حدیث بھی جو ابو موسیٰ اشعری سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم کا بھانجا ان ہی میں سے ہے اسی کی تائید کرتی ہے اور احادیث ذیل بھی استدلال میں پیش کرتے ہیں کہ (۱) احمد اور ابن ماجہ رح وغیرہ نے ابو امامہ بن سہل سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مَوْلٰى مَنْ لَّا مَوْلٰى لَهٗ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَهٗ۔ یعنی اللہ تعالےٰ اور ان کے رسول اس شخص کے مددگار ہیں جس کا کوئی مددگار نہ ہو اور ماموں اس شخص کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو (۲) یہ روایت بھی دلیل ہے کہ ثابت بن دحداح رض نے وفات پائی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قیس بن عاصم سے فرمایا تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ متوفی کا کوئی صاحب نسب تم میں موجود ہے انھوں نے عرض کیا کہ وہ ہم میں مسافر تھے سوائے ان کی بہن کے بیٹے ابو لبابہ بن عبد المنذر کے اور کوئی وارث ہم کو معلوم نہیں پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ میراث ان کو دیدی۔۱۲

واضح ہو کہ توریث ذوی الارحام کے قائلین تین قسم پر ہیں۔ (۱) ایک قسم وہ ہے جس کو اہل قرابت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس میں امام ابو حنیفہ و یوسف و محمد و زفر اور عیسیٰ بن آبان داخل ہیں۔ ان کو اہل قرابت اس لئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ اقرب فالاقرب کو مقدم جانتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم علماء اہل تنزیل کہلاتے ہیں ان میں علقمہ و مسروق و نعیم بن حماد و ابو نعیم و ابو عبید القاسم بن سلالہ و شریک اور حسن بن زیاد معروف و مشہور ہیں۔ ان کو اہل تنزیل کا لقب اس وجہ سے دیا گیا کہ یہ حضرات مدلی کو مدلی بہ کی جگہ نازل کرتے ہیں یعنی جس کو دوسرے شخص سے نسبت ہو اُسے اس دوسرے کا قائمقام مانتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کہ میت نے ایک نواسی اور ایک بھتیجی چھوڑی تو اہل قرابت کی رائے کے مطابق مال نواسی کے لئے ہے کیونکہ وہ میت سے اقرب ہے اور اہل تنزیل کے قول کے مطابق مال دونوں میں نصفا نصف تقسیم ہوگا۔ یہ اس طور سے ہے کہ گویا میت نے بیٹی اور بہن چھوڑی۔

(۳) تیسری قسم اہل رحم کے لقب سے ملقب ہے ان میں نام و نمود کے آدمی حسن بن میسر

و نوح بن دراج ہیں۔ ان لوگوں کو اہلِ رحم کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انھوں نے اقرب اور ابعد کے درمیان استحقاق میں مساوات کا برتاؤ کیا ہے اور استحقاق کو اصل رحم کی بنیاد پر ثابت کیا ہے پھر ان میں سے ہر ایک فریق کو یہ زعم ہے کہ میرا ہی طریق صحابہ کرام کے مطابق ہے۔ صحابہ کرام سے اس معاملہ میں تین مسئلے منقول ہیں۔

(۱) ایک وہ کہ ابراہیم نخعی نے محمد بن عبداللہ رضہ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے وفات پائی اس نے پھوپھی اور خالہ وارث چھوڑیں تو ان وارثوں پر مال کے تین حصے کر کے اس طرح تقسیم کر دیا کہ دو تہائی پھوپی کو دیئے اور ایک تہائی خالہ کو دیا تو اس روایت کے مطابق اہلِ تنزیل نے سمجھ لیا کہ ہمارے مذہب کے مطابق ہے کیونکہ پھوپی باپ سے نسبت رکھتی ہے تو اس کو باپ کی جگہ قرار دیا گیا اور خالہ ماں سے نسبت رکھتی ہے تو اس کو ماں کا قائم مقام مان لیا اور اہلِ قرابت نے خیال کیا کہ یہ بات ہمارے مذہب کے مطابق ہے : جو قرب کے اس لئے کہ پھوپی کی قرابت باپ کے ذریعہ سے ہے اور باپ کی قرابت فرضیت اور عصوبت کا استحقاق رکھتی ہے اور خالہ کی قرابت ماں کی وجہ سے ہے اور ماں کی قرابت کے لئے صرف فرضیت کا استحقاق ہے نہ عصوبت کا اس لئے باپ کی قرابت والی کو ماں کی قرابت والی سے دونا دلایا۔

(۲) شعبی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نواسی اور بھانجی وارث رہیں تو مال کو آدھوں آدھ کر کے دونوں پر برابر تقسیم کر دیا جائے اس سے ثابت ہوا کہ ان کا مذہب اہلِ تنزیل کے مطابق ہے۔

(۳) شعبیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نواسی بھانجی سے اولیٰ ہے اس سے ثابت ہوا کہ ان کا مذہب اہلِ قرابت کے موافق ہے۔

اہلِ تنزیل کے قول کی وجہ یہ ہے کہ سبب استحقاق کو رائے سے ثابت کرنا ممکن نہیں اور یہاں کوئی نصِ قرآن و سنت اور اجماع سے ایسی موجود نہیں ہے کہ جس سے استحقاق کا سبب ان کے لئے معلوم ہو پس مدلی کو مدلی بہ کا قائم مقام بنانے کے سوا کوئی اور طریق استحقاق کا نہیں ملتا جس سے استحقاق کا ثبوت ایسے سبب کے ساتھ ہاتھ آئے جو مدلی بہ کے لئے ثابت ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو کوئی وارثوں میں سے عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد سے ہوتا ہے تو اس کو ایسے شخص پر ترجیح دی جاتی ہے جو نہ عصبہ ہو اور نہ صاحب فرض اور یہ صورت اس لئے ہے کہ مدلی بہ کا اعتبار ہے۔ اور اہل الرحم کہتے ہیں کہ ذوی الارحام کو استحقاق وصف عام کی وجہ سے حاصل ہے جو حق تعالیٰ کے اس قول سے ثابت ہے واولوا الارحام بعضہم اولیٰ ببعض اور اس صفت میں یعنی رحم کے باب میں اقرب و ابعد سب برابر ہیں اور اہلِ قرابت کے قول کی وجہ یہ ہے کہ ذوی الارحام کا استحقاق معنیٰ عصوبت کی وجہ سے ہے اسی لئے الاقرب فالاقرب کے اعتبار سے تقدیم

ہوتی ہے اور تمام مال کا مستحق شخص واحد ہو جاتا ہے پھر حقیقت عصوبت میں کبھی قرب کی زیادتی وجہ کے اعتبار سے ہوتی ہے اور کبھی قوتِ سبب کی وجہ سے چنانچہ بیٹی کا لڑکا سبب کی وجہ سے بہن کے لڑکے سے اقویٰ ہے اس لئے اس پر مقدم ہوگا۔

پھر اہل تنزیل کا قول ایک خطائے فاحش کے خالیے پر پہنچاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مدلی محروم ہو جاتا ہے جبکہ مدلی بہ غلام یا کافر ہو کیونکہ انسان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ غیر میں کسی بات کے ہونے کی وجہ سے میراث سے محروم نہ ہو اور جبکہ مدلی بہ کی غلامی اس کے حرمان کا موجب ہوگی تو مدلی بہ کی موت بھی اس کے حرمان کا سبب ہو سکتی ہے اور جبکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حجب و حرمان میں مدلی بہ کا اعتبار نہیں ہے تو اسی طرح زیادتی و نقصان میں بھی اعتبار نہ ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ استحقاق مدلی کا خود اس کے ایسے وصف کی وجہ سے ہوگا جو اس میں پایا جاتا ہے اور وہ قرابت ہے لیکن اقرب کو تقدیم معنی عصوبت کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسا کہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون یعنی ماں باپ اور رشتہ داران کے ترکہ میں مردوں کا حصہ ہے۔

۵ قولہ قال زید رضی الخ۔ یعنی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ توریث ذوی الارحام کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک اصحاب فرائض اور عصبات نہ ہوں تو مال متروکہ بیت المال میں داخل کیا جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت شاذہ بھی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید کرتی ہے اور کہتے ہیں حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے لیکن یہ بات درجہ صداقت سے گری ہوئی ہے اس لئے کہ خلیفہ بغداد معتضد عباسی نے قاضی ابو حازم سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ سوائے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے تمام اصحاب رسول کا توریث ذوی الارحام پر اجماع ہے۔ معتضد نے کہا کہ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم سے بھی تو یہی روایت چلی آتی ہے۔ قاضی صاحب نے جواب دیا کہ حاشا وکلا ایسا نہیں ہے جس نے ایسا کہا ہے اس نے ان پر افترا کیا ہے اسوقت معتضد نے حکم دیا کہ بیت المال میں جسقدر مال ایسے متوفیوں کا جمع ہے جن کے سوائے ذوی الارحام کے کوئی وارث نہ تھا وہ تمام ان کے ذوی الارحام کو دیدیا جائے ابو حازم نے اس کی تصدیق کی بلکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ وہ اس بات پر تاسف کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ذوی الارحام کا حال دریافت نہ کیا پھر اپنی رائے سے ذوی الارحام کو دلانے لگے۔

۵۶ قولہ وبہ قال الخ یعنی مالک و شافعی رحمہما اللہ نے بھی یہی کہا ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے اور یہی سفیان ثوری کا قول ہے۔ تابعین میں سے اوزاعی، مکحول، سعید بن مسیب

اَلصِّنْفُ الْاَوَّلُ يَنْتَمِيْ اِلَى الْمَيِّتِ وَهُمْ اَوْلَادُ الْبَنَاتِ
ای ینتسب ۱۲ — شامل للذکور والاناث ۱۲

وَاَوْلَادُ بَنَاتِ الْاِبْنِ وَالصِّنْفُ الثَّانِيْ يَنْتَمِيْ اِلَيْهِمُ
کابن بنت البنت وبنت بنت البنت ۱۲ — من الاصناف الاربعۃ ۱۲

الْمَيِّتُ وَهُمُ الْاَجْدَادُ السَّاقِطُوْنَ وَالْجَدَّاتُ السَّاقِطَاتُ
ای الفاسدون ۱۲ — ای الفاسدات وان علون ۱۲

وَالصِّنْفُ الثَّالِثُ يَنْتَمِيْ اِلَى اَبَوَيِ الْمَيِّتِ وَهُمْ اَوْلَادُ
۱۲ کام اب المیت وام ام اب امہ ۱۲

الْاَخَوَاتِ وَبَنَاتُ الْاِخْوَةِ وَبَنُو الْاِخْوَةِ لِاُمٍّ وَالصِّنْفُ
ذکوراوانا ثا ۱۲ — وان سفلوا ۱۲

الرَّابِعُ يَنْتَمِيْ اِلَى جَدَّيِ الْمَيِّتِ اَوْ جَدَّتَيْهِ وَهُمُ الْعَمَّاتُ

وَالْاَعْمَامُ لِاُمٍّ وَالْاَخْوَالُ وَالْخَالَاتُ فَهٰؤُلَاءِ وَكُلُّ
ای اصناف الاربعۃ ۱۲ ای یتوسل ۱۲

مَنْ يُّدْلِيْ بِهِمْ مِنْ ذَوِي الْاَرْحَامِ

ترجمہ: ۱- پہلی قسم وہ ہے جو میت کی طرف منسوب ہو۔ وہ بیٹی کی اولاد اور پوتی کی اولاد ہیں۔ اور دوسری قسم وہ ہے کہ میت ان کی طرف منسوب ہو اور وہ اجداد فاسد اور جدات فاسدہ ہیں تیسری قسم (ان لوگوں کی) ہے جو میت کے ماں باپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور وہ بہنوں کی اولاد اور بھائیوں کی بیٹیاں اور اخیافی بھائیوں کی اولاد ہے اور چوتھی قسم وہ جو میت کے دو جد (جد پدری اور مادری) یا دو جدہ (دادی اور نانی) کی طرف منسوب ہوں اور وہ پھوپھیاں اور اخیافی چچا اور ماموں اور خالائیں ہیں پس یہ لوگ اور ہر وہ شخص جو ان سے انتساب رکھتا ہو سب ذوی الارحام سے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

سعید بن جبیر، زہری، قاسم بن ابراہیم بھی اسی کے قائل ہیں حجاز کے فقہا کا بھی یہی مذہب ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے ۱۲

۵ے قولہ و ذوالارحام الخ یعنی ذوی الارحام چار صنف پر ہے۔ صنف اول جزء میت

سلہ قولہ الصنف الاول الخ یعنی پہلی قسم میں وہ وارث ہیں جو میت کی طرف نسبت رکھتے ہیں ان کے دو فریق ہیں۔ پہلا فریق بیٹیوں کی اولاد ہے۔ اگرچہ وہ اولاد نیچے کے درجہ کی ہو۔ خواہ مذکر ہوں کہ نواسے ہیں۔ خواہ مؤنث کہ نواسیاں ہیں۔ دوسرے فریق میں پوتیوں کی اولاد ہے۔ کتنے ہی نیچے کے درجہ کی ہو۔ خواہ مرد ہوں خواہ عورتیں ہوں۔ مثلاً بنت البنت نواسی ہو یا بنت بنت البنت یعنی نواسی کی بیٹی ہو یا ابن بنت البنت نواسی کا بیٹا ہو۔ یہ سب ذوی الارحام کی قسم اول میں ہیں ان کی موجودگی میں باقی تینوں قسموں کو میراث نہیں ملے گی اسلئے کہ عصبات کی طرح جزء اصل پر مقدم ہوتا ہے۔

سلہ قولہ والصنف الثانی۔ یعنی ذوی الارحام کی دوسری قسم میں وہ وارث ہیں جن کی طرف میت نسبت رکھتی ہو وہ اجداد فاسد اور جدات فاسدہ ہیں اگرچہ نیچے درجہ میں ہوں جیسے میت کا اب الام نانا اور نانا کا باپ اور نانا کے باپ کا باپ اور نانا کی ماں کا باپ اور باپ کی ماں کا باپ یہ سب اجداد فاسد ہیں اور جیسے نانا کی ماں اور نانا کے باپ کی ماں اور نانا کے ماں کی ماں یہ سب جدات فاسدہ ہیں خلاصہ یہ ہے کہ اصول میں جو لوگ ذوی الفروض اور عصبات نہیں وہ ذوی الارحام کی دوسری قسم میں داخل ہیں پہلی اور دوسری قسم میں مطلقاً الاقرب فالاقرب مقدم ہیں خواہ اقرب باپ کی جہت سے ہو خواہ ماں کی جہت سے

سلہ قولہ الاجداد الخ۔ اجداد جد کی جمع ہے اور ساقطون ساقط کی جمع ہے جد فاسد وہ جد کہلاتا ہے جو بواسطہ عورت کے قرابت رکھتا ہو یا جو میت سے کسی ماں کے ذریعہ سے رشتہ رکھتا ہو۔ نانا اور نانا کا باپ اور نانا کا دادا اسیطرح نانا کی ماں کا باپ جد فاسد ہیں کیونکہ نانا کی ماں جدہ فاسدہ ہے اسلئے کہ میت کی ماں

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

جو ذوی الفروض اور عصبات میں سے نہ ہو یعنی میت کی بیٹی اور پوتی کی اولاد جو فرع میت ہیں دوسری قسم اصل میت جو ذوی الفروض اور عصبات میں سے نہ ہو یعنی جدات فاسدہ اور اجداد فاسد ہیں تیسری قسم میت کے والدین کی فروع جو ذوی الفروض وعصبات نہ ہوں یعنی بھتیجیاں، بھانجے بھانجیاں۔ چوتھی قسم جدین کی فروع یعنی دادا، دادی، نانی کی اولاد جیسے پھوپی، ماموں، خالہ، اخیافی چچا وغیرہ یہ لوگ نہ ذوی الفروض ہیں اور نہ عصبہ ہیں اور ان کے لئے کچھ مقرر نہیں ہے بلکہ جس طرح عصبات کو تنہا ہونے کی حالت میں کل مال اور ذوی الفروض کی موجودگی میں باقی مال ملتا ہے اسی طرح ذوی الارحام کو تنہا ہونے کی حالت میں کل مال اور زوجین کی موجودگی میں باقی مال ملتا ہے اور قسم اول کے ہوتے ہوئے دوسری قسم کو نہیں پہنچتا اور دوسری قسم کے ہوتے ہوئے تیسری قسم کو نہیں پہنچتا وعلیٰ ہذا القیاس ایک قسم میں قریب کے ہوتے ہوئے بعید کو نہیں پہنچتا مثلاً نانا کے ہوتے ہوئے پر نانا محروم ہے اس طرح ہر درجہ میں ایک کو دوسرے پر قوت قرابت کے اور وصف اصل کے اعتبار سے ترجیح ہے۔

اور نانا کی ماں کے درمیان نانا واسطہ ہے۔ دادی کا باپ بھی جد فاسد ہے۔ ساقطوں ان کو اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ ذوی الفروض اور عصبات کی موجودگی میں میراث پانے سے ساقط ہو جاتے ہیں اور فاسد انکو صحیح کے مقابلہ میں بولتے ہیں۔ ۱۲

۵۴ قولہ والجدات الخ۔ جدات جدہ کی جمع اور ساقطات ساقطہ کی جمع ہے۔ جدہ ساقطہ اس جدہ کو کہتے ہیں جو میت سے بواسطہ جد فاسد کے علاقہ رکھتی ہو۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ وہ جدہ ہے جو میت سے کسی ماں کے باپ کے ذریعہ سے قرابت رکھتی ہو اور یہ جدہ صحیحہ کے مقابل ہے اس لئے کہ جدہ صحیحہ وہ ہے جس کو میت کی طرف منسوب کرنے میں جد فاسد داخل نہ ہو پس جس جدہ کی نسبت فاسد سے خالی ہوگی وہ صحیحہ ہوگی اور مثل جد صحیح کے وارث ہوگی اور جس جدہ کی نسبت میں جد فاسد داخل ہوگا وہ ضرور ساقطہ ہوگی اور مثل جد فاسد کے غیر وارث ہوگی بلکہ وہ ذوی الارحام میں سے شمار کی جائے گی۔ اس کو جدہ فاسدہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ جد فاسد کے ذریعہ سے علاقہ رکھتی ہے۔ جدہ وارثہ کو صحیحہ اور غیر وارثہ کو فاسدہ و ساقطہ کہنے کی اصطلاح کتب حنفیہ کے مطابق ہے (کذافی فوائد صدقیہ) اور شافعیہ جدات وارثات کے بیان میں دو طرح کی عبارت تحریر فرماتے ہیں ایک عبارت یہ ہے کہ جو جدہ محض عورات کے ذریعہ سے نسبت رکھے جیسے ماں کی ماں اور ماں کی ماں کی ماں (نانی و پرنانی) یا جو صرف مردوں کے ذریعہ سے نسبت رکھے جیسے باپ کی ماں اور دادا کی ماں (دادی پردادی) یا جو محض عورتوں کے ذریعہ محض مردوں کی طرف نسبت رکھے جیسے باپ کی ماں کی ماں۔ دوسری عبارت یہ ہے کہ جو جدہ محض وارثوں کے ذریعہ سے نسبت نہ رکھے تو یہی غیر وارث ہے اور باقی تمام وارث ہیں جیساکہ نووی نے روضہ میں ذکر کیا ہے۔ ابو ثور نے کہا ہے کہ وہ جدہ وارث نہیں ہوتی جو غیر وارث کے ذریعہ سے نسبت رکھتی ہو اور نہ وہ وارث ہوتی ہے جس کی نسبت کے آخر میں ابوین یا زیادہ واقع ہوں مگر حنفیہ اور شافعیہ کی تقریر کا محصل ایک ہے۔ فقہاء کرام نے جدہ ساقطہ و فاسدہ کی جو یوں تعریف کی ہے کہ فاسدہ وہ ہے جس کی نسبت میں میت کی طرف دو عورتوں کے درمیان مرد داخل ہوتا ہے اس میں کلام ہے جس کو صاحب البیان شرح حاوی نے یوں لکھا ہے کہ جدہ کی نسبت میں میت کی طرف دو عورتوں کے درمیان میں مرد کا واقع ہونا اس کی توریث کے لئے دوسری جہت سے مانع نہیں ہے مثلاً کسی میت نے ایسی جدہ چھوڑی جو اس کی پرنانی کی ماں ہے اور اس کی دادی کے باپ کی ماں بھی ہے تو یہ جدہ پہلی جہت سے وارث ہے اور دوسری جہت سے وارث نہیں اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ جو جہت ایسی جدہ کی ارث سے مانع ہے وہ گویا کالعدم ہے پس اسی جہت کا اعتبار ہوگا جو توریث کی موجب ہے ۱۲

۵۵ قولہ والصنف الثالث الخ۔ یعنی تیسری قسم میں وہ لوگ داخل ہیں جو میت کے والدین

کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اس میں پانچ فریق ہیں (۱) حقیقی بہنوں کی اولاد اگرچہ نیچے کے درجہ کی ہو خواہ مذکر ہو۔ خواہ مؤنث (۲) علاتی بہنوں کی اولاد اگرچہ نیچے درجہ میں ہو خواہ مذکر ہو خواہ مؤنث (۳) حقیقی بھائیوں کی صرف بیٹیاں اگرچہ نیچے کے درجہ میں ہوں (۴) علاتی بھائیوں کی صرف بیٹیاں اگرچہ نیچے کے درجہ میں ہوں (۵) اخیافی بھائی بہنوں کی اولاد اگرچہ نیچے کے درجہ میں ہو خواہ مذکر ہو خواہ مؤنث اور حقیقی اور علاتی بھائیوں کی بیٹیوں کی اس لئے تخصیص کی کہ وہ ذوی الارحام میں داخل ہیں اور بھتیجے حقیقی اور علاتی عصبات میں داخل ہیں اور اخیافی بھائی اور بہنوں کی دونوں قسم کی اولاد ذوی الارحام میں داخل ہے ۱۲

ــــہ قولہ والصنف الرابع الخ یعنی چوتھی قسم میں وہ وارث ہیں جو میت کے دادا اور نانا یا میت کی دادی اور نانی کی طرف منسوب ہوں۔ جدین سے دادا اور نانا مراد ہے اور جدتین سے دادی اور نانی مراد ہے اور جد عام ہے کہ صحیح ہو یا فاسد اسی طرح جدہ عام ہے کہ صحیحہ ہو یا فاسدہ وہ وارث پھوپیاں ہیں حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی اگر وہ باپ کی حقیقی یا علاتی بہنیں ہیں تو وہ جانب پدری سے میت کے دادا کی طرف منسوب ہیں اور اگر وہ میت کے باپ کی اخیافی بہنیں ہیں تو وہ اسکی جدہ پدری کیطرف منسوب ہیں اور اخیافی چچا یعنی میت کے باپ کے اخیافی بھائی لام کی قید اسوجہ سے لگائی کہ حقیقی اور علاتی چچا عصبات میں داخل ہے نہ ذوی الارحام میں اور ماموں حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی ہوں اور خالائیں ہیں خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی اخوال اور خالات ماں کے رشتہ دار ہیں۔ اخوال ماں کے بھائی اور خالائیں ماں کی بہنیں ہیں پس اگر یہ لوگ ماں کے حقیقی یا علاتی بھائی بہن ہیں تو میت کے نانا کیطرف منسوب ہیں اور اگر ماں کے اخیافی بھائی بہن ہیں تو میت کی نانی کیطرف منسوب ہیں ۱۲

ــــہ قولہ فہولاء وکل من یدلی الخ۔ یعنی یہ چاروں قسمیں اور ہر وہ شخص جو ان کے واسطہ سے میت کیطرف منسوب ہو یہ ذوی الارحام سے ہیں ماتن کے کل من یدلی بھم کہنے سے وہ سب لوگ ذوی الارحام میں داخل اور شامل ہوگئے جنکی طرف پہلے تینوں قسموں میں ان علوا وان سفلوا کے قول سے اشارہ کیا ہے اور چوتھی قسم کی اولاد بھی شامل ہوگئی لیکن چونکہ ماتن کا قول کل من یدلی بھم اعلیٰ اعمام وعمات واخوال وخالات میت کے ماں باپ کے اعمام و اخوال اور میت کے دادا کے اعمام واخوال کو شامل نہیں ہوتا تھا باوجودیکہ یہ سب ذوی الارحام میں سے ہیں لہٰذا اس نے من تبعیضیہ ذکر اس امر پہ آگاہ کر دیا کہ جو اصناف اربعہ اور من یدلی بھم مذکور ہوئے صرف ان ہی میں ذوی الارحام منحصر نہیں ہیں۔ واضح رہے کہ ذوی الارحام چودہ قسموں سے تجاوز نہیں کرتے جنکی تفصیل یہ ہے (۱) بیٹیوں کی اولاد اگرچہ سافل ہو (۲) پوتیوں کی اولاد اگرچہ سافل ہو (۳) اجداد فاسد جیسے نانا اور نانا کا باپ اگرچہ عالی ہوں (۴) جدات فاسدہ جیسے نانا کی ماں، یا نانا کی نانی اگرچہ عالی ہوں (۵) حقیقی بہنوں کی اولاد اگرچہ سافل ہو (۶) علاتی بہنوں کی اولاد اگرچہ سافل ہو (۷) اخیافی بہنوں کی اولاد اگرچہ سافل ہو (۸) حقیقی بھائیوں کے بیٹیوں کی اولاد اگرچہ سافل ہو (۹) علاتی بھائیوں کے بیٹیوں کی اولاد اگرچہ سافل ہو (۱۰) اخیافی بھائیوں کی اولاد اگرچہ بعید ہو (۱۱) پھوپیاں اور انکی اولاد اگرچہ بعید ہو (۱۲) اخیافی چچا اور انکی اولاد اگرچہ بعید ہو (۱۳) ماموں اور انکی اولاد اگرچہ بعید ہو (۱۴) خالائیں اور انکی اولاد اگرچہ بعید ہو۔

رَوَى اَبُو سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ

(حال کونہ راویاً ۱۲)

تَعَالٰى اِنَّ اَقْرَبَ الْاَصْنَافِ الصِّنْفُ الثَّانِيْ وَاِنْ عَلَوْا ثُمَّ الْاَوَّلُ

(الی المیت وهم فی الجدات ۱۲ — وهم الاجداد الساقطون والجدات الساقطات ۱۲)

وَاِنْ سَفَلُوْا ثُمَّ الثَّالِثُ وَاِنْ نَزَلُوْا ثُمَّ الرَّابِعُ وَاِنْ بَعُدُوْا

(وهم اولاد الاخوات وبنات الاخوة وبنو الاخوة لام ۱۲ — بالعلو والسفول ۱۲)

وَرَوَى اَبُو يُوْسُفَ وَالْحَسَنُ بْنُ زِيَادٍ عَنْ اَبِي حَنِيْفَةَ وَابْنُ

سَمَاعَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ اَنَّ

(راویاً ۱۲ — وهو ظاهر الروایة)

اَقْرَبَ الْاَصْنَافِ الصِّنْفُ الْاَوَّلُ ثُمَّ الثَّانِيْ ثُمَّ الثَّالِثُ ثُمَّ

الرَّابِعُ كَتَرْتِيْبِ الْعَصَبَاتِ وَهُوَ الْمَاْخُوْذُ بِهٖ وَعِنْدَهُمَا الصِّنْفُ

(للفتوی عند الاحناف ۱۲)

الثَّالِثُ مُقَدَّمٌ عَلَى الْجَدِّ اَبِ الْاُمِّ لِاَنَّ عِنْدَهُمَا كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ

(وعلی الجدة الفاسدة بالطریق الاولی ۱۲ — ای ابی یوسف ومحمد رح)

اَوْلٰى مِنْ فَرْعِهٖ وَفَرْعُهٗ وَاِنْ سَفَلَ اَوْلٰى مِنْ اَصْلِهٖ

ترجمہ: — اور ابو سلیمان نے محمد بن حسن (اور) انھوں نے ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ ان (چاروں) قسموں میں (سب سے زیادہ میت سے) نزدیکی رکھنے والی دوسری قسم ہے اگرچہ وہ لوگ کتنے ہی اونچے درجہ کے ہوں پھر (اس کے بعد زیادہ نزدیکی رکھنے والی) پہلی (قسم) ہے گو وہ لوگ کتنے ہی نیچے درجہ کے ہوں پھر (ان دو قسموں کے بعد میت سے سب سے زیادہ قریب) تیسری (قسم) ہے اگرچہ اسفل درجہ کے ہوں پھر (ان تینوں قسموں کے بعد میت سے سب سے زیادہ قریب) چوتھی (قسم) ہے اگرچہ وہ کتنی ہی دور کے ہوں اور ابو یوسفؒ اور حسن بن زیادؒ نے اور ابن سماعہ نے بواسطہ محمد بن حسنؒ کے ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے ترتیب عصبات کی مانند ان (چاروں) قسموں (میت سے) سب سے زیادہ نزدیکی رکھنے والی پہلی قسم ہے پھر دوسری قسم پھر تیسری قسم پھر چوتھی قسم ہے اور اسی روایت

کو (نفتوی) کے لئے لیا گیا ہے اور ان دونوں (ابو یوسف رہ و محمد رہ) کے نزدیک تیسری قسم جد فاسد (نانا) پر مقدم ہے اسلئے کہ ان (صاحبین) کے نزدیک ان میں سے ہر ایک اپنی فرع سے اولی ہے اور اس کی فرع اگرچہ سافل ہی ہو اپنی اصل سے اولیٰ ہے۔

سلہ قولہ ان اقرب الاصناف الخ۔ مصنف رہ جبکہ ذوی الارحام کی اقسام اربعہ بیان کر چکے تو اب یہ بیان کرتے ہیں کہ ان اقسام اربعہ میں اقرب بالمیراث کونسی قسم ہے۔ ان اقسام اربعہ میں سے بعض کو بعض سے مقدم ہونے کے بارہ میں امام ابو حنیفہ رہ سے مختلف روایتیں منقول ہیں ایک روایت تو یہ ہے جس کو ابو سلیمان نے بواسطہ محمد بن حسن کے امام ابو حنیفہ رہ سے روایت کیا ہے کہ ان چار قسموں میں دوسری قسم کے لوگ خواہ کتنے ہی اونچے درجہ کے ہوں۔ میت سے قریب تر اور وراثت میں اقدم ہیں وہ اجداد فاسدہ ہیں یعنی وہ اصول جو ذوی الفروض اور عصبات نہیں ہیں اس روایت کے مطابق ان کی موجودگی میں پہلی، تیسری، چوتھی قسم کے لوگ محروم الارث شمار کئے جائیں گے پھر اسکے بعد پہلی قسم کے لوگ وراثت میں مقدم ہیں۔ اگرچہ وہ کتنے ہی نیچے درجہ کے ہوں اور وہ بیٹیوں اور پوتیوں کی اولاد ہے یعنی وہ فروع جو ذوی الفروض اور عصبات میں سے نہیں ہیں۔ اپنے نواسے نواسیاں اور بیٹے کے نواسے نواسیاں فتاوی المیراث میں مذکور ہے کہ انصاف کا اقتضا بھی یہی ہے کہ پہلی قسم دوسری قسم کے بعد ہو۔ اس لئے کہ نانا بیٹیوں کی اولاد سے اقوی اور اعلیٰ ہے کیونکہ جو عورت اس کے مقابل ہے یعنی نانی وہ ذی فرض ہے اور جو عورت نواسے کے درجہ میں ہے یعنی نواسی وہ ذوی الفروض سے نہیں ہے۔ نیز نانا اگر اپنے نواسہ کو قتل کر دے تو اس کے قصاص میں نہیں مارا جائیگا اور اگر نواسہ نانا کو قتل کر دے تو اپنے نانا کے قصاص میں مارا جاتا ہے۔ پھر تیسری قسم کے لوگ اقرب بالمیراث ہیں اگرچہ اسفل درجہ کے ہوں یعنی میت کے والدین کی وہ فروع جو ذوی الفروض اور عصبہ نہ ہوں وہ بہنوں کی اولاد ہے خواہ مذکر یعنی بھانجے ہوں خواہ مؤنث یعنی بھانجیاں ہوں اور بہنیں حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی ہوں اور بھائیوں کی بیٹیاں بھائی خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی پھر چوتھی قسم کے لوگ ہیں خواہ کتنی ہی دور کے ہوں وہ جدین کی فروع ہیں جو ذوی الفروض اور عصبات میں سے نہ ہوں۔ دوسری روایت یہ ہے جس کو ابو یوسف اور حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ رہ سے اور ابن سماعہ نے بواسطہ محمد بن حسن کے ابو حنیفہ رہ سے نقل کیا ہے کہ میت سے قریب تر اور اقدام بالمیراث پہلی قسم کے لوگ ہیں خواہ وہ کتنے ہی نیچے درجہ کے ہوں۔ مثلاً بیٹی یا نواسی کی اولاد میں اسی طرح پوتی کے لڑکے لڑکیوں میں اگر کوئی موجود ہو خواہ کتنے ہی نیچے درجہ کا ہو وہی وارث ہوگا چنانچہ فتاوی میراث میں مسطور ہے امام ابو حنیفہ رہ کا

یہی مسلک ہے اور امام ابو یوسف و محمد رہ کے نزدیک بھی یہی مختار ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ذوی الارحام کی میراث کا استحقاق رحم کی وجہ سے ہے جسمیں عصوبت کے معنی پائے جاتے ہیں اسی لئے جو سب سے زیادہ نزدیک ہے وہی مقدم ہوتا ہے پھر وہ مقدم ہوتا ہے جو اس کے بعد ہو اور زیادہ قرب رکھنے والا تمام مال کا مستحق ہوتا ہے اور درحقیقت جو عصوبت بنوت کی وجہ سے ہو وہ ابوت سے مقدم ہے اور پوتا دادا سے اولیٰ ہے تو اسی طرح عصوبت معنوی میں بیٹیوں کی اولاد نانا پر مقدم ہوگی اس کے بعد دوسری قسم ہے یعنی جب میت کی فرع موجود نہ ہو تو میت کی اصل کو میراث ملتی ہے پھر اس کے بعد تیسری قسم ہے یعنی جب میت کی اصل موجود نہ ہو تو میت کے والدین کی فرع کو ترکہ پہنچتا ہے اسکے بعد چوتھی قسم ہے یعنی جب میت کے والدین کی فرع موجود نہ ہو تو میت کے جد صحیح اور جدہ صحیحہ دونوں کی فرع کو میراث ملتی ہے ۱۲

۵۲ قولہ کترتیب العصبات۔ یعنی عصبات میں جو ترتیب ہے اسی کا ذوی الارحام میں بھی لحاظ کیا گیا ہے کہ سب سے مقدم فروع میت ہیں یعنی بیٹی پوتی کی اولاد اسکے بعد اصول یعنی جدہ فاسدہ اور اجداد فاسد اسکے بعد والدین کی فروع یعنی بھتیجیاں اور بہن کی اولاد اور اس کے بعد فروع جدین یعنی پھوپھی، ماموں خالہ اخیافی چچا اس لئے قسم اول کے ہوتے ہوئے دوسری قسم کو نہیں پہنچتا اور دوسری قسم کے ہوتے ہوئے تیسری قسم کو نہیں پہنچتا وعلیٰ ہذا القیاس اور جس طرح عصبات میں اقرب الابعد کا حاجب ہوتا ہے اسی طرح ذوی الارحام کی ایک قسم میں قریب کے ہوتے ہوئے بعید کو نہیں پہنچتا ۱۲

۵۳ قولہ وھو المأخوذ الخ۔ یعنی ذوی الارحام کی ترتیب میراث میں فتویٰ اس امر پر ہے کہ پہلی قسم مقدم ہے پھر دوسری قسم پھر تیسری قسم پھر چوتھی قسم کہ پہلی قسم کی موجودگی میں دوسری قسم محروم ہے علیٰ ہذا دوسری کی موجودگی میں تیسری اور تیسری کی موجودگی میں چوتھی محروم ہو جاتی ہے ۱۲

۵۴ قولہ وعندھما الخ یعنی امام ابو یوسف و محمد رہ کے نزدیک ذوی الارحام میں تیسری قسم یعنی بہنوں کی اولاد، بھائیوں کی بیٹیاں اور اخیافی بھائیوں کی کل اولاد اب الام یعنی نانا پر جو زمرہ اجداد سے ہے مقدم ہیں اور امام ابو حنیفہ رہ سے مشہور روایت یہ ہے کہ نانا بھتیجیوں، بھانجوں، بھانجیوں پر مقدم ہے اور اسی روایت پر فتویٰ ہے یہ اسلئے کہ امام صاحب کا مذہب ذوی الارحام میں عصبات کے قیاس پر ہے اسلئے کہ عصبات میں میت کا دادا میت کے بھائیوں پر مقدم ہے اور انکے نزدیک عصوبت دو طور پر ہے۔ عصوبت حقیقی اور عصوبت معنوی۔ عصوبت حقیقی تو وہی ہے جس کا ذکر اوپر گزر گیا ہے اور عصوبت معنوی سے مراد ذوی الارحام کی توریث ہے پس جس طرح عصوبت حقیقی میں جد صحیح بھائیوں پر مقدم ہوتا ہے اسی طرح عصوبت معنوی میں جد فاسد بھائیوں کی بیٹیوں اور بہنوں کے بیٹوں اور بیٹیوں پر مقدم ہوگا

۵۵ قولہ لان عندھما الخ۔ یعنی امام ابو یوسف و محمد رہ کی جن کا مذہب یہ ہے کہ تیسری قسم دوسری

فصل فی الصنف الاول

الذی ہو اولاد البنات واولاد بنات الابن ۱۲

اَولٰہم بِالمیراث اَقربُہم اِلی المیّت کبنت البنت فانّہا اَولٰی

ای یاخذہ ۱۲ — ای العصبۃ او ذوی الفرض ۱۲

مِن بنت بنت الابن وَاِن استووا فی الدرجۃ فولد الوارث

او بثلث درجات مثلاً ۱۲ — بان یدلی کلہم بدرجۃ ۱۲

اَولٰی من ولد ذوی الارحام کبنت بنت الابن فانّہا اَولٰی

۱۲ او درجتین او بثلث درجات مثلاً ۱۲

مِن ابن بنت البنت وان استوت درجاتہم ولم یکن فیہم

فی القرب ۱۲ — مع ذلک الاستواء ۱۲

ولد الوارث او کان کلہم یدلون بوارث فعند ابی یوسف

کبنت ابن البنت وابن بنت البنت ۱۲ — فی قولہ الاخیر وہو روایۃ ۱۲

رحمہ اللہ تعالٰی والحسن بن زیاد یعتبر ابدان الفروع

م شاذۃ عن الامام ۱۲ — وہو روایۃ شاذۃ عن ابی حنیفۃ رح ۱۲

ویقسم المال علیہم سواء اتفقت صفۃ الاصول فی

باعتبار حال ذکورتہم وانوثتہم ۱۲ — کابن البنت وبنت البنت ۱۲

الذکورۃ والانوثۃ او اختلفت

کبنت ابن البنت وابن بنت البنت ۱۲

(یہ فصل پہلی قسم (کے بیان میں) ہے

ترجمہ: صنف اول کے افراد میں اگر سب درجہ میں برابر نہ ہوں تو ان میں سے ترکہ پانے میں وہ شخص) مقدم ہے جو میت سے اقرب ہے۔ مثلاً میت کی اپنی نواسی بیٹے کی نواسی سے

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

قسم پر مقدم ہے دلیل یہ ہے کہ تیسری قسم کا ہر فرد اپنی نوع یعنی اولاد پر مقدم ہے چنانچہ حقیقی بہن کا بیٹا حقیقی بہن کے پوتے پر مقدم ہے اور دوسری قسم کی فرع یعنی اجداد فاسد اور جدات فاسدہ کے بیٹے بیٹیاں اگرچہ کتنے ہی نیچے درجہ کے ہوں اپنی اصل یعنی دوسری قسم سے اولیٰ و مقدم ہے چنانچہ میت کی ماں

مقدم ہے اور اگر وہ سب درجہ میں برابر ہوں تو (ان میں سے) ولد وارث ولد ذوی الارحام سے مقدم ہے۔ مثلاً پوتی کی نواسی کہ وہ نواسی کے بیٹے سے مقدم ہے۔ اور اگر ان کے درجہ برابر ہوں اور ان میں کوئی ولد وارث نہ ہو یا سب کے سب کسی وارث کی طرف منسوب ہوں تو ان دونوں صورتوں میں اختلاف ہے۔ ابو یوسف اور حسن بن زیاد کے نزدیک ابدان فروع کا اعتبار کیا جائیگا اور ان پر مال (ابدان فروع کے اعتبار سے ذکورت اور انوثت کے لحاظ سے) تقسیم کیا جائیگا خواہ ان کے اصول کی صفت ذکورت وانوثت میں متفق ہو یا مختلف۔

---

۵۱ قولہ فصل ۔ مصنفؒ جب اصناف اربعہ کی ترتیب سے فارغ ہو گئے تو اب ان اصناف اربعہ کے وارث ہونے کی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ آپس میں ایک صنف کے افراد کیسے اور کب وارث ہوتے ہیں اور چونکہ پہلی صنف اقدم بالمیراث ہے اسلئے اس کو بیان کیا۔

۵۲ قولہ الصنف الاوّل جاننا چاہئے کہ پہلی صنف کے اشخاص کی دو قسمیں ہیں (۱) بیٹیوں کی اولاد جہانتک نیچے درجہ کی ہو مرد ہو یا عورتیں (۲) پوتیوں کی اولاد جہاں تک نیچے درجہ کی ہو مرد ہو یا عورتیں ان کی چھ حالتیں ہیں (۱) سب درجہ میں برابر نہ ہوں بلکہ بعض نزدیک والے ہوں اور بعض دُور والے۔ پس نزدیک والا دُور والے پر مقدم ہوتا ہے (۲) قرب میں سب برابر ہوں لیکن بعض وارث کی اولاد ہوں اور بعض ذوی الارحام کی اور ان کے اصول کے کسی بطن میں ذکورت اور انوثت کا اختلاف نہ ہو تو اس صورت میں وارث کی اولاد مقدم ہوتی ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

کی ماں (پرنانی) اپنے باپ جد فاسد کی فرع ہے لیکن یہ فرع اپنی اصل سے مقدم ہے اسلئے کہ میت کی یہ نانی ذی فرض ہے اور پرنانی کا باپ ذی رحم ہے اور ذی فرض ذی رحم سے فوقیت رکھتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس جب یہ بات معلوم ہو گئی تو اسکے سمجھ لینے کے بعد یہ بات بخوبی ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ تیسری قسم دوسری قسم پر مقدم ہے یہی صاحبینؒ کا مذہب ہے۔ مصنف کا یہ قول ایک قلمی نسخہ میں موجود ہے اور مطبوعہ نسخوں میں علی العموم پایا جاتا ہے۔ صاحب ضوء السراج اپنی شرح میں لکھتے ہیں ہمارے استاد شیخ نجم الدین فرماتے ہیں کہ یہ عبارت مصنفؒ کی نہیں ہے بلکہ کسی طالب علم نے درس کے وقت سراجی کے حاشیہ پر اپنی طرف سے لکھدی ہوگی۔ پھر جس شخص نے اس نسخہ سے نقل کیا تو اس نے مصنف رہ کا قول خیال کر کے متن میں لکھدی ہوگی جسکی دلیل یہ ہے کہ پرانے نسخوں میں یہ عبارت موجود نہیں استاد نجم الدین اسکی تصحیح کے لئے اپنی طرف سے تکلف کرتے تھے مگر اسکا مطلب میرے ذہن نشین نہیں ہوا اس کے مفہوم پر پردہ پڑا رہا۔ ۱۲

(۳) سب کے سب درجہ میں برابر ہوں اور سب وارث کی اولاد ہوں اور اصول کے کسی بطن میں مرد عورت کا اختلاف نہ ہو۔ یا کل غیر وارث کی اولاد ہوں اور اصول کے کسی بطن میں مرد عورت کا اختلاف نہ ہو۔ پس اگر فروع میں تمام لڑکے یا تمام لڑکیاں ہوں تو ہر ایک کو برابر حصہ ملے گا اور اگر مختلط ہوں تو لڑکے کو لڑکی سے دو چند ملے گا۔ (۴) سب درجہ میں مساوی ہوں لیکن ان میں کوئی وارث کی اولاد نہ ہو باوجود اس کے ان کے اصول کے کسی بطن میں مرد عورت کا اختلاف ہو تو اس صورت میں امام ابو یوسف و حسن بن زیاد اور محمد رح کا اختلاف ہے امام ابو یوسف و حسن بن زیاد کے نزدیک بطون فروع کا اعتبار ہے نہ ابدان اصول مختلفہ کا یعنی مرد کے دو سہم ہیں اور عورت کے لئے ایک سہم اور اگر فروع میں صرف مرد ہوں یا صرف عورتیں ہوں تو انہیں تقسیم مساوی طور سے ہو جائے گی اور امام محمد رح اصول کا اعتبار کرتے ہیں اور اصول پر مسئلہ کی تصحیح کر کے ان کے ابدان کے موافق تقسیم کر کے ان کا حصہ ان کی اولاد کو دیتے ہیں یعنی جس کی اصل مرد ہے اسکو دو سہم اور جس کی اصل عورت ہے اس کو ایک سہم دیا جائے گا (۵) اصول کے کسی بطن میں مرد عورت کا اختلاف ہو اور اس صورت میں کسی اصل کے عدد فروع بھی متعدد ہوں تو اس حالت میں عدد فروع کا اصول میں اعتبار ہوتا ہے اور اس کے ساتھ میں اصول کا وصف ذکورت و انوثت میں باقی رہتا ہے۔ (۶) اصول کے کسی بطن میں اختلاف مذکور ہو اور اسی صورت میں کسی اصل کے جہات فروع بھی متعدد ہوں یعنی کسی اصل کی فروع کو کئی قسم کی قرابت حاصل ہو اس حالت میں اصول میں جہات اور عدد فروع کا اعتبار ہوتا ہے ۱۲

۵۳ قولہ اولٰھم الخ۔ یہ پہلی حالت ہے کہ بیٹی اور پوتی کی اولاد میں جو میت سے قریب تر ہوگا وہی ترکہ پانے میں مقدم ہوگا اس کی موجودگی میں دور والا محروم ہو جائیگا جس کی وجہ یہ ہے کہ ذوی الارحام کا استحقاق معنی عصوبت کی بنا پر ہے اسی لئے اقرب فالاقرب درجہ والا مقدم ہوتا ہے اور اکیلا شخص تمام ترکہ کا مستحق ہوتا ہے اور عصوبت حقیقیہ میں قرب کی زیادتی کبھی قرب درجہ کی وجہ سے ہوتی ہے کبھی قوت سبب کی وجہ سے جیسا کہ بنوت کی ابویت پر تقدم ہے اسی طرح عصوبت معنوی میں قرب درجہ اور قوت سبب دونوں کی وجہ سے تقدیم ثابت ہوتی ہے چنانچہ اپنی نواسی بیٹے کی نواسی سے مقدم ہے اس لئے کہ نواسی میت سے ایک واسطہ سے قرابت رکھتی ہے اور بیٹے کی نواسی دو واسطہ سے پس اپنی نواسی کی موجودگی میں بیٹے کی نواسی محروم ہے اس کی صورت یہ ہے

مسئلہ ۱

بیٹی	بیٹا
بیٹی	بیٹی
۱	بیٹی
	م

یہ قول اہل قرابت کا ہے اور اہل تنزیل کے نزدیک دونوں کو مال دیا جائے گا اور اب تقسیم دو طرح ہو گی۔

ایک تو حضرت علی رضؓ کے قول کے قیاس پر جو پوتی پر رد کو صلبی بیٹی کے ساتھ تجویز کرتے ہیں۔ پس چار حصے کرکے اسمیں سے تین حصے بنت البنت کو ملیں گے اور چوتھائی ¼ بنت الابن کو دوسرے ابن مسعودؓ کے قول کے قیاس پر مال کے چھ حصے کرکے اسمیں سے پانچ حصے بنت البنت کو دیں گے اور چھٹا ⅙ بنت بنت الابن کو ملے گا کیونکہ ان کے نزدیک پوتی پر رد صلبی بیٹی کے ساتھ درست نہیں ہے۔

۴ قولہ وان استووا الخ - یہ دوسری حالت ہے جبکہ ذوی الارحام درجہ میں مساوی ہوں اس طرح کہ ہر ایک کو میت سے دو درجہ یا تین درجہ میں قرابت ہو تو وارث کی اولاد ذوی الارحام کی اولاد پر مقدم ہوتی ہے۔ یعنی جس ذی رحم کی اصل وارث ہے اس کے ساتھ غیر وارث کے علاقہ رکھنے والے کو کچھ نہ ملے گا۔ اگرچہ وارث کا لفظ صاحب فرض اور عصبہ دونوں کو شامل ہے لیکن صنف اول میں ولد وارث سے مراد ذوی الفروض کی اولاد ہے اور تیسری صنف میں عصبہ کی اولاد مراد ہے اور دوسری اور چوتھی صنف میں یہ نہیں ہوتا۔ ہاں اتحاد قرابت کے وقت تقدیم اقرب کو ہوتی ہے پھر قوی تر کو پھر عصبہ کی دوسری حالت کی مثال پوتی کی بیٹی نواسی کے بیٹے سے مقدم ہے پس اسکی موجودگی میں نواسی کا بیٹا محروم ہے حالانکہ دونوں درجہ میں برابر ہیں اس لئے کہ اول کی اصل پوتی صاحب فرض ہے اور دوسرے کی اصل نواسی ذی رحم ہے اس کی صورت یہ ہے -

مسئلہ ١	
بیٹا	بیٹی
بیٹی	بیٹی
بیٹی	بیٹا
١	م

۵ قولہ وان استوت الخ یہ تیسری حالت ہے یعنی اگر ذوی الارحام کے درجات قرب میں مساوی ہوں جس میں دو صورتیں ہیں اس طرح کہ ان میں کوئی وارث کی اولاد نہ ہو۔ مثلاً نواسی کی بیٹی نواسی کا بیٹا یا تمام وارث کی اولاد ہوں مثلاً نواسا اور نواسی تو امام ابو یوسفؒ اور حسن بن زیادؒ ابدان فروع متساویہ کا اعتبار کرتے ہیں نہ اصول کا اور ان پر مال ابدان فروع کے اعتبار سے ذکورت اور انوثت کا لحاظ کرکے تقسیم کرتے ہیں۔ خواہ ان کے اصول کی صفت ذکورت اور انوثت میں متفق ہوں یعنی جن کی اولاد ہیں وہ مرد ہوں یا عورتیں پس اگر فروع میں صرف مرد ہونگے یا صرف عورتیں تو ہر ایک کا حصہ برابر ہوگا مثلاً آئندہ صفحہ کی (۱) و (۲) میں دو پوتیوں کے جو ذی فرض ہیں بیٹے ہیں اور دونوں مرد ہیں اور ان کے اصول کے کسی بطن میں مرد و عورت کا اختلاف نہیں ہے بلکہ پہلے بطن میں سب مرد ہیں اور دوسرے بطن میں سب عورتیں اس لئے دونوں کو برابر دیا گیا اور دوسری مثال میں بھی دونوں ذی فرض کی اولاد ہیں اور دونوں عورتیں ہیں اور ان کے اصول کے کسی بطن میں پہلی مثال کی طرح مرد و عورت کا اختلاف نہیں ہے اس لئے دونوں کو برابر دیا۔ مثال آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

مثال (۱) میت ـ مسئلہ ۲

بیٹا	بیٹا
بیٹی	بیٹی
بیٹا	بیٹا
۱	۱

مثال (۲) میت ـ مسئلہ ۲

بیٹا	بیٹا
بیٹی	بیٹی
بیٹی	بیٹی
۱	۱

اس کی مثال جس میں سب ذوی الارحام کی اولاد ہوں اور ان کے اصول میں کسی بطن میں اختلاف نہیں ہے یہ ہیں پہلی مثال سب عورتیں ہیں۔ دوسری مثال میں سب مرد

(۱) میت ـ مسئلہ ۳

بیٹی	بیٹی	بیٹی
بیٹی	بیٹی	بیٹی
بیٹی	بیٹی	بیٹی
۱	۱	۱

(۲) میت ـ مسئلہ ۳

بیٹی	بیٹی	بیٹی
بیٹا	بیٹی	بیٹی
بیٹا	بیٹا	بیٹا
۱	۱	۱

اور اگر بعض مرد ہوں اور بعض عورتیں تو مرد کو عورت سے دو چند ملے گا اور موجودین پر ترکہ ابدان کے اعتبار سے تقسیم ہوگا جیسے مثال ذیل میں دونوں صاحب فرض کی اولاد ہیں اور مرد عورت ہونے کی وجہ سے مختلف ہیں للذکر مثل حظ الانثیین کے قاعدہ سے دو لڑکے کو اور ایک لڑکی کو ملا۔

میت ـ مسئلہ ۳

بیٹا	بیٹا
بیٹی	بیٹی
بیٹا	بیٹی
۲	۱

اور اس کی مثال جسمیں سب ذوی الارحام کی اولاد ہوں اور مرد عورت ہونے میں مختلف ہوں یہ ہے

میت ـ مسئلہ ۴

بیٹی	بیٹی	بیٹی
بیٹی	بیٹی	بیٹی
بیٹا	بیٹی	بیٹی
۲	۱	۱

خواہ ان کے اصول کی صفت ذکورت و انوثت میں متفق ہو (صفت اصل سے وہ مراد ہے جو دوسرے بطن کا اصل ہے) یا مختلف ہو اس طرح کہ بعض کا مورث مرد ہو اور بعض کی مورث عورت ہو اس

وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی يُعْتَبِرُ اَبْدَانَ الْفُرُوْعِ اِنِ اتَّفَقَتْ صِفَةُ

الْاُصُوْلِ مُوَافِقًا لَهُمَا وَيُعْتَبِرُ الْاُصُوْلَ اِنِ اخْتَلَفَتْ صِفَاتُهُمْ

فی الذکورة والانوثة ۱۲ — بان کان بعضهم ذکورا والبعض اناثا ۱۲

وَيُعْطِی الْفُرُوْعَ مِيْرَاثَ الْاُصُوْلِ مُخَالِفًا لَهُمَا كَمَا اِذَا تَرَكَ

ای عند ابی یوسف والحسن ۱۲ — حال من الضمیر الراجع الی محمد فی قوله یعطی الفروع ۱۲

اِبْنَ بِنْتٍ وَبِنْتَ بِنْتٍ عِنْدَهُمَا يَكُوْنُ الْمَالُ بَيْنَهُمَا لِلذَّكَرِ مِثْلُ

حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ بِاعْتِبَارِ الْاَبْدَانِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ كَذٰلِكَ

لِاَنَّ صِفَةَ الْاُصُوْلِ مُتَّفِقَةٌ وَلَوْ تَرَكَ بِنْتَ اِبْنِ بِنْتٍ وَاِبْنَ بِنْتِ

بِنْتٍ عِنْدَهُمَا الْمَالُ بَيْنَ الْفُرُوْعِ اَثْلَاثًا بِاعْتِبَارِ الْاَبْدَانِ ثُلُثَاهُ

للذکر مثل حظ الانثیین ۱۲ — ای ثلثاه ۱۲

لِلذَّكَرِ وَثُلُثُهُ لِلْاُنْثٰی وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ الْمَالُ بَيْنَ

کما فی الصورة السابقة ۱۲ — لان ذلک نصیب ۱۲

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

صورت میں بھی امام ابو یوسفؒ اور حسن بن زیاد کے نزدیک ابدان فروع کے اعتبار سے ترکہ تقسیم ہوگا اصول مختلفہ کا اعتبار نہ کیا جائیگا بلکہ فروع کا اعتبار ہوگا یعنی مرد کو دو سہم اور عورت کو ایک سہم دیا جائیگا پس اگر فروع میں صرف مرد ہوں یا صرف عورتیں ہوں تو ان پر مساوی طور تقسیم ہو جائے گی اور اگر ان میں اختلاط ہوگا کہ مرد و عورت دونوں ہوں تو مرد کو عورت سے دونا ملے گا مثلاً دو غیر قاتل کی اولاد ایک درجہ میں ہوں ان میں سے ایک کی اصل مرد ہو جیسے نواسہ کی بیٹی اور دوسرے کی اصل عورت ہو جیسے نواسی کا بیٹا تو اس صورت میں بھی امام ابو یوسف کے نزدیک ابدان فروع کے اعتبار سے تقسیم ہوگی نہ اصول کے اعتبار سے پس مثال مذکور میں بھی مسئلہ تین سے ہو کر نواسی کے بیٹے کو دو اور نواسہ کی بیٹی کو ایک حصہ ملے گا۔ اگر اصول کا اعتبار ہوتا تو مسئلہ بالعکس ہوتا یعنی نواسہ کی بیٹی کو دو حصہ اور نواسی کے بیٹے کو ایک حصہ ملتا۔ امام ابو یوسف کے مذہب کا حاصل یہ ہے کہ اصل کا بالکل اعتبار نہیں بلکہ فروع کا اعتبار ہے

الْأُصُوْلِ أَعْنِيْ فِي الْبَطْنِ الثَّانِيْ أَثْلَاثًا ثُلُثَاهُ لِبِنْتِ ابْنِ الْبِنْتِ

الذی ھو اول ما وقع فیہ اختلاف بالذکورۃ والانوثۃ وھم بنت البنت وابن البنت ۱۲

نَصِيْبُ أَبِيْهَا وَثُلُثُهُ لِابْنِ بِنْتِ الْبِنْتِ نَصِيْبُ أُمِّهٖ وَكَذٰلِكَ عِنْدَ

مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ إِذَا كَانَ فِيْ أَوْلَادِ الْبَنَاتِ بُطُوْنٌ مُخْتَلِفَةٌ

المتساویات فی الدرجۃ ۱۲

يُقْسَمُ الْمَالُ عَلٰى أَوَّلِ بَطْنٍ اخْتَلَفَ فِي الْأُصُوْلِ ثُمَّ يَجْعَلُ

بالذکورۃ والانوثۃ والذکر مثل حظ الانثیین ۔ للذکر مثل حظ الانثیین ۱۲

الذُّكُوْرُ طَائِفَةً وَالْإِنَاثُ طَائِفَةً بَعْدَ الْقِسْمَةِ فَمَا أَصَابَ

ملیس ۃ ۱۲ ۔ اخرٰی ۱۲ ۔ علی الذکور والاناث ۱۲ مبتدا ۱۲ من اول ۱۲

الذُّكُوْرَ يُجْمَعُ وَيُقْسَمُ عَلٰى أَعْلَى الْخِلَافِ الَّذِيْ وَقَعَ فِيْ أَوْلَادِهِمْ

ای الذکور ۱۲ ۔ بطن وقع فیہ الخلاف علی الذکورۃ والانوثۃ ۱۲ ۔ من ذلک البطن ۱۲

وَكَذٰلِكَ مَا أَصَابَ الْإِنَاثَ وَهٰكَذَا يُعْمَلُ إِلٰى أَنْ يَنْتَهِيَ بِهٰذِهِ الصُّوْرَةِ

یجمع ویقسم علی اول الخلاف الذی وقع فی اولادھن ۱۲ ۔ ای عدد البطون مختلفۃ ۱۲

ترجمہ :۔ امام محمدؒ ان دونوں ابو یوسف رہ وحسن رہ کے موافق ہو کر ابدان فروع کا اعتبار کرتے ہیں بشرطیکہ صفت اصول کی (ذکورت وانوثت) میں متفق ہو۔ اور ان دونوں کے مخالف ہو کر اصول کا اعتبار کرتے ہیں۔ اگر صفت اصول کی ذکورت وانوثت میں مختلف ہو۔ مثلاً جبکہ (میت نے) نواسہ اور نواسی چھوڑی تو ان دونوں (امام ابو یوسفؒ وحسنؒ) کے نزدیک مال ابدان (فروع) کے اعتبار سے ان دونوں (نواسہ اور نواسی) کے درمیان مذکر کو دو عورتوں کے حصہ کی مثل (تقسیم) ہوگا اور محمد رہ کے نزدیک ایسے ہی (مال تقسیم ہوگا) اس لئے اصول کی صفت (ذکورت وانوثت) میں متفق ہے۔ اور اگر (میت نے) نواسہ کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا چھوڑا تو ان دونوں (ابو یوسفؒ وحسنؒ) کے نزدیک ابدان فروع کے اعتبار سے مال تین تہائیوں میں ہو کر اس کے دو تہائی نواسہ کی بیٹی کے لئے جو اس کے باپ کا حصہ ہے اور ایک تہائی نواسی کے بیٹے کے لئے جو اس کی ماں کا حصہ ہے اسی طرح امام محمد رہ کے نزدیک اس وقت ہے جبکہ بیٹیوں کی اولاد میں مختلف بطون (متساوی درجہ کے) واقع ہوں تو مال کو اول بطن پر جس میں (ذکورت وانوثت کی وجہ سے) اصول میں اختلاف واقع ہوا ہے (اس طرح) تقسیم کیا جائے (کہ مرد کو دو حصہ اور عورت کو ایک حصہ دیا جائے) پھر تقسیم کے بعد

مردوں کا ایک علیحدہ گروہ اور عورتوں کا ایک علیحدہ گروہ قرار دیا جائے پس جو کچھ (ترکہ سے) مردوں کو پہنچا ہے وہ جمع کیا جائے اور اس کو اسکی خلاف پر جوان (مردوں) کی اولاد میں واقع ہوا ہے تقسیم کیا جائے اور اسی طرح جو کچھ (ترکہ سے) عورتوں (کے گروہ) کو پہنچا ہے (جمع اور تقسیم کیا جائے) اسی طور پر عمل کیا جائے کہ یہانتک کہ اس صورت کے ساتھ (فروع تک) منتہی ہو جائے۔

لـه قوله یعتبر ابدان الفروع الخ یعنی امام محمدرح بھی ابو یوسف اور حسن بن زیاد کی طرح ابدان فروع کا اعتبار کرتے ہیں۔ اگر اصول میں ذکورت اور انوثت کا اختلاف نہ ہو یا تو سب مورث مرد ہوں یا سب مورث عورتیں ہوں اور ابدان فروع کے اعتبار سے ان کے رؤس پر تقسیم کرتے ہیں اور اس امر میں وہ دونوں اکابر کے موافق ہیں جیسے اوپر کی مثالوں میں کہ میت نے اپنے بعد پوتی کا بیٹا اور پوتی کی بیٹی وارث چھوڑے یا نواسی کا بیٹا اور نواسی کی بیٹی چھوڑی تو دونوں جگہ محمدرح بھی ابدان کے اعتبار سے تقسیم کرینگے۔ مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ دیں گے ۱۲

ـله قوله یعتبر الاصول الخ یعنی امام محمدرح جہاں اصول میں ذکورت اور انوثت کا اختلاف واقع ہو تو وہاں اصول کا اعتبار کرتے ہیں اور اصول پر مسئلہ کی تصحیح کرکے ان کے ابدان کے موافق تقسیم کرکے ان کا حصہ ان کی اولاد کو دیتے ہیں۔ اس جگہ امام محمدرح امام ابو یوسفؒ وحسن بن زیادرح کے خلاف کرتے ہیں اسلئے کہ ابو یوسف رح وحسن رح اگرچہ اصول میں ذکورت اور انوثت کا اختلاف ہو تب بھی ابدان فروع کے اعتبار سے تقسیم کرتے ہیں اور امام محمدرح ایسی حالت میں اصل کے اعتبار سے تقسیم کرتے ہیں یعنی جس کی اصل مرد ہے اس کو دو حصہ اور جس کی اصل عورت ہے اس کو ایک حصہ دیتے ہیں اگرچہ فروع میں مرد ہوں یا عورتیں برخلاف ابو یوسف رح اور حسنؒ کے کہ انکے نزدیک اصل کا بالکل اعتبار نہیں بلکہ تقسیم کا مدار فروع کے اعتبار پر ہے یعنی مرد کے دو حصہ اور عورت کے لئے ایک حصہ ہے اگرچہ ان کی اصل میں ذکورت اور انوثت کی صفت مختلف ہو یا متفق مثلاً میت نے نواسہ اور نواسی وارث چھوڑے یہ مثال ان ذوی الارحام کی ہے جن کے اصول میں ذکورت اور انوثت کا اتفاق ہے۔ یہ دونوں نواسہ اور نواسی درجہ میں مساوی ہیں اور دونوں کے اصول عورت ہونے میں موافقت رکھتے ہیں اس صورتمیں ابو یوسفؒ اور حسنؒ کے نزدیک ابدان فروع کے اعتبار سے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ مال تقسیم ہوکر دو حصہ نواسہ کو اور ایک حصہ نواسی کو ملے گا۔ اور امام محمدرح کے نزدیک بھی اصول میں عورت کے موافق ہونے کی وجہ سے ترکہ اسی طرح تقسیم ہوگا اور اگر میت نے نواسی کا بیٹا اور نواسہ کی بیٹی وارث چھوڑے۔ اس مثال میں صفت اصول میں ذکورت اور انوثت کا اختلاف ہے ایک کی اصل مرد یعنی نواسہ اور دوسرے کی اصل عورت یعنی نواسی ہے

تو اس صورت میں ابو یوسف رح و حسن رح کے نزدیک ابدان فروع کے اعتبار سے مال کے تین حصے ہو کر دو حصے نواسی کے بیٹے کو اور ایک حصہ نواسہ کی بیٹی کو ملیگا اور امام محمد رح کے نزدیک میت کا ترکہ اصول یعنی دوسرے بطن میں جس میں پہلے ذکورت وانوثت کا اختلاف واقع ہوا ہے تقسیم کیا جائیگا پھر اس اصل کا حصہ اس کی اولاد پر تقسیم کر دیا جائیگا ۔ مثال مذکور میں دوسرا بطن نواسہ نواسی کا ہے دونوں کے درمیان للذکر مثل حظ الانثیین کے طور پر تقسیم ہو کر دو سہم نواسہ کو اور ایک سہم نواسی کو ملے گا ۔ نواسہ کی بیٹی دو سہم اپنے باپ کا حصہ پالے گی اور نواسی کا بیٹا ایک سہم اپنی ماں کا حصہ لے لیگا ۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب فروع اور اصول کی صفت میں اختلاف ہو مثلاً نواسہ کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا وارث ہوں تو اس صورت میں امام محمد رح اصول کا اعتبار کرتے ہیں اور مال کو اس بطن اول پر تقسیم کرتے ہیں جس میں ذکورت وانوثت کا اختلاف ہوا ہے مثال مذکور میں بطن ثانی میں اختلاف پڑا ہے اصول نواسہ اور نواسی ہیں تو محمد رح کے نزدیک اصول میں صفت کا اعتبار کر کے للذکر مثل حظ الانثیین کے طور پر مال کے تین حصے ہو کر دو حصے نواسہ کو پہنچ کر اسکی بیٹی کو مل جائیں گے اور ایک حصہ نواسی کو پہنچکر اس کے بیٹے کو مل جائیگا بر خلاف ابو یوسف رح کے کہ وہ ابدان فروع کا اعتبار کرتے ہیں اصول کا اعتبار نہیں کرتے انکے نزدیک مال کے تین حصے ہو کر دو حصے نواسی کے بیٹے اور ایک حصہ نواسے کی بیٹی کو ملے گا ۱۲

۵۳ قولہ و کن للٰہ الخ چونکہ امام محمد رح کا قول بہت سے بطون میں جمع ہونے اور فروع کے اصولوں میں اختلاف واقع ہونے کی صورت میں زیادہ تفصیل اور توضیح کا محتاج تھا اس لئے ماتن رح اس کی توضیح کرتے ہیں کہ امام محمد رح کے نزدیک اسی طرح ترکہ اس وقت بھی جبکہ بیٹیوں کی اولاد میں بطون مختلف مساوی درجہ کے ہوں ۔ اس بطن اول پر تقسیم کرنا چاہیئے جس اصل میں ذکورت اور انوثت کا اختلاف ہے اس طرح کہ مردوں کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ دیا جائے پھر مردوں اور عورتوں پر تقسیم کرنے کے بعد مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ گروہ قرار دیا جائے جو کچھ مردوں کو ترکہ سے مال ملا ہے اس کو جمع کیا جائے ۔ اگر ان مردوں میں جو اصول ہیں اور ان کی فروع میں ذکورت اور انوثت کا اختلاف نہ ہو یعنی وہ صرف مرد ہوں یا صرف عورتیں تو اس مال کو ان مردوں کی اولاد پر تقسیم کیا جائے اور اگر ان مردوں اور ان کی اولاد کے درمیان اصول میں صفت کا اختلاف ہو تو اس سے پہلے بطن پر جس میں اختلاف ہے مال کی تقسیم کیلئے اس کے بعد مردوں کو ایک علیحدہ گروہ اور عورتوں کو ایک علیحدہ گروہ قرار دے کر پچھلی قرارداد کے موافق تقسیم کرنی چاہیئے اسی طرح جو عورتوں کے گروہ کو پہنچا ہے اس کو جمع کر کے دیکھیں کہ ان کے اور ان کے فروع کے درمیان اختلاف نہیں ہے یا ہے ۔ اگر نہ ہو تو ان کی فروع پر تقسیم کر دینا چاہیئے ۔ اختلاف ہونے کی صورت میں سب سے پہلے بطن پر جس میں ذکورت وانوثت کا اختلاف ہے تقسیم کر دیا جائے اسی طرح

انتہائے فروع تک عمل کرنا چاہیئے خلاصہ یہ ہے کہ اگر بہت سے بطون ہوں اور اصول کی صفت بھی مختلف ہو تو امام محمد رحمہ کے قول کے مطابق پہلے اس بطن پر جس میں ذکورت، اور انوثت کا اختلاف ہے اس طرح تقسیم کریں کہ مرد کو دو حصّہ اور عورت کو ایک حصّہ دیں پھر مردوں کے گروہ کے سہام ان کی اولاد کو عورتوں کے گروہ کے سہام ان کی اولاد کو دیں اگر دوسرے بطون کے درمیان پھر اختلاف واقع ہو تو پھر مردوں اور عورتوں کے گروہ علیحدہ علیحدہ کر کے ہر ایک کی اولاد کو ان کے حصّہ دے دیں جس بطن کے درمیان اختلاف نہ ہو تو اصل کے سہام ان کی اولاد کو دیدیئے جائیں اور انتہا تک اسی طرح تقسیم کی جائے گی چنانچہ اگلی مثال سے روشن ہے ۱۲

عند ابی یوسف رح المسئلۃ من ۱۵

وعند محمد رح المسئلۃ من ۱۵ وتصحیحها من ۶۰

میت

بطن اول

بنت بنت بنت بنت بنت بنت بنت ابن ابن

طائفۃ البنات $\frac{9}{36}$ — طائفۃ الابناء $\frac{6}{24}$

بطن ثانی

بنت بنت بنت بنت بنت بنت بنت بنت بنت بنت بنت بنت

لو جعل هذا البطن الاول والاول ثانی لکان اظهره لما لم یکن فی هذا البطن اختلاف فی الذکورة والانوثة لکل بنت نقل ۲۲ الی اولاد الابناء فی

بطن ثالث

بنت بنت بنت بنت بنت | ابن ابن ابن | بنت بنت | ابن

۱۸ | ۱۸ | $\frac{3}{12}$ | $\frac{3}{12}$

بطن رابع

بنت بنت بنت | ابن ابن ابن | بنت بنت | ابن | بنت بنت بنت بنت

۶ | ۱۲ | ۹ | ۹ | ۱۲ | ۱۲

بطن خامس

بنت بنت | ابن | ابن | بنت | ابن | بنت | بنت بنت | بنت | بنت | ابن | بنت

۳ | ۳ | ۳ | ۶ | ۳ | ۹ | ۹ | $\frac{1}{4}$ | $\frac{2}{8}$ | ۱۲

بطن سادس

بنت	ابن	بنت	ابن	بنت	بنت	ابن	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت
۱	۲	۳	۴	۶	۲	۶	۳	۹	۴	۸	۱۲
تسکینہ	حمید احمد	جمیلہ	فرید احمد	رئیسہ	انیسہ	محمود احمد	حسینہ	میمونہ	زائبہ	راشدہ	خالدہ
۱	۲	۳	۴	۶	۲	۶	۳	۹	۴	۸	۱۲

سلہ اگر اس مسئلہ میں مصنفؒ دوسرے بطن کو پہلے بطن کی جگہ اور پہلے بطن کو دوسرے بطن کی جگہ لکھتے تو یہ زیادہ ظاہر ہوتا۔ یہ چھ بطن کی مثال ہے۔

ابو یوسفؒ کے نزدیک مسئلہ ۱۵ سے ہوگا اور محمدؒ کے نزدیک مسئلہ ۱۵ سے ہو کر اس کی ۶۰ سے تصحیح ہوگی۔

مسئلہ: ابو یوسفؒ کے نزدیک مسئلہ ۱۵ سے ہوگا ــــــــ اور محمدؒ کے نزدیک مسئلہ ۱۵ سے ہو کر ۶۰ سے تصحیح ہوگی

پہلا بطن

بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی بیٹا بیٹا بیٹا

$\frac{۹}{۳۶}$ $\frac{۶}{۲۴}$

دوسرا بطن

بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی

اس بطن میں چونکہ ذکورت و انوثت کا اختلاف نہیں ہے بلکہ ہر بیٹے کی ایک بیٹی ہے لہٰذا ۲۴ سہام تیسرے بطن میں ان کی اولاد کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔

تیسرا بطن

بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی | بیٹا بیٹا بیٹا | بیٹی بیٹی | بیٹا

۱۸ | ۱۸ | $\frac{۳}{۱۲}$ | $\frac{۳}{۱۲}$

چوتھا بطن

بیٹی بیٹی بیٹی | بیٹا بیٹا بیٹا | بیٹی بیٹی بیٹا | بیٹی بیٹی | بیٹی

۶ | ۱۲ | ۹ ۹ | ۱۲ | ۱۲

پانچواں بطن

بیٹی بیٹی | بیٹا | بیٹی بیٹی | بیٹا | بیٹی بیٹی بیٹی | بیٹی | بیٹا | بیٹی

۳ | ۳ | ۶ | ۶ | ۹ ۹ | $\frac{۱}{۴}$ | $\frac{۲}{۸}$ | ۱۲

۱۶

چھٹا بطن

بیٹی	بیٹا	بیٹی	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
شکیلہ	حمید احمد	جمیلہ	فرید احمد	رئیسہ	انیسہ	محمود احمد	حسینہ	میمونہ	رابعہ	راشدہ	خالدہ
١	٢	٣	۴	٢	٦	٦	٣	٩	۴	٨	١٢

اس مسئلہ کا حل اس طرح ہے کہ اس مسئلہ میں جو چھٹے بطن کا ہے بارہ شخص ذوی الارحام ہیں انمیں سے نو عورتیں شکیلہ، جمیلہ، رئیسہ، انیسہ، میمونہ، رابعہ، راشدہ اور خالدہ ہیں اور تین مرد حمید احمد فرید احمد اور محمود احمد ہیں یہ سب چھٹے بطن میں ہیں اور انمیں کوئی ولد وارث نہیں ہے انکے اصول کے کئی بطنوں میں ذکورت اور انوثت کا اختلاف ہے امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک تو ان پر تقسیم ترکہ بالکل آسان ہے کہ ان کے درمیان بلا لحاظ اصول للذکر مثل حظ الانثیین کے طور پر تقسیم کر دیجائے پس امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک پندرہ سے مسئلہ بنا کر نو عورتوں میں سے ہر ایک کو ایک سہم اور تین مردوں میں سے ہر ایک کو دو سہم ملجائیں گے مگر محمد رح کے نزدیک ابتداءً پہلے بطن پر جو کہ اس مسئلہ میں اعلیٰ خلاف ہے اس طرح تقسیم کیا جائیگا کہ للذکر مثل حظ الانثیین کے قاعدہ کیمطابق ہر عورت کو ایک سہم اور ہر مرد کو دو سہم ملیں گے۔ پھر عورتوں اور مردوں کے ہر ایک گروہ کو انکے نیچے خط عرضی کھینچکر الگ الگ کر دیا اور ہر گروہ کے سہام کو جمع کر کے اس گروہ کے خط عرضی کے نیچے لکھدیا یعنی نو عورتوں کے نو سہام انکے خط عرضی کے نیچے اور تین مردوں کے چھ سہام انکے خط عرضی کے نیچے لکھدیئے پھر مردوں کے نیچے بطون میں لحاظ کیا کہ انمیں اعلیٰ خلاف کون ہے تو تیسرے بطن میں جو دو بیٹیوں اور ایک بیٹے پر مشتمل ہے اعلیٰ خلاف پایا۔ اسلئے کہ دوسرے بطن میں اختلاف نہیں ہے۔ تیسرے بطن پر مردوں کے چھ سہام کو للذکر مثل حظ الانثیین کے طور پر تقسیم کیا۔ انمیں ٣ سہام دو بیٹیوں کو اور ٣ سہام ایک بیٹے کو پہنچے پھر باقی عمل بدستور سابق کیا یعنی مردوں اور عورتوں کے ہر ایک گروہ کو ان کے نیچے خط عرضی کھینچ کر الگ الگ کر دیا اور ہر گروہ کے سہام کو کہ تین تین ہیں انکے خط عرضی نیچے رکھدیا پھر چونکہ اب بیٹے کے سلسلہ بطن میں اختلاف نہیں ہے سب عورت ہی میں متفق ہیں اسلئے اسکے تین سہام اسکی موجود فرع یعنی خالدہ کو جو چھٹے بطن میں ہے دیدیئے گئے پھر عورتوں کے گروہ یعنی دو بیٹیوں کے نیچے کے بطون میں لحاظ کیا کہ اب انمیں اعلیٰ خلاف کون ہے تو پانچویں بطن کو جو ایک بیٹے اور ایک بیٹی پر مشتمل ہے اعلیٰ خلاف پایا کیونکہ چوتھے بطن میں اختلاف نہیں ہے۔

پس پانچویں بطن پر بھی بیٹیوں کے تین سہام کو بطریق مذکور تقسیم کر کے ایک سہم بیٹی کو اور دو سہم بیٹے کو دیکر باقی عمل بدستور کیا پھر چونکہ اب دونوں کے سلسلہ میں اختلاف باقی نہ رہا بیٹے کے دو سہام اسکی فرع موجود راشدہ کو اور بیٹی کا ایک سہم اسکی فرع موجود رابعہ کو مل گیا اسکے بعد پہلے بطن کی عورتوں کے گروہ کے نیچے کے بطون میں غور کیا کہ اب انمیں اعلیٰ خلاف کون ہے تو تیسرے بطن کو اعلیٰ خلاف پایا اسلئے کہ دوسرے بطن میں اختلاف نہیں ہے پس تیسرے بطن پر بھی بیٹیوں کے نو سہام کو بطریق مذکور تقسیم

کیا اور چونکہ اس بطن میں چھ بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں اور تین بیٹے بمنزلہ چھ بیٹیوں کے ہوتے ہیں سب ملکر
بمنزلہ بارہ بیٹیوں کے ہوگئے اور نو سہام بارہ پر پورے پورے تقسیم نہیں ہوسکتے اور چونکہ دونوں میں
توافق یا لثلث ہے اسلئے تصحیح کے قاعدہ کیموافق رؤس کے ثلث یعنی چار کو اصل مسئلہ ۱۵ میں
ضرب دیا۔ ساٹھ حاصل ہوئے انمیں سے حسب قاعدہ چوبیس ۲۴ پہلے بطن کے مردونکے گروہ کو دیئے جوان کی
فروع موجودین کو اس طرح پر بارہ خالدہ کو اور آٹھ راشدہ کو اور چار رابعہ کو پہنچے اور چھتیس سہام
پہلے بطن کی عورتونکے گروہ کو دیئے جسمیں سے اٹھارہ تیسرے بطن کے مردونکے گروہ کو اور اٹھارہ اس کی
عورتونکے گروہ کو پہنچے پھر تیسرے بطن کے مردوں اور عورتوں کے ہرایک گروہ کو اُن کے نیچے ایک
ایک خط عرضی کھینچکر الگ الگ کردیا اور ہرایک گروہ کے سہام کو کہ اٹھارہ ہیں ان کے خط مذکور کے نیچے
رکھا۔ پھر مردوں کے نیچے کے بطنوں میں غور کیا کہ اب ان میں اعلیٰ خلاف کون ہے تو چوتھے بطن کو جو
دو بیٹیوں اور ایک بیٹے پر مشتمل ہے اعلیٰ خلاف پایا پس اسپر بھی مردونکے اٹھارہ سہام لطریق مذکور تقسیم
کرکے نو سہام دو بیٹیوں کو اور نو ایک لڑکے کو دیکر باقی عمل بدستور کیا اور اب چونکہ بیٹے کے سلسلہ میں کہیں
اختلاف نہیں ہے سب عورتیں ہیں متفق ہیں اسلئے اسکے نو سہام کو اسکی فرع موجود میمونہ کو مل گئے اور چونکہ
بیٹیوں کے گروہ کے چھٹے بطن میں بھی اختلاف ہے اور ایک بیٹے اور ایک بیٹی پر مشتمل ہے اسلئے ان پر بھی بیٹیوں
کے نو سہام کو لطریق مذکور تقسیم کرکے چھ سہام محمود احمد کو اور تین سہام حسینہ کو پہنچے پھر تیسرے بطن کی عورتونکے گروہ
کے نیچے کے بطنوں میں غور کیا کہ انمیں اب اعلیٰ خلاف کون ہے تو چوتھے بطن میں جو تین بیٹوں اور تین بیٹیوں پر مشتمل ہے
اعلیٰ خلاف پایا۔ پس اس پر بھی عورتونکے اٹھارہ سہام کو لطریق مذکور تقسیم کرکے بارہ سہام تین بیٹوں کو اور چھ تین
بیٹیوں کو دیکر باقی عمل بدستور کیا پھر مردونکے نیچے کے بطنوں میں غور کیا کہ اب انمیں اعلیٰ خلاف کون ہے تو پانچویں
بطن کو جو دو بیٹیوں اور ایک بیٹے پر مشتمل ہے اعلیٰ خلاف پایا پس اس پر بھی مردونکے بارہ سہام کو لطریق مذکور
تقسیم کرکے چھ دو بیٹیوں کو اور چھ بیٹے کو دیکر عمل بدستور کیا چونکہ اب بیٹے کے سلسلہ میں کہیں اختلاف نہیں ہے
اسلئے اسکے چھ سہام اسکی فرع موجود انیسہ کو دیدیئے اور چونکہ عورتوں کے چھٹے بطن میں اختلاف ہے جو ایک بیٹے
اور ایک بیٹی پر مشتمل ہے اسلئے اس پر بھی بیٹیوں کے چھ سہام کو مذکور تقسیم کرکے چار سہام بیٹے فرید احمد کو اور دو سہام
بیٹی جمیلہ کو دیدیئے پھر چوتھے گروہ کی عورتونکے نیچے بطنوں میں غور کیا کہ اب انمیں اعلیٰ خلاف کون ہے تو پانچویں
بطن کو جو دو بیٹوں اور ایک بیٹے پر مشتمل ہے اعلیٰ خلاف پایا پس اس پر بھی بیٹوں کے چھ سہام کو لطریق
مذکور تقسیم کرکے تین سہام دو بیٹیوں کو اور تین سہام بیٹے کو دیکر باقی عمل بدستور کیا۔ پھر چونکہ اب بیٹے کے
سلسلہ میں اختلاف نہیں ہے اسلئے اسکے تین سہام اس کی فرع موجودہ جمیلہ کو دیدیئے اور چونکہ بیٹیوں کے
گروہ کے چھٹے بطن میں اختلاف ہے اور ایک بیٹی اور ایک بیٹے پر مشتمل ہے اسلئے اسپر بھی بیٹیوں کے تین
سہام کو لطریق مذکور تقسیم کرکے ایک سہم بیٹی شکیلہ کو اور دو سہم بیٹے حمید احمد کو دیدیئے

وكذالك محمد رحمه الله تعالى يأخذ الصفة من الاصل حال

عن التعدد ١٢ — اى الذكورة والانوثة

القسمة عليه والعدد من الفروع كما اذا ترك ابنى بنت بنت

اى على الاصل ١٢ — الميت ١٢ — وارثين مذكورين بثلث وساقط

وبنت ابن بنت بنت وبنتى بنت ابن بنت بهذه الصورة

التى تقرء الى عكس الكتابة فيشرع من — م بسطر الرابع ويقال ابنى بنت بنت وعلى هذا القياس ١٢

مسئلة المسئلة من ٧ وتصح من ٢٨

١	بنت	بنت	بنت
٢	بنت	بنت	ابن
٣	بنت	ابن	بنت
٤	ابنى	بنت	بنتى
	٦	٦	١٦
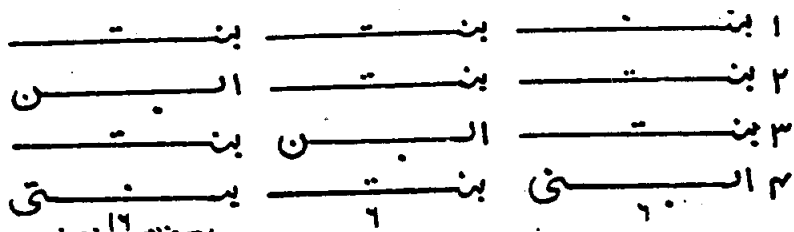
عند ابى يوسف رحمه الله تعالى يقسم المال بين الفروع اسباعا

باعتبار ابدانهم وعند محمد رحمه الله تعالى يقسم المال

على اعلى الخلاف اعنى فى البطن الثانى اسباعا باعتبار عدد الفروع

فى الاصول اربعة اسباعه لبنتى بنت ابن البنت نصيب جدهما

متعلق بالاعتبار ١٢ — اى ذكر ١٢ — وهو الابن الذى

وثلثة اسباعه وهو نصيب البنتين يقسم على ولديهما اعنى

نزل فى البطن الثانى منزلة بنتين ١٢ — وهو الابن والبنت ١٢

فى البطن الثالث انصافا فنصفه لبنت ابن بنت البنت نصيب

اى المقسوم الذى هو ثلثة الاسباع ١٢

ابيها والنصف الآخر لابنى بنت بنت البنت نصيب امهما

وهو الابن الذى كان فى البطن الثالث ١٢ — من ثلثة اسباع ١٢

وَتَصِحُّ الْمَسْئَلَةُ مِنْ ثَمَانِيَةٍ وَّعِشْرِيْنَ وَقَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى

اَشْهَرُ الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ جَمِيْعِ ذَوِي الْاَرْحَامِ

وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى

وبالکثر مشائخ بخاری اخذ القول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۲

ترجمہ :- اور اسی طرح تقسیم ترکہ کے وقت محمد اصل سے (ذکورت وانوثت کی) صفت اور (اصل میں) فروع سے عدد لیتے ہیں مثلاً جب میت نے نواسی کی بیٹی کے دو بیٹے اور نواسی کے بیٹے کی ایک بیٹی اور نواسی کی بیٹی کی دو بیٹیاں وارث چھوڑے تو اس صورتیں ابویوسف رہ کے نزدیک مال فروع کے درمیان انکے ابدان کے اعتبار سے سات حصہ ہوکر تقسیم کیا جائیگا اور امام محمد رہ کے نزدیک مال اعلیٰ خلاف یعنی دوسرے بطن پر اصول میں عدد فروع کے اعتبار سے سات حصہ ہوکر تقسیم کیا جائیگا۔ ان (سات حصوں میں) سے چار حصہ نواسہ کی بیٹی کی دونوں بیٹیوں کے لئے ان دونوں کے دادا کا حصہ ہے ۔ اور ان (سات حصوں میں) سے تین حصے دونوں بیٹیوں کا حصہ ہے جو ان دونوں کی اولاد پر یعنی تیسرے بطن میں نصفا نصف ہوکر تقسیم ہو جائیگا۔ ان (تین حصوں کا) آدھا (ڈیڑھ) نواسی کے بیٹے کی بیٹی کے لئے اس کے باپ کا حصہ ہے اور دوسرا آدھا (ڈیڑھ) نواسی کی بیٹی کی دونوں بیٹیوں کے لئے ان دونوں کی ماں کا حصہ ہے اور مسئلہ کی تصحیح اٹھائیس ۲۸ سے ہو جائے گی اور امام محمد رہ کا قول تمام ذوی الارحام کے بارہ میں ان دو روایتوں میں سے مشہور تر ہے جو امام ابوحنیفہ رہ سے مروی ہیں اور اسی (قول) پر فتویٰ ہے۔

سے قولہ وکذلک الخ - یعنی اسی طرح امام محمد رہ مال کو اصل پر تقسیم کرتے وقت اصل میں مرد یا عورت ہونیکی صفت کا اعتبار کرتے ہیں اور فروع سے عدد کا اصول میں لحاظ کرتے ہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر فروع میں کئی شخص ہوں اور اصل میں صرف ایک مرد ہو یا ایک عورت تو محمد رہ اصل کے ایک مرد یا عورت کو فروع کی تعداد کے موافق کئی مرد یا کئی عورت قرار دیتے ہیں جس طرح تقسیم ترکہ کا اس بطن اول پر جو اصول میں مختلف ہے اعتبار کرتے ہیں ۱۲

سے قولہ کما اذا ترک الخ - یعنی جبکہ میت نے نواسی کی بیٹی کے دو بیٹے عبدالاحد اور عبدالواحد اور نواسی کے بیٹے کی ایک بیٹی فاطمہ اور نواسی کی بیٹی کی دو بیٹیاں آمنہ اور میمونہ وارث چھوڑے اس مسئلہ میں پانچ شخص ذوی الارحام ہیں اور سب چوتھے بطن میں ہیں اور ان کے اصول کے کئی

بطنوں میں ذکورت وانوثت کا اختلاف ہے تو امام ابو یوسف رح کے نزدیک ابدان فروع کا اعتبار کرکے سات سہام سے مسئلہ ہوکر چار سہام نواسی کی بیٹی کے دونوں بیٹوں عبدالاحد عبدالواحد کو اور تین سہام نواسی کی تین بیٹیوں فاطمہ، آمنہ اور میمونہ کو مل جائیں گے کیونکہ دو بیٹے بمنزلہ چار بیٹیوں کے ہیں۔ تین بیٹیاں پہلے ہی سے ہیں سب بیٹیاں ملکر سات ہوئیں مسئلہ ۷ سے ہوگا۔ اس طرح

اور امام محمد رح کے نزدیک ان کے ضابطہ مذکورہ کی بناء پر دوسرے بطن پر جہاں اعلیٰ خلاف واقع ہوا ہے سات حصہ کرکے تقسیم کیا جائیگا

میـــ مسئلہ ۷	
نواسی کی بیٹی کی بیٹیاں ۳	نواسی کی بیٹی کے بیٹے ۲
۳	۴

اسلئے وہ اصول میں اصل کی صفت اور فروع کا عدد دیتے ہیں اور چونکہ اس بطن میں دو عورتیں ہیں جنمیں سے ایک کے عدد فروع دو ہیں۔ لہٰذا اسکو دو فرض کیا پس سب بمنزلہ تین عورتوں کے ہوئیں اور نیز اس بطن میں ایک مرد ہے جس کے عدد فروع دو ہیں لہٰذا اس کو دو فرض کیا اور دو مرد بمنزلہ چار عورتوں کے ہوتے ہیں اسلئے چار یہ اور تین پہلے ملکر بمنزلہ سات عورتیں کے ہوئیں اس لئے مسئلہ ۷ سے ہوا انمیں سے تین سہام تین عورتوں کو پہنچے اور چار مردوں کو پھر مردوں اور عورتوں کے ہر ایک گروہ کو انکے نیچے ایک ایک خط عرضی کھینچ کر الگ الگ کرکے ہر ایک گروہ کے سہام کو یعنی تین کو کہ عورتوں کے سہام ہیں انکے خط عرضی کے نیچے اور چار کو کہ مردوں کے گروہ کے سہام ہیں ان کے خط عرضی کے نیچے رکھدیا۔ پھر چونکہ ان کے گروہ میں کہیں اختلاف نہیں ہے اس لئے اسکے چار سہام اس کی فروع موجودین آمنہ اور میمونہ کو جو چوتھے بطن میں ہیں دیدیئے پھر عورتوں کے گروہ کے نیچے کے بطون میں غور کیا کہ اب ان میں اعلیٰ خلاف کون ہے تو تیسرے بطن کو کہ ایک بیٹے اور ایک بیٹی پر مشتمل ہے اعلیٰ خلاف پایا اور چونکہ بیٹی مذکور کے عدد فروع دو ہیں اسلئے اسکو دو فرض کیا اور ایک بیٹا بمنزلہ دو بیٹیوں کے ہوتا ہے پس یہ دو اور دو پہلے ملکر بمنزلہ چار بیٹیوں کے ہوئے چونکہ عورتوں کے تین سہام ان چار پر پورے پورے تقسیم نہیں ہو سکتے اور دونوں میں تباین ہے اسلئے تصحیح کے قاعدہ کے موافق کل روس یعنی چار کو اصل مسئلہ یعنی سات میں ضرب دیا۔ اٹھائیس حاصل ہوئے ان میں سے ۱۶ سہام دوسرے بطن کے گروہ کو دیئے جو اس کی فروع موجودین پر اس طرح آٹھ آمنہ کو اور آٹھ میمونہ کو پہنچے۔ اور بارہ سہام دوسرے بطن کی عورتوں کے گروہ کو دیئے جس میں سے تیسرے بطن کے مردوں کے گروہ کو چھ پہنچ کر اس کی فرع موجود فاطمہ کو پہنچے اور چھ بطن مذکور کی عورتوں کے گروہ کو پہنچ کر اس کی ہر ایک فرع موجود یعنی عبدالاحد اور عبدالواحد کو تین تین سہام پہنچے۔ اس کی صورت یہ ہے جس کو

اس مسئلہ کے حل کا ایک مشہور طریق یہ بھی ہے کہ تیسرے بطن میں جو ایک بیٹا اور ایک بیٹی واقع ہے اس بیٹی میں فروع کے لحاظ سے تعدد فرض کر لیا گیا ہے پس ایک کی جگہ دو بیٹیاں متصور

ہونگی اس وجہ سے بیٹا بیٹی کے مساوی ہوگیا
اور اس مساوات کے ماننے کا یہ نتیجہ ہے
کہ بیٹے بیٹی کو مساوی مان کر ان کے عدد روٴس
پر تقسیم ترکہ کے وقت لحاظ کیا جائے پس دوسرے
بطن کی ان دونوں بیٹیوں کا حصہ جو تین
سہم ہے دونوں پر پورا پورا تقسیم نہیں ہو سکتا
اور اس بیٹے اور بیٹی کے دو عدد روٴس اور
تین سہام میں جو ان کو اوپر کے بطن سے
پہنچے ہیں مباینت ہے اس لئے تمام عدد

مسئلہ ۲۸/۷

(۱) بیٹی بیٹی بیٹی

(۲) بیٹی بیٹی بیٹا

۳ ۴

(۳) بیٹی بیٹا بیٹی

۶ ۶ ۱۶

بیٹا بیٹا بیٹی بیٹی بیٹی

عبدالاحد عبدالواحد فاطمہ آمنہ میمونہ

۳ ۳ ۶ ۸ ۸

روٴس یعنی دو کو اصل مسئلہ سات میں ضرب دیا چودہ حاصل ہوئے ان میں سے آٹھ نواسی کی بیٹی کی دونوں بیٹیوں کو پہنچیں گے جو ان کے جد کا حصہ ہے اور تین نواسی کے بیٹے کی بیٹی کو ملیں گے جو اس کے باپ کا حصہ ہے اور تین نواسی کی بیٹی کی دونوں بیٹوں کو ملیں گے جو ان کی ماں کا حصہ ہے یہ تین سہام دونوں لڑکوں پر پورے پورے تقسیم نہیں ہو سکتے اسلئے ان کے روٴس دو کو چودہ میں ضرب دیا اٹھائیس ۲۸ حاصل ہوئے اس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی انہیں سے سولہ سہام نواسی کی بیٹی کی دونوں بیٹیوں کو پہنچیں گے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو آٹھ آٹھ سہام ملیں گے اور چھ سہام نواسی کے بیٹے کی بیٹی کو پہنچیں گے اور چھ سہام نواسی کی بیٹی کی دونوں بیٹوں کو پہنچیں گے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو تین تین سہام ملیں گے ۔ ۵۳ قولہ وعلیہ الفتویٰ یعنی تمام ذوی الارحام کے بارے میں امام محمد رح کا قول امام اعظم ابو حنیفہؒ کی دو روایتوں میں سے مشہور تر روایت ہے اور اسی پر فتویٰ ہے ۔ جبکہ ذوی الارحام کی تقسیم میں صاحبین کا بڑا اختلاف ہے پس فتویٰ کس جانب ہے یہ دریافت کرنا لازمات سے ٹھہرا خود ابو یوسفؒ نے اختلاف کرنے سے پہلے یہ روایت کی ہے کہ امام صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ جمیع احکام ذوی الارحام میں محمد کا قول معتبر ہے بعد اس قول کے آپ نے خود اپنی رائے سے اختلاف فرمایا لیکن دفع صعوبت کیلئے صاحب محیط فرماتے ہیں کہ علماء بخارا نے اس قسم کے مسائل میں ابو یوسفؒ کا قول اختیار کیا ہے کیونکہ وہ آسان ہے اور اسکے موافق مسئلہ لکھنا سہل ہے اور شیخ اسبیجابی نے مبسوط میں اسکی تصحیح کی ہے لیکن بظاہر یہ پایا جاتا ہے کہ محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے حالانکہ خلاف صحیح کے کبھی فتویٰ سہولت کیلئے ہوتا ہے اور یہاں اسکے خلاف ہے ۔ اکثر مشائخ بخارا نے رفع صعوبت کی بنا پر امام یوسفؒ کے قول کو اختیار فرمایا ہے اور علماء خوارزم نے اسی پر عمل کیا ہے ماتن کے اشہر الروایتین کہنے سے معلوم ہوا کہ ابو یوسفؒ کا قول بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے لیکن وہ روایت شاذہ نہیں ہے بلکہ قوت شہرت میں مثل دوسری روایت کے ہے

فصل

علماؤنا رحمهم الله تعالى يعتبرون الجهات في التوريث غير أن أبا يوسف رحمه الله تعالى يعتبر الجهات في أبدان الفروع ومحمدا رحمه الله تعالى يعتبر الجهات في الأصول كما إذا ترك بنتي بنت بنت وهما أيضا بنتا ابن بنت وابن بنت بنت بهذه الصورة

عند ابي يوسف رح المسئلة من ٣ عند محمد رح المسئلة من ٧ ثم يضرب في ٤ التصحيح من ٢٨

ميت

بنت	بنت	بنت
بنت	ابن	بنت
٨	١٦	٤
بنتي		ابن
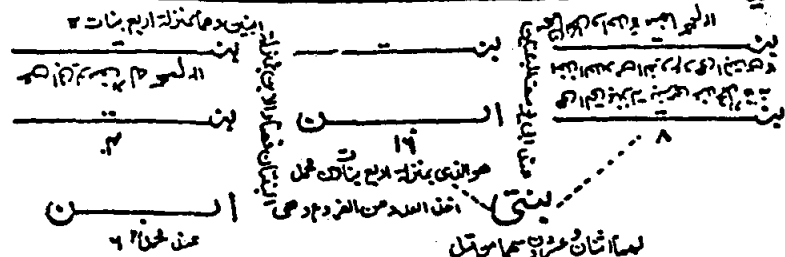
عند أبي يوسف رحمه الله تعالى يكون المال بينهم أثلاثا وصار كأنه ترك أربع بنات وابنا ثلثاه للبنتين وثلثه للابن وعند محمد رحمه الله تعالى يقسم المال بينهم على ثمانية وعشرين سهما للبنتين اثنان وعشرون سهما ستة عشر سهما من قبل أبيهما وستة أسهم من قبل أمهما و

لِلْاِبْنِ سِتَّةُ اَسْهُمٍ مِنْ قِبَلِ اُمِّهٖ

ترجمہ :- فصل - ہمارے علماء (احناف) رحمہم اللہ تعالیٰ ذوی الارحام کی توریث میں (قرابت کی) جہات کا اعتبار کرتے ہیں بجز اس کے کہ ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ابدان فروع میں جہات کا اعتبار کرتے ہیں اور محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اصول میں جہات کا اعتبار کرتے ہیں مثلاً جبکہ میت نے ایک نواسی کی دو بیٹیاں چھوڑیں اور وہ دونوں نواسہ کی بھی بیٹیاں ہیں اور ایک نواسی کا بیٹا چھوڑا اس صورت سے

میت مسئلہ ۲۸ احمد

بنت فاطمہ	بنت رابعہ	بنت خالدہ
بنت ساجدہ	ابن عابد	بنت عائشہ
بنت عقیلہ	بنت شکیلہ	ابن محمود
	۲۲	۶

اس مثال میں امام ابو یوسف رہ کے نزدیک ان کے درمیان مال تین تہائی ہوکر تقسیم ہوگا اور اس وقت یہ ہوا کہ گویا چار بیٹیاں اور ایک بیٹا میت نے چھوڑا۔ اس (مال) کے دو تہائی دونوں بیٹیوں کے لئے ہے اور اس کا ایک تہائی بیٹے کے لئے اور امام محمد کے نزدیک ان کے درمیان مال اٹھائیس سہام پر (اس طرح) تقسیم ہوگا۔ بائیس سہام دونوں بیٹیوں کے لئے سولہ سہام ان دونوں کے باپ کی جانب سے اور چھ سہام ان دونوں کی ماں کی جانب سے ہیں اور بیٹے کے لئے چھ سہام اس کی ماں کی جانب سے ہیں۔

ف قولہ فصل - یہ فصل قسم اول کے مباحث کا تتمہ اور تکمیل ہے۔ وہ یہ کہ حضرت امام ابو حنیفہ رہ اور صاحبین کے نزدیک اصحاب فرائض و عصبات کی طرح ذوی الارحام بھی قرابت کی جہات کے اعتبار سے وارث ہوتے ہیں۔ البتہ حضرت امام ابو یوسف رہ فروع کی جہات کا اعتبار کرتے ہیں - اور امام محمد رہ اصول میں جہات قرابت کا اعتبار کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ قسم اول کے ذوی الارحام کی تقسیم میں صاحبین کا دو طرح کا اختلاف ہے ایک صفت ذکورت اور انوثت میں دوسرا جہت کا اختلاف امام ابو یوسف رہ فروع کی جہت کا اعتبار کرتے ہیں امام ابو یوسف کا یہ مذہب مشائخ ماوراء النہر کی نقل و مذہب کے اعتبار سے ہے۔ مشائخ عراق اور خراسان کہتے ہیں کہ امام ابو یوسف رہ جہات کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ ذو جہتیں ایک ہی جہت سے وارث ہوتا ہے اور امام محمد رہ اصول کی جہت کا اعتبار کرتے ہیں یعنی ایک ذی رحم دو جہت سے میراث

کا استحقاق رکھتا ہو تو دو جہت سے اس کو میراث ملے گی۔ بخلاف جدات کے کہ ایک جہت والی اور دو جہت والی دونوں برابر ہیں ۔پس امام ابو یوسف مطلق ابدان فروع میں دو جہت کا اعتبار کرکے تقسیم کرتے ہیں اور امام محمد رح اپنے قاعدہ کے موافق اس محل میں جس میں اصول کے ذکورت وانوثت کا اختلاف ہے تقسیم کرکے اُن کی اولاد کو جہات کے اعتبار سے حصہ دیتے ہیں۔ مثلاً میت نے اپنی بیٹی کی ایک بیٹی ایسی چھوڑی جو دوسری بیٹی کی پوتی بھی ہے اور تیسری بیٹی کی بیٹی کا ایک لڑکا چھوڑا جس کی صورت یہ ہے۔

اس مسئلہ میں احمد نے نواسی کی ایک بیٹی سلیمہ ایسی چھوڑی جو دوسری بیٹی کی پوتی بھی ہے اور ایک نواسی کا بیٹا حامد چھوڑا۔ احمد کے مرنے کے بعد سلیمہ اور حامد پر امام ابو یوسف کے

	احمد	
بنت فاطمہ	بنت رابعہ	بنت خالدہ
بنت شاہدہ	ابن محمود	بنت ساجدہ
	بنت سلیمہ	ابن حامد

نزدیک اس طرح تقسیم ہوگی کہ مسئلہ چار سے ہوگا اس لئے سلیمہ نواسی کی بیٹی جو نواسہ کی بیٹی بھی ہے دو جہت سے قرابت کی بنا پر بمنزلہ دو بیٹی کے ہے جس کے دو حصے ہوئے۔ نواسی کے بیٹے حامد کے للذکر مثل حظ الانثیین کے قاعدہ سے دو حصہ ہوئے تو مسئلہ چار سے ہو گیا۔ حامد کو جو نواسی کا لڑکا ہے دو حصہ پہنچے اور نواسی کی بیٹی سلیمہ کو جو نواسہ کی بھی بیٹی ہے باعتبار ہر سر قرابت کے دو حصہ پہنچے پھر چونکہ دو دو حصہ کا مستحق ایک ایک شخص ہے لہٰذا اختصار کی بنا پر مسئلہ دو سے کر لیا۔ اور امام محمد رح کے نزدیک مسئلہ چار سے ہوگا ان میں سے تین حصہ سلیمہ نواسی کی بیٹی کو جو نواسہ کی بھی بیٹی ہے ملیں گے اور ایک سہم نواسی کے بیٹے حامد کو ملے گا اس لئے کہ ان کے مذہب کے موافق اول تقسیم بطن ثانی میں ہوگی جہاں اصول میں ذکورت اور انوثت کا اختلاف ہے وہاں ایک نواسہ محمود اور دو نواسیاں شاہدہ اور ساجدہ ہیں۔ محمود نواسہ کو دو حصہ پہنچے اور دونوں نواسیوں شاہدہ اور ساجدہ میں سے ہر ایک کو ایک ایک حصہ ملا۔ پھر محمود نواسہ کے دو حصہ اور شاہدہ نواسی کا ایک حصہ ملا کر تین حصے ان دونوں کی بیٹی سلیمہ کو ملے اور ایک سہم ساجدہ نواسی کے بیٹے حامد کو مل گیا ۱۲

۵۲ قولہ کما الخ۔ یعنی مثلاً میت نے نواسی کی دو بیٹیاں چھوڑیں جو نواسہ کی بھی بیٹیاں ہیں اور ایک نواسی کا بیٹا چھوڑا جس کی صورت یہ ہے۔ شریف کے تین بیٹیاں تھیں مسماۃ فاطمہ رابعہ خالدہ ان تین میں سے ایک بیٹی رابعہ کے ایک لڑکا حامد پیدا ہوا اور دو بیٹیوں فاطمہ اور خالدہ کے دو بیٹیاں ساجدہ اور عارفہ پیدا ہوئیں لیکن ان میں ایک لڑکی ساجدہ کا نکاح حامد سے ہو گیا جن سے دو لڑکیاں عقیلہ اور شکیلہ پیدا ہوئیں اور ایک بیٹی عارفہ سے ایک لڑکا محمود

پیدا ہوا۔ پس اخیر کی دو لڑکیاں عقیلہ اور شکیلہ قرابت کی دو جہت رکھتی ہیں اور لڑکا محمود ایک جہت رکھتا ہے۔ اس مسئلہ میں شریف نے ساجدہ نواسی کی بیٹیاں عقیلہ اور شکیلہ چھوڑیں جو نواسہ حامد کی بھی بیٹیاں ہیں گویا چار بیٹیاں چھوڑیں اس لئے دونوں کو قرابت کی دو جہت حاصل ہیں۔ ایک باپ حامد کی طرف سے اور ایک ماں ساجدہ کی طرف سے دونوں جانب سے دو بیٹیوں کا مجموعہ چار ہوتا ہے ایک عارفہ نواسی کا بیٹا محمود چھوڑا۔ شریف کے مرنے کے بعد شکیلہ و عقیلہ اور محمود پر ترکہ امام ابو یوسف رحہ کے نزدیک تین پر اس طرح تقسیم ہوگا کہ ان میں سے دو سہم عقیلہ اور شکیلہ کو دو قرابت کی وجہ سے پہنچیں گے۔ اور ایک سہم محمود کو ایک قرابت کی وجہ سے ملیگا مسئلہ کی تصحیح تین سے اسلئے ہوگی کہ اسمیں چار بیٹیاں اور ایک بیٹا تسلیم کیا گیا ہے اور چار بیٹیاں بمنزلہ دو بیٹوں کے ہیں اور ایک بیٹا جو موجود ہے گویا میت نے تین بیٹے چھوڑے امام محمدؒ کے نزدیک مثال مذکور میں دوسرے بطن سے تقسیم شروع ہوگی جسمیں دو بیٹیاں ساجدہ اور عارفہ اور ایک بیٹا حامد ہے لیکن بیٹا عدد فروع کے اعتبار سے مثل دو بیٹوں کے ہے جو بمنزلہ چار بیٹیوں کے ہیں اور ساجدہ بیٹی عدد فروع کے اعتبار سے دو بیٹیوں کی طرح ہے ایک بیٹی عارفہ گویا سات بیٹیوں کا مجموعہ ہوگیا پس ان کو سات رؤس قرار دیکر سات سے مسئلہ ہوگا ان میں سے چار سہام حامد کو اور دو سہم ساجدہ کو اور ایک سہم عارفہ کو ملے گا۔ تقسیم مذکور کے بعد اسی دوسرے بطن میں مردوں کا گروہ علیحدہ اور عورتوں کا علیحدہ کیا گیا پھر عورتوں کے گروہ کے تین سہام کو تیسرے بطن میں دو لڑکیوں (عقیلہ اور شکیلہ) اور ایک لڑکے محمود پر جو بمنزلہ دو لڑکیوں کے ہے تقسیم کیا تو یہ تین سہام ان پر پورے پورے تقسیم نہیں ہوتے اس لئے کہ سہام تین اور عدد رؤس چار ہے لہٰذا تصحیح کے قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر عدد رؤس چار کو اصل مسئلہ سات میں ضرب دیا۔ حاصل ضرب اٹھائیس ہوا اور اسی سے مسئلہ کی تصحیح کی انیس سے حامد کے سولہ سہام ہو کر اس کی دونوں لڑکیوں عقیلہ اور شکیلہ میں سے ہر ایک کو آٹھ آٹھ سہام پہنچ گئے اور عورتوں کے گروہ کے بارہ سہام اس طرح ہوئے کہ آٹھ سہام ساجدہ کے اور چار سہام عارفہ کے پھر یہ بارہ سہام تیسرے بطن میں دو لڑکیوں عقیلہ اور شکیلہ اور ایک لڑکے محمود پر للذکر مثل حظ الانثیین کے قاعدہ سے تقسیم کئے تو ہر ایک لڑکی کو تین سہم اور لڑکے کو چھ سہم ملے چونکہ عقیلہ و شکیلہ میں سے ہر ایک کو باپ کی جانب سے آٹھ سہم مل چکے تھے اب اس کی ماں کی جانب سے ہر ایک کو تین سہم اور مل گئے تو ہر ایک کو دونوں جہت سے گیارہ سہم اور دونوں کو بائیس سہم پہنچے اور محمود کو صرف ایک جہت سے یعنی اس کی ماں کی جانب سے چھ سہم پہنچے۔ کل ملکر اٹھائیس ۲۸ ہوگئے۔

فصلٌ فی الصِّنفِ الثانی

اَولٰھم بالمیراثِ اَقربُھم اِلی المیّتِ من اَیِّ جِھةٍ کانَ وعندَ الاِستواءِ فمن کانَ یُدلی بوارثٍ فھو اَولیٰ کابِ اُمِّ الاُمِّ اَولیٰ من اَبِ اَبِ الاُمِّ عندَ اَبی سُھیلِ الفرائضی واَبی فضلِ الخصّافِ وعلیِّ بنِ عیسی البصریِّ ولا تفضیلَ لہٗ عندَ اَبی سلیمانَ الجرجانی واَبی علی البستیِّ واِن استوت منازلھم ولیس فیھم من یُدلی بوارثٍ اَو کانَ کلُّھم یُدلُونَ بوارثٍ واتّفقت صفۃُ من یُدلُونَ بھم واتّحدت قرابتُھم فالقسمۃُ حینئذٍ علی اَبدانِھم واِن اختلفت صفۃُ من یُدلُونَ بھم یُقسَمُ المالُ علی اَوّلِ بطنٍ اختلف کما فی الصِّنفِ الاَوّلِ واِن اختلفت قرابتُھم فالثُّلثانِ لقرابۃِ الاَبِ وھو نصیبُ الاَبِ والثُّلثُ لقرابۃِ الاُمِّ وھو نصیبُ الاُمِّ ثمّ ما اَصابَ لکلِّ فریقٍ یُقسَمُ بینھم کما لو اتّحدت قرابتُھم۔

(یہ) فصل (ذوی الارحام کی) دوسری قسم (کے بیان) میں ہے

ترجمہ :- ان (ذوی الارحام کی دوسری قسم کے لوگوں) میں زیادہ مستحق میراث کا وہ شخص ہے جو میت کی طرف زیادہ قریب ہو خواہ کسی جہت سے (اقرب) ہو (یعنی ماں کی جہت سے ہو یا باپ کی جہت سے) اور (ان کے) درجہ برابر ہونے کے وقت پس (ان میں) جو شخص بواسطہ وارث کے (میت کی طرف) منسوب ہو تو وہ شخص (اس شخص سے جو میت کی طرف بواسطہ وارث کے منسوب نہ ہو میراث کا) زیادہ مستحق ہے جیسے نانی کا باپ نانا کے باپ سے زیادہ مستحق ہے ابی سہیل فرائضی اور ابو فضل خفاف کے نزدیک ہے اور ابو سلیمان جرجانی اور ابو علی بن عیسٰی بصری کے نزدیک (بالواسطہ وارث کے منسوب نہ ہونے والے پر) کوئی فضیلت نہیں ہے اور اگر (قرب و بعد میں) ان سب کے درجہ برابر ہوں اور کوئی ان میں ایسا شخص نہ ہو جو بواسطہ وارث کے میت کی طرف منسوب ہو یا وہ سب بواسطہ وارث کے اس کی طرف منسوب ہوں اور جن کے واسطے سے منسوب ہوتے ہیں ان کی ذکورت اور انوثت کی صفت متفق اور ان کی قرابت متحد ہو (یعنی ہر ایک کی قرابت ایک جہت سے ہو یا تو باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے) تو اس صورتمیں ابدان (کی صفات کے اعتبار) پر (للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہوگی اور اگر ان کے ابدان اور جدات جس کے واسطے سے (میت کی طرف) منسوب ہوتے ہیں (درجہ میں برابر اور جہت قرابت متحد ہونے کی صورتمیں) صفت ذکورت اور انوثت میں مختلف ہوں تو (میت کا) مال اول اس بطن پر جسمیں سب سے پہلے (ذکورت اور انوثت کا) اختلاف ہوا ہے للذکر مثل حظ الانثیین کے قاعدہ سے) تقسیم کیا جائے جیسے کہ (ذوی الارحام کی) پہلی قسم میں کیا ہے اور اگر (درجہ میں برابر ہونے کی صورتمیں) قرابت مختلف ہو تو دو تہائی باپ کی قرابت کے لئے ہے کہ وہ باپ کا حصہ ہے اور تہائی ماں کی قرابت کے لئے ہے کہ وہ ماں کا حصہ ہے پھر ہر فریق کو جو کچھ حصہ پہنچا ہے وہ ان کے درمیان (اس طرح) تقسیم کیا جائے گا جس طرح (اسوقت) تقسیم کیا جاتا ہے جبکہ ان کی قرابت متحد ہوتی۔

لہ قولہ الصنف الثانی - ذوی الارحام کی دوسری قسم کہ جدات فاسدہ اور اجداد فاسد ہیں اگرچہ کتنے ہی اونچے درجہ کے ہوں چار اقسام میں منحصر ہے (۱) نانا، نانا کا باپ اور نانا کے باپ کا باپ (۲) نانا کی ماں، نانا کی ماں کی ماں اور نانا کے باپ کی ماں جہاں تک اوپر درجہ میں ہوں (۳) دادی کا باپ (۴) دادی کے باپ کی ماں اور انکی چار حالتیں ہیں (۱) سب درجہ میں برابر ہوں خواہ باپ کی جانب سے ہوں یا ماں کی جانب سے تو اس صورتمیں اسکو تقدیم ہوگی جو میت کے قریب تر ہو خواہ سب وارث کی طرف منسوب ہوں یا غیر وارث کیطرف خواہ بعض وارث کیطرف منسوب ہوں اور بعض غیر وارث کیطرف اسلئے کہ ذوی الارحام عصبات معنوی ہیں اور عصبات حقیقی میں اقرب کو تقدیم ہوتی ہے پس

عصوبت معنوی میں بھی تقدیم اقرب کے لئے ہونی چاہئے چنانچہ نانا میت کی نانی کے باپ سے اقرب ہے اسلئے نانا کو میت سے ایک واسطہ سے قرب حاصل ہے اور نانی کے باپ کو دو واسطہ سے اسی طرح دادی کا باپ دادی کی ماں کے باپ سے قریب تر ہے اسلئے اول کا میت سے اتصال دو واسطے سے ہے اور دوسرے کا تین واسطہ سے ایسے ہی نانا دادی کے باپ سے اقرب ہے (۲) سب درجہ میں برابر ہوں اور قرابت میں بھی اتحاد ہو یعنی سب ایک جانب کے ہوں خواہ باپ کی جانب کے ہوں خواہ ماں کی جانب کے اور ان کے اصول جس کے واسطے سے وہ میت کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ صفت ذکورت اور انوثت میں متفق ہوں تو ایسی حالت میں ابدان فرع پر ان کی صفت کے اعتبار سے للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہوگی مثلاً میت نے دادی کے باپ کا باپ اور دادی کے باپ کی ماں چھوڑی۔ اس ترکہ کے تین حصہ کرکے دو حصہ دادی کے باپ کے باپ کو اور ایک حصہ دادی کے باپ کی ماں کو ملے گا (۳) سب درجہ میں برابر ہوں اور قرابت بھی متحد ہو لیکن جن کے واسطہ سے یہ میت کیطرف منسوب ہیں انکی صفت ذکورت اور انوثت کا اختلاف واقع ہو تو اس صورت میں اولاً اعلیٰ خلاف یعنی اس بطن پر جسمیں صفت ذکورت اور انوثت کا اختلاف واقع ہوا ہے تقسیم کی جائیگی پھر پہلی قسم میں جو طریقہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس کے مطابق عمل کیا جائیگا مثلاً میت نے باپ کے نانا کی نانی کی ماں مسماۃ عارفہ باپ کی دادی کی نانی کی ماں مسماۃ خالدہ، باپ کے دادا کے نانا کی ماں مسماۃ رابعہ اور باپ کے دادا کی دادی کا باپ محمود وارث چھوڑے اس طرح سے۔

مسئلہ ۳۵

میت

باپ	باپ	باپ	باپ
باپ	باپ	باپ	ماں
۳۰/۶			۱/۵
باپ	باپ	ماں	باپ
۲۴		۶	
باپ	ماں	باپ	ماں
۱۶	۸		
باپ	ماں	ماں	ماں
محمود	رابعہ	خالدہ	عارفہ
۱۶	۸	۶	۵

اس مثال میں چار شخص ذوی الارحام ہیں۔ تین عورتیں عارفہ خالدہ رابعہ اور ایک مرد محمود

اور سب ایک درجہ کے ہیں اور سب باپ کی جانب کے ہیں اور ان کے اصول کے کئی بطنوں میں صفت ذکورت وانوثت کا اختلاف ہے اس لئے اولاً دوسرے بطن پر جو کہ مثال مذکور میں اعلیٰ خلاف ہے للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کی۔ چونکہ اس بطن میں تین مرد اور ایک عورت ہے اسلئے مسئلہ سات سے ہوکر چھ سہام مردوں کو پہنچے اور ایک سہم عورت کو ملا۔ پھر مردوں اور عورتوں کے ہر ایک گروہ کو ان کے نیچے ایک ایک خط عرضی کھینچ کر علیحدہ علیحدہ کرکے ہر ایک گروہ کے سہام کو جمع کرکے خط مذکور کے نیچے رکھدیا۔ پھر چونکہ اب عورتوں کے سلسلہ میں کہیں اختلاف نہیں اس لئے ان کے کل سہام یعنی ایک کو اسکی فرع موجود عارفہ کو دیدیا پھر مردوں کے نیچے کے بطون میں غور کیا کہ ان میں اعلیٰ خلاف کون ہے تو تیسرے بطن کو جو ایک عورت اور دو مردوں پر مشتمل ہے اعلیٰ خلاف پایا اس پر مردوں کے چھ سہام کو بطریق للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کیا۔ بطن مذکور میں چونکہ ایک عورت اور دو مرد جو بمنزلہ چار عورتوں کے ہیں سب ملکر بمنزلہ پانچ عورتوں کے ہوئے اور چھ سہام پانچ عدد رؤس پر پورے پورے تقسیم نہیں ہوسکتے کیونکہ دونوں میں تباین ہے اسلئے تصحیح کے قاعدہ کے مطابق تمام عدد رؤس پانچ کو اصل مسئلہ سات میں ضرب دیا پینتیس حاصل ہوئے ان میں سے پانچ دوسرے بطن کی عورتوں کو دیئے جو اسکی فرع عارفہ کو پہنچے۔ اور تیس بطن مذکور کے مردوں کو دیئے جس میں سے چھ تیسرے بطن کی عورتوں کو ملے اور چوبیس بطن مذکور کے مردوں کو اب چونکہ عورتوں کے سلسلہ میں کہیں اختلاف نہیں اس لئے ان کے چھ سہام اس کی فرع موجود خالدہ کو مل گئے اس کے بعد پھر مردوں کے نیچے کے بطون میں غور کیا کہ اب ان میں اعلیٰ خلاف کون ہے تو چوتھے بطن کو جو ایک مرد اور ایک عورت پر مشتمل ہے اعلیٰ خلاف پایا پس اس پر چوبیس سہام کو بطریق مذکور تقسیم کیا اور ان میں سے آٹھ سہام عورت کو ملے جو اس کی فرع موجود رابعہ کو پہنچے اور سولہ سہام مرد کو پہنچے جو اس کی فرع موجود محمود کو مل گئے (۴) درجہ میں سب برابر ہوں لیکن قرابت میں مختلف ہوں تو باپ کی جانب قرابت رکھنے والے کو دو تہائی ہی جو باپ کا حصہ ہے۔ ماں کی جانب قرابت رکھنے والے کو ایک تہائی ہے جو ماں کا حصہ ہے۔ مثلاً باپ کی نانی کا باپ اور ماں کی نانی کا باپ میت نے وارث چھوڑے تو اس مسئلہ میں ترکہ کے تین حصے کرکے دو حصے باپ کی نانی کے باپ کو اور ایک حصہ ماں کی نانی کے باپ کو پہنچے گا اس لئے کہ جو باپ سے قرابت رکھتا ہے وہ بمنزلہ باپ کے ہے اور جو ماں سے رشتہ رکھتا ہے وہ بمنزلہ ماں کے ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ یہاں یا درجہ میں مساوات ہوگی یا نہ ہوگی دوسری تقدیر پر اقرب اولیٰ ہے اور پہلی تقدیر پر قرابت یا متحد ہوگی یا مختلف ہوگی۔ اگر مختلف ہو تو مال کے تین حصے کرکے تقسیم اسی طرح کریں جیسا کہ ابھی بتا چکے ہیں اور اگر قرابت متحد ہوگی تو اس صورت میں اگر

فصل في الصنف الثالث

اَلْحُكْمُ فِيْهِمْ كَالْحُكْمِ فِي الصِّنْفِ الْاَوَّلِ اَعْنِيْ اَوْلٰهُمْ بِالْمِيْرَاثِ

وهم اولاد الاخوة اولاد بنات الاخوة ۱۲

اَقْرَبُهُمْ اِلَى الْمَيِّتِ وَاِنِ اسْتَوَوْا فِي الْقُرْبِ فَوَلَدُ الْعَصَبَةِ

الی المیت ۱۲

اَوْلٰى مِنْ وَلَدِ ذَوِي الْاَرْحَامِ كَبِنْتِ ابْنِ الْاَخِ وَابْنِ بِنْتِ

بالاخت ۱۲

الْاَخِ كِلَاهُمَا لِاَبٍ وَّاُمٍّ اَوْ لِاَبٍ اَوْ اَحَدُهُمَا لِاَبٍ وَّاُمٍّ

[illegible]

وَالْاٰخَرُ لِاَبٍ اَلْمَالُ كُلُّهٗ لِبِنْتِ ابْنِ الْاَخِ لِاَنَّهَا وَلَدُ الْعَصَبَةِ

ای ابن الاخ ۱۲

وَلَوْ كَانَا لِاُمٍّ اَلْمَالُ بَيْنَهُمَا لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ عِنْدَ

ای بنت ابن الاخ وابن بنت الاخت ۱۲

اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِاعْتِبَارِ الْاَبْدَانِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ

رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْمَالُ بَيْنَهُمَا اَنْصَافًا بِاعْتِبَارِ الْاُصُوْلِ بِهٰذِهِ الصُّوْرَةِ

میت مسئلہ ۳ عند ابی یوسف وعند محمد ۲ وهو ظاهر الرواية ۱۲

الاخ لام	الاخ لام
ابن	بنت
بنت محمد رح ۱ ابو یوسف رح ۱	ابو یوسف رح ۲ ابن محمد رح ۱

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

اصول کی صفت متفق ہو تو تقسیم فروع کے ابدان پر ہوگی اور اگر اصول کی صفت میں اتفاق نہ ہو تو مال اعلیٰ خلاف پر تقسیم کیا جائیگا جیسا کہ پہلی صنف میں کیا جاتا ہے۔ تمام مبحث کا حاصل یہ ہے کہ اجداد فاسدین اور جدات فاسدات میں تقسیم کئی قسم کی ہے (۱) پہلے یہ کہ اقرب اولیٰ ہے ابعد سے (۲) دوسری یہ کہ درصورت مساوی الدرجہ ہونے کے دو حال سے خالی نہیں یا قرابت میں اختلاف ہے۔

(یہ) فصل (ذوی الارحام کی) تیسری قسم (کے بیان) میں ہے

ترجمہ :- اس (تیسری قسم) میں حکم پہلی قسم کی طرح حکم ہے یعنی ان میں اولیٰ بالمیراث وہی جو میت کی طرف قریب تر ہے اور اگر وہ درجہ میں مساوی ہوں تو ولد عصبہ ولد ذوی الارحام سے اولیٰ ہے جیسے میت نے بھائی کے بیٹے کی بیٹی اور بھائی کی بیٹی کا بیٹا (وارث چھوڑے) دونوں حقیقی ہوں یا علاتی یا ایک ان دونوں میں سے حقیقی اور دوسرا علاتی تو مال کل کا کل بھائی کے بیٹے کی بیٹی کے لئے ہے اس لئے کہ وہ ولد عصبہ ہے اور اگر وہ دونوں اخیافی ہوں تو ابو یوسفؒ کے نزدیک مال ابدان (فروع) کے اعتبار سے ان دونوں کے درمیان للذکر مثل حظ الانثیین (تقسیم) ہوگا۔ اور امام محمدرحؒ کے اصول کے اعتبار سے نصفا نصف (تقسیم) ہوگا اس شکل پر

مسئلہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تین سے اور امام محمدؒ کے نزدیک دو سے ہوگا

میت

اخیافی بھائی	احمد	اخیافی بھائی	حامد
بھتیجا	محمود	بھتیجی	رابعہ
بھتیجے کی بیٹی	خالدہ	بھتیجی کا بیٹا	حمید
۱ امام محمدؒ ۲ ابو یوسفؒ کے نزدیک		۱ محمدرحؒ کے نزدیک ۲ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک	

لہ قولہ فصل الخ ۔ مصنف رحؒ جبکہ ذوی الارحام کی دوسری قسم سے فارغ ہوئے اب یہاں ۔ سے تیسری قسم کا حال بیان کرتے ہیں۔ وہ مطلقاً بہنوں کی اولاد اور بھائیوں کی لڑکیاں اور اخیافی بھائیوں

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

(دیا) قرابت متعدد ہے اختلاف قرابت کی صورتیں ترکہ کے تین حصہ کرکے دو سہم پدری قرابتدار کو اور ایک سہم مادری قرابتدار کو دینا چاہیئے اور اتحاد قرابت کی صورتیں اگر اصل ان کی ذکورت و انوثت میں موافق ہے تو رؤس فروع پر تقسیم ہو اگر موافق نہ ہو تو ترکہ کو اول بطن پر جسمیں اختلاف پڑا ہے بانٹنا چاہیئے ۱۲

سے قولہ فلا تفضیل لہ الخ یعنی ابو سلیمان جرجانی اور ابو علی بستی کا مذہب یہ ہے کہ اجداد فاسدین اور جدات فاسدہ کے درجہ میں برابر ہونیکی حالت میں جو بواسطہ وارث کے منسوب ہونے والا ہے اس کو بلا واسطہ وارث کے منسوب ہونے والے پر کوئی فضیلت نہیں ہے ان کے نزدیک دونوں استواء کے وقت مساوی ہیں بشرطیکہ جہت متحد ہو۔ رد المحتار میں اسی کو اصح کہا ہے جیسا کہ اختیار اور ملتقی الابحر وغیرہ میں ہے۔ روح الشروح میں منقول ہے کہ اس پر روایات شاہد ہیں اس لئے کہ اگر اجداد فاسدین اور جدات فاسدہ میں وارث کے انتساب کی وجہ سے ترجیح ہو تو لازم آئے گا کہ متبوع جو جد یا جدہ ہے اپنے تابع کا تابع ہو جائے جو اس کا فرزند ہے

کے لڑکے ہیں اخیافی کی قید اس وجہ سے لگائی گئی کہ حقیقی اور علاتی بھائیوں کے لڑکے عصبات میں داخل ہیں نہ ذوی الارحام میں۔ یہ قسم دس اقسام میں محصور ہے (۱) حقیقی بھائی کی بیٹی (۲) علاتی بھائی کی بیٹی (۳) حقیقی بہن کا بیٹا (۴) حقیقی بہن کی بیٹی (۵) علاتی بہن کا بیٹا (۶) علاتی بہن کی بیٹی (۷) اخیافی بھائی کا بیٹا (۸) اخیافی بھائی کی بیٹی (۹) اخیافی بہن کا بیٹا (۱۰) اخیافی بہن کی بیٹی ان لوگوں کی اولاد بھی اگرچہ کتنے ہی نیچے درجہ کی ہو خواہ مرد ہوں خواہ عورتیں اسی قسم میں داخل ہیں۔ ان کی چھ حالتیں ہیں (۱) سب درجہ میں برابر نہ ہوں تو ایسی صورت میں اسکو تقدیم ہوگی جو میت سے زیادہ قریب رکھتا ہو۔ اگرچہ عورت ہی کیوں نہ ہو مثلاً بھانجی بھائی کے بیٹے سے مقدم ہے (۲) سب درجہ میں برابر ہوں اور سب وارث کی اولاد ہو خواہ سب ذوی الفروض کی اولاد ہوں خواہ عصبہ کی یا بعض ذوی الفروض اور بعض عصبہ کی اولاد ہو تو ایسی حالت میں اس کو ترجیح ہوگی جس کی قرابت سب سے زیادہ قوی ہو مثلاً وہ ذی رحم جس کی اصل حقیقی بھائی ہو وہ اس سے اولیٰ ہے جس کی اصل علاتی بھائی ہو اور جس کی اصل علاتی بھائی ہو وہ اس سے اَولیٰ ہے کہ جس کی اصل اخیافی بھائی ہو (۳) سب درجہ میں برابر ہوں ان میں سے بعض عصبہ کی اولاد ہوں اور بعض ذوی الارحام کی اولاد تو اس صورت میں ولد عصبہ ولد ذوی الارحام سے مقدم ہوگا جیسے حقیقی بھتیجے کی لڑکی حقیقی بھتیجی کے لڑکے سے مقدم ہے اس لئے بھتیجا عصبہ ہے اور بھتیجی ذوی الارحام میں سے ہے (۴) سب درجہ میں برابر ہوں لیکن ان کے اصول میں ذکورت اور انوثت کا اختلاف ہو تو ایسی حالت میں جس بطن میں ذکورت اور انوثت کا اختلاف ہے اسمیں للذکر مثل حظ الانثیین کے حساب سے تقسیم ہوگی لیکن ماں کی فروع میں یہ حساب جاری نہ ہوگا۔ اور ان میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان برابر تقسیم ہوگی (۵) سب وارث کی اولاد ہوں یا سب ذوی الارحام کی اولاد ہوں اور کسی اصل کے عدد فروع میں اختلاف ہو (۶) اسی حالت میں کسی اصل کے جہات متعدد ہوں۔ یاد رکھو! اس قسم میں اصول سے مراد اصول فی الارث ہیں نہ اصول فی النسب اسی طرح فروع سے فروع فی الارث مراد ہیں نہ فروع فی النسب کہ اصول

بقیہ سابق

اور یہ خلاف معقول ہے اور اولاد یعنی صنف اول میں یہ بات لازم نہیں آتی ہے اسلئے وہاں پر جو فرزند وارث کی طرف منسوب ہے وہ اس شخص سے اولیٰ ہے جو وارث کی طرف منسوب نہیں ہے ۱۲

۵۲ قولہ ثم ما اصاب یعنی پھر ہر فریق کو تعدد کی حالت میں جو حصہ ملا ہے اس کو اس فریق کے رؤس پر تقسیم کر دینا چاہیئے۔ یعنی دو تہائی باپ کی قرابت والوں پر تقسیم کئے جائیں اور ایک تہائی ماں کی قرابت والوں پر تقسیم کیا جائے جیسا کہ اتحاد قرابت کی صورت میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

کا فروع ہونا یا فروع کا اصول ہونا لازم نہ آئے۔ ۱۲
۵۲ قولہ الحکم الخ۔ اس قسم کا حکم پہلی قسم کے حکم کی طرح ہے یعنی میراث پانے میں وہ شخص مقدم ہوگا جو میت سے اقرب ہو چنانچہ بہن کی لڑکی بہن کے نواسہ سے مقدم ہے اسلئے وہ اقرب ہے ۱۲
۵۳ قولہ وان استووا الخ اگر یہ لوگ قرب درجہ میں برابر ہوں لیکن بعض ولد عصبہ ہوں اور بعض، ذوی الارحام تو ان میں سے ولد عصبہ ولد ذوی الارحام پر مقدم ہے۔ اگر یہاں پر یہ شبہ کیا جائے کہ جو ذوی الارحام عصبہ کی اولاد ہو وہ ذوی الارحام کی اولاد پر مقدم ہے لیکن اگر کوئی شخص ذوی الفروض کی اولاد ہو اور دوسری ذوی الارحام کی اولاد ہو تو یہ ذوی الفروض کی اولاد بھی ذوی الارحام کی اولاد سے مقدم رہے گی یا نہیں اسکا جواب یہ ہے کہ اس تیسری قسم میں یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ذوی الارحام کی اولاد اور ذوی الفروض کی اولاد کسی ایک درجہ میں اگر مقابل ہو جائیں اسلئے کہ صاحب فرض کی اولاد پہلے بطن میں فقط بہنوں کی اولاد میں سے ہے اور ذوی الارحام کی اولاد دوسرے اور اسکے بعد کے بطن میں ہے اسلئے ان کا اجتماع کسی درجہ میں متصور نہیں ہو سکتا بخلاف عصبہ کی اولاد کے کہ ذوی الارحام کے درجہ میں متصور ہے اسیوجہ سے مصنفؒ نے ولد العصبہ کہا ولد الوارث نہیں کہا ۱۲
(۵۴) قولہ کبنت ابن الاخ الخ مثلاً میت نے حقیقی بھائی کے بیٹے کی بیٹی اور حقیقی بہن کی بیٹی کا بیٹا چھوڑا یا علاتی بھائی کے بیٹے کی بیٹی اور علاتی بہن کی بیٹی کا بیٹا چھوڑا یا حقیقی بھائی کے بیٹے کی بیٹی اور علاتی بہن کی بیٹی کا بیٹا چھوڑا یا علاتی بھائی کے بیٹے کی بیٹی اور حقیقی بہن کی بیٹی کا بیٹا چھوڑا تو ان میں سے بھائی کے بیٹے کی بیٹی بہ نسبت بہن کی بیٹی کے بیٹے سے اولیٰ ہے اس لئے کہ وہ وارث کی لڑکی ہے کیونکہ بھائی کا بیٹا عصبہ بنفسہ ہے اور بھانجی ذوی الارحام میں سے ہے اس صورت میں کل مال بھتیجے کی بیٹی کو ملے گا۔ اسلئے کہ وہ عصبہ کی بیٹی ہے پس حقیقی اور علاتی بھائیوں کے بیٹوں کی بیٹیاں حقیقی اور علاتی بہنوں کی بیٹیوں کی اولاد پر مقدم ہوں گی حقیقی اور علاتی بھائیوں کے بیٹوں کی اسلئے تخصیص کی کہ بھتیجے عصبات میں سے ہیں اور بھتیجیاں اور ان کی اولاد ذوی الارحام میں داخل ہیں ۱۲
۵۵ قولہ ولو کانا الخ یعنی اگر مثال مذکور میں بھائی اور بہن دونوں اخیافی ہوں تو دونوں کی اولاد ذوی الرحم میں سے ہے۔ ابو یوسف رح کے نزدیک ابدان فروع کے اعتبار سے مال تقسیم ہوگا اور مرد کو عورت سے دوچند دیا جائے گا اس لئے مواریث میں قاعدہ ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت ہوتی ہے اور اخیافی بہن بھائیوں کے معاملے میں اس قاعدہ کو اسوجہ سے ترک کیا گیا اور انکو برابر دیا گیا کہ قرآن کریم میں انکے بارےمیں فھم شرکاء فی الثلث وارد ہے کہ اخیافی بھائی بہن تہائی میں برابر کے شریک ہیں تو یہاں یہ قاعدہ کہ مرد کو عورت سے دوچند دیا جائے اس نص کی وجہ سے متروک ہو گیا اور جو چیز قیاس سے مخصوص ہو تو اسکے ساتھ اس شے کو نہیں ملاتے جو تمام وجوہ سے اسکے معنی میں نہ ہو اور ظاہر ہے کہ

وَإِنِ اسْتَوَوْا فِي الْقُرْبِ لَيْسَ فِيهِمْ وَلَدُ عَصَبَةٍ أَوْ كَانَ كُلُّهُمْ

ای الصنف الثالث ۱۲ — کبنت بنت الاخ وابن بنت الاخ ۱۲

أَوْلَادَ الْعَصَبَاتِ أَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ أَوْلَادَ الْعَصَبَاتِ وَبَعْضُهُمْ أَوْلَادَ

أَصْحَابِ الْفَرَائِضِ فَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى يَعْتَبِرُ الْأَقْوَى وَ

قرابۃ — کبنت الاخ لاب وام وبنت الاخ لام ۱۲

مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى يُقَسِّمُ الْمَالَ عَلَى الْإِخْوَاتِ مَعَ اعْتِبَارِ

وهو الظاہر من قول ابی حنیفہ ۱۲ — سیجی بیانہ شرحا ۱۲

عَدَدِ الْفُرُوعِ وَالْجِهَاتِ فِي الْأُصُولِ فَمَا أَصَابَ كُلَّ فَرِيقٍ يُقَسَّمُ

شرحا ۱۲

بَيْنَ فُرُوعِهِمْ كَمَا فِي الصِّنْفِ الْأَوَّلِ، كَمَا إِذَا تَرَكَ ثَلَاثَ بَنَاتِ

من هذہ الاصول ۱۲ — وکذلک ۱۲

إِخْوَةٍ مُتَفَرِّقِينَ وَثَلَاثَةَ بَنِينَ وَثَلَاثَ بَنَاتِ أَخَوَاتٍ مُتَفَرِّقَاتٍ

ای بعضہم عینی وبعضہم علاتی وبعضہم اخیافی ۱۲ — ای الاعیانیۃ والعلاتیۃ والاخیافیۃ ۱۲

بِهٰذِهِ الصُّورَةِ

المسئلۃ من ۴ عند ابی یوسفؒ ومن ۳ الی ۹ عند محمدؒ ۱۲

میت

اخ لاب وام	اخ لاب	اخ لام	اخت لاب وام	اخت لاب	اخت لام
بنت	بنت	بنت	بنت / ابن	ابن / بنت	ابن / بنت

۳ عند محمدؒ ۱۲ — ۱ عند ابی یوسفؒ ۱۲ — محروم عند ابی یوسفؒ ۱۲ — بنت عند محمدؒ ابن — محروم عند ابی یوسف ۲ عندہما ۱۲ — محروم عندہما ۱۲ — [illegible]

عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُقَسَّمُ كُلُّ الْمَالِ بَيْنَ فُرُوعِ بَنِي الْأَعْيَانِ

ثُمَّ بَيْنَ فُرُوعِ بَنِي الْعَلَّاتِ ثُمَّ بَيْنَ فُرُوعِ بَنِي الْأَخْيَافِ لِلذَّكَرِ

مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ أَرْبَاعًا بِاعْتِبَارِ الْأَبْدَانِ

ای ابدان الفروع وصفتہم ۱۲

بقیہ حاشیہ صفحۂ

اخیافی بھائی بہنوں کی اولاد ان کے معنی میں تمام وجوہ سے شریک نہیں ہے اگرچہ بعض وجوہ سے ان کے معنی

ترجمہ ﷺ :- اور اگر یہ سب قرب (درجہ) میں برابر ہوں اور ان میں کوئی ولد عصبہ نہ ہو یا سب کے سب اولاد عصبہ ہوں یا بعض اولاد عصبہ ہوں اور بعض اولاد ذوی الفروض ہوں تو امام ابو یوسفؒ (قرابت میں) قوی تر (شخص) کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور (امام) محمد رہ و امام اعظم اپنے قاعدہ کے موافق) کل مال کو بھائی بہنوں پر اصول میں عدد فروع اور جہات کی رعایت کرتے ہوئے تقسیم کرتے ہیں پھر جو کچھ حصہ (اصول میں سے) ہر فریق کو پہنچا ہے (اس کو) ان کے فروع کے درمیان تقسیم کرتے ہیں۔ جس طرح مصنف اول میں (کیا ہے) جیسے ایک میت نے (اپنے وارث) متفرق بھائیوں کی تین بیٹیاں اور متفرق بہنوں کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑے اس شکل پر ابو یوسف رہ کے نزدیک مسئلہ ۴ سے ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک مسئلہ ۹ سے ہو کر ۴۵ سے تصحیح ہوگی

	حقیقی بھائی	علاقی بھائی	اخیافی بھائی	حقیقی بہن		علاقی بہن		اخیافی بہن	
	بھتیجی	بھتیجی	بھتیجی	بھانجا	بھانجی	بھانجا	بھانجی	بھانجا	بھانجی
ابو یوسفؒ کے نزدیک	۱	محروم	محروم	۲	۱	محروم	محروم	محروم	محروم
محمدؒ کے نزدیک	۳	۰	۱	۲	۱	۰	۰	۱	۱

ابو یوسفؒ کے نزدیک فروع حقیقی بھائیوں میں پھر فروع علاقی پر پھر فروع اخیافی پر کل مال (متروکہ) کے ابدان کے اعتبار سے چار حصے کرکے تقسیم کرنا چاہیئے۔

سلہ قولہ وان استووا الخ اگر یہ تیسری قسم کے ذوی الارحام سب قرب درجہ میں برابر ہوں۔ اور ان میں کوئی ولد عصبہ نہ ہو جیسے میت نے ایک بھائی کی نواسی اور دوسرے بھائی کا نواسا چھوڑا یا سب کے سب اولاد عصبہ ہوں جیسے حقیقی بھائی کی اور حقیقی بہن کی بیٹی یا بعض اولاد عصبہ ہو اور بعض اولاد ذوی الفروض ہوں جیسے حقیقی بھائی کی بیٹی اور اخیافی بھائی کی بیٹی تو اس صورت میں امام ابو یوسفؒ

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

میں ہے چنانچہ علیحدگی کی صورت تو یہ ہے کہ اپنے اصول کی طرح بطور فرضیت کے ان کو توارث حاصل نہیں اور ان کے اصول کی وراثت بطور فرضیت کے ہے اور معنی میں شرکت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی اصول کی طرح ماں کے توسط سے میت کی طرف منسوب ہو کر وارث بنتے ہیں اور امام محمد رہ کے نزدیک اصول کے اعتبار سے مال ادھوں ادھ ہو کر ان دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔ یہی قول ظاہر الروایہ کا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کو میراث کا استحقاق ماں کی قرابت کی وجہ سے حاصل ہے اس قرابت کی وجہ سے مرد کو عورت پر فضیلت کی کوئی وجہ نہیں بلکہ اکثر ادقات

کے نزدیک قوت قرابت کی وجہ ترجیح ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ جس کی اصل حقیقی بھائی ہوگی وہ اس سے مقدم ہوگا کہ جس کی اصل علاتی یا اخیافی بھائی ہو اور جس کی اصل علاتی بھائی ہے وہ اس سے مقدم ہے کہ جس کی اصل اخیافی بھائی ہو پس حقیقی بھائی بہن کی اولاد موجود ہوتے ہوئے علاتی اور اخیافی بھائی بہنوں کی اولاد محروم ہوگی اور علاتی بھائی بہن کی اولاد کی موجودگی میں اخیافی بھائی بہن کی اولاد محروم رہے گی۔ امام محمدؒ اور امام اعظمؒ کے نزدیک ان کے قاعدہ کے موافق اولاً ان کے اصول پر جو اعلیٰ خلاف ہو اصول میں عدد فروع اور جہات اصول کی رعایت کرتے ہوئے تقسیم کی جائیگی پھر تقسیم کے بعد جو کچھ ہر ایک اصل کے حصہ میں آئے گا اس کی فرع کو علیحدہ علیحدہ للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کیا جائیگا جیسا کہ صنف اول میں دستور ہے اسی قول پر فتوی ہے مثلاً میت نے ایک حقیقی بھتیجی، ایک علاتی بھتیجی، ایک اخیافی بھتیجی اور ایک حقیقی بھانجا بھانجی اور ایک علاتی بھانجہ بھانجی اور ایک اخیافی بھانجی بھانجہ چھوڑ کر انتقال کیا۔ اس مثال میں تین بیٹے اور چھ بیٹیاں ہیں۔ امام ابو یوسف رہ کے نزدیک ترکہ کو سب سے اول فروع حقیقی پر روس اور صنف ذکورت و انوثت کا اعتبار کر کے تقسیم کیا جائیگا پس ترکہ کے چار حصہ کر کے دو سہام حقیقی بہن کے بیٹے یعنی حقیقی بھانجے کو اور ایک سہم حقیقی بھائی کی بیٹی یعنی حقیقی بھتیجی کو اور ایک سہم حقیقی بہن کی بیٹی یعنی حقیقی بھانجی کو دیا جائے اور دوسرے وارث محروم رہیں گے اسکی صورت یہ ہے

مسئلہ ۴

حقیقی بھائی	علاتی بھائی	اخیافی بھائی	حقیقی بہن		علاتی بہن		اخیافی بہن	
بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹا	بیٹی	بیٹا	بیٹی	بیٹا	بیٹی
۱	م	م	۲	۱	م	م	م	م

اور اگر حقیقی بھائی بہنوں کی اولاد نہ ہو تو ان کی عدم موجودگی میں علاتی کی اولاد پر روس اور مرد و عورت کے اعتبار سے تقسیم کیا جائیگا اسلئے کہ باپ کی قرابت ماں کی قرابت سے قوی ہوتی ہے۔ اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق) عورت کو مرد پر فضیلت دیدیجاتی ہے۔ دیکھو نانی صاحبہ فرض ہے اور نانا صاحب فرض نہیں ہے ۱۲

ــه۵ قولہ فعن ذا الصورة۔ اس مثال میں دونوں ولد ذوی الفروض ہیں اسلئے کہ اخیافی بھائی بہن ذوی الفروض ہیں اسکا مطلب ہے کہ اگر دو شخص اخیافیوں میں سے فروع ہوں تو امام ابو یوسفؒ ان پر مرد کے لئے دو حصہ اور عورت کے لئے ایک حصہ کے حساب سے تقسیم کرتے ہیں اور امام محمدؒ دونوں پر برابر تقسیم کرتے ہیں اور فرماتے ہیں ماں کی اولاد میں مرد کو عورت پر فضیلت نہیں۔ پس مثال مذکور بالا میں ابو یوسفؒ کے نزدیک مسئلہ تین سے ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک دو سے ہوگا ان کی دلیل یہ ہے کہ اخیافی بھائی بہن فرضیت میں نصفا نصف پاتے ہیں تو ان کی اولاد میں بھی آدھوں آدھ تقسیم ہونی چاہیے ۔ ۱۲

صورت میں بھی ترکہ کے چار حصے کئے جائیں گے کیونکہ مرد کو عورت سے دو چند دیا جاتا ہے ان میں دو حصے علاتی بہن کے بیٹے یعنی علاتی بھانجے کو اور ایک حصہ علاتی بھائی کی بیٹی کو یعنی علاتی بھتیجی کو اور باقی ایک حصہ علاتی بہن کی بیٹی یعنی بھانجی کو ملے گا۔ اخیافی کی اولاد محروم رہے گی اسکی صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۱۲

علاتی بھائی	اخیافی بھائی	علاتی بہن		اخیافی بہن	
بیٹی	بیٹی	بیٹا	بیٹی	بیٹا	بیٹی
۱	۴	۲	۱	۴	۴

ہم اس سے بیشتر یہ بیان کر چکے ہیں کہ فروع اخیافی میں ابو یوسفؒ کے نزدیک للذکر مثل حظ الانثیین کے قاعدے سے تقسیم ہوگی۔ اس لئے مواریث میں قاعدہ یہ ہے کہ فضیلت کی بنا پر مرد کو عورت سے دو چند دیا جاتا ہے اور اخیافی بھائی بہنوں کے معاملے میں جو اس قاعدہ کو ترک کیا گیا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک میں ان کے متعلق نص ہے فھم شرکاء فی الثلث یعنی اخیافی بھائی بہن تہائی میں برابر کے شریک ہیں تو یہاں وہ قیاس کہ مرد کو عورت سے دو چند دیا جائے۔ اس نص کی وجہ سے متروک ہو گیا اور جو نص خلاف قیاس وارد ہو وہ اپنے مورد پر رہتی ہے۔ ۱۲

۵۲ قولہ یعتبر الاقوی۔ یعنی مقدمہ میراث میں امام ابو یوسفؒ قرابت میں جو اقوی ہو اسکا اعتبار کرتے ہیں بشرطیکہ وہ فروع قوت و ضعف میں مختلف ہوں اور قوت میں اصول کے مساوی ہونے کے وقت فروع میں للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہوتی ہے۔ اور اگر فروع فقط مرد ہوں یا فقط عورتیں ہوں تو ان کے درمیان مساوی ترکہ تقسیم کیا جاتا ہے ۱۲

۵۳ قولہ کما فی الصنف الاول۔ یعنی جیسا کہ صنف اول میں دستور ہے کہ اولاً اعلیٰ خلاف پر عدد فروع کا لحاظ کر کے للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہوتی ہے پھر ان اصول کے ہر فریق کو جو کچھ پہنچتا ہے ان کے فروع پر للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کیا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی عمل کیا جائیگا کہ اولاً ان کے اصول پر جو میت کے بہن بھائی ہیں اصول میں عدد فروع اور جہات کی رعایت کرتے ہوئے ترکہ تقسیم کیا جائے اور ہر ایک فریق کے سہام کو جمع کیا جائے پھر ان اصول کے ہر فریق کو جو کچھ پہنچے وہ انکے فروع پر للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کیا جائے مثلاً میت نے حقیقی بھائی کی ایک بیٹی اور اخیافی بہن کی دو بیٹیاں چھوڑیں حقیقی بھائی عصبہ اور اخیافی بہن ذی فرض ہے تو امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں اول حقیقی بھائی اور اخیافی بہن پر تقسیم اس طرح کریں گے کہ اخیافی بہن کو اس کی فروع کے اعتبار سے دو قرار دیں گے اور اصول کی جہات (رشتہ داری) کہ بھائی بہن ہوتی ہے ان کے عدد دن کے ساتھ ملحوظ رکھیں گے۔ گویا میت نے ایک حقیقی بھائی اور دو اخیافی بہنیں چھوڑیں ہیں۔ ایسی

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُقْسَمُ ثُلُثُ الْمَالِ بَيْنَ فُرُوْعِ بَنِي الْاَخْيَافِ

عَلَى السَّوِيَّةِ اَثْلَاثًا لِاسْتِوَاءِ اُصُوْلِهِمْ فِي الْقِسْمَةِ وَالْبَاقِيْ بَيْنَ

فُرُوْعِ بَنِي الْاَعْيَانِ اَنْصَافًا بِاعْتِبَارِ عَدَدِ الْفُرُوْعِ فِي الْاُصُوْلِ

نِصْفُهُ لِبِنْتِ الْاَخِ نَصِيْبُ اَبِيْهَا وَالنِّصْفُ الْاٰخَرُ بَيْنَ وَلَدَيِ

الْاُخْتِ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ بِاعْتِبَارِ الْاَبْدَانِ وَتَصِحُّ

مِنْ تِسْعَةٍ وَلَوْ تَرَكَ ثَلٰثَ بَنَاتِ بَنِي اِخْوَةٍ مُتَفَرِّقِيْنَ بِهٰذِهِ الصُّوْرَةِ

مسئلہ ۱

الاخ لاب وام	الاخ لاب	الاخ لام
ابن	ابن	ابن
بنت	بنت	بنت
۱	م	م

اَلْمَالُ كُلُّهُ لِبِنْتِ ابْنِ الْاَخِ لِاَبٍ وَاُمٍّ بِالْاِتِّفَاقِ لِاَنَّهَا وَلَدُ

الْعَصَبَةِ وَلَهَا اَيْضًا قُوَّةُ الْقَرَابَةِ

ترجمہ :۔ اور امام محمد رہ کے نزدیک تہائی مال کو تین حصہ کرکے اخیافی بھائی بہن کی فروع (یعنی اخیافی بھانجے، بھانجی، بھتیجی) پر ان کے اصول میں تقسیم میں مساوات ہونے کی وجہ سے مساوی طور پر تقسیم کیا

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

صورت میں تہائی دو اخیافی بہنوں کو پہنچاہے اور باقی دو تہائی حقیقی بھائی کو پس حقیقی بھتیجی کو دو تہائی ملیں گے جو اسکی اصل کو پہنچے تھے اور تہائی دو اخیافی بھانجیوں کو ملے گا جو ان کی اصل کا حصہ تھا

جائے ۔ اور باقی (دو تہائی مال) کو حقیقی بھائی بہن کی فروع (حقیقی بھانجی بھانجے بھتیجی) پر اصول میں عدد فروع کا اعتبار کر کے نصفا نصف (تقسیم کر دیا جائے) پھر اس (دو تہائی) کا نصف حقیقی بھتیجی کے لئے ہے جو اس کے باپ کا حصہ ہے اور دوسرا نصف حقیقی بہن کے لڑکے لڑکی کے درمیان باعتبار ابدان کے للذکر مثل حظ الانثیین ہے اور مسئلہ نو سے صحیح ہوگا اور اگر میت نے متفرق بھائیوں کے بیٹوں کی تین بیٹیاں چھوڑیں اس شکل پر

مسـ

حقیقی بھائی	علاتی بھائی	اخیافی بھائی
بیٹا	بیٹا	بیٹا
بیٹی	بیٹی	بیٹی

تو اس صورت میں کل کا کل مال بالاتفاق حقیقی بھتیجے کی بیٹی کے لئے ہے اس لئے کہ وہ ولد عصبہ ہے اور اس کے لئے قوت قرابت بھی ہے ۔

لہ قولہ وعند محمدؒ ۔ یعنی امام محمد رہ کے نزدیک اس مسئلہ میں ترکہ کو اولاً اخیافی بھائی بہن اور حقیقی بھائی بہن کے درمیان تین حصہ کر کے تقسیم کرنا چاہیئے مسئلہ تین سے کر کے اسکا ایک تہائی اخیافی بھائی بہن کو کہ ان کا فرضی حصہ ہے دیا جائے اور اس کے بعد جو دو تہائی باقی رہا وہ حقیقی بھائی بہن کو بطور عصوبت دیدیا جائے پھر اخیافی بھائی بہن کے تہائی مال کو ان کے فروع یعنی اخیافی بھانجے بھانجی بھتیجی پر عدد فروع کے اعتبار سے تین حصہ کر کے مساوی طور پر تقسیم کر دیا جائے کیونکہ ان کے اصول میں تقسیم برابر ہوتی ہے جب اخیافی بہن میں عدد فروع کا اعتبار کیا تو وہ بمنزلہ دو بہن کے ہو جائے گی لہذا وہ دو تہائی مال کے دو تہائی لے گی جو اس کے فروع پر مساوی طور پر بٹ جائیں گے ۔ اور اخیافی بھائی تہائی مال کا ایک تہائی لے گا جو اس کی فرع کو مل جائے گا ۔ حقیقی بھائی بہن کے دو تہائی ان کے فروع یعنی حقیقی بھانجا بھانجی اور بھتیجی پر اس طرح بانٹ دیا جائے کہ اولاً حقیقی بھائی بہن پر عدد فروع کا ان میں اعتبار

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

اور اصل مسئلہ تین سے ہوگا ۔ اس میں سے دو حصے حقیقی بھتیجی کے اور ایک ... حصہ دو اخیافی بھانجیوں کا ہے اور چھ سے تصحیح ہوگی جس میں سے ایک تہائی یعنی دو دونوں اخیافی بھانجیوں کے اور چار حقیقی بھتیجی کے ہیں جس کی شکل یہ ہے ۔

مسئلہ ۳ تصحیح ٦

حقیقی بھائی	اخیافی بھائی	
بیٹی ۲	بیٹی	بیٹی (۱)
۴	۱	۱

کرتے ہوئے تقسیم کیا جائے تو حقیقی بہن اس کے عدد فروع کو اسمیں اعتبار کرنے کے بعد بمنزلہ دو بہن کے ہو جائے گی اور بھائی کی فروع میں تعدد نہیں سو بھائی بہن اب برابر ہو گئے کہ نصفا نصف کے حساب سے دونوں کو ملے گا پھر اس دو تہائی کا نصف یعنی ایک تہائی حقیقی بھتیجی کو ملجائیگا جو اس کے باپ کا حصہ ہے اور دو تہائی کا دوسرا نصف یعنی ایک تہائی حقیقی بھانجے بھانجی میں للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہو جائے گا اور علاتی بھانجا بھانجی اور بھتیجی کو اس صورت میں کچھ نہ ملے گا۔ کیونکہ وہ حقیقی فروع کی موجودگی میں محجوب ہو جاتے ہیں اور مسئلہ کی نو سے تصحیح ہوگی اس لئے اصل مسئلہ تین سے ہوا تھا۔ اخیافی کے فروع کو اس میں سے ایک ملا تھا جو اُن کے عدد رؤس تین پر پورا پورا تقسیم نہیں ہوا۔ پھر حقیقی کے فروع پر ان کا حصہ پورا پورا تقسیم نہیں ہوا لیکن عدد رؤس تین اور تین میں مماثلت ہے لہٰذا اصل مسئلہ تین کو تین میں ضرب دیا۔ حاصل ضرب نو ہوا اسمیں تصحیح کے قاعدہ کی بنا پر اخیافی بھتیجی بھانجے بھانجی کو ایک ایک کر کے تین ملے اور حقیقی بھتیجی کو تین اور حقیقی بھانجے کو دو اور حقیقی بھانجی کو ایک ملا۔ دوسری مثال تیسری قسم کے ذوی الارحام کی جس میں بعض دو قرابت رکھنے والے ہیں یہ ہے کہ میت نے علاتی بھائی کا نواسہ علاتی بہن کی دو پوتیاں جو اس کی حقیقی بہن کی نواسیاں بھی ہیں اور ایک اخیافی بہن کی نواسی چھوڑی جس کی صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۶ ـ ۱۲ ـ ۲۴

اخیافی بہن	حقیقی بہن	علاتی بہن	علاتی بھائی
بیٹا	بیٹی	بیٹا	بیٹی
بیٹی	بنت	بنت	بیٹا
خالد	کلثوم	فاطمہ	احمد
۴	۹	۹	۲

امام ابو یوسف رح کے نزدیک صورت مذکورہ میں اصول پر تقسیم نہ ہوگی بلکہ فروع پر اس طرح ترکہ تقسیم ہو گا کہ تمام مال حقیقی بہن کی نواسیوں کو پہنچے گا اس لئے کہ ان کو قوت قرابت حاصل ہے اور امام محمد رح کے نزدیک اس صورت میں اولاً مال کی تقسیم اصول یعنی بھائی بہنوں پر ہوگی اور ان میں جہات اور عدد فروع کا لحاظ کیا جائے گا۔ پھر جو کچھ ان کے ہر فریق کو پہنچے گا وہ ان کی فروع پر تقسیم کیا جائیگا پس اصل مسئلہ امام محمد رح کے نزدیک اخیافی بہن کے لئے سدس ہونے کی وجہ سے چھ ہو گا جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں چار شخص ذوی الارحام ہیں۔ ایک بھائی کا نواسہ احمد اور تین لڑکیاں فاطمہ، کلثوم اور خالدہ جو کہ برابر درجہ کے ہیں

اور سب ذوی الارحام کی اولاد ہیں اس لئے ان کے اصول پر تقسیم کیا اور چونکہ ان کے اصول میں
ایک حقیقی بہن ہے جو اپنے فروع دو نواسیوں کے اعتبار سے بمنزلہ دو بہنوں کے قرار پاکر دو تہائی کی حقدار
ہوگی۔ اور ایک علاتی بہن ہے جو اپنے عدد فروع یعنی دو پوتیوں کے اعتبار سے بمنزلہ دو علاتی بہنوں
کے ہے اور اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ ہوکر علاتی بھائی کے ساتھ برابر حصہ کی مستحق ہوگی کیونکہ دو
بہنیں بمنزلہ ایک بھائی کے ہوتی ہیں اور ایک اخیافی بہن ہے جس کا چھٹا حصہ ہے اس لئے مخارج
الفروض کے قاعدہ کے مطابق مسئلہ چھ سے ہوا اس میں سے چھٹا حصہ یعنی ایک اخیافی بہن کو پہنچا جو اس کی
فرع موجود خالدہ کو ملا اور چار حقیقی بہن کو ملے جو اس کی فرع موجودہ فاطمہ اور کلثوم کو پہنچے اور باقی ایک علاتی
بھائی اور علاتی بہن کو جو اپنے عدد فروع کے لحاظ سے بمنزلہ دو علاتی بہنوں کے ہے بطور عصوبت کے پہنچا اور
چونکہ دو بہنیں بمنزلہ ایک بھائی کے ہوتی ہیں لہٰذا بمنزلہ دو بھائی کے ہوگئے جن پر نصفا نصف تقسیم ہوگی
اور ایک دو پر پورا پورا تقسیم نہیں ہوسکتا اور ظاہر ہے کہ دو عدد رؤس اور ایک میں تباین ہے اسلئے نصف
کے مخرج دو کو اصل مسئلہ چھ میں ضرب دیا تو حاصل ضرب بارہ ہوئے یہ پہلی تصحیح ہے جب اصل مسئلہ
سے حقیقی بہن کے چار تھے تو ان کو مسئلہ کے مضروب یعنی دو میں ضرب دینے سے آٹھ حاصل ہوں گے جو
اس کی دونوں نواسیوں فاطمہ اور کلثوم کو پہنچے اور اخیافی بہن کا اصل مسئلہ سے ایک تھا جب اس کو دو
میں ضرب دیا تو دو ہی حاصل ہوئے یہ اخیافی بہن کی پوتی خالدہ کو مل گئے اور علاتی بھائی بہن کا
اصل مسئلہ سے ایک تھا جب اس کو دو میں ضرب دیا دو حاصل ہوئے ان کو نصفا نصف بھائی بہن
پر بانٹ دیا تو ہر ایک کو ایک ایک پہنچا پھر علاتی بھائی کے حصہ کا ایک سہم اسکے پوتے احمد کو دے دیا اور
علاتی بہن کے حصہ کا ایک سہم اس کی دونوں پوتیوں فاطمہ اور کلثوم کو دیدیا اور وہ دونوں پر پورا پورا
تقسیم نہیں ہوتا اس لئے ان کے عدد رؤس دو کو اصل مسئلہ یعنی پہلی تصحیح بارہ میں ضرب دیا حاصل ضرب
چوبیس ۲۴ ہوگئے ان سے تمام مسئلہ کی تصحیح ہوجائے گی اس طرح حقیقی بہن کی دونوں نواسیوں فاطمہ اور
کلثوم کا حصہ بارہ میں سے آٹھ تھا۔ جب مسئلہ کے مضروب دو میں آٹھ کو ضرب دیا تو سولہ حاصل
ہوئے تو یہ ان کا حصہ اس آخری تصحیح چوبیس سے ہوگا اور اخیافی بہن کی پوتی خالدہ کو بارہ میں سے دو
ملے تھے جب ان دو کو دو میں ضرب دیا تو چار حاصل جو خالدہ کا حصہ ہے۔ علاتی بھائی کے نواسہ احمد
کا بارہ میں سے ایک سہم تھا اس کو دو میں ضرب دیا تو دو ہی حاصل ہوئے یہ دو اسکا حصہ ہوا
اور علاتی بہن کی دونوں پوتیوں فاطمہ اور کلثوم کا بارہ میں سے ایک سہم تھا اس کو دو میں ضرب دینے
سے دو حاصل ہوئے جو ان کا حصہ ہوا اور ان دونوں لڑکیوں کو نانی کی طرف سے سولہ پہنچے تھے تو
دو اور سولہ مل کر کل اٹھارہ ان کو پہنچے جن میں سے ہر ایک کا حصہ نو سہام ہوا۔ ۱۲

۵۲ قولہ ولو ترك الخ - یہاں سے مصنف رحمہ اللہ یہ بیان کرتے ہیں کہ تیسری صنف کے ذوی الارحام

تینوں فریق سے مجتمع ہوں اور برابر درجہ کے ہوں تو ان میں جس ذی رحم کو بواسطہ وارث کے میت کی جانب تقرب ہوگا وہی ترکہ کے مستحق ہونے میں اول ہے جس کی شکل یہ ہے

مسئلہ

حقیقی بھائی	علاتی بھائی	اخیافی بھائی
بیٹا	بیٹا	بیٹا
بیٹی	بیٹی	بیٹی
۱	م	م

اس صورت میں میت نے ایک حقیقی بھتیجے کی بیٹی اور ایک علاتی بھتیجے کی بیٹی اور ایک اخیافی بھتیجے کی بیٹی چھوڑی تو اس صورت میں باتفاق صاحبین تمام ترکہ حقیقی بھتیجے کی بیٹی کو ملے گا کیونکہ عصبہ کی اولاد ہے اس لئے کہ اسکا باپ میت کے حقیقی بھائی کا بیٹا ہے اور اس کے لئے قوت قرابت بھی موجود ہے اور ظاہر ہے کہ رشتہ دار کو قوتِ قرابت کی وجہ سے ترجیح ہوتی ہے ۱۲

ـــه قولہ لہا الخ یعنی حقیقی بھائی کی بیٹی کو ماں، باپ دونوں کی جانب سے قرابت ہے بخلاف علاتی بھائی کی بیٹی کے کہ اس کو فقط باپ کی جانب سے قرابت ہے اور اخیافی بھائی کی بیٹی تو ولد عصبہ ہی نہیں ہے بلکہ ولد ذوی الارحام سے ہے اسلئے اخیافی بھتیجا عصبہ نہیں بلکہ ذوی الارحام میں سے ہے۔

تنبیہ :۔ اصل کا حق اسکی فروع پر منتقل کرنے کی توضیح امام محمدؒ جو یہ فرماتے ہیں کہ ہر فرد وارث کے لئے اس کی اصل کا لحاظ کیا جاتا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ جو اسکی اصل کا حق ہوتا ہے وہ اسکی فرع یعنی وارث کی جانب منتقل ہوتا ہے اور یہ معنی نہیں کہ اصل نے جو درحقیقت پایا وہ اسکو ملا کیونکہ اصل وارث مستحق تو موجود ہی نہیں مثلاً میت کی حقیقی بہن کے دو بیٹے اور اخیافی بہن کی بیٹی ہو تو امام ابویوسفؒ کے نزدیک دونوں بیٹے ہی اولیٰ اور وہی وارثِ کل ہیں ۔ امام محمدؒ کے نزدیک بہن کے دو بیٹے بمنزلہ دو بہنوں کے ہیں تو ان میں مال پانچ سہام ہوگا ۔ پس اگر درحقیقت اصل کا حصہ میراث ان کو منتقل ہوتا تو اصل کے واسطے خود جو کچھ ہوتا وہی ان دونوں بیٹوں میں تقسیم ہوتا اور یہاں مراد یہ ہے کہ ان دونوں لڑکوں کو ترکہ میت سے کس حساب سے ملے اور اخیافی بہن کی بیٹی کیونکر پائے تو اس کی کیفیت یہ ہے کہ ہر لڑکا اپنی اصل کی صفت سے شریک ہو اور یہ غرض نہیں کہ ہر ایک کی اصل کا حق اسکی اولاد کو مل جائے کیونکہ اصل کے واسطے درحقیقت یہاں کوئی حق ہی نہیں ہے ۔ علاوہ اس کے صرف ایک لڑکا بذاتِ خود میراث پائیگا نہ دوسرا اور اسکا بیان یہ ہے کہ اگر ایک لڑکا اور اخیافی بہن کی دختر ہو تو مال کے چار سہام ہونگے اور جب دو لڑکے ہوئے اور یہی حال رہا تو دوسرے نے ترکہ میت سے کوئی حق نہیں پایا پس محمدؒ کے قول کے یہ معنی ہیں کہ جب تینوں فریق مختلفہ سے مختلط جمع ہوں تو ہر فرد کے واسطے اس کی

فصل في الصنف الرابع

الحكم فيهم انه اذا انفرد واحد منهم استحق المال كله لعدم المزاحم وان اجتمعوا وكان حيز قرابتهم متحدا كالعمات والاعمام لام او الاخوال والخالات فالاقوى منهم اولى بالاجماع اعني من كان لاب وام اولى ممن كان لاب ومن كان لاب اولى ممن كان لام ذكورا كانوا او اناثا وان كانوا ذكورا او اناثا واستوت قرابتهم فللذكر مثل حظ الانثيين كعم وعمة كلاهما لام او خال وخالة كلاهما لاب وام او لاب او لام وان كان حيز قرابتهم مختلفا فلا اعتبار لقوة القرابة كعمة لاب وام وخالة لاب او خالة لاب وام وعمة لام والثلثان لقرابة الاب وهو

ای لم یکن ذو قرابة ۱۲ — بوجود الرحم وعدم ۱۲ — ای جهة الرحم ۱۲ — بان الکل من جانب واحد کالاب او الام ۱۲ — التی تنتسب الی المیت ۱۲ — فی القرابة ۱۲ — بالمیراث ۱۲ — ای باستحقاق المیراث لقوة السبب فیه باجتماع القرابتین ۱۲ — لقوة السبب وهو الاب فیه ۱۲ — مختلطین ۱۲ — مختلطین ۱۲ — قوة وضعفا بان یکونوا کلهم اعیانیة او علاتیة او اخیافیة ۱۲ — او الاول لام والثانیة لاب ۱۲ — کلاهما ۱۲ — کلاهما ۱۲ — فیما بین المختلفین ۱۲ — ای ترك عمات مع خالات ۱۲ — للعمات ۱۲

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

اصل کا حصہ لگادیں اور ہر اصلی کا حصہ اس کی اولاد کی جانب منتقل کریں اسلئے اس مسئلہ میں کہ حقیقی بہن کے دو پسر ہیں اور اخیافی بہن کی دختر ہے یوں کہا گیا کہ اخیافی کی دختر کے لئے اصلی اسکی ماں ہے جو میت کی اخیافی بہن ہے پس ایک اخیافی بہن کا حصہ اس کی لڑکی کے واسطے لگایا اور دونوں لڑکوں میں سے ہر ایک کے واسطے اسکی اصل کو شمار کیا اور وہ حقیقی بہن ہے تو گویا دو حقیقی بہنیں ہیں ۔ ۱۲

نَصِيبُ الْاَبِ وَالثُّلُثُ لِقَرَابَةِ الْاُمِّ وَهُوَ نَصِيبُ الْاُمِّ ثُمَّ مَا
اى العمات ۱۲ اى للخالات ۱۲ اى الخالات ۱۲

اَصَابَ كُلَّ فَرِيْقٍ يُقْسَمُ بَيْنَهُمْ كَمَا لَوِ اتَّحَدَ حَيِّزُ قَرَابَتِهِمْ
من قرابتى الاب والام ۱۲

(یہ) فصل چوتھی صنف (کے ذوی الارحام کے بیان) میں ہے

ترجمہ:۔ اس (جماعت) کا حکم یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی تنہا ہو تو وہ مزاحم نہ ہونے کی وجہ سے اس (ترکہ) کے کل کا مستحق ہوگا۔ اور اگر وہ (کئی افراد) جمع ہو جائیں اور ان کی جہت قرابت متحد ہو مثلاً پھوپیاں اور اخیافی چچا یا ماموں اور خالائیں۔ پس ان میں سے (قرابت میں) قوی تر بالاتفاق اولیٰ بالمیراث ہوگا۔ یعنی جو شخص (میت کے) باپ وماں دونوں کی جانب سے ہوگا وہ اس شخص سے اولیٰ ہوگا جو صرف (میت کے) باپ کی جانب سے ہو اور جو شخص (میت کے) باپ کی جانب سے ہوگا وہ اس شخص سے اولیٰ ہوگا جو (میت کی) ماں کی جانب سے ہو وہ قوی تر خواہ مرد ہوں یا عورتیں اور اگر یہ لوگ مذکر و مؤنث (ملے ہوئے) جمع ہوں اور ان سب کی قرابت بھی (قوت اور ضعف کے اعتبار سے) برابر ہو تو مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کی برابر حصہ ہے مثلاً (میت کا) چچا اور پھوپی دونوں کے دونوں ماں کی جانب سے ہوں یا ماموں اور خالہ دونوں باپ وماں دونوں کی جانب سے ہوں یا صرف باپ کی جانب سے ہوں یا صرف ماں کیجانب سے ہوں اور اگر ان سب کی جہت قرابت مختلف ہو تو (اس صورت میں) قوتِ قرابت کا اعتبار نہیں ہے مثلاً (میت نے) حقیقی پھوپی اور اخیافی خالہ یا حقیقی خالہ اور اخیافی پھوپی (چھوڑی) پس دو تہائی (ترکہ) باپ کی قرابت (والے) کے لئے ہے کہ وہ باپ کا حصہ ہے اور ایک تہائی (ترکہ) ماں کی قرابت (والے) کے لئے ہے کہ وہ ماں کا حصہ ہے) پھر جو کچھ ان دونوں فریق (پدری و مادری میں سے) ہر فریق کو پہنچے تو (اس کو) ان کے درمیان اس طرح تقسیم کیا جائے جس طرح ان کی جہت قرابت متحد ہونے کی صورت میں تقسیم ہوتا۔

لہ قولہ فصل الخ یعنی چوتھی صنف وہ ہے جو میت کے دادا، دادی اور نانا، نانی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اور وہ ہر قسم کی پھوپیاں، اخیافی چچے اور ہر قسم کے ماموں اور خالائیں ہیں جو دس میں منحصر ہیں (۱) حقیقی پھوپی (۲) علاتی پھوپی (۳) اخیافی پھوپی (۴) اخیافی چچا (۵) حقیقی ماموں (۶) علاتی ماموں (۷) اخیافی ماموں (۸) حقیقی خالہ (۹) علاتی خالہ (۱۰) اخیافی خالہ ان

میں نمبر ۴ تک باپ کی جانب سے ہیں اور نمبر ۵ سے آخر تک ماں کی جانب سے ہیں۔ اور انمیں درجہ کا تفاوت قرب میں نہیں ہوتا بلکہ ان کی اولاد میں ہوتا ہے۔

۵۲ قولہ الحکم الخ یعنی قسم رابع کے لوگوں کی دو حالتیں ہیں (۱) سب ایک جانب کے ہوں اس طرح کہ سب باپ کی جانب کے ہوں یا سب ماں کی جانب کے توان میں سے اس کو ترجیح دی جائے گی جو قرابت میں سب سے زیادہ قوی ہو خواہ عورت ہی کیوں نہ ہو مثلاً جس کو میت کے ماں باپ دونوں کی جانب سے قرابت حاصل ہو وہ صرف باپ یا صرف ماں کی جانب قرابت رکھنے والے سے مقدم ہوگا اور اگر قوت قرابت میں برابر ہونگے تو مرد کو عورت پر ترجیح دیجائے گی۔ لہٰذا باپ کی جانب سے قرابت رکھنے والا ماں کی جانب سے قرابت رکھنے والے پر مقدم اور اولےٰ ہوگا۔ (۲) سب ایک جانب کے نہ ہوں بلکہ بعض باپ کی جانب کے ہوں اور بعض ماں کی جانب کے تو باپ کی جانب والے کو دو تہائی اور ماں کی طرف والے کو ایک تہائی ترکہ ملے گا اگر ایک جانب والا قوی تر ہو تو اس کو دوسری جانب والے پر ترجیح نہ ہوگی۔ ہاں ایک جہت میں یہ حساب ہو ایک قوی ہو اور ایک ضعیف تو قوی کو ترجیح ہوتی ہے اور اگر برابر ہوں تو ہر جہت میں اس طرح تقسیم ہوگی کہ اس جہت کا حصہ اسکے ابدان پر اس طرح تقسیم ہوگا کہ ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ ۱۲

۵۳ قولہ اذا انفرد الخ۔ یعنی اگر اس جماعت میں سے تنہا ایک ہی شخص موجود ہو تو وہی تمام ترکہ کا مستحق ہو جائے گا اس لئے کہ میت کا سوا اس ذی رحم کے اور کوئی وارث نہیں۔ مثلاً اگر میت کی وارث ایک پھوپی یا ایک اخیافی چچا یا ایک ماموں یا ایک خالہ ہے تو تمام ترکہ اس کو ملے گا۔ اور یہ حکم ذوی الارحام کی چاروں قسموں میں جاری و ساری ہے اگر اس مقام پر شبہ کیا جائے کہ جبکہ مزاحم نہ ہونے کی صورت میں تنہا ایک ہی شخص کا تمام ترکہ کا مستحق ہونا ذوی الارحام کی چاروں قسموں میں مشترک ہے تو چوتھی صنف میں خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیوں کیا گیا؟ تو جواب یہ ہے کہ شاید ماتن رہ نے طریق اختصار کو اختیار کرکے اس کو بعید تر اصناف یعنی چوتھی صنف میں ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ حکم تمام اقسام ذوی الارحام میں جاری ہے اور (۳) صنف میں اقربیت کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ اس قسم میں سب ذوی الارحام ایک درجہ میں ہیں لہٰذا انمیں اقربیت متصور نہیں ہو سکتی بخلاف ان کی اولاد کے کہ ان میں اقربیت متحقق ہے۔ ۱۲

۵۴ قولہ واجتمعوا الخ یعنی اگر متعدد افراد جمع ہو جائیں تو دیکھنا چاہیے کہ ان کی قرابت متحد ہے یا نہیں اگر متحد ہے اس طرح پر کہ سب فقط باپ کی طرف کے ہیں یا فقط ماں کے جانب کے ہیں

مثلاً پھوپیاں یا اخیانی چچا جن کی قرابت باپ کی جانب سے ہے یا ماموں اور خالائیں جن کی قرابت ماں کی جانب سے ہے تو ان میں سے جسکی قرابت قوی ہوگی اس کو ترجیح دیجائیگی اور اسی پر اجماع ہے یعنی حقیقی کو علاتی پر اور علاتی کو اخیانی پر ترجیح ہوگی مثلاً میت نے حقیقی علاتی اور اخیانی پھوپھی چھوڑی اگرچہ یہ تینوں باپ کی قرابتی ہیں لیکن کل ترکہ کی حقیقی پھوپی مستحق ہوگی اگر حقیقی نہ ہو بلکہ باقی دونوں ہوں تو کل مال علاتی پائے گی۔ اسی طرح خالاؤں کا حال ہے اگر حقیقی علاتی اخیانی خالہ موجود ہے اور ان کے علاوہ کوئی وارث نہیں تو کل مال حقیقی خالہ کو ملے گا اور اگر یہ موجود نہ ہو تو علاتی خالہ کل مال کی مستحق قرار پائے گی اور یہ اس وقت ہے کہ پھوپی یا خالہ ایک ہی جانب کی ہوں اور باہم دو قرابت اور ایک قرابت کا فرق نہیں اور یہ جب ہی ہے کہ ایک ہی جانب کے ایسے قرابتی ہوں جن میں حقیقی اور علاتی کا فرق ہے ورنہ دو جہت سے ترجیح نہ ہوگی ۱۲

۵ قولہ ذکوراً کانوا او اناثاً الخ۔ خواہ مرد ہوں یا عورتیں یعنی اسمیں کوئی فرق نہیں کہ قرابت قویہ رکھنے والا مرد ہو یا عورت۔ پس حقیقی پھوپی کو علاتی پھوپی اور اخیانی چچا پر ترجیح دیجائے گی لہٰذا کل مال اسی کی اولاد کو ملے گا اور علاتی پھوپی کو اخیانی پھوپی اور اخیانی چچا پر ترجیح ہوگی اس لئے کہ علاتی پھوپی کی قرابت قوی ہے اسی طرح حقیقی ماموں اور خالہ میراث پانے کی علاتی یا اخیانی ماموں اور خالہ سے زیادہ مستحق ہیں اور علاتی ماموں اور خالہ اخیانی ماموں اور خالہ سے قوی تر ہیں پھر وارث کی اولاد کو ترجیح دی جائے گی پس اگر ان میں سے ایک تو وارث کی ولاد ہو لیکن اس کی قرابت ایک جہت سے ہے اور دوسرا ذی رحم کی اولاد ہو لیکن اس کو دو جہت سے قرابت حاصل ہے تو ایسی حالت میں صحیح یہ ہے کہ جس کو دو جہت سے قرابت حاصل ہے وہ اولیٰ بالمیراث ہے مثلاً علاتی چچا کے لڑکے کی بیٹی اور حقیقی پھوپی کے لڑکے کا لڑکا تو یہی دوسرا یعنی پھوپی کا پوتا اولیٰ ہے حالانکہ علاتی چچا کا لڑکا عصبہ ہے پس لڑکی مذکورہ ایک وارث کی بیٹی ہے لیکن حقیقی پھوپی کا لڑکا اگرچہ وارث نہیں مگر اس کو ماں اور باپ دونوں کی جانب سے قرابت ہونے کی وجہ سے اولویت ہے ۱۲

۶ قولہ وان کانوا الخ۔ اور اگر یہ لوگ مذکر و مونث جمع ہوں اور ان کی قرابت بھی برابر ہو یعنی یہ لوگ فقط باپ کی جانب سے ہوں جیسے چچا اور پھوپی باپ کی جانب والوں میں ہوں یا فقط ماں کے قرابتی ہوں جیسے ماموں اور خالہ ماں کے جانب والوں میں ہوں تو اصل کے

فَصْلٌ[۱] فِیْ اَوْلَادِهِمْ[۲]

اَلْحُکْمُ[۳] فِیْهِمْ کَالْحُکْمِ فِی الصِّنْفِ الْاَوَّلِ اَعْنِیْ اَوْلٰی هُمْ بِالْمِیْرَاثِ

(ای اولاد الصنف الرابع ۱۲)

اَقْرَبُهُمْ اِلَی الْمَیِّتِ مِنْ اَیِّ جِهَةٍ کَانَ وَاِنِ[۴] اسْتَوَوْا فِی الْقُرْبِ

(سواء کان الاقرب من جهة الاب او من جهة غیرہ ۱۲ — الی المیت ۱۲)

وَکَانَ حَیِّزُ قَرَابَتِهِمْ مُتَّحِدًا فَمَنْ کَانَتْ لَهٗ قُوَّةُ الْقَرَابَةِ فَهُوَ

(ای جهة ۱۲ — بان یکون الکل من طرف الاب او الام ۱۲)

اَوْلٰی بِالْاِجْمَاعِ وَاِنِ[۵] اسْتَوَوْا فِی الْقُرْبِ وَالْقَرَابَةِ وَکَانَ

(درجة ۱۲ — قوة ۱۲)

حَیِّزُ قَرَابَتِهِمْ مُتَّحِدًا فَوَلَدُ الْعَصَبَةِ اَوْلٰی کَبِنْتِ الْعَمِّ وَابْنِ الْعَمَّةِ

(بان یکون کل منهم منسوبا الی المیت من الاب او من الام ۱۲ — ممن هو لیس کذالک ۱۲)

کِلَاهُمَا لِاَبٍ وَّاُمٍّ اَوْ لِاَبٍ اَلْمَالُ کُلُّهٗ لِبِنْتِ الْعَمِّ لِاَنَّهَا

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

متحد ہونے کی حالت میں تمام ترکہ کی تقسیم ابدان پر ہوگی کہ مرد کو عورت سے دوچند کے حساب سے دیا جائے گا۔ مثلاً۔ چچا اور پھوپی کہ دونوں میت کے باپ کے اخیافی بھائی بہن ہوں یا ماموں اور خالہ کہ دونوں میت کی والدہ کے حقیقی بھائی بہن ہوں یا ماموں اور خالہ کہ دونوں میت کی ماں کے علاتی بھائی بہن ہوں یا ماموں اور خالہ کہ دونوں میت کی ماں کے اخیافی بھائی بہن ہوں غرضکہ دونوں کی قرابت برابر درجہ کی ہے تو ان پر مرد کو عورت کے دوچند کے حساب سے تقسیم ہوگی ۱۲

۵ؔ قولہ وان کان الخ۔ یعنی اگر ان متعدد افراد کی قرابت متحد نہیں ہے بلکہ قرابتیں مختلف جانبوں سے ہوں اس طرح کہ بعض کی قرابت باپ کی جانب سے ہے اور بعض کی ماں کی جانب سے تو اسوقت قوتِ قرابت کا اعتبار نہ ہوگا۔ پس جس شخص کی قرابت ماں و باپ دونوں کی جانب سے ہو یا صرف باپ کی جانب سے ہو تو وہ اس شخص سے اولیٰ بالمیراث نہ ہوگا جس کی قرابت صرف ماں کی جانب سے ہو یعنی اس صورت میں قوی تر تمام ترکہ کا مستحق نہ ہوگا بلکہ اسوقت باپ کی جانب والے قرابت داروں کو دو تہائی جو باپ کا حصہ ہے اور ماں کی جانب والے قرابتداروں کو ایک تہائی جو ماں کا حصہ ہے دیا جائیگا۔ مثلاً میت نے حقیقی پھوپی اور اخیافی خالہ کہ اسمیں

وَلَدُ الْعَصَبَةِ وَاِنْ كَانَ اَحَدُهُمَا لِاَبٍ وَّاُمٍّ وَالْاٰخَرُ لِاَبٍ فَالْمَالُ

التی هی اخ ۱۲ — لقوة القرابة ۱۲

كُلُّهُ لِمَنْ كَانَ لَهُ قُوَّةُ الْقَرَابَةِ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ قِيَاسًا عَلٰى خَالَةٍ

لقوة القرابة ۱۲ — لقوة القرابة ۱۲ دون الاخر وان کان من هو ولد الوارث ۱۲

لِاَبٍ مَعَ كَوْنِهَا وَلَدَ ذِيْ رَحِمٍ هِيَ اَوْلٰى بِقُوَّةِ الْقَرَابَةِ مِنَ

ای اب الام ۱۲ — بالارث ۱۲ — التی حصلت لها من جهة الاب ۱۲

الْخَالَةِ لِاُمٍّ مَعَ كَوْنِهَا وَلَدَ الْوَارِثَةِ لِاَنَّ التَّرْجِيْحَ لِمَعْنًى

ای ام الام ۱۲ — تعلیل لکونها اولی من غیرها لا لکونها من ۱۲ — الارث ۱۲

فِيْهِ وَهُوَ قُوَّةُ الْقَرَابَةِ اَوْلٰى مِنَ التَّرْجِيْحِ لِمَعْنًى فِيْ غَيْرِهِ

الاولاد الوارث ۱۲ — ای فی مثالنا ۱۲ — القرابة للخالة التی هی لاب ۱۲ — ثابت ۱۲

وَهُوَ الْاِدْلَاءُ بِالْوَارِثِ

بخلاف ابن العمة فانه من اولاد ذوی الارحام ۱۲

(یہ) فصل اس (چوتھی صنف کے ذوی الارحام) کی اولاد (کے بیان) میں ہے

ترجمہ: اسان (کی اولاد) کے بارہ میں حکم پہلی صنف کے حکم کی طرح ہے یعنی ان میں اولیٰ بالمیراث وہ ہوگا جو ان میں میت کی طرف نزدیک تر ہو (خواہ) جس جہت سے بھی ہو اور اگر قرب (درجہ)

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

ایک میت کے والد کی حقیقی بہن اور دوسری والدہ کی اخیافی بہن ہے۔ چھوڑی یا حقیقی خالہ اور اخیافی پھوپی کہ اسمیں ایک اس کی ماں کی حقیقی بہن اور دوسری باپ کی اخیافی بہن ہے چھوڑی ان دونوں صورتوں میں حقیقی سے اخیافی محروم نہ ہوگی البتہ باپ کی جانب سے جو وارث ہے وہ دو حصہ پائے گی جو اس کے باپ کا حق ہے اور ماں کی جانب سے جو وارث ہے اس کو ایک حصہ ملے گا جو اس کی ماں کا حق ہے۔

۵۸ قولہ ثم ما اصاب الخ یعنی اگر ان دونوں مادری اور پدری فریق میں سے ہر فریق کو جو کچھ پہنچے گا اس فریق پر اس طرح تقسیم کر دیا جائے جس طرح ان کی جہت قرابت متحد ہونے کی صورت میں تقسیم ہوتا۔ پس مثال مذکور میں حقیقی پھوپی کو دو تہائی اور خالہ کو ایک تہائی ترکہ ملے گا پھر اگر کئی پھوپیاں ہوں تو یہ دو تہائی مال ان پر مساوی طور پر تقسیم کر دیا جائے اسی طرح اگر متعدد خالہ ہوں تو ایک تہائی مال ان پر مساوی طور پر تقسیم کر دیا جائے۔

میں سب برابر ہوں اور ان سب کی جہت قرابت بھی متحد ہو تو جس شخص کے لئے قوتِ قرابت ہوگی تو وہی بالاجماع اولیٰ بالمیراث ہوگا۔ اور اگر قرب (درجہ) اور قوت (قرابت) میں سب برابر ہوں اور ان کی جہد قرابت بھی متحد ہوں تو (اس صورتیں) ولد عصبہ اولیٰ بالمیراث ہوگا۔ جیسے چچا کی بیٹی اور پھوپی کا بیٹا کہ وہ دونوں حقیقی ہوں یا علاتی تو کل کا کل مال چچا کی بیٹی کو ملے گا (نہ پھوپی کے بیٹے کو) کیونکہ وہ (چچا کی بیٹی) ولد عصبہ ہے اور اگر ان دونوں (چچا اور پھوپی) میں سے ایک حقیقی ہو اور دوسرا علاتی تو کل کا کل مال اُس شخص کے لئے ہوگا جس کے لئے قوتِ قرابت (حاصل ہے) اور (وہی) ظاہر روایت میں ہے (یہ قوتِ قرابت سے ترجیح دینا) علاتی خالہ پر قیاس کرکے ہے کہ وہ باوجود ذی رحم ہونے کے قوتِ قرابت کی وجہ سے اخیافی خالہ سے باوجود اس کے ولد وارث ہوتے ہوئے اولیٰ ہے اس لئے کہ ترجیح دینا ایسے معنی کے اعتبار سے ہے جو اس وارث کی ذات میں موجود ہیں اور وہ (معنی) قوت قرابت ہے اس ترجیح سے اولیٰ ہے جو ایسے معنی کے اعتبار سے ہو جو اس (وارث) کے غیر میں حاصل ہیں اور وہ (معنی) وارث کی طرف انتساب ہے

ؔ۱ قولہ فصل الخ ماتن رح چوتھی صنف کے بیان سے فارغ ہو کر ان کی اولاد کا ذکر ذوی الارحام کی بحث کے آخر میں بطور تکملہ کے شروع کرتے ہیں۔۱۲

ؔ۲ قولہ دھم - یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ماتن رح نے چوتھی صنف کی اولاد کیلئے تو علیحدہ فصل قائم کی اول و دوسری اور تیسری صنف کی اولاد کے لئے علیحدہ علیحدہ فصل قائم نہیں کی اس کا کیا سبب ہے یہ تو بظاہر ترجیح بلا مرجح ہے اس کا جواب یہ ہے کہ چوتھی صنف یعنی اخیافی چچا اور پھوپیاں ماموں اور خالائیں اپنی اپنی اولاد کو شامل نہیں برخلاف پہلی صنف (یعنی) بیٹیوں اور پوتیوں کی اولاد کے اور دوسری صنف یعنی اجداد و جدات کی اولاد کے اور تیسری صنف یعنی بہنوں کی اولاد اور بھائیوں کی بیٹیوں اور اخیافی بھائیوں کے بیٹے بیٹیوں کی اولاد کے کہ وہ اپنی اپنی اولاد کو بواسطہ یا بغیر واسطہ شامل ہیں ان ہی کے حکم میں حقیقی و علاتی چچا کی بیٹی بھی ہے لیکن اخیافی چچا کی بیٹی چوتھی صنف کی اولاد میں داخل ہے تنبیہ - یاد رکھو چوتھی صنف کی اولاد میں ایک جانب کا کوئی وارث شخص دوسری جانب کے کسی شخص ذی رحم کے لئے باعث محرومی نہیں ہو سکتا پس چچا کی بیٹی کے ساتھ کہ وہ ولد عصبہ ہے ماموں کی بیٹی جو ذی رحم کی بیٹی ہے محروم نہ ہوگی چنانچہ چچا کی بیٹی کو باپ کی قرابت کے لحاظ سے دو تہائی اور ماموں کی بیٹی کو ماں کی قرابت کے لحاظ سے ایک تہائی ترکہ پہنچے گا۔۱۲

ؔ۳ قولہ الحکم الخ چوتھی صنف کی اولاد کا حکم میراث میں پہلی صنف کی اولاد جیسا ہے اگر سب درجہ میں برابر نہ ہوں تو ان میں سے جو شخص میت سے زیادہ قریب ہوگا وہی میراث پانے میں

اولیٰ اور اقدم ہوگا خواہ کسی جہت سے ہو باپ کی جانب کا ہو یا ماں کی جانب کا ہو مرد ہو یا عورت
پس اس قاعدہ کی بنا پر پھوپی کا بیٹا۔ بیٹی پھوپی کے نواسہ نواسی اور پھوپی کی پوتی سے اولیٰ ہے
اسلئے کہ وہ دونوں باوجود اتحاد جہت قرابت کے تینوں مذکورین سے رشتہ میں میت سے زیادہ قریب
ہیں۔ اسی طرح خالہ کا بیٹا، بیٹی خالہ کے نواسہ اور نواسی سے میت سے نزدیک تر ہونیکی وجہ سے
اقدم ہے ایسے ہی پھوپی کی اولاد خالہ کی اولاد کی اولاد سے اور خالہ کی اولاد پھوپی کی اولاد کی اولاد
سے اولیٰ ہے اسلئے یہاں اقربیت باوجود جہت اختلاف کے موجود ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرب
پشت کے اعتبار سے ہوتا ہے مثلاً ایک پشت والا دو پشت والے سے اور دو پشت والا تین پشت
والے سے مقدم ہوتا ہے جیسے (۱) میت نے خالہ کی بیٹی اور خالہ کی نواسی یا پوتی یا پوتا وارث چھوڑے
تو کل میراث خالہ کی بیٹی کو ملے گی۔ مثلاً احمد نے خالہ کی بیٹی حسینہ اور خالہ کی نواسی زبیدہ یا پوتی انیسہ یا
پوتا عارف چھوڑ کر وفات پائی تو بہ نسبت نواسی اور پوتی اور پوتے کے خالہ کی بیٹی اوپر ہے اور یہ
لوگ ایک پشت نیچے ہیں (۲) میت نے پھوپی کی لڑکی اور خالہ کی لڑکی کی لڑکی چھوڑی تو کل مال
پھوپی کی لڑکی کو ملے گا اس لئے کہ وہ بہ نسبت خالہ کی لڑکی کی لڑکی سے ایک پشت اوپر ہے۔
اگرچہ ان دونوں کی قرابت دو مختلف جہتوں سے ہے یعنی پھوپی زاد بہن کی قرابت باپ کی
جانب سے ہے کیونکہ پھوپی میت کے باپ کی بہن ہے اور خالہ کی نواسی کی قرابت ماں کیجانب
سے ہے اس لئے کہ خالہ میت کی ماں کی بہن ہے۔ ۱۲

۵۳ قولہ وان استووا الخ اگر سب درجہ میں برابر ہوں اور سب کی قرابت ایک ہی جانب سے ہو اس
طرح کہ سب باپ کی جانب کے ہوں یا سب ماں کی جانب کے ہوں تو قوت قرابت کے اعتبار سے ترجیح
دیجائیگی۔ قوی القرابت ضعیف القرابت پر مقدم ہوگا اسی پر اجماع ہے چنانچہ حقیقی پھوپی کی اولاد
علاتی پھوپی کی اولاد پر اور علاتی پھوپی کی اولاد اخیافی پھوپی کی اولاد پر مقدم ہے اور اسی طرح
حقیقی خالہ کی اولاد علاتی خالہ کی اولاد پر اور علاتی خالہ کی اولاد اخیافی خالہ کی اولاد پر مقدم ہے
لیکن ضعیف القرابت کے مؤخر ہونے میں یہ شرط ہے کہ وہ عصبہ کی اولاد نہ ہو اگر عصبہ کی اولاد سے
ہوگا تو اسمیں اختلاف ہے جیساکہ آگے آتا ہے پس تین متفرق پھوپیوں کی اولاد کسی شخص نے وارث
چھوڑی تو ان میں سے حقیقی پھوپی کی اولاد کو مال ملجائے گا ان کی عدم موجودگی میں مال علاتی
پھوپی کی اولاد کو ملے گا۔ اگر علاتی پھوپی کی اولاد بھی موجود نہ ہو تو اخیافی پھوپی کی اولاد کو مال مل
جائیگا۔ اسی پر متفرق ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد میں قیاس کرنا چاہیئے اسکی وجہ یہ ہے حقیقت
عصوبت میں جب سب برابر درجے کے ہوتے ہیں تو کسی ایک طرف منسوب ہونے کے وقت اسکو ترجیح
ہوتی ہے جو حقیقی ہو پھر اسکو ترجیح ہوتی ہے جو علاتی ہو تو یہی حال ذوی الارحام میں ہونا چاہیئے

جس کی وراثت کا مدار عصوبت پر ہے - ۱۲

۵ے قولہ وان استووا الخ اگر درجہ اور قوت قرابت میں برابر ہوں اوران کی جہت قرابت میں بھی اتحاد واتفاق ہو اس طرح کہ سب باپ کی جانب کے ہوں یا سب ماں کی جانب کے ہوں تو اس صورت میں ولد عصبہ غیر عصبہ کے ولد سے اولیٰ ہوگا ۔ مثلاً میت نے حقیقی یا علاتی چچا کی لڑکی اور حقیقی یا علاتی پھوپی کا لڑکا چھوڑا تو کل مال چچا کی بیٹی کو ملجائیگا اور پھوپی کا لڑکا محروم رہیگا ۔ اسلئے کہ چچا کی بیٹی عصبہ کی لڑکی ہے اور ظاہر ہے کہ حقیقی اور علاتی چچا عصبات میں داخل ہے اور پھوپی ذوی الارحام میں ہے پس پھوپی کا لڑکا ذوی الارحام کا لڑکا ہے ۔ یاد رکھو کہ عصبہ صرف فریق پدر میں ہوتا ہے فریق مادر میں متصور نہیں ہوسکتا اور درجہ میں برابر ہونیکی صورت میں محل قرابت متحد ہو تو اس قوت کا اعتبار کیا جاتا ہے اور جب محل قرابت مختلف ہو تو قوت قرابت کا اعتبار نہیں کیا جاتا - ۱۲

۶ے قولہ وان کان الخ اگر ان چچا پھوپی دونوں میں سے ایک حقیقی ہو اور دوسرا علاتی ہو تو ان میں سے جسکو قوت قرابت حاصل ہوگی وہی کل مال پائیگا اور ولد عصبہ ہونیکا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور یہی ظاہر الروایۃ کے موافق ہے مثلاً میت نے حقیقی پھوپی زاد بھائی اور علاتی چچا زاد بہن چھوڑی تو کل مال حقیقی پھوپی زاد بھائی کو ملجائیگا اسلئے کہ اس کو قوت قرابت حاصل ہے اور علاتی چچا زاد بہن محروم رہے گی یا مثلاً میت نے تین پھوپیاں حقیقی علاتی اور اخیانی اور تین خالائیں حقیقی علاتی اور اخیانی چھوڑیں تو ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ باپ کی جہت کے لئے دو تہائی اور ماں کی جہت کے لئے ایک تہائی ترکہ ہے پھر باپ کی جہت کی دو تہائی میت کی پھوپیوں میں سے صرف حقیقی پھوپی کو اور ماں کی جہت کی تہائی صرف حقیقی خالہ کو ملے گی اس لئے ان دونوں کو قوت قرابت حاصل ہے ۔

۷ے قولہ ظاہر الروایۃ - جاننا چاہیئے کہ ظاہر الروایۃ سے یہ پانچ کتابیں مراد ہیں (۱) مبسوط (۲) جامع صغیر (۳) جامع کبیر (۴) زیادات (۵) سیر صغیر وکبیر یہ سب کتابیں امام محمدؒ کی تصنیفات سے ہیں اور آج فقہ حنفی کا مدار ان ہی پر ہے ان میں امام ابوحنیفہؒ کے مسائل روایتاً مذکور ہیں اور اسی لئے وہ فقہ حنفی کی اصل اصول خیال کی جاتی ہیں ۔ ان کتابوں کے تفصیلی حالات یہ ہیں ۔

مبسوط ۔ اصل میں قاضی ابو یوسفؒ کی تصنیف ہے ان ہی مسائل کو امام محمدؒ نے زیادہ توضیح اور خوبی سے لکھا ہے یہ امام محمدؒ کی پہلی تصنیف ہے اس کتاب میں امام محمدؒ نے قاضی ابو یوسفؒ کی روایت سے امام ابوحنیفہؒ کے تمام اقوال لکھے ہیں کل ۵۳۲ مسئلے ہیں جن میں سے ایک سو ستر مسئلوں کے متعلق اختلاف رائے بھی لکھا ہے اس کتاب میں تین قسم کے مسائل ہیں ۔

(۱) جن کا ذکر بجز اسی کتاب کے اور کہیں نہیں پایا جاتا ۔ (۲) دوسرے اور کتابوں میں بھی مذکور ہیں لیکن ان کتابوں میں امام محمدؒ نے تصریح نہیں کی تھی کہ یہ خاص ابو حنیفہؒ کے مسائل ہیں اس کتاب

وَقَالَ بَعْضُهُمُ الْمَالُ كُلُّهٗ لِبِنْتِ الْعَمِّ لِلْاَبِ لِاَنَّهَا وَلَدُ الْعَصَبَةِ

بناءً على رواية غير ظاهرة ١٢ — في ما ذكرنا ١٢ — لا لابن العمة ١٢

وَاِنِ اسْتَوَوْا فِي الْقُرْبِ وَلٰكِنِ اخْتَلَفَ حَيِّزُ قَرَابَتِهِمْ فَلَا اعْتِبَارَ

لِقُوَّةِ الْقَرَابَةِ وَلَا لِوَلَدِ الْعَصَبَةِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ قِيَاسًا عَلٰى

عَمَّةٍ لِّاَبٍ وَّاُمٍّ مَعَ كَوْنِهَا ذَاتَ الْقَرَابَتَيْنِ وَوَلَدَ الْوَارِثِ

مِنَ الْجِهَتَيْنِ هِيَ لَيْسَتْ بِاَوْلٰى مِنَ الْخَالَةِ لِلْاَبِ اَوْ لِلْاُمِّ لٰكِنَّ

احدهما من جانب الاب وثانيهما من الام ١٢

الثُّلُثَيْنِ لِمَنْ يُّدْلِيْ بِقَرَابَةِ الْاَبِ فَتُعْتَبَرُ فِيْهِمْ قُوَّةُ الْقَرَابَةِ

لا قائم مقامه ١٢ — اولاً لا قائم مقام الاب ١٢

ثُمَّ وَلَدُ الْعَصَبَةِ وَالثُّلُثُ لِمَنْ يُّدْلِيْ بِقَرَابَةِ الْاُمِّ وَتُعْتَبَرُ

ثانياً ١٢

فِيْهِمْ قُوَّةُ الْقَرَابَةِ ثُمَّ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَا اَصَابَ

على قياس ما سبق في من يدلي بالاب ١٢

كُلَّ فَرِيْقٍ يُقْسَمُ عَلٰى اَبْدَانِ فُرُوْعِهِمْ مَعَ اعْتِبَارِ عَدَدِ الْجِهَاتِ

من فريقي الاب والام ١٢

فِي الْفُرُوْعِ

الموجبة للارث ١٢

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

میں تصریح کر دی ہے ان سے بعض نئے فوائد مستنبط ہوئے ہیں جامع کبیر جامع صغیر کے بعد لکھی گئی عظیم کتاب ہے اسمیں امام ابو حنیفہؒ کے اقوال کے ساتھ قاضی ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ کے اقوال بھی لکھے ہیں مسئلہ کے ساتھ دلیل بھی لکھی ہے متاخرین حنفیہؒ نے اصول فقہ کے جو مسائل قائم کئے ہیں زیادہ تر اس کتاب کے طرز استدلال و طریق استنباط سے کئے ہیں۔ جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آئے وہ زیادات میں درج کئے اور اسی لئے زیادات نام رکھا سیر صغیر و کبیر سب سے آخر تصنیف ہے اول سیر صغیر لکھی اسکا ایک نسخہ امام اوزاعی کی نظر سے گزرا انھوں نے طعن سے کہا کہ اہل عراق کو فن سیر سے کیا نسبت۔ امام محمدؒ نے سنا تو سیر کبیر لکھنی شروع کی

ترجمہ :- اور ان (مشائخ) میں سے بعض نے کہا ہے کہ (صورت مذکورہ میں) کل کا کل مال علاتی
چچا کی بیٹی کے لئے ہے اس لئے وہ (علاتی چچا کی بیٹی) ولد عصبہ ہے اور اگر قرب (قرابت میں) سب
برابر ہوں لیکن ان کی جہت قرابت میں اختلاف ہو تو (ایسی صورتیں) قوت قرابت اور ولد عصبہ ہونے
کا کچھ اعتبار نہ ہوگا (یہ حکم) ظاہر الروایہ میں ہے (یہ جہت قرابت مختلف ہونے پر قوت قرابت اور
ولد عصبہ ہونیکا اعتبار نہ کرنا) حقیقی پھوپی پر قیاس کیا ہے کہ وہ باوجود دو قرابت والی اور دونوں
جہت سے ولد وارث ہونے کے علاتی یا اخیافی خالہ سے اولیٰ نہیں ہوتی (اسی طرح یہاں بھی) ہے
لیکن دو تہائی (ترکہ) اس کے لئے ہوگا جو باپ کی قرابت کے ساتھ منسوب ہوگا اس لئے ان (باپ
کے ساتھ رشتہ رکھنے والوں) میں (درجہ میں برابر ہونے کے باوجود) اولاً قوت قرابت کا اعتبار کیا
جائیگا پھر (ثانیاً) ولد عصبہ ہونے کا (اعتبار ہوگا) اور (باقی) تہائی (ترکہ) اس کے لئے ہوگا جو ماں
کی قرابت کے ساتھ منسوب ہوگا اور ان میں قوتِ قرابت کا اعتبار کیا جائے گا اس کے بعد امام ابو
یوسف رح کے نزدیک ہر فریق کو جو کچھ پہنچا ہے اس کو ان کے ابدان فروع پر فروع میں جہات
قرابت کے عدد کا اعتبار کرتے ہوئے تقسیم کیا جائے۔

سلہ قولہ وقال بعضہم الخ- بعض مشائخ کا بیان ہے کہ صورت مذکورہ بالا میں تمام ترکہ علاتی

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

تیار ہو چکی تو ساٹھ جزوں میں آئی امام محمدؒ اس ضخیم کتاب کو خچر پر رکھوا کر ہارون رشید خلیفہ بغداد کے پاس لئے گئے
ہارون الرشید کو پہلے سے خبر ہو چکی تھی اسلئے قدر دانی کے لحاظ سے شہزادوں کو بھیجا کہ خود جا کر امام محمدؒ سے اسکی سند لیں

شہ قولہ قیاسا۔ یعنی یہ قوت قرابت کے اعتبار سے ترجیح دینا علاتی خالہ (جو نانا کی اولاد ہے) پر قیاس ہے
کہ علاتی خالہ ذی رحم ہونے کے باوجود قوت قرابت کی وجہ سے جو اس کو باپ کی جانب سے حاصل ہے اخیافی
خالہ سے اولیٰ ہے باوجودیکہ اخیافی خالہ ولد وارث ہے کہ نانی کی بیٹی ہے اور نانی وارث ہے اور
نانا وارث نہیں باوجود اس بات کے علاتی خالہ اخیافی خالہ سے اولیٰ ہے۔

سفہ قولہ لان الترجیح الخ- یہاں سے ماتنؒ علاتی خالہ کے اخیافی خالہ پر اولیٰ ہونیکی دلیل بیان کرتے ہیں
وہ یہ ہے کہ علاتی خالہ میں ایسے معنی یعنی قوت کیوجہ سے ترجیح ہے جو اسکی ذات میں موجود ہے کیونکہ وہ میت
کی طرف ایک باپ کے ذریعہ سے نسبت رکھتی ہے بخلاف اخیافی خالہ کے کہ اسمیں ترجیح ایسے معنی کی وجہ سے ہے
جو غیر میں پائے جاتے ہیں خود خالہ میں موجود نہیں وہ معنی ایک وارث کی طرف انتساب کہ وہ میت کی نانی
ہے پس وراثت خود خالہ میں موجود نہیں بلکہ اسکی ماں کی ذات میں پڑی ہوئی ہے جو میت کی نانی ہے اور
ایسے معنی کیوجہ سے ترجیح دینا جو وارث کی ذات میں موجود ہیں اس ترجیح سے اولیٰ ہے کہ وارث کے غیر میں
وہ معنی پائے جاتے ہیں جو خود وارث کی ذات میں موجود نہیں ہیں وہ ترجیح وارث کیطرف نسبت کرنیسے حاصل ہوتی ہے

چچا کی بیٹی کو ملیگا اسلئے کہ وہ ولد عصبہ ہے بخلاف حقیقی پھوپی کی بیٹی کے کہ وہ ایک ذی رحم کی لڑکی ہے۔
یہاں سے یہ معلوم ہوگیا کہ وہ اجماع مذکور جسمیں ہم نے وہاں یہ قید لگائی ہے بشرطیکہ غیر قوی القرابۃ عصبہ
کی اولاد میں سے نہ ہو تو ایسی قید اجماع کے لئے یہاں بھی ضروری ہے اس لئے علاتی چچا کی لڑکی اور حقیقی
پھوپی کا لڑکا قرب درجہ میں برابر ہیں اور ان کی جہت قرابت بھی متحد ہے اس لئے کہ دونوں باپ
کی جانب سے ہیں باوجود اس کے جس کو قوت قرابت حاصل ہے یعنی پھوپی کا لڑکا وہ بالاجماع اولی
نہ ہوگا اس لئے کہ اجماع تو اسوقت ثابت ہوتا ہے کہ مشائخ میں سے کوئی مخالفت نہ کرے حالانکہ
اس شیخ فاضل نے مخالفت کی ہے کہ اپنے قول کو ظاہر الروایۃ پر اس طرح ترجیح دی ہے کہ کس
ظاہر الروایۃ پر عمل کرنیسے یہ لازم آتا ہے کہ اصل مرجوح کی فرع کو اصل راجح کی فرع پر ترجیح ہوگیا
تم یہ نہیں غور کرتے کہ جب میت نے حقیقی پھوپی اور علاتی چچا چھوڑا تو کل ترکہ چچا کو ملے گا نہ پھوپی
کو اور اس تقدیر پر چچا کی لڑکی کو پھوپی کے لڑکے پر ترجیح ہونا چاہیئے ۱۲

۲؎ قولہ وان استووا الخ یعنی اگر سب درجہ میں برابر ہوں لیکن ان کی جہت قرابت میں اختلاف ہو
اس طرح کہ انمیں سے بعض باپ کی جانب کے ہوں اور بعض ماں کی جانب کے تو ایسی صورت
میں ظاہر الروایہ کے مطابق قوت قرابت اور ولد عصبہ ہونے کا بالکل اعتبار نہ کیا جائیگا چنانچہ
حقیقی پھوپی کی اولاد علاتی یا اخیافی ماموں اور علاتی یا اخیافی خالہ کی اولاد سے اولی نہ ہوگی اس
لئے کہ پھوپی کی اولاد میں قوت قرابت کا اعتبار نہ ہوگا۔ اسی طرح چچا کی لڑکی علاتی یا اخیافی ماموں
یا خالہ کی لڑکی سے اولی نہ ہوگی اس لئے کہ چچا کی بیٹی میں ولد عصبہ ہونیکا اعتبار نہیں کیا جاتا
ہے۔ فتاوی کی بعض کتابوں میں مرقوم ہے کہ یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ ایک شخص نے حقیقی چچا کی لڑکی
اور حقیقی ماموں کا لڑکا چھوڑ کر وفات پائی تو اس مسئلہ میں کیا حکم ہے جواب دیا گیا کہ اس میں
اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ دو تہائی ترکہ چچا کی لڑکی کا ہے اور باقی
ایک تہائی ماموں کے لڑکے کا ہے۔ یہی صاحب ہدایہ دکنز و ملتقی کا مختار مذہب ہے اور کنز و ہدایہ
کی شروح میں اسی کے موافق مذکور ہے لیکن معراج الروایہ میں مرقوم ہے کہ ظاہر الروایہ کے موافق
یہ ہے کہ ماموں کے لڑکے کا ترکہ میں کوئی حق نہیں۔ تمام مال چچا کی لڑکی کے لئے ہے اس لئے کہ وہ
ولد عصبہ ہے۔ منوار السراج میں لکھا ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے شمس الائمہ سرخسی اور تمرتاشی کی بھی یہی
روایت ہے اور مضمرات میں اسی کو صحیح بتلایا ہے لیکن فتاوی حمادیہ میں اول کو معتبر مانا ہے ۱۲

۳؎ قولہ قیاسا الخ یعنی جہت قرابت کے مختلف ہونے کی صورت میں قوت قرابت اور ولد عصبہ
ہونے کے اعتبار نہ کرنے کو حقیقی پھوپی پر قیاس کیا ہے کہ وہ باوجودیکہ باپ و ماں دونوں کیجانب
سے دوہرا رشتہ رکھنے والی اور دونوں طرف سے ولد وارث ہے اس لئے اس کا باپ جد صحیح اور

عصبہ ہے اور اس کی ماں جدہ صحیحہ اور ذی فرض ہے مگر وہ علاتی یا اخیافی خالہ سے اولی نہیں ہے۔
جیسا کہ چوتھی صنف میں مذکور ہو چکا۔ پس وہاں ان دونوں میں نہ قوت قرابت کا اعتبار ہوا نہ ولد
عصبہ ہونے کا۔ اسی طرح چوتھی صنف کی اولاد میں بھی اعتبار نہ ہوگا لیکن دو تہائی ترکہ اس شخص
کو پہنچے گا جو باپ کی طرف سے رشتہ رکھتا ہے کیونکہ وہ باپ کا قائم مقام ہے پس اسلئے باپ کیطرف
رشتہ رکھنے والوں میں باوجود برابری درجہ کے اولاً قوت قرابت کا اعتبار کیا جائے گا پھر ثانیاً
ولد عصبہ ہونے کا اعتبار ہوگا اس لئے کہ جب انھوں نے اپنا حصہ لے لیا تو اس حصہ لینے کے قیاس
سے جہت قرابت میں متحد ہو گئے چنانچہ اگر میت ان کے حصّہ کی مقدار کے سوا کچھ نہ چھوڑتی تو
اول ان میں قوت قرابت کا لحاظ کیا جاتا۔ پھر ولد عصبہ ہونے کا لیکن ولد عصبہ یا ذی فرض ہونے کی
وجہ سے ایک ہی جہت میں ترجیح ہوتی ہے دو جہت میں تقدیم نہیں ہو سکتی بلکہ میت کے ساتھ
پشت کے اتصال کا اعتبار ہوتا ہے باقی تہائی ترکہ ماں کی طرف رشتہ رکھنے والوں کے لئے ہے۔
کہ وہ ماں کے قائم مقام ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر میت کے ماں باپ دونوں کی جہت سے ہوں
مثلاً میت کے باپ کے بہن کی بیٹی یعنی میت کی پھوپی زاد بہن اور میت کی ماں کے بہن کی بیٹی یعنی
خالہ زاد بہن ہے تو پھوپی زاد بہن کو دو تہائی اور خالہ زاد بہن کو ایک تہائی ملے گا۔ ہاں اگر باپ
کی جہت میں پھوپیاں مختلف ہوں مثلاً حقیقی پھوپی کی لڑکی اور علاتی و اخیافی پھوپیوں کی لڑکیاں
اور خالہ زاد بہن ہے تو دو تہائی پھوپی زاد بہنوں کی طرف آیا۔ وہ تینوں پھوپیوں کی لڑکیوں میں سے صرف
حقیقی پھوپی زاد بہن کو ملے گا اور ان میں قوتِ قرابت معتبر ہے اس شخص کے قیاس پر جو باپ کی طرف
منسوب ہو جس کا مفصل حال اوپر گزر چکا۔ دیکھو۔ مصنف نے یہاں مادری رشتہ داروں میں صرف
قوتِ قرابت کا نام لیا اور ولد عصبہ ہونے کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ماں کی جانب کے رشتہ داروں میں
عصوبت واقع نہیں ہوتی۔ صاحب ہدایہ نے فرائض عثمانیہ میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ شمس الائمہ سرخسیؒ نے
بیان کیا ہے کہ یہ استحقاق جانبین میں سے ایک جانب میں عدد کی کثرت اور دوسری جانب میں عدد کی قلت
کی وجہ سے معتبر نہیں ہوتا۔ مثلاً میت نے پھوپی کی کئی لڑکیاں اور خالہ کی ایک لڑکی چھوڑی تو دو تہائی
پھوپی کی لڑکیوں کو اور ایک تہائی خالہ کی اکیلی لڑکی کو ملے گا۔ یہ اس لئے کہ میت کے ساتھ قرابت رکھنے
میں پھوپی زاد بہنوں اور خالہ زاد بہن میں سے کوئی بعید نہیں بلکہ برابر ہیں صرف جہت کا فرق ہے۔
اول باپ کی جہت سے ہیں اور دوسری ماں کی جہت سے ہے تو اس جہت کا لحاظ اول مرتبہ اس طرح
کیا گیا کہ باپ کی جہت والوں کو دو تہائی اور ماں کی جہت والوں کو ایک تہائی دیا گیا اور اسکے علاوہ
کوئی اور وجہ ترجیح کی نہیں ہے حتی کہ اگر پھوپی زاد صرف ایک بہن اور خالہ زاد کئی بہنیں ہوتیں
تو بھی پھوپی زاد اکیلی بہن کو دو تہائی اور کئی خالہ زاد بہنوں کو صرف ایک تہائی حصہ ملتا یہ بھی

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی یُقْسَمُ الْمَالُ عَلٰی اَوَّلِ بَطْنٍ اِخْتَلَفَ مَعَ اِعْتِبَارِ عَدَدِ الْفُرُوْعِ وَالْجِهَاتِ فِی الْاُصُوْلِ کَمَا فِی الصِّنْفِ الْاَوَّلِ ثُمَّ یَنْتَقِلُ هٰذَا الْحُکْمُ اِلٰی جِهَةِ عُمُوْمَةِ اَبَوَیْهِ وَخُؤُوْلَتِهِمَا ثُمَّ اِلٰی اَوْلَادِهِمْ ثُمَّ اِلٰی جِهَةِ عُمُوْمَةِ اَبَوَیْ اَبَوَیْهِ وَخُؤُوْلَتِهِمَا ثُمَّ اِلٰی اَوْلَادِهِمْ کَمَا فِی الْعَصَبَاتِ

(ای عددا بدانهم ۱۲) (ای اعمام الوالدین) (ای اخوالهما ۱۲)

ترجمہ :- اور امام محمدؒ کے نزدیک مال کو اس پہلے بطن پر (جسمیں ذکورت و انوثت کا) اختلاف ہوا ہے اصول میں جہات قرابت اور عدد فروع کا اعتبار کرتے ہوئے تقسیم کیا جاویگا جس طرح پہلی صنف میں (تفصیل کے ساتھ دونوں اماموں کا مذہب بیان کیا گیا ہے) پھر ترتیب وار اس حکم (مذکور) کو اس (میت) کے والدین کے چچوں اور ماموؤں کی طرف منتقل کیا جائے پھر اُن کی اولاد کی طرف اس کے بعد اس (میت) کے دادا دادی کے چچوں اور ماموؤں کی طرف پھر ان کی اولاد کی طرف (منتقل کیا جائے) جیساکہ عصبات میں (ترتیب ہے)

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

واضح رہے اگر ان بہنوں میں سے بعض میں دو جہت سے قرابت ہو اور بعض میں ایک ہی جانب سے قرابت ہو تو جہت مختلف ہونے کے وقت اس لحاظ سے ترجیح ابتدائی استحقاق میں قائم نہ ہوگی اور جب جہت متحد ہو تو البتہ جو باپ کی جانب کا ہے وہ ماں کی جانب والے پر مرجح ہے خواہ مرد ہو یا عورت، واضح کلام اس بارہ میں یہ ہے کہ میت کے باپ کی جانب سے جو ذی رحم ہے اس کو اپنا استحقاق ہے اور جو ماں کی جانب سے ہے وہ بھی مستحق ہے پس اگر میت نے حقیقی پھوپی کی لڑکی جس کو ماں باپ دونوں کی جانب سے قرابت ہے اور علاتی خالہ کی لڑکی جس کو صرف ماں کی جانب سے قرابت ہے چھوڑی تو مال کی دونوں مستحق ہیں اگرچہ حقیقی پھوپی زاد بہن کو ماں باپ دونوں کی جانب سے قرابت ہے اور خالہ زاد بہن کو صرف ماں ہی کی جہت سے قرابت ہے لیکن پھوپی زاد بہن کو کل ترکہ کے استحقاق کی ترجیح اسلئے نہیں ہوئی کہ ایک کی قرابت میت کے ساتھ باپ کی جہت سے ہے اور دوسرے کی ماں کی جہت سے ہے اسی

سلہ قولہ وعند محمدؒ الخ یعنی محمدرحمہ کے نزدیک اصول کا اعتبار رہے اس لئے وہ ہر فریق کے حصہ کو جو
کچھ بھی ہو اول بطن پر جس میں ذکورت وانوثت کا اختلاف واقع ہوا ہے اصول میں عدد فروع
وجہات کا اعتبار کرکے تقسیم کرتے ہیں جیسا کہ صاحبینؒ کا مذہب پہلی صنف یعنی بیٹیوں اور پوتیوں
کی اولاد کے بارے میں واضح طور پر گزر گیا۔ یعنی اگر ایک کی اصل مرد ہے اور دوسرے کی اصل عورت ہے
تو امام ابو یوسف رحمہ ابدان فروع کے اعتبار سے تقسیم کرتے ہیں۔ اور امام محمدرحمہ جس جگہ پر اصول میں
اختلاف واقع ہوا ہے وہاں پر مسئلہ کی تصحیح کرکے اصول پر ان کے ابدان کے موافق تقسیم کرکے انکا
حصہ ان کی اولاد کو دیتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ میت نے ایک علاتی پھوپی کے دو نواسہ احمد و محمود
اور علاتی پھوپی کی دو پوتیاں حمیدہ وسعیدہ جو کہ علاتی چچا کی نواسیاں بھی ہیں اور ان کے ساتھ علاتی
خالہ کی دو نواسیاں عابدہ وزاہدہ اور دوسری خالہ کے دو پوتے خالد وحامد جو کہ علاتی ماموں کے
نواسہ بھی ہوتے ہیں چھوڑے جن کی شکل یہ ہوتی ہے۔

علاتی پھوپی	علاتی پھوپی	علاتی چچا	علاتی خالہ	علاتی خالہ
بیٹی دو بیٹے	بیٹا	بیٹی	بیٹی دو بیٹیاں	بیٹا دو بیٹے
احمد محمود	حمیدہ	سعیدہ	عابدہ ناہدہ	خالد حامد

دو بیٹیاں

یہاں اصل مسئلہ تین سے ہوکر دو تہائی یعنی دو باپ کی قرابت والوں کو ایک تہائی یعنی ایک ماں کی

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

لئے مشائخ نے فرمایا ہے کہ جب جہت قرابت مختلف ہو تو حقیقی قرابت والے کو علاتی قرابت والے پر
ترجیح اور تقدیم نہیں ہوتی۔ چنانچہ مثال مذکور میں پھوپی زاد بہن کو تمام ترکہ کے لئے تقدیم نہ ہوگی۔
ہاں اگر ایک ہی جہت سے دونوں ہوں تو البتہ جس ذی رحم کو باپ کی جہت سے قرابت ہے وہ
دوسرے پر جس کو صرف ماں کی جہت سے قرابت ہے مقدم ہے مثلاً ایسی مثال میں حقیقی پھوپی
زاد بہن ہوتی اور دوسری اخیافی پھوپی زاد بہن ہوتی یعنی باپ کی اخیافی بہن کی لڑکی ہوتی کہ دونوں
باپ ہی کی جانب سے قرابتی ہیں پس حقیقی کو اخیافی پر ترجیح ہوگی کہ حقیقی کل ترکہ پالے گی ۱۲
سلہ قولہ ثم عند ابی یوسفؒ الخ یعنی ماں باپ کی جانب والوں پر دو تہائی لمعہ ماں کی جانب والوں پر
ایک تہائی تقسیم کرنے کے بعد جو کچھ ہر فریق کو پہنچا ہے اس کو اس فریق کے فروع کے رؤس کا اعتبار کرکے
اس کے عدد رؤس پر امام ابی یوسفؒ کے نزدیک تقسیم کیا جائے رؤس کے اعتبار کے ساتھ ساتھ فروع
میں جہات کا بھی ابو یوسف رحمہ کے نزدیک اعتبار کیا جائے کیونکہ ہر فرع میں جہت ہی ارث کا سبب ہے،
اس تقسیم کی یہ وجہ ہے کہ ابو یوسف رحمہ کے نزدیک فروع کا اعتبار رہے۔ ۱۲

قرابت والوں کو دیا۔ لیکن ابو یوسف رحہ کے نزدیک مسئلہ کی تصحیح تیس سے ہوتی ہے اس لئے جو کچھ باپ کے فریق کو ملا ہے وہ دو ہیں اور فریق پدری کی تعداد جبکہ ان کی فروع میں عدد جہات کا اعتبار کیا جائے چار ہیں اس فریق میں دو بیٹیاں بمنزلہ چار بیٹیوں کے ہیں کیونکہ علاتی پھوپی کے بیٹے کی طرف سے دو بیٹیاں ہیں اور دو بیٹیاں علاتی چچا کی بیٹی کی طرف سے ہیں پھر ان چاروں بیٹیوں کے عدد دوس کو مختصر کرکے بمنزلہ دو بیٹوں کے قرار دیا۔ پس فریق پدر میں چار لڑکے جمع ہیں اور ان چار کو دو سہم ملتے ہیں جو ان پر پورے پورے تقسیم نہیں ہوتے بلکہ متوافق بالنصف ہیں۔ پس ان کے عدد دوس کا نصف کی طرف رد کیا گیا دو ہوئے اور یہ رد ان کے عدد دوس کا وفق ہے اس کو ہم نے محفوظ رکھا اب ماں کی جانب کے فریق کو دیکھا تو اس کو ایک ملا تھا اور جب ان میں فروع کے عدد جہات کا اعتبار کیا تو ان کی تعداد پانچ ہوئی اس لئے کہ اس فریق کے دو لڑکے بمنزلہ چار لڑکوں کے ہوئے جن میں دو لڑکے علاتی خالہ کے بیٹے کی طرف کے ہیں اور دو لڑکے علاتی ماموں کی بیٹی کی طرف کے ہیں اور اختصار کی بناء پر علاتی خالہ کی بیٹی کی دو لڑکیوں کو ایک لڑکا مان لیا۔ پس فریق مادری پانچ لڑکوں پر مشتمل ہو گیا اور ایک سہم پانچ لڑکوں پر پورا پورا تقسیم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دونوں میں مباینت ہے تو ہم نے پانچ عدد دوس کو محفوظ رکھا۔ فریق پدری کے عدد دوس کے وفق یعنی دو کو فریق مادری کے عدد دوس پانچ میں غور کیا تو تباین کی نسبت پائی۔ تو دو کو پانچ میں ضرب دینے سے دس حاصل ہوئے ان دس کو اصل مسئلہ تین میں ضرب دیا تو تیس حاصل ہوئے اس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ تیس کے دو تہائی بیس باپ کے فریق کو ملے ان میں سے دس علاتی پھوپی کے دونوں نواسوں کو ملے اور دس دوسری علاتی پھوپی کی دونوں پوتیوں کو پہنچے جو علاتی چچا کی نواسیاں بھی ہیں اور تیس میں سے تہائی یعنی دس ماں کی جانب والوں نے پائے اس طرح کہ آٹھ انہیں سے دو لڑکوں کو اور دو سہم دو لڑکیوں کو ملے۔ امام محمد رحہ کے نزدیک اس مسئلہ کی تصحیح ۳۶ سے ہوگی اس لئے کہ ان کے نزدیک پہلے اس بطن پر تقسیم کیا جائے گا جن میں ذکورت و انوثت کا اختلاف واقع ہوا ہے اور اسی میں فروع کی تعداد اور جہات کا اعتبار کیا جائے گا۔ پس باپ کی طرف والوں میں ایک علاتی چچا کو دو چچا مان کر بمنزلہ چار پھوپیوں کے سمجھا جائے گا اور دو علاتی پھوپیوں میں سے ہر ایک کو دو دو پھوپی مانا جائے گا تو سب مل کر آٹھ پھوپیاں ہوئیں اس عدد دوس میں اس طرح اختصار ہوگا کہ جس ایک چچا کو چار پھوپیوں کا قائم مقام مانا گیا تھا پھر بدستور ایک چچا مان لیا جائے گا اور باقی چار پھوپیوں کو ایک دوسرا چچا قرار دیا جائے گا پس ہر ایک چچا کو دو تہائی یعنی دو میں سے ایک ایک ملے گا اور ماں کی جانب والوں میں ایک علاتی ماموں کو بمنزلہ دو ماموں کے قرار دیکر چار خالاؤں کے برابر سمجھا جائے گا اور دو علاتی خالاؤں میں سے ہر ایک کو دو دو خالہ

قرار دیا جائے گا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ فروع کے اعداد و جہات کا اصول میں اعتبار کیا گیا ہے
پھر عدد رؤس میں اختصار کر کے اس ماموں کو جسے بمنزلہ چار خالاؤں کے فرض کیا گیا ہے ایک ماموں
مانا جائے گا اور باقی چار خالاؤں کو بھی ایک دوسرا ماموں سمجھا جائے گا تو کل دو ماموں ہوئے
اور اصل مسئلہ تین سے جو تہائی یعنی ایک ان کو پہنچا تھا۔ دو ماموؤں پر پورا پورا تقسیم نہیں ہو سکتا
تو ان ماموؤں کے عدد رؤس دو کو اصل مسئلہ تین میں ضرب دیکر چھ حاصل ضرب ہوئے ان چھ میں
سے چار باپ کی جانب والوں کو دیئے جائیں گے ان چار میں سے دو علاتی چچا کو ملیں گے اور اس کو
ایک علیحدہ گروہ قرار دیکر اس کا حصہ اس کی آخری فروع یعنی دونوں نواسیوں کو ملے گا پس دونوں
میں سے ہر ایک کو ایک ایک پہنچ جائیگا اور باقی چار میں سے دو سہام دونوں علاتی پھوپیوں کو
ملیں گے اور ان کو ایک علیحدہ گروہ قرار دیکر ان دونوں کے نیچے کے بطون میں غور کیا جائے گا تو ایک
لڑکا بمنزلہ دو لڑکوں کے اور ایک لڑکی بمنزلہ دو لڑکیوں کے قرار دی جائے گی اس لئے کہ انہیں ان
کے عدد فروع کا اعتبار ہوگا۔ اور جب ان کے عدد رؤس میں اختصار کریں گے تو دو لڑکیاں بمنزلہ
ایک لڑکے کے قرار دی جائے گی تو اب تمام تین لڑکے ہوئے اور دونوں پھوپیوں کا حصہ ان تین لڑکوں
پر پورا پورا تقسیم نہیں ہوتا بلکہ دونوں میں مباینت ہے تو ان تین عدد رؤس کو محفوظ رکھا اور ماں
کی طرف والے فریق کو چھ میں سے دو ملے تھے ان دو میں سے ماموں کو ایک دیکر ایک علیحدہ گروہ قرار
دیا باقی ایک دونوں خالاؤں کو دیکر ان کا ایک علیحدہ گروہ قرار دیا جو کہ ماموں کا حصہ ایک ہے جو ان
کے دونوں نواسوں پر نقل کیا گیا تو یہ ان پر پورا پورا تقسیم نہیں ہوتا۔ پس ان کے عدد رؤس کو محفوظ
رکھا۔ پھر جب خالاؤں کے نیچے کے بطن میں نظر ڈالی تو ایک لڑکا بمنزلہ دو لڑکوں کے اور ایک لڑکی
بمنزلہ دو لڑکیوں کے ہیں۔ اور ایک عدد سہام ان پر پورا پورا تقسیم نہیں ہوتا تو تین عدد رؤس
کو محفوظ رکھا۔ اب ہمارے سامنے تین قسم کے عدد رؤس ہیں۔ تین، دو، تین، جب ان میں غور کیا تو
تین تین میں مماثلت پائی تو ان میں سے ایک پر کفایت کی اور دو اور تین میں مباینت پائی تو ایک
کو دوسرے میں ضرب دیا تو حاصل ضرب چھ ہوا۔ ان چھ کو اصل مسئلہ چھ میں ضرب دیا تو چھتیس ۳۶
حاصل ہوئے جس سے اس مسئلہ کی تصحیح ہو جائے گی اس طرح کہ باپ کے فریق کے اصل مسئلہ سے
چار تھے۔ جب ان کو مضروب یعنی چھ میں ضرب دیا تو چوبیس ہو گئے جو فریق پدری کا حصہ ہے
اب ان میں سے ہر ایک کا حصہ چھتیس میں سے معلوم کرنے کی یہ صورت ہے کہ علاتی چچا کی دونوں
نواسیوں حمیدہ و سعیدہ کا حصہ جو چچا کی طرف سے جو دو ہے اس کو مضروب یعنی چھ میں ضرب دیا تو
بارہ حاصل ہوئے ان میں سے ہر ایک کو چھ چھ ملے پھر جب ان دونوں حمیدہ اور سعیدہ کے حصہ کو

جو ان کی دادی یعنی میت کی علاتی پھوپی کی طرف سے ملا ہے جو کہ ایک ہے اس کو مضروب میں ضرب دیا تو چھ ہی حاصل ہوئے کہ اسمیں سے ہر ایک کو تین تین پہنچے غرضیکہ حمیدہ وسعیدہ میں سے ہر ایک کا حصہ نو نو ہوا۔ چھ چھ ان کے نانا کی طرف سے اور تین تین ان کی دادی کی طرف سے اسی طرح علاتی پھوپی کے دونوں نواسوں احمد اور محمود کا حصہ کہ ایک حصہ ہے اس کو مضروب یعنی چھ میں ضرب دیا تو چھ ہی حاصل ہوئے ان میں سے ہر ایک کو تین تین پہنچے اور ان تمام سہام کا مجموعہ چوبیس ہوگیا فریق مادری کا حصہ اصل مسئلہ سے دو تھا جب ان کو مضروب یعنی چھ میں ضرب دیا تو بارہ حاصل ہوئے یہ بارہ ان چھتیس میں سے ماں کے فریق کا حصہ ہوا اب انمیں سے ہر ایک شخص کا حصہ اس طرح معلوم کریں گے جب علاتی ماموں کے دونوں نواسوں خالد وحامد کے حصہ کو کہ ایک ہے مضروب یعنی چھ میں ضرب دیا چھ ہی حاصل ہوئے تو ہر ایک کو تین تین پہنچے اور جب دونوں خالاؤں کی فروع کا حصہ کہ وہ بھی ایک ہے اس مضروب چھ میں ضرب دیا تو چھ ہی حاصل ہوئے پس اس میں خالہ کے دونوں پوتوں خالد اور حامد کو چار ملے کہ ہر ایک کے حصہ میں دو دو آئے ان میں سے ہر ایک کو پانچ پانچ ملے۔ تین تین ماموں کی جانب سے اور دو دو خالہ کی جانب سے اور دوسری خالہ کی دونوں نواسیوں عابدہ اور زاہدہ کے۔ ان میں سے دو ہیں کہ ہر ایک کا ایک ایک ہوا۔ پس دونوں لڑکوں کے لئے دس۔ اور لڑکیوں کے لئے دو ہیں جن کا مجموعہ بارہ ہوا جب بارہ اور چوبیس کو جمع کیا تو چھتیس ہو جائیں گے ۱۲

سے قولہ ثم الخ جب کہ مصنف رح نے میت کے چچوں یا ماموؤں اور خالاؤں اور ان کی اولاد کے حالات بیان کرنے سے فراغت پائی تو میت کے ماں باپ کے جانبداروں یعنی ان کے چچوں، پھپیوں ماموؤں اور خالاؤں اور ان کی اولاد کے حالات کو بیان کرنا شروع کیا یعنی جب خود میت کے چچا اور پھوپیاں اور خالائیں اور ماموں اور ان کی اولاد موجود نہ ہو تو یہ حکم میت کے ماں باپ کے اسی قسم کے رشتہ داروں کی طرف منتقل ہوتا ہے جس کی تفصیل آگے بیان کرتے ہیں ۔ ۱۲

سے قولہ الی جھۃ الخ یعنی اوپر والا حکم میت کے ماں باپ کے اخیافی چچا اور اس کی ماں باپ کی پھوپی اور ماموں اور خالہ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ پس ان میں سے اگر کوئی تنہا ہو تو مزاحم نہ ہونے کی وجہ سے کل مال اس کو مل جائے گا۔ اور اگر سب مجتمع ہوں اور اس حالت میں جہت قرابت متحد ہو تو ان میں سے سب سے قوی کو ترجیح ہوگی خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور اگر سب کی قرابت برابر ہو اس طرح کہ صرف باپ کی جانب کے ہوں یا فقط ماں کی جانب کے تو ان پر اس طرح تقسیم ہوگی کہ مرد کو عورت سے دوچند ملے گا اور اگر جہت قرابت میں اختلاف ہوگا تو باپ کی جانب والے کو دو حصہ اور ماں کی جانب والے کو ایک حصہ پہنچے گا اور اگر مذکورہ بالا اشخاص موجود نہ ہوں تو حکم سابق

فَصْلٌ فِي الْخُنْثٰى[۵۲]

لِلْخُنْثٰى الْمُشْكِلِ[۵۳] أَقَلُّ النَّصِيْبَيْنِ أَعْنِيْ أَسْوَءَ الْحَالَيْنِ عِنْدَ
ای نصیبی الذکر والانثی ۱۲ — من الذکورة والانوثة ۱۲
أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَأَصْحَابِهٖ وَهُوَ قَوْلُ عَامَّةِ الصَّحَابَةِ
رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى كَمَا إِذَا تَرَكَ ابْنًا وَّ
عندنا ۱۲ — مسئلہ
بِنْتًا وَّخُنْثٰى لِلْخُنْثٰى نَصِيْبُ بِنْتٍ لِأَنَّهٗ مُتَيَقَّنٌ وَعِنْدَ الشَّعْبِيِّ[۵۵]
رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى
عَنْهُمَا لِلْخُنْثٰى نِصْفُ النَّصِيْبَيْنِ بِالْمُنَازَعَةِ وَاخْتَلَفَا[۵۶] فِيْ تَخْرِيْجِ
ای الصاحبان ۱۲ — ای تقریر قوله ۱۲
قَوْلِ الشَّعْبِيِّ قَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِلْابْنِ سَهْمٌ
فی امثال الذی ذکر فی المتن
وَلِلْبِنْتِ نِصْفُ سَهْمٍ وَلِلْخُنْثٰى ثَلٰثَةُ أَرْبَاعِ سَهْمٍ ط

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

میت کے ماں باپ کے اخیافی پھوپی اور ماموں اور خالہ کی اولاد کی طرف منتقل ہوگا پھر اگر ان کی بھی اولاد نہ ہو تو حکم مذکور بالا میت کے ماں باپ کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اخیافی چچا، پھوپی، ماموں اور خالہ کی طرف منتقل ہوگا پھر ان کی عدم موجودگی میں انکی اولاد کیطرف منتقل کیا جائیگا اسی طرح غیر متناہی سلسلہ تک یہ حکم جاری رہے گا۔ ۵۴ قولہ کما فی العصبات یعنی جیساکہ عصبات میں قاعدہ ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذوی الارحام کی توریث باعتبار معنی عصوبت کے ہے پس اسمیں عصوبت حقیقی کا اعتبار کیا جائیگا تو جو حکم عصوبت حقیقی میں میت کے چچا پھوپی کے لئے ہے وہی حکم ماں باپ کے چچوں پھوپیوں کی طرف منتقل کیا جاتا ہے پھر اسکے اجداد جدات کے چچوں، پھوپیوں کی طرف جاری ہوتا ہے تو یہی قاعدہ عصوبت معنوی میں بھی جاری ہونا چاہیئے کیونکہ ذوی الارحام عصبات حکمی و معنوی ہیں۔

ترجمہ ۵۱؎ :- یہ، فصل خنثیٰ (کی میراث کے بیان) میں ہے خنثائے مشکل کے لئے ابوحنیفہ رح اور آپ کے اصحاب کے نزدیک (مرد و عورت کے) دونوں حصوں میں سے کمتر (حصہ) ہے یعنی (ذکورت و انوثت کی) دو حالتوں میں سے بدتر (حالت) ہے اور یہی قول اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جبکہ (میت) نے ایک بیٹا ایک بیٹی اور خنثیٰ (مشکل) چھوڑا تو (اس صورت میں) خنثیٰ (مذکور) کے لئے ایک بیٹی کا حصہ ہے اس لئے کہ وہ (حصہ) یقینی ہے اور امام شعبی رح کے نزدیک کہ وہی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے خنثیٰ کے لئے جھگڑے کی وجہ سے (مرد و عورت کے) دونوں حصوں کا نصف (حصہ) ہے اور ان دونوں امام ابویوسف رح و محمد رح نے امام شعبی رح کے قول کی تخریج و تقریر میں اختلاف کیا ہے امام ابویوسف رح نے مثال مذکور میں فرمایا ہے کہ بیٹے کا ایک سہم ہے بیٹی کا آدھا سہم اور خنثیٰ کا پون سہم ہے۔

سـ۵۱ قولہ فصل الخ ۔ مصنف رح نے جبکہ غالب الوجود یعنی مرد و عورت کی میراث کے احکام بیان کرنے سے فراغت پائی تو اب نادر الوجود یعنی خنثیٰ کی میراث کے احکام بیان کرنا شروع کئے نیز خالص مرد اور خالص عورتوں کے مقابلہ میں خنثیٰ ایسا ہے جیسا مفرد کے مقابلہ میں مرکب ہوتا ہے۔ اور ترتیب طبیعی مفرد کو مرکب پر مقدم کرنے کی مقتضی ہے اس لئے ماتن رح نے خالص مرد اور خالص عورتوں کی میراث کے احکام کو خنثیٰ کی میراث کے احکام پر مقدم کیا۔ ۱۲

سـ۵۲ قولہ فی الخنثیٰ الخ خنثیٰ کے معاملہ میں اصل یہ روایت ہے کہ عامر بن ظرب عدوانی زمانہ جاہلیت میں حکمائے عرب میں سے تھا یہ حادثہ اس کے روبرو پیش کیا گیا اور اس سے خنثیٰ اشکل کے بارے میں سوال کیا گیا تو وہ متحیر ہوا اور اس نے کہا کہ وہ مرد اور عورت ہے لوگوں نے اس کے اس قول کو قبول نہیں کیا جب وہ خواب کے ارادے سے گھر میں داخل ہوا تو بستر پر مضطربانہ کروٹیں لینے لگا مگر اس پر نیند غالب نہ آئی ایک چھوٹی لڑکی نے اسکا یہ حال دیکھ کر اس سے اضطراب کا سبب پوچھا حکیم مذکور نے حال بیان کیا لڑکی نے سن کر جواب دیا دع الحال واتبع المبال اور ایک روایت میں حکم المبال ہے یعنی حال کو چھوڑ ”جائے بول“ کی پیروی کر یا جائے بول کو محکم قرار دے۔ عامر یہ سن کر باہر نکلا اور اس پر یہ حکم کیا سب نے اس کے اس حکم کو پسند کیا۔ پس یہ حکم جاہلیت کا ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو ثابت رکھا۔

سـ۵۳ قولہ الخنثیٰ ۔ خُنثیٰ فُعْلیٰ کے وزن پر ہے جس کی جمع خَناثیٰ آتی ہے جیساکہ حُبلیٰ کی جمع حبالیٰ بفتح الادل آتی ہے یہ خنث بفتح خاء وسکون نون سے مشتق ہے جس کے معنی نرمی اور انعطاف (مڑنے) کے ہیں۔ چونکہ خنثیٰ میں یہ وصف پایا جاتا ہے اس وجہ سے اس نام کے ساتھ موسوم

کیا گیا اور اسی سے مخنث ماخوذ ہے بعض خبیث اور نامعقول لوگ جو اپنے آلۂ مردی کسی ترکیب سے کاٹ ڈالتے ہیں یا زنانہ لباس اور حرکات اختیار کرلیتے ہیں اور عرف میں ان کو مخنث اور ہیجڑا کہتے ہیں وہ میراث کے حکم میں مرد سمجھے جائیں گے اور ہر جگہ مرد کا حصہ پائیں گے اور دیگر احکام شرعیہ میں بھی وہ بالکل مرد ہی سمجھے جائیں گے ایسی صورت اور حالت اختیار کرنے والے شرعاً سخت گنہگار اور فاسق سمجھے جائیں گے۔ ایسے لوگوں سے پردہ نہ کرنا اور عورتوں میں آمد و رفت کی اجازت دینا بے عقلی اور بے غیرتی ہے یہاں خنثیٰ سے مراد وہ شخص ہے جو پیدائشی آلہ مردی و زنی دونوں رکھتا ہو یا ان دونوں میں سے ایک بھی نہ رکھتا ہو بخلاف خواجہ سرا کے کہ جسکا آلۂ مردی نہایت صغیر و حقیر ہوتا ہے تو وہ عورت سے مشتبہ نہیں۔ دوسری صورت میں یعنی آلہ مردی و زنی میں سے کوئی بھی نہ رکھتا ہو تو وہ حضرات شیعہ کے نزدیک خنثیٰ میں شمار نہیں ہوتا اس کا حکم قرعہ پر موقوف ہے خواہ قرعہ ذکورت کو مثبت ہو یا انوثت کو لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک وہ خنثیٰ کی ایک قسم ہے خنثیٰ کی ذکورت اور انوثت میں سے مرجحات شرعیہ اور عقلیہ سے جو راجح ہوئے تو اس کے حکم میں کچھ اشتباہ باقی نہیں رہتا یعنی اگر آلہ مردی سے پیشاب کرے تو اس کو مردوں میں شمار کریں گے اور اگر آلہ زنی سے پیشاب کرے تو اس کو عورتوں میں رکھیں گے جیسا کہ امام محمدؒ نے امام ابو یوسف رحؒ سے اور انھوں نے کلبیؒ سے انھوں نے ابو صالح سے اور انھوں نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایسا بچہ کیسے میراث پاتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس جگہ سے وہ پیشاب کرتا ہے (بیہقی) اور اسی کے مثل حضرت علیؓ اور حضرت جابرؓ اور حضرت قتادہؓ اور حضرت سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے بیہوطی رحؒ ابو صالح کی حدیث کو جو ابن عباس رضؓ سے مروی ہے نہایت ضعیف بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ البتہ حضرت علیؓ سے ایسا مروی ہے جس کو سعید ابن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ ہیثم نے مغیرہ سے انھوں نے شعبیؒ سے انھوں نے حضرت علی رضؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ہم سے خنثیٰ کا حال دریافت کیا تو ہم نے اُن کو جواب دیا کہ جدھر سے پیشاب کرتا ہو اس کے اعتبار سے وارث بنایا جائیگا۔ اور ابن عدی نے کامل میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے خنثیٰ کی میراث کا حکم دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا جہاں سے پیشاب کریگا اسی کا اعتبار ہوگا اور عبدالرزاق نے مصنف میں حضرت علی رضی اللہ عنہٗ سے بھی اسی طرح روایت کی ہے اور اگر دونوں جگہ سے پیشاب کرتا ہے تو جہاں سے اول پیشاب نکلتا ہے اس آلہ کا اعتبار کیا جائیگا کیونکہ دونوں آلوں میں سے جس سے اول خروج بول کا ہوا تو حکم کیا جائے گا خروج بول کے وقت کہ بچہ اسی صفت پر ہے پھر اگر دوسرے آلہ سے بول نکلا تو پہلا حکم متغیر نہ ہوگا مثلاً کسی شخص نے ایک عورت پر نکاح کے گواہ قائم کئے اور قاضی نے اس پر حکم دیدیا کہ یہ عورت شخص مذکور کی بیوی ہے پھر دوسرے شخص نے دوسرے گواہ اس عورت کے نکاح پر قائم کئے

تو اس کی طرف التفات نہ کیا جائیگا اور دعویٰ قابلِ قبول نہ ہوگا اسی طرح جبکہ ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ فلاں میرا بچہ ہے اور ثبوتِ نسب میں گواہ پیش کئے اور قاضی نے اس پر حکم دیدیا پھر دوسرے شخص نے دعویٰ کیا کہ یہ میرا بچہ ہے اور گواہ بھی پیش کئے تو دوسرے شخص کی طرف التفات نہ کیا جائے گا۔ اور اس کا دعویٰ خارج کردیا جائیگا۔ یہ تمام متفق علیہ ہے ۱۲

سلسلہ قولہ المشکل ۔ اشکال کی وجہ یہ ہے کہ انسان مرد و عورت میں منحصر ہے اور ذکورت وانوثت صفات متضادہ ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتی ہیں ایسے خنثیٰ کو مشکل اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں اس امر سے کوئی متعین نہیں ہے کہ عورت ہونے کو اس میں غلبہ ہے یا مرد ہونے کو مثلاً دونوں عضو سے ساتھ ہی پیشاب کرتا ہے یا کوئی عضو نہیں رکھتا اور پیشاب کی جگہ سوراخ ہے کہ کسی عضو کی ہیئت پر نہیں تو یہی خنثائے مشکل ہے کیونکہ احد الامرین سے کوئی متعین نہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پیشاب کی کثرت معتبر نہیں۔ برخلاف صاحبینؒ کے اس لئے کہ دونوں آلوں میں سے ایک آلہ سے پیشاب کے سبقت نہ کرنے کی صورت میں صاحبینؒ پیشاب کی مقدار کے زیادہ ہونے کو ترجیح کے لئے اعتبار کرتے ہیں ورنہ خنثائے مشکل میں شمار کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ پیشاب کے سبقت نہ کرنے کی صورت میں حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا لاَ علمَ لِی بِذٰلِکَ ۔ مجھ کو اسکے بارے میں علم نہیں صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس صورت میں ان دونوں کے بول کی کثرت کا اعتبار کیا جائیگا اس لئے کثرت بول زیادت قوت پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت امام اعظمؒ نے ابویوسف کے اس قول کو رد کیا اور ان سے فرمایا کیا تم نے کسی قاضی کو دیکھا ہے کہ وہ پیشاب کو کسی پیمانے سے وزن کرتا ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک کثرت بول معتبر نہیں بخلاف صاحبینؒ کے اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ کثرت خروج اصالت عضو پر دلالت کرتا ہے اور اصول شرع میں اکثر کو حکم کل کا ہے مثلاً تھوک میں خون آئے تو وضو کے ٹوٹنے نہ ٹوٹنے میں اعتبار کثرت کا ہے اسی طرح عورت کے دودھ میں بکری کا دودھ مختلط ہونے سے رضاعت کے ثابت ہونے نہ ہونے میں کثرت کا اعتبار ہے اور امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ کثرت خروج کشادگی مخرج پر دلالت کرتا ہے نہ اصالت عضو پر کذا فی الطحاوی و مجمع الانہر۔ اور علمائے شیعہ انقطاع بول کے تاخیر کا اعتبار کرتے ہیں اگر دونوں راہ سے پیشاب مساوی مقدار میں نکلے تو بالاتفاق امام اعظم و صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک خنثائے مشکل ہے اسلئے کہ کوئی ترجیح دینے والا امر موجود نہیں ہے چنانچہ تساوی کی صورت میں صاحبینؒ نے فرمایا کہ ہم کو اس باب میں علم نہیں۔ کذا فی منور السراج۔ اور لاعلمی کا اقرار صریح دلیل ہے تفقہ رجل پر اور اس کی دیانت پر پس اس لاعلمی کے اقرار میں امامؒ اور صاحبینؒ پر طعن نہ کی جائے اور تساوی کی صورت میں علمائے شیعہ میں سے بعض قرعہ پر عمل کرتے ہیں اور بعض دونوں پہلوؤں کی ہڈیوں کو حکم قرار دیتے ہیں۔ ہر دو پسلیوں کی تعداد مساوی ہونے کی صورت میں عورت شمار کرتے ہیں اور اختلاف کی صورت میں مرد خیال کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ خنثائے مشکل کے یہ معنی کہ

بغیر ترجیح کے دونوں جانب مشتبہ ہے یہ اشتباہ تا زمانہ بلوغ رہے گا۔ پس اگر ایک شخص مرا اور اسنے
دو لڑکے اور ایک خنثائے مشکل چھوڑا تو بالفعل خنثیٰ کو صرف لڑکی کا حصہ دیا جائے پھر اگر دونوں
قسم کے عضو رکھنے والا شخص بالغ ہوا اور اس کے ڈاڑھی نکل آئی یا عورت سے اس نے ہم بستری کی تو اب
یقینی طور پر وہ مرد ہے اور جو اس کے پستان ابھر آئیں یا دودھ اتر آیا یا حیض آگیا یا حمل رہ گیا یا
اس سے کسی شخص نے صحبت کی تو وہ عورت ہے اور اس وقت میں اشکال رفع ہو جائے گا اور وہ اب
صرف خنثیٰ ہے اور بلوغ کے بعد ان علامات میں سے کوئی ظاہر نہ ہو یا ذکورت اور انوثت دونوں کی علامات
جمع ہو گئیں کہ ڈاڑھی بھی نکل آئی۔ پستان بھی ابھر آئیں تو خنثائے مشکل ہے غرضیکہ بلوغ کے بعد بھی
کبھی اشکال باقی رہ جاتا ہے چنانچہ شریفیہ کے حاشیہ پر مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی رح نے لکھا ہے کہ
محقق طوسی جو اثنا عشری شیعوں میں علوم حکمیہ کا زبردست عالم تھا اس کے عورتوں جیسی شرمگاہ بھی تھی
اور مردوں کا عضو تناسل بھی۔ اور دونوں عضوؤں کے استعمال سے حظ حاصل کرتا تھا خوبصورت
توانا تندرست قوی الباہ مرد پر عاشق ہو کر اس سے صحبت کراتا اور اس کے مجامعت کرنے سے حظ
پاتا اور محقق موصوف کے پاس زوجہ بھی تھی جس سے خود صحبت بھی کرتا اور صاحب اولاد ہوا۔ ۱۲

سے قولہ للخنثیٰ المشکل الخ چونکہ خنثائے مشکل کی وراثت میں اختلاف تھا اس لئے مصنف رح نے
اس کے لئے ایک علیحدہ فصل قائم کر کے بیان کیا۔ للخنثیٰ المشکل الخ یعنی خنثائے مشکل کو ترکہ سے
وہ حصہ ملے گا جو مرد و عورت دونوں کے حصوں میں سے کمتر ہوگا۔ مصنف رح نے اقل النصیبین کی
تفسیر اَسْوَءُ الْحَالَیْنِ سے کی ہے جس کا مطلب یہ ہے جو دو حالتوں میں سے بدتر حالت ہوگی خواہ کمتر حصہ
یا محرومی وہی بدحالی اس کے نصیب میں ہے تو اَسْوَءُ الْحَالَیْنِ قلت اور حرمان دونوں کو شامل ہے۔
خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر مرد ٹھیرانے سے اُسے کم ملے یا کچھ نہ ملے تو اس کو مرد ٹھیرائیں گے اور اگر عورت
ٹھیرانے سے اُسے کم ملے یا کچھ نہ ملے تو اس کو عورت ٹھیرائیں گے۔ اگر شبہ کیا جائے کہ اقل النصیبین کی تفسیر
اسوء الحالین کے ساتھ کیوں کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اقل النصیبین سے ذکورت و انوثت کی بدتر
حالت مراد نہ لی جائے تو مسئلہ کا حکم ہم پر اس صورت میں مشتبہ اور پوشیدہ رہے گا کہ خنثیٰ ذکورت
و انوثت کی دو حالتوں میں سے ایک حالت میں تو وارث ہو اور دوسری حالت میں محروم ہو
مثلاً میت نے شوہر اور حقیقی بہن اور علاتی خنثیٰ چھوڑے تو اس صورت میں اگر خنثیٰ کو عورت
مانیں تو اس کو سات سہام میں سے ایک سہم ملے گا۔ اور اگر مرد فرض کریں تو اس کو کچھ نہیں ملتا بس
اقل النصیبین سے بدتر حالت مراد ہوگی تو حکم مذکور اس صورت کو بھی شامل ہو جائیگا اس لئے
کہ خنثیٰ کا محروم ہونا ذکورت کی صورت میں بدتر حالت ہے نہ اقل النصیبین یہ امام ابو حنیفہ رح کا مذہب ہے
اور ان کے اصحاب امام ابو یوسف و محمد رح کے نزدیک مختار ہے جیسا کہ مختلف الروایت میں فقیہ ابو اللیث

نے اور شرح حاوی میں اسبیجابی نے اور کافی کی شرح میں سرخسی نے لکھا ہے اسی طرح ذخیرہ اور محیط میں بھی ہے لیکن مختصر قدوری اور اس کی شرح اقطع اور ہدایہ میں اسکے خلاف ذکر کیا ہے اس لئے ان تینوں کتابوں میں آیا ہے کہ محمدؒ ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں اور ابو یوسف رح کا قول آئندہ کہ انھوں نے بقیاس قول شعبی رح کے اختیار کیا ہے اور اُن کا یہ آخری قول ہے جو قول اول کو کہ ابو حنیفہ رح کے موافق تھا ترک کر کے اختیار کیا ہے اور ابو یوسف رح کا یہ آخری قول ابو حنیفہ رح کے قول کے سراسر مخالف ہے جس کو ابو یوسف رح اور محمد رح چھوڑ چکے ہیں پس مصنف رح کا تعمیم کے ساتھ کہنا کہ امام رح کے اصحاب بھی ان کے موافق ہیں درست نہیں کفایہ میں تحریر کیا ہے کہ عامہ روایات کتب میں امام محمد رح کا قول اس معاملہ میں ابو حنیفہ رح کے ساتھ ہے حالانکہ صاحب ہدایہ نے اس کے خلاف بیان کیا ہے۔ اور یہی اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کہ جسمیں اسکا نقصان ہے وہی اسکا نصیب ہے مثلاً جبکہ میت نے ایک بیٹا ایک بیٹی اور ایک خنثائے مشکل چھوڑے تو یہاں خنثیٰ کو عورت اختیار کر کے لڑکی کا حصہ دیں گے اسلئے وہ ذکورت وانوثت کی دونوں صورتوں میں یقینی ہے اور اس سے زائد مشکوک ہے پس محض شک کی بناء پر زیادہ کا مستحق نہ ہوگا یاد رکھو کہ بدتری حالت کے دو طور ہیں کچھ نہ ملے یا کم ملے۔ پس اگر مرد ٹھیرانے سے کچھ نہ ملے یا کم ملے تو مرد ٹھیرائیں گے کچھ نہ ملنے کی مثال میت نے شوہر، حقیقی بہن علاتی خنثیٰ چھوڑا۔ اس مسئلہ میں اگر عورت کو خنثیٰ شمار کریں تو وہ علاتی بہن ذی فرض ہو کر چھٹا حصہ پائے گی پس مسئلہ چھ سے ہو کر سات کی طرف عول کریگا ان میں سے تین سہام شوہر کو اور تین سہام حقیقی بہن کو اور ایک سہم علاتی بہن کو ملے گا اور اگر خنثیٰ کو مسئلہ مذکورہ میں مرد قرار دیا جائے تو اس کو کچھ نہ ملے گا کہ اس صورت میں خنثیٰ علاتی بھائی عصبہ ہوگا اور ذوی الفروض سے اگر کچھ نہ بچے تو عصبہ محروم رہتا ہے اس کے لئے عول نہیں ہوتا ہے۔ کم ملنے کی مثال میت نے شوہر، ماں اخیافی بہن اور علاتی خنثیٰ چھوڑے اس مسئلہ میں اگر خنثیٰ کو مرد قرار دیں تو مسئلہ چھ سے ہو کر اس کو علاتی بھائی ہونے کی وجہ سے ایک سہم جو اصحاب فرائض سے بچ رہا تھا پہنچے گا اور اگر یہاں اس کو عورت شمار کریں تو علاتی بہن ذی فرض قرار پاکر نصف کی مستحق ہے اور مسئلہ چھ سے ہو کر آٹھ کی طرف عول کریگا اس میں سے تین سہم اس کو پہنچیں گے پس یہاں مرد ٹھیرانے میں اس کا نقصان ہے اس لئے وہ مرد قرار پایا اور اگر عورت ٹھیرانے میں اس کو کچھ نہ ملے یا کم ملے تو عورت قرار دیں گے کچھ نہ ملنے کی مثال میت نے چچا کا بیٹا اور چچا زاد خنثیٰ چھوڑا۔ اس مسئلہ میں خنثیٰ کو اگر مرد قرار دیں تو وہ بھی ایک چچا زاد بھائی ہو اور مثل بیٹے چچا زاد بھائی کے میراث پائے گا اور اگر اس کو عورت شمار کریں تو وہ چچا زاد بہن بنکر جو ذوی الارحام سے ہو کر ترکہ سے محروم رہے گی۔ پس یہاں خنثیٰ کو عورت قرار دیں گے اور کم ملنے کی مثال یہ ہے کہ میت نے ایک بیٹا اور ایک خنثیٰ چھوڑا تو اس مسئلہ میں خنثیٰ کو

لِاَنَّ الْخُنْثٰى يَسْتَحِقُّ سَهْمًا اِنْ كَانَ ذَكَرًا وَنِصْفَ سَهْمٍ اِنْ كَانَ اُنْثٰى وَهٰذَا مُتَيَقَّنٌ فَيَاْخُذُ نِصْفَ النَّصِيْبَيْنِ اَوِ النِّصْفَ الْمُتَيَقَّنَ مَعَ نِصْفِ النِّصْفِ الْمُتَنَازَعِ فِيْهِ فَصَارَتْ لَهٗ ثَلٰثَةُ اَرْبَاعِ سَهْمٍ وَمَجْمُوْعُ الْاَنْصِبَاءِ سَهْمَانِ وَرُبُعُ سَهْمٍ لِاَنَّهٗ يَعْتَبِرُ السِّهَامَ وَالْعَوْلَ وَتَصِحُّ مِنْ تِسْعَةٍ اَوْ نَقُوْلُ لِلْاِبْنِ سَهْمَانِ وَلِلْبِنْتِ سَهْمٌ وَلِلْخُنْثٰى نِصْفُ النَّصِيْبَيْنِ

اى كونه مستحقا بسهم كامل على تقدير ذكورته ونصف سهم على تقدير كونه انثى ۱۲ الثابت فى حالة الذكورة والانوثة ۱۲ تصحيح ... اى للخنثى ۱۲ اى ابا يوسف رح ۱۲ هذه المسئلة ۱۲ تقسيم المسئلة بعبارة اخرى من تخريج ابى يوسف رح فالمال واحد ۱۲ اى نصيبى الابن والبنت ۱۲

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

بیٹی شمار کریں گے۔ تین سے مسئلہ ہوکر دو بیٹے کو اور ایک خنثیٰ کو ملے گا اور اگر اس کو مرد قرار دیں تو آدھے کا حقدار ہوگا اس لئے یہاں بیٹی قرار دی جائے گی ۱۲

ﮫ قولہ وعند الشعبی الخ یعنی عامر شعبیؒ نے جو شعب ہمدان کی طرف منسوب ہیں اور تابعین اور امام ابوحنیفہ رح کے شیوخ میں سے ہیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ خنثیٰ مشکل کو مرد وعورت دونوں کے حصہ کا نصف دیا جائیگا اس جھگڑے کی وجہ سے جو اس کو دوسرے ورثا کیساتھ ہے یعنی دوسرے ورثا چاہتے ہیں کہ اسے عورت شمار کرکے عورت کا حصہ دیا جائے اور خود خنثیٰ کی خواہش ہے کہ میں مردوں کے زمرہ میں منسلک ہوکر مرد کے حصہ کا مستحق ہوں جب ایک کے قول کو دوسرے کے قول پر ترجیح دینا ممکن نہیں ہے تو دونوں صورتوں میں اس صورت پر عمل کیا جائے جو امکان میں ہو وہ یہ کہ آدھا حصہ مرد کا اور آدھا حصہ عورت کا اسکو دیا جائے تاکہ نزع دفع ہوجائے لیکن شعبیؒ کے قول پر خنثیٰ مشکل کے لئے آدھی ذکورت اور آدھی انوثت ثابت ہوکر دو صفات متضادہ کا جمع ہونا لازم آئیگا جو محال ہے لہذا عورت اور مرد کے حصہ میں سے کمتر دینے پر عمل واجب ہوا اور شعبی کے موافق اوزاعی، ثوری وابن ابی لیلےٰ ونعیم ویحیٰی بن آدم بھی قائل ہیں۔

ﮫ قولہ واختلفا الخ یعنی شعبیؒ کے قول کی تخریج وتقریر میں امام ابویوسف ومحمد رح نے اختلاف کیا ہے امام ابویوسف رح نے مثال مذکور میں شعبی رح کے قول کو یوں بیان کیا ہے کہ بیٹے کا ایک سہم اور بیٹی کا آدھا سہم اور خنثیٰ کا پون سہم ہے ہمارے گمان میں حضرت شعبی کے قول پر امام ابویوسف رح کا قیاس اقرب واوجہ ہے۔ ۱۲

وَهُوَ سَهْمٌ وَنِصْفُ سَهْمٍ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى يَأْخُذُ الْخُنْثٰى

فی المثال المذکور فی المتن ۱۲ — فی المسئلۃ المبحوث عنہا ۱۲

خُمُسَيِ الْمَالِ إِنْ كَانَ ذَكَرًا وَرُبُعَ الْمَالِ إِنْ كَانَ أُنْثٰى فَيَأْخُذُ

الخنثیٰ ۱۲

نِصْفَ النَّصِيبَيْنِ وَذٰلِكَ خُمُسٌ وَثُمُنٌ بِاعْتِبَارِ الْحَالَيْنِ وَتَصِحُّ

ای النصف ۱۲ — لانہ نصف الربع ۱۲

مِنْ أَرْبَعِيْنَ وَهُوَ الْمُجْتَمِعُ مِنْ ضَرْبِ إِحْدَى الْمَسْئَلَتَيْنِ وَهِيَ

الْأَرْبَعَةُ فِي الْأُخْرٰى وَهِيَ الْخَمْسَةُ ثُمَّ فِي الْحَالَيْنِ فَمَنْ كَانَ

علی تقدیر ذکورۃ الخنثیٰ ۱۲ — اشارالی

لَهُ شَيْءٌ مِنَ الْخَمْسَةِ فَمَضْرُوبٌ فِي الْأَرْبَعَةِ وَمَنْ كَانَ لَهُ

طریق تعیین نصیب کل وارث من الاربعین ۱۲

شَيْءٌ مِنَ الْأَرْبَعَةِ فَمَضْرُوبٌ فِي الْخَمْسَةِ فَصَارَ لِلْخُنْثٰى مِنَ

من المال والسہام ۱۲

الضَّرْبَيْنِ ثَلٰثَةَ عَشَرَ سَهْمًا وَلِلْابْنِ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَهْمًا وَ

وَلِلْبِنْتِ تِسْعَةُ أَسْهُمٍ

ترجمہ: اس لئے کہ خنثیٰ ایک سہم کا حقدار ہے۔ اگر وہ مرد ہے اور آدھے سہم کا (مستحق ہے) اگر وہ عورت ہے اور یہ (استحقاق) یقینی ہے پس وہ (خنثیٰ) دونوں حصوں کا آدھا لیگا یا (دوسری عبارت میں یوں کہا جائے) کہ وہ (خنثیٰ) نصف یقینی کو مع ربع متنازع فیہ لیگا پس اسوجہ سے اس (خنثیٰ) کا (حصہ) پون سہم ہو جائیگا (صورت مذکورہ میں مجموعہ وارثوں کے حصہ کا) ساڑھے سہم ہے اس لئے کہ وہ (ابو یوسفؒ) سہام اولیٰ (یعنی صحاح کو کسر کی جنس سے بنا کر کسر جوڑنے کا اعتبار کرتے ہیں اور (مسئلہ کی) نو سے تصحیح ہوگی یا دوسری عبارت میں ابو یوسفؒ کی تخریج پر (مسئلہ کی تصحیح کے لئے) ہم یوں کہیں گے کہ بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک سہم اور خنثیٰ کو (بیٹے بیٹی کے) دونوں حصوں کا آدھا ہے اور وہ ڈیڑھ سہم ہے اور (شعبیؒ کے قول کی تخریج میں) امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ (مثال مذکورہ میں) خنثیٰ اگر اس کو مذکر مانا جائے تو مال کے دو خمس (یعنی مال کے پانچ حصہ

کرکے دو حصہ، لیگا۔ اور اگر اس کو مؤنث مانا جائے تو چوتھائی مال (لیگا) پس اس (خنثیٰ) کو ان
دونوں حصوں کا آدھا ملے گا اور یہ دونوں حصوں کا آدھا جو خنثیٰ کو ملے گا پانچواں اور آٹھواں حصہ
ہے جو دونوں حالتوں کے اعتبار پر ہے اور (مسئلہ کی) تصحیح چالیس سے ہوگی اور یہ (چالیس) وہ (عدد)
ہے جو دو مسئلوں میں سے ایک مسئلہ کو کہ وہ چار ہے دوسرے مسئلہ میں کہ پانچ ہے ضرب دینے اور پھر
(اس حاصل ضرب کو) دو حالتوں (ذکورت وانوثت) میں کہ (دو میں ضرب دینے سے) حاصل
ہوا ہے (پھر ان چالیس میں سے ہر وارث کا حصہ اس طرح نکالا جائے) پس جس وارث کو پانچ
میں سے جو کچھ ملا ہے تو اس کو چار میں ضرب دیا جائے اور جس وارث کو چار میں سے جو کچھ ملا ہے
تو اس کو پانچ میں ضرب دیا جائے پس دونوں ضربوں سے خنثیٰ کے لئے تیرہ سہام ہیں۔ اور
بیٹے کے لئے اٹھارہ سہام اور بیٹی کے لئے نو سہام ہیں۔

ف قولہ لان الخنثیٰ الخ یعنی خنثیٰ کو تین ربع (پون سہم) اس لئے ہے کہ خنثیٰ کو مذکر فرض کرنے کی
صورت میں نصف حصہ ملا ہے یہ استحقاق خنثیٰ کے واسطے ایک سہم کا ایک تقدیر پر اور نصف سہم کا
دوسری تقدیر پر یقینی ہے اور ان دونوں تقدیروں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں پھر
لہٰذا خنثیٰ دونوں حصوں کا آدھا پائیگا تاکہ حتی الامکان دونوں تقدیروں پر عمل کیا جائے پس اس کا
حق آدھا سہم اور آدھے کا آدھا یعنی ربع سہم ہے یا دوسری عبارت میں یوں کہا جائے کہ صورت مذکورہ میں
خنثیٰ مشکل نصف یقینی کو جو ذکورت اور انوثت کی تقدیروں پر ثابت ہے لیگا اور اس کے ساتھ ہی
نصف کے آدھے کو جس کی بابت اسمیں اور دوسرے وارثوں میں تنازعہ ہے لیگا اسلئے کہ یہ نصف خنثیٰ
کے گمان میں ثابت ہے اور دوسرے وارثوں کے نزدیک ثابت نہیں ہے جب ایک قول کو دوسرے کے قول
پر ترجیح دینا ممکن نہیں ہے تو نصف کا نصف خنثیٰ کو دیں گے تاکہ نزاع رفع ہو جائے اس لئے اسکا حصہ
تین ربع یعنی پون سہم ہوگیا اور صورت مذکورہ میں وارثوں کے حصہ کا مجموعہ سوا دو سہم ہوگیا جیسے بیٹے کا ایک
سہم بیٹی کا آدھا سہم اور خنثیٰ کا پون سہم ہے جن کا مجموعہ سوا دو سہم ہوا یہ اس لئے کہ امام ابو یوسفؒ سہام
اور عول (یعنی صحاح کو کسر کی جنس سے بنا کر کسر کو جوڑنے کا اعتبار کرتے ہیں یہاں عول سے عول معروف
نہیں ہے بلکہ عدد صحاح کو کسر کی جنس سے بنا کر کسر کو جوڑنا مراد ہے پس جبکہ دو کو جنس کسر سے بنایا تو آٹھ
ہوئے اس کے ساتھ ایک جمع کیا تو نو ہوئے اس لئے کہ مسئلہ مذکورہ کا مجموعہ دو سہم اور چوتھائی سہم ہے
جب دو سہم کو چوتھائی سہم کی طرف پھیلایا اس طور پر کہ اس چوتھائی کے مخرج میں کہ چار کا عدد ہے
ضرب دیا تو آٹھ چوتھائیاں حاصل ہوئیں اور اس ایک چوتھائی کو بڑھانے سے نو چوتھائیاں جمع
ہوگئیں پھر ان کسور کے عدد صحیح بنا لئے تو نو ہوئے جس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی یا دوسری عبارت میں
...... کہ تنزیہ، مسئلہ کو تصحیح کرتے جس کا مآل ایک ہی ہے لہٰذا کہ ... کم عدد کے لئے

دو سہم بیٹی کے لئے ایک سہم ہے اور خنثیٰ کے لئے بیٹے اور بیٹی دونوں کے حصہ کا آدھا کہ ڈیڑھ سہم ہوا۔ اس صورت میں مسئلہ مذکورہ کا مجموعہ چار سہم صحیح اور آدھا سہم یعنی ساڑھے چار سہم ہوا جب سہام کو کسر کی طرف پھیلایا جو نصف ہے جس کی ترکیب یہ ہے کہ عدد صحیح چار کو کسر مذکور نصف کے مخرج میں کہ دو ہے ضرب دیا، آٹھ حاصل ہوئے پھر کسر کو اس پر بڑھایا تو نو نصف حاصل ہوئے اس کے بعد ان کسور کے عدد صحیح بنائے تو پورے نو ہو گئے جس سے اس مسئلہ کی تصحیح ہوئی ہے۔ اس میں سے چار سہم بیٹے کو اور دو بیٹی کو اور تین سہم خنثیٰ کو ملے جس کی شکل یہ ہے۔

مسئلہ ۹ — ۴½ — ۲

بیٹا	بیٹی	خنثیٰ
۲/۴	۱/۲	۱½/۳

۵۲ قولہ او نقول الخ یہ عبارت شریفیہ کے مطبوعہ نسخہ میں ہے۔ فنور السراج وغیرہ میں نہیں سراجی کے قلمی نسخے میں ہے لیکن شریفیہ کے ایک قلمی نسخہ میں بھی ہے دو قلمی نسخوں میں نہیں۔

۵۳ قولہ وقال محمد رح یعنی قول شعبیؒ کی تخریج میں امام محمد رح نے فرمایا ہے کہ اگر مثال مذکور میں خنثیٰ کو مرد فرض کیا جائے تو مال کے پانچ حصے کر کے اسمیں سے دو حصے اس کے لئے ہیں اس لئے کہ اس تقدیر پر میت کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی تو اس صورت میں مسئلہ پانچ سے ہوگا جن میں سے دو سہام بیٹے کو ایک سہم بیٹی کو خنثیٰ کو بھی مرد فرض کرنے کی وجہ سے دو سہام ملیں گے اور اگر خنثیٰ کو عورت فرض کیا جائے تو اس کے لئے چوتھائی مال ہے اس تقدیر پر میت کے ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوئیں اسلئے مسئلہ مذکور چار سے کیا جائیگا۔ اس میں سے دو سہام بیٹے کو بیٹی کو ایک سہم اور خنثیٰ کو بھی عورت فرض کرنے کی وجہ سے ایک سہم ملیگا۔ اور یہ دونوں حصوں کا آدھا ذکورت اور انوثت کی دونوں حالتوں کے اعتبار پر خمس پانچواں اور ثمن (آٹھواں) حصہ ہے اس لئے کہ ایک خمس دو خمس کا آدھا ہے اور ثمن ربع کا آدھا ہے اور ان کا مجموعہ دونوں حصوں کا آدھا ہوگا اور مسئلہ کی تصحیح چالیس سے ہوگی اور وہ چالیس ایک مسئلہ یعنی چار کو دوسرے مسئلہ یعنی پانچ میں ضرب دینے کے بعد حاصل ضرب کو دونوں حال میں ضرب دینے سے حاصل ہونگے جسکی تفصیل یہ ہے کہ ذکورت کا مسئلہ پانچ ہے اور انوثت کا مسئلہ چار ہے جب چار کو پانچ میں یا پانچ میں چار کو ضرب دیا تو بیس حاصل ہوئے پھر اس حاصل ضرب کو خنثیٰ کی ذکورت وانوثت کی حالتوں میں کہ دو ہیں ضرب دینے سے چالیس حاصل ہوئے یہ تقریر بعید ہے علم حساب کی رو سے اس سے مختصر اور آسان قاعدہ مسئلہ کی تصحیح کے لئے یہ ہے کہ پانچویں اور آٹھویں میں سے جو خنثیٰ کا حصہ ہے ایک کے مخرج کو دوسرے کے مخرج میں ضرب دیا جائے خمس کا مخرج پانچ ہے اور ثمن کا مخرج آٹھ ہے تو پانچ کو آٹھ میں یا آٹھ میں پانچ کو ضرب دیا تو چالیس حاصل ہوئے

پھران چالیس میں سے ہر وارث کا حصّہ اس طرح نکالا جائے کہ جس وارث کو پانچ میں جو حصہ ملا تھا اسکو چار میں ضرب دیں اور جس کو چار سے جو حصہ ملا تھا اسکو پانچ میں ضرب دیں پس دونوں ضربوں سے خنثیٰ کا حصہ تیرہ سہم بیٹی کا نو سہم اور بیٹے کا اٹھارہ سہم ہے اس طرح کہ خنثیٰ کے ذکورت کے مسئلہ سے دو سہم تھے جب ان کو چار میں ضرب دیا تو آٹھ حاصل ہوئے اور انوثت کے مسئلہ سے اسکا ایک سہم تھا جب اس کو پانچ میں ضرب دیا تو پانچ ہی حاصل ہوئے آٹھ اور پانچ کا مجموعہ تیرہ ہے جو چالیس سے خنثیٰ کا حصہ ہے اور بیٹے کے ذکورت کے مسئلہ سے دو سہم تھے ان کو چار میں ضرب دیا تو آٹھ حاصل ہوئے اور انوثت کے مسئلہ سے بھی اس کے دو سہم تھے ان کو پانچ میں ضرب دیا تو دس حاصل ہوئے دونوں حاصل ضرب کا مجموعہ اٹھارہ ہے جو چالیس میں سے اس کا حصہ ہے اور بیٹی کا ذکورت کے مسئلہ سے ایک سہم ہوا اس کو چار میں ضرب دیا تو چار ہی حاصل ہوئے اور اسکا انوثت کے مسئلہ سے بھی ایک سہم تھا اس کو پانچ میں ضرب دیا تو پانچ ہی حاصل ہوئے دونوں کا مجموعہ نو ہوا جو چالیس سے بیٹی کا حصہ ہے۔ یہ بات تم سے پوشیدہ نہ رہ جائے کہ جس طرح خنثیٰ کے تیرہ سہام اس مسئلہ میں چالیس کا خمس وثمن ہے اسی طرح یہ تیرہ سہام اسکی دونوں حالت کے اعتبار سے دونوں حصّوں کا نصف ہے اس لئے کہ خنثیٰ کا حصہ حالت ذکورت میں چالیس سے سولہ سہام ہیں جس کے نصف آٹھ ہوتے ہیں۔ اور حالت انوثت میں چالیس سے خنثیٰ کے دس سہام ہیں جن کے نصف پانچ ہوتے ہیں اور آٹھ اور پانچ کا مجموعہ تیرہ ہے یاد رکھو دو مسئلوں میں سے ایک مسئلہ کا دوسرے مسئلہ میں ضرب دینا اور اسی طرح ایک وارث کے حصہ کو جو دو مسئلوں میں سے ایک مسئلہ سے پہنچا ہے دوسرے تمام مسئلوں میں ضرب دینا اسوقت ہے جبکہ دونوں مسئلوں میں تباین کی نسبت ہو اور جب دونوں میں توافق کی نسبت ہو تو ایک مسئلہ کے وفق کو دوسرے میں ضرب دینگے اور ایک وارث کے حصہ کو جو دونوں مسئلوں میں سے ایک سے پہنچا ہے دوسرے مسئلہ کے وفق میں ضرب دیں گے معلوم رہے کہ بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح کے دونوں قولوں میں صرف طریق بیان میں اختلاف ہے مقصود ایک ہے کہ وہ دونوں حصّوں کا نصف ہے لیکن اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو مقصود میں بھی اختلاف ثابت ہو جائیگا جیسا کہ اس صورت میں معلوم ہو جائیگا کہ میت نے ایک بیٹا اور ایک خنثیٰ چھوڑا اسلئے کہ اسوقت خنثیٰ کو سات میں سے تین ملیں گے چنانچہ امام ابو یوسف رح نے اس کی تخریج کی ہے۔ اسلئے کہ مرد کا حصہ نصف سہم ہے اور عورت کا آدھا حصہ چوتھائی سہم ہے اس مسئلہ میں بسط کا عمل جاری کریں گے تو ان کسروں کے مخرج کو کہ دو اور چار ملکر چھ ہوتے ہیں ان چھ کو کسر کی طرف تحلیل کرنے سے چھ کسور ہو جائیں گی اور پھر کسور کو عدد صحیح مان لیں گے اور خنثیٰ کے چوتھائی سہم کو پورا سہم قرار دے لیا جائیگا تو مجموعہ عول کے طور پر سات ہو جائیگا ان میں چار سہم بیٹے کا حصہ اور تین سہم

هذا الفصل مقدم على فصل الخنثى لان الحمل يبنى على اليقين ۱۲

فَصْلٌ فِي الْحَمْلِ

اَكْثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ سَنَتَانِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى

التی یعتبر بھا ویتفرع علیھا مسائل المیراث والطلاق والرجعۃ ۱۲

وَعِنْدَ لَيْثِ بْنِ سَعْدٍ ثَلٰثُ سِنِيْنَ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ

الفھمی والفہم بفتح الفاء اسم قبیلۃ سمیت باسم ابیھا ۱۲

تَعَالٰى اَرْبَعُ سِنِيْنَ وَعِنْدَ الزُّهْرِيِّ سَبْعُ سِنِيْنَ وَاَقَلُّهَا

ھذا باتفاق العلماء ۱۲

سِتَّةُ اَشْهُرٍ وَيُوْقَفُ لِلْحَمْلِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى

نَصِيْبُ اَرْبَعَةِ بَنِيْنَ اَوْ اَرْبَعِ بَنَاتٍ اَيُّهُمَا اَكْثَرُ وَيُعْطٰى

سیاتی طریق معرفۃ الاکثریۃ فانتظرھا ۱۲

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

خنثیٰ کا حصہ ہوگا امام محمد رح کے طریق کے موافق بارہ میں سے خنثیٰ کو پانچ ملیں گے اسلئے کہ اگر وہ مرد ہے تو اس کے لئے نصف ترکہ ہے اور اگر عورت ہے تو اسکے لئے تہائی ترکہ ہے پس خنثیٰ کے لئے آدھے کا آدھا اور تہائی کا آدھا ہوا۔ اور باقی بیٹے کے لئے ہے اور اس کا کمتر حصہ بارہ ہے بارہ کے آدھے کا آدھا تین اور بارہ کی تہائی کا آدھا دو ہے۔ تین اور دو ملکر پانچ ہوئے۔ ظاہر ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق خنثیٰ کا حصہ بہ نسبت محمد رح کے قول کے زیادہ ہوا اسلئے کہ سات میں سے تین بہ نسبت بارہ میں سے پانچ کے زیادہ ہیں۔ ۱۲ ابو نصر بغدادی عرف اقطع مختصر قدوری کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ خنثیٰ کے لئے بدتر حالت اختیار کی جائے اور جو اسکے حصہ سے زائد ہو اُسیقدر مال کو یہاں تک روکے رکھیں کہ یا تو خنثیٰ کے مرد و عورت کا فیصلہ ہوجائے یا وارث باہم صلح کرلیں تو جب بیٹے کے ساتھ خنثیٰ جمع ہو تو امام شافعیؒ کے نزدیک خنثیٰ کے لئے تہائی اور بیٹے کیلئے نصف ہے اور چھٹا حصہ روک لیا جائیگا اور ان کی دلیل یہ ہے کہ خنثیٰ کا مرد و عورت دونوں ہونا جائز ہے اسلئے اسکے شریکوں کو شک کی حالت میں زیادہ دینا جائز نہیں ہے لیکن اسپر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ بھی کب جائز ہے کہ شک کیوجہ سے شریکوں کا حصہ گھٹا دیا جائے ابن کمال پاشا نے سراجی کی شرح میں اسی طرح تحریر کیا ہے لیکن فوائد الصبیہ میں لکھا ہے کہ شافعیہ فرماتے ہیں کہ خنثیٰ کے اشکال کیوجہ سے دوسرے وارثوں کا حصہ نہ روکا جائے بلکہ اسکا حصہ متعین اسکو دیکر باقی کو دوسرے وارثوں پر تقسیم کردیں کیونکہ انکا حق وراثت ہے اور اسی کتاب میں یہ بھی آیا ہے کہ خنثیٰ کے حکم کیطرف حمل اور مفقود کی میراث مضاف ہے۔

لِبَقِيَّةِ الْوَرَثَةِ أَقَلُّ الْأَنْصِبَاءِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يُوْقَفُ نَصِيْبُ ثَلٰثَةِ بَنِيْنَ أَوْ ثَلٰثِ بَنَاتٍ أَيُّهُمَا أَكْثَرُ (الى ولادة الولد ۱۲) رَوَاهُ عَنْهُ لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ أُخْرٰى نَصِيْبُ ابْنَيْنِ (يوقف ۱۲ او بنتين ايهما اكثر ۱۲) (هذه الرواية غير مشهورة لا توجد فى شروح المبسوط ولا فى عامة الروايات ۱۲) وَهُوَ قَوْلُ الْحَسَنِ وَإِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَوَاهُ عَنْهُ هِشَامٌ

ترجمہ (یہ ، فصل حمل (کی میراث کے بیان) میں ہے

امام ابوحنیفہ رہ کے نزدیک حمل کی اکثر مدت دو سال ہیں اور لیث بن سعد رہ کے نزدیک تین سال اور امام شافعی کے نزدیک چار سال اور زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سات سال ہیں اور حمل کی اقل مدت چھ مہینے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حمل کے لئے چار بیٹوں یا چار بیٹیوں کا حصہ جو بھی ان دونوں میں سے زیادہ ہو اٹھا رکھا جائے۔ اور امام محمد رہ کے نزدیک تین بیٹوں یا تین بیٹیوں کا حصہ۔ ان دونوں میں سے جونسا بھی زیادہ ہو اٹھا رکھا جائے اس (قول) کو ان (امام محمد رہ) سے لیث بن سعد رہ نے روایت کیا ہے محمد رہ سے دوسری روایت میں ہے کہ دو بیٹوں یا دو بیٹیوں کا حصہ جونسا بھی زیادہ ہو (روکا جائے) اور یہی قول حسن بصری رہ کا ہے اور یہی ابویوسفؒ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے۔ ان (ابو یوسف رہ) سے ہشام نے روایت کیا ہے۔

لہ قولہ فصل الخ معنف نے حمل کی فصل کو خنثیٰ کی فصل کے بعد اسلئے ذکر کیا کہ اسکا حال پیدائش سے پیشتر خنثیٰ کی طرح دو حالتوں میں متردد ہے لیکن خنثیٰ میں حمل سے تردد قوی ہے اسلئے حمل میں اگرچہ فی الحال مذکر یا مؤنث ہونے میں خفا ہے مگر فی المآل خفا نہیں رہے گا۔ ولادت کے بعد اسکا مذکر یا مؤنث ہونا ظاہر ہو جائے گا بخلاف خنثیٰ کے کہ ہمیں اشکال باقی رہے گا پس خنثیٰ کے ذکر کو حمل کے ذکر پر مقدم کرنا مناسب ہے۔

ﮯ قولہ اکثر مدۃ الحمل۔ یہ مسئلہ اگرچہ مسائل فقیہ میں سے ہے لیکن استحقاق میراث اور تقسیم

ترکہ اس پر موقوف ہے لہٰذا اس فصل کے مبادی میں داخل ہے اسی لئے مصنف نے اس کو مقدم کیا ہے
اکثر مدت حمل کی تعیین میں ائمہ کا اختلاف ہے امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک اکثر مدت حمل دو سال ہیں
ابو حنیفہؒ کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے لَا يَبْقَى الْوَلَدُ فِي رَحِمِ أُمِّهِ
أَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ وَلَوْ بِظِلِّ مِغْزَلٍ وَ(فِي رِوَايَةٍ) وَلَوْ بِفَلْكَةِ مِغْزَلٍ یعنی بچہ اپنی ماں کے
پیٹ میں دو برس سے زیادہ نہیں رہتا ہے اگرچہ بقدر سایہ گردش تکلہ کے ہو اس طرح کی باتیں سوائے
شارع کے بیان کے دوسری جگہ سے معلوم نہیں ہوسکتیں یعنی تعین مدت میں مجتہد کے اجتہاد کو دخل نہیں
ہے تو یقیناً معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا پس ایسی
حالت میں صحابی کا قول حدیث کے قائم مقام ہوگا چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح نے اس کو تفصیل
کے ساتھ شرح نخبۃ الفکر میں بیان کیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول سنن دارقطنی اور
بیہقی میں جمیلہ بنت سعد کی روایت سے موجود ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اگر ایک شخص کے مرنے کے
دو برس بعد اس کی بیوی سے بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب میت سے ثابت ہوگا اور اس کی میراث سے
حصہ پائیگا اور جو دو برس سے زیادہ مدت کے بعد پیدا ہو ....

.... تو اسکا نسب اس
میت سے ثابت نہ ہوگا۔ نہ اس کو میت سے میراث ملے گی اور نہ اس سے باعتبار اس قرابت
کے اور کو میراث ملے گی اور لیث بن سعد فہمی جو ایک بڑے فقیہ اور تبع تابعین سے مستند لوگوں میں
سے گزرے ہیں کے نزدیک اکثر مدت حمل تین سال ہیں۔ اور امام شافعی کے نزدیک اکثر مدت حمل چار
سال ہیں اور یہی امام مالکؒ کا مختار مذہب ہے امام شافعی رح کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت ضحاک رح جو
تابعین میں سے ہیں چار سال حمل کے بعد پیدا ہوئے اور ان کے اگلے دانت ماں کے پیٹ میں نکل
آئے تھے اور ہنستے تھے اس بنا پر ان کا نام ضحاک رکھا گیا نیز عبدالعزیز ماجشونی کے بارے میں
مروی ہے کہ وہ چار سال اپنی ماں کے پیٹ میں حمل میں رہ کر پیدا ہوئے اور ماجشونی خاندان
کی عورتوں کی بابت ایسا مشہور ہے کہ وہ چار سال کے حمل کے بعد بچہ جنتی ہیں اور دوسری دلیل یہ
روایت ہے کہ ایک مرد دو سال تک اپنی عورت سے علیحدہ پردیس میں رہا جب اپنے گھر واپس
آیا تو عورت کو حاملہ پایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو زنا کا مرتکب سمجھ کر سنگسار کرنا
چاہا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ تم کو اس عورت پر تو قدرت حاصل ہے اس کے
پیٹ کے بچہ پر قدرت نہیں ہے یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو رہا کر دیا
جب بچہ پیدا ہوا تو اسکے اگلے دانت موجود تھے اور اس کے باپ کو اس بچہ کی نسبت ذرا شبہ
نہ تھا خدا کی قسم کھا کر کہا کرتا تھا کہ یہ میرا نطفہ ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس

بچہ کا نسب اس مرد سے ثابت کر دیا باوجود اس کے کہ وہ دو برس سے زیادہ حمل کا بچہ تھا اسلئے کہ
دو برس تک تو وہ پردیس میں رہا اور حمل اس سے بیشتر رہ چکا تھا اور آمد کے کچھ دنوں کے بعد
بچہ پیدا ہوا اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لَوْلَا مُعَاذٌ لَهَلَكَ عُمَرُ اگر معاذ نہ
ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ میر سید شریف نے اس متن کی شرح میں اسی طرح لکھا ہے۔ شیعوں نے
اپنے علم کلام کی کتب تجرید وغیرہ میں حضرت معاذ رضی کی بجائے حضرت علی رضی کا نام لکھا ہے اور
اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مطاعن میں بیان کیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ نے
اپنی کتاب تحفۂ اثنا عشریہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس عورت کے حاملہ ہونے کا
حال معلوم نہ تھا اور حضرت علی رضی اس بات سے واقف تھے انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کو متنبہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطور شکریہ ممنون ہو کر فرمایا لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ مطلب
یہ ہے کہ اگر حضرت علی مجھ کو خبر نہ دیتے اور مجھ کو قوع حد اور ہلاکت جنین کے بعد اطلاع ہوتی کہ وہ
عورت حاملہ تھی تو بعد افسوس کرتا اور یہ بمنزلہ میری ہلاکت کے ہوتا۔ حنفیہ کی طرف سے پہلی
دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت ضحاک اور عبدالعزیز کو کیا علم تھا کہ ہم اتنی مدت تک حمل ہی رہنے
کے بعد پیدا ہوئے اور ان دونوں کے علاوہ کسی نے نجانا اور نہ کوئی دوسرا شخص خدا تعالیٰ کے سوا رحم (بچہ دانی)
کے اندر کی حالت کو جانتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ رحم کا منہ بند ہو جانے کی وجہ سے حمل کی سی حالت پیدا
ہو جائے اور یہ مرض ہے جس کو اطبا رجا رکہتے ہیں پس اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری دلیل
کا جواب یہ ہے کہ اس عورت کے مرد کی نسبت مروی ہے کہ دو سال غائب رہا۔ اس سے مراد یہ ہے
کہ دو سال کے قریب غائب رہا اور نسب کا ثبوت شوہر کے اقرار کی بنیاد پر تھا اور زہری رضی اللہ عنہ کے نزدیک
اکثر مدتِ حمل سات سال ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ حیض کا بند ہو جانا اگرچہ حمل کی پہلی علامت ہے
خصوصاً جبکہ حیض بند ہونے سے پہلے تندرست ہو تو یہ قوی علامت ہے تاہم اور علامات بھی ہونی
چاہئیں مثلاً متلی بھی حمل کی علامت ہے جو اکثر صبح کے وقت ہوتی ہے اور شروع حمل ہی میں پندرہ
دن یا تین ہفتہ میں شروع ہوتی ہے۔ تیسری علامت یہ ہے کہ تیسرے مہینے سے پستان بڑھنے لگتی ہیں
ٹیس اور نشتر چبھونے کا سا درد ہوتا ہے اور اس کی بھٹیوں میں درد ہونے لگتا ہے اور شروع حمل سے
چند مہینہ کے بعد دبلنے سے آبی رطوبت یا دودھ نکل آتا ہے مگر بعض اوقات تیسرے مہینہ اور کبھی
پانچویں اور شاذ و نادر چھٹے مہینہ میں بچہ حرکت کرنے لگتا ہے شروع میں بچہ کی حرکت ایسی معلوم ہوتی
ہے جیسے چھوٹی چڑیا پھڑکتی ہو مگر چھ ماہ کے بعد جب بچہ قوی ہو جاتا ہے تو یہ حرکت کودنے کی سی معلوم
ہوتی ہے اور مرض رجا میں اگرچہ عورت کو ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے جو حمل سے مشابہت رکھتی ہے
مثلاً حیض کا خون رُک جانا اور رنگ کا تیرہ پڑ جانا بھوک بند ہو جانا اور رحم کا منہ بند ہو جانا

پستان کا بڑھ جانا لیکن حمل حقیقی اور رجا یعنی جھوٹے حمل میں فرق یہ کہ رجا میں تو شے جو متحرک ہوتی ہے وہ ایک ہی تک ہوکر پھر حرکت نہیں کرتی اور پیٹ کی سختی بھی اس مرض میں زیادہ ہوتی ہے بہ نسبت اس عورت کے پیٹ کے جو کہ سچی حاملہ ہو جیسا کہ قانون میں شیخ بوعلی سینا نے لکھا ہے من العلامات الممیزۃ بین الرجا و بین الحبل الحق ان ذلک الشئ انما یتحرک وقتا ما ثم بعد ذلک لا یتحرک ویکون صلابۃ البطن معہ اشد من بطن صلابۃ الحبلیٰ بالحق ۱۲

۵۳ قولہ واقلھا الخ یعنی اگرچہ اکثر مدت حمل میں علماء کا اختلاف ہے جیسا کہ اوپر گزرا لیکن سب کے نزدیک حمل کی کمتر مدت چھ ماہ ہے اسمیں کسی کا اختلاف نہیں۔ مذہب سنت کا مفتیٰ بہ یہی قول ہے کہ کمتر مدت حمل چھ ماہ ہے چنانچہ مروی ہے کہ ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اس کے چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہوگیا۔ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہٗ نے اسکو سنگسار کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ نے حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہٗ سے کہا کہ اگرچہ یہ عورت آپکے ساتھ کتاب اللہ کے استدلال سے جواب دہی نہ کرسکی لیکن میں اس کی طرف سے پیروی کروں گا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے حَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۔ یعنی حمل اور بچے کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہیں اور یہ بھی ارشاد ہے یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ ۔ یعنی مائیں اپنے بچوں کو دو برس کامل دودھ پلائیں مطلب یہ ہے کہ دودھ پلانے کی مدت دو برس ہے اور جب کہ تیس مہینے میں سے دو سال دودھ پلانے کے نکال دیئے گئے تو اسمیں حمل کے لئے صرف چھ ماہ باقی رہ جاتے ہیں یہ دلیل سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ نے اس عورت پر حد جاری نہیں کی اور بچہ کا نسب اس کے باپ سے ثابت کر دیا اور اسی کے مثل حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہٗ سے بھی مروی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہٗ کی حدیث میں آیا ہے کہ رحم میں نطفہ قرار پکڑنے کے بعد جب چار ماہ گزر جاتے ہیں تو اس میں جان پڑتی ہے اور جان پڑنے کے بعد دو ماہ کے عرصہ میں دوسری سرشت مکمل ہوجاتی ہے اسوجہ سے چھ ماہ کے بعد بچہ کا پیدا ہونا ممکن ہے اسکو شمس الائمہ سرخسیؒ نے ذکر کیا ہے واضح رہے کہ منی کے رحم میں قرار پانے کے بعد اس جمانے والی قوت سے جو مرد کی منی میں ہے اور جمنے والی قوت سے جو عورت کی منی میں ہے ایک تعلق پیدا ہوتا ہے اور چار نقطے مثل بلبلوں کے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک دل کی جگہ دوسرا دماغ کی جگہ تیسرا جگر کی جگہ ایک سب کو گھیرے ہوئے حرارت کی حفاظت کے لئے تاکہ اعضاء کو تیار کرے پس اسوقت رگوں کے منہ کھل جاتے ہیں تاکہ بچہ کے جگر کو غذا پہنچائیں۔ اس کو پہلی حالت کہتے ہیں جو ایک ہفتہ تک رہتی ہے اس عرصہ میں قوت متصرفہ مادہ میں بے مدد رحم کے دخل دیتی ہے اس کے بعد سرخ جوڑ اور مجرے پیدا ہوتے ہیں اور

جنین کی ناف میں حیض کا خون آتا ہے اس کو دوسری حالت کہتے ہیں جو چار دن تک رہتی ہے۔ اب
گیارھویں روز علقہ ہو جاتا ہے جس کو تیسری حالت کہتے ہیں جو چھ دن تک رہتی ہے اسکے بعد مضغہ
ہو جاتا ہے اور بعض اعضاء بھی الگ الگ ہو جاتے ہیں اور ایک حصہ عمدہ خون حیوانی اور حیض سے اُس
پر ٹپکتا ہے اور تیار ہوتا ہے اسواسطے کہ اللہ تعالیٰ روح اسمیں داخل کرینگے اسکو چوتھی حالت
کہتے ہیں جو بارہ دن تک رہتی ہے اس کے بعد مزاج مرد یا عورت کا ہو جاتا ہے اور سب اعضاءً
بن چکتے ہیں اس کو پانچویں حالت کہتے ہیں جو تین دن رہتی ہے اس کے بعد سب اعضاء درست ہوتے
ہیں اور رگیں اور جوڑ بن جاتے ہیں یہ بات لڑکوں میں جلد ہو جاتی ہے اور لڑکیوں میں دیر میں
یعنی لڑکا تیس دن سے چالیس دن تک بنتا ہے اور لڑکی چالیس دن سے پچاس دن تک۔ شیخ
بوعلی سینا کا قول ہے کہ وضع حمل یعنی بچہ پیدا ہونے کا زمانہ کم از کم نصف سال ہے اور بعض اطباء کا
قول ہے کہ جب جنین پر دو چند زمانہ اس کی صورت یابی کا گزر جائے حرکت کرنے لگتا ہے اور جب
اسکی حرکت کرنے کے زمانہ سے دو چند زمانہ گزر جائے یعنی ابتداء علوق سے سہ چند زمانہ گزر جائے اُسوقت
اس کی ولادت ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی جنین کو ابتداء علوق سے مثلاً تین مہینے کے بعد حرکت
کرنے کی قوت پیدا ہو تو حرکت پیدا ہونے کے روز سے چھ مہینے گزر کر وہ پیدا ہوگا اور ابتداء علوق
سے پورے نو مہینے کے بعد اس کی ولادت ہوگی ششماہہ بچہ اگرچہ اصل خلقت میں قوی ہے پھر
بھی اس کے تکون اور رحم میں خلقت کے تمام ہونیکا زمانہ قریب ہوتا ہے اس لئے ایسے بچے مرجاتے
ہیں اس لئے کہ حرکات شدید کی برداشت ضعف خلقت میں کرتے ہیں یہاں تک قانون شیخ کا خلاصہ ہے

۱۴۵ قولہٗ ویوقف للحمل الخ یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑ کر مرا تو امام اعظم
ابو حنیفہ رح کے نزدیک چار لڑکوں یا چار لڑکیوں میں سے جن کا حصہ زیادہ ہو وہ حمل کے لئے محفوظ
رکھا جائے اور باقی وارثوں کو کمتر حصے دیئے جائیں جیساکہ ابن المبارک رح نے امام صاحب سے
روایت کی ہے اور انھوں نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک چار بچوں
تک ایک حمل میں پیدا ہونیکا عملی ثبوت ملا ہے اس سے زیادہ پیدا ہوتے ہوئے نہیں معلوم ہوئے
شریک نخعی رح نے فرمایا ہے کہ میں نے کوفہ میں ابو اسمٰعیل کے ایک حمل کے چار بیٹے دیکھے تھے اور
اس سے زیادہ کا پیدا ہونا ایک حمل سے متقدمین سے منقول نہیں اسی لئے اسی پر اکتفا کیا گیا ہے
ماوردی نے بیان کیا کہ ایک شخص جو فاضل اور متقی تھا یمن سے میرے پاس آیا اُس نے بیان کیا کہ
یمن کی عورت سے ایک حمل سے سات بچے پیدا ہوئے جو زندہ ہیں (کذا فی کتاب الفرات الفرائض ص۱۸۵)
امام شافعیؒ کے ایک اُستاد کے بیس بیٹے تھے جو صرف پانچ حمل میں پیدا ہوئے تھے یعنی ہر دفعہ چار
بیٹے پیدا ہوئے (کذا فی کتاب الفرات ص۱۸۵؛ بقیہ نمبر ۵ و ۶ آئندہ صفحہ ۳۱۳ تا ۳۱۴ پر دیکھو)

وَرَوَى الْخَصَّافُ عَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَّهٗ يُوْقَفُ

نَصِيْبُ ابْنٍ وَّاحِدٍ اَوْ بِنْتٍ وَّاحِدَةٍ وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى وَيُؤْخَذُ

(ای ابی یوسف بروایة الخصاف ۱۲ — الزوجة الحامل من المیت ۱۲)

الْكَفِيْلُ عَلٰى قَوْلِهٖ فَاِنْ كَانَ الْحَمْلُ مِنَ الْمَيِّتِ وَجَاءَتْ بِالْوَلَدِ

(ای ولدت لسنتین عندنا ولاربع سنین عند الشافعی ۱۲ — بان مات عن امرأة حامل ۱۲)

لِتَمَامِ اَكْثَرِ مُدَّةِ الْحَمْلِ اَوْ اَقَلَّ مِنْهَا وَلَمْ تَكُنْ اَقَرَّتْ بِانْقِضَاءِ

(الزوجة الحامل ۱۲)

الْعِدَّةِ يَرِثُ وَيُوْرَثُ عَنْهُ وَاِنْ جَاءَتْ بِالْوَلَدِ لِاَكْثَرَ مِنْ اَكْثَرِ

مُدَّةِ الْحَمْلِ لَا يَرِثُ وَلَا يُوْرَثُ وَاِنْ كَانَ مِنْ غَيْرِهٖ وَجَاءَتْ

(ای فی المسئلة المذکورة ۱۲)

بِالْوَلَدِ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ اَوْ اَقَلَّ مِنْهَا يَرِثُ وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ

(لتحقق وجوده فی البطن حال موت المورث ۱۲)

لِاَكْثَرَ مِنْ اَقَلِّ مُدَّةِ الْحَمْلِ لَا يَرِثُ فَاِنْ خَرَجَ اَقَلُّ

(بان ولدت لستة اشهر او ازید من ذلك ۱۲ — شروع فی ضابطة معرفة خروج ۱۲)

الْوَلَدِ ثُمَّ مَاتَ لَا يَرِثُ وَاِنْ خَرَجَ اَكْثَرُهٗ ثُمَّ مَاتَ يَرِثُ

(ای اکثر الولد حیا او میتا)

فَاِنْ خَرَجَ الْوَلَدُ مُسْتَقِيْمًا فَالْمُعْتَبَرُ صَدْرُهٗ يَعْنِيْ اِذَا خَرَجَ

(ای خرج راسه اولا ۱۲)

الصَّدْرُ كُلُّهٗ يَرِثُ وَاِنْ خَرَجَ مَنْكُوْسًا فَالْمُعْتَبَرُ سُرَّتُهٗ وَالْاَصْلُ

(معکوسا ۱۲ — بان خرج رجله اولا ۱۲)

فِيْ تَصْحِيْحِ مَسَائِلِ الْحَمْلِ اَنْ تُصَحَّحَ الْمَسْئَلَةُ عَلٰى تَقْدِيْرَيْنِ

اثْنَيْنِ عَلٰى تَقْدِيْرِ اَنَّ الْحَمْلَ ذَكَرٌ وَعَلٰى تَقْدِيْرِ اَنَّهٗ اُنْثٰى

ترجمہ :- اور خصاف نے ابو یوسف سے یوں روایت کی ہے کہ حمل کے لئے، ایک بیٹے

یا ایک بیٹی کا حصہ (جو بھی ان دونوں میں سے زیادہ ہو) اٹھا رکھا جائے اور اسی قول پر فتوی ہے (اسلئے کہ اکثر ایک ہی بچہ پیدا ہوا کرتا ہے) اور (خصاف کی روایت سے) ان (ابو یوسف رح) کے قول پر (وارثوں سے) ضامن لے لیا جائے پس اگر حمل میت سے ہو (اسطرح کہ میت نے حاملہ زوجہ چھوڑی) اور اس (عورت) نے اکثر مدت حمل پوری ہونے کے بعد یا اس (مدت حمل) کے کمتر کے پورا ہونے پر بچہ جنا اور اسنے عدت کے گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو تو یہ (بچہ) (میت کا اور میت کے رشتہ داروں کا) وارث ہوگا۔ اور (میت کے اقرباء) اس کے وارث ہونگے اور اگر اس نے اکثر مدت حمل سے زیادہ عرصہ میں بچہ جنا ہو تو وہ نہ (میت) کا وارث ہوگا اور نہ اس کے دوسرے وارث ہونگے اور اگر وہ حمل اس (میت) کے غیر سے ہو اور اس (حاملہ غیر) نے بچہ چھ ماہ یا اس سے کم میں جنا تو وہ (میت کا) وارث ہوگا۔ اور اگر اس حاملہ غیر نے اس (بچہ کو) کمتر مدت حمل سے زیادہ عرصہ میں جنا تو یہ (بچہ میت کا) وارث نہ ہوگا اور اگر (پیدائش کے وقت) بچہ کمتر نکلا اور پھر مر گیا تو وہ وارث نہ ہوگا اور اگر اسکا اکثر (حصہ) نکلا اور مر گیا تو وہ وارث ہوگا۔ پس اگر بچہ سیدھا نکلے تو اسکا سینہ معتبر ہے (یعنی اگر اسکا کل سینہ نکل آیا (پھر مرا) تو وہ وارث ہوگا اور اگر الٹا پیدا ہوا تو اس کی ناف معتبر ہے (پس اگر ناف نکلنے تک زندہ ہے پھر مر گیا تو وہ وارث ہوگا) مسائل حمل کی تصحیح میں قاعدہ یہ ہے کہ مسئلہ کی تصحیح دونوں تقدیروں پر کی جائے یعنی اس تقدیر پر کہ حمل مذکر ہے اور اس تقدیر پر (بھی) کہ وہ (حمل) مونث ہے۔

لہ قولہ وروی الخ یعنی خصاف رح نے امام ابو یوسف رح سے یہ روایت کی ہے کہ ایک بیٹے یا ایک بیٹی کے حصہ میں۔ سے جس کا بھی حصہ زیادہ ہو اسی کو حمل کے لئے روک رکھا جائے اور یہی اصح قول ہے اور اسی پر فتوی ہے کیونکہ اکثر معتاد یہی ہے کہ شکم سے ایک ہی بچہ پیدا ہوا کرتا ہے پس اسی پر حکم مبنی ہوگا جب تک اسکے خلاف کا علم نہ ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے حاملہ بیوی چھوڑ کر وفات پائی اور ترکہ اسکے پیدا ہونے سے پہلے تقسیم کیا جائے تو ایسی صورت میں حمل کو وہ فرض کریں گے جو اسکے حق میں بہتر ہو اگر مرد فرض کرنے سے اسکو زیادہ ملتا ہے تو مرد قرار دیکر ایک مرد کا حصہ اسکے لئے محفوظ رکھیں گے اور باقی ترکہ وارثوں پر تقسیم کر دیں گے مرد قرار دیکر زیادہ ملنے کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بیوی، بیٹا اور حمل چھوڑ کر مرا جس کی شکل یہ ہے۔

مسئلہ ۸ مـ ۱۶

بیوی	بیٹا	حمل بیٹے کا
$\frac{1}{8}$	۷	۷

تو اس صورت میں اگر حمل مرد ہو تو بیٹا قرار دیں گے تو بیوی کا آٹھواں حصہ دینے کے بعد نصف

باقی کا مستحق ہوگا اور جو عورت ہو تو بیٹی قرار دیں گے تو ثلث باقی کی حقدار ہوگی اس لئے یہاں بیٹا قرار دیکر ایک بیٹے کا حصہ۔ نصف باقی اس کے لئے رکھ چھوڑیں گے عورت قرار دینے سے زیادہ ملنے کی مثال

ایک عورت شوہر، ماں اخیافی بہن اور حمل علاتی بہن کا چھوڑکر مری اسکی صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۸

حمل علاتی بہن کا	اخیافی بہن	ماں	شوہر
۳	۱	۱	۳

اس صورت میں حمل کو عورت یعنی علاتی بہن ٹھہرائیں گے تو ذوی الفرض میں سے ہوکر نصف ترکہ کی مستحق ہوگی اور مسئلہ چھ سے ہوکر آٹھ کیطرف عول کریگا اور اگر اس کو مرد یعنی علاتی بھائی قرار دیں تو عصبہ ہوکر باقی ایک سہم کا حقدار رہیگا اسلئے یہاں علاتی بہن ٹھہراکر علاتی بہن کا نصف حصہ رکھ چھوڑیں گے۔ تنبیہ۔ واضح ہے کہ اگر ولادت کا زمانہ قریب ہو تو ترکہ کو حمل کی وجہ سے پیدائش تک موقوف رکھا جائے اسلئے کہ اگر تقسیم ترکہ میں عجلت کیجائے گی تو بعض اوقات تقسیم کیخلاف پر حمل ظاہر ہونیکی وجہ سے ہماری وہ تقسیم لغو ہوجاتی ہے اور اگر مدت ولادت بعید ہو تو تقسیم ترکہ میں توقف نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ اسمیں باقی ورثار کا نقصان ہے اور قرب زمانہ کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے بلکہ عادت پر محمول کردیا گیا ہے اور بعض نے قرب زمانہ کا اندازہ ایک ماہ سے کمتر پر کیا ہے اس بنار پر کہ اگر کوئی قسم کھاکر کہے کہ میں فلاں شخص کا حق جلد ادا کرونگا تو اسکا یہ قول ایک ماہ سے کم پر محمول کیا جائے گا ذکرنا فی فتاوی اہل سمرقند) اور واقعات ناطفی میں مذکور ہے کہ ترکہ فوراً تقسیم کردیا جائے اور حمل کے لئے حصہ نہ رکھا جائے اسلئے یقینی معلوم نہیں کہ شکم میں حمل ہے یا نہیں پھر اگر پیدا ہو تو از سر نو ترکہ تقسیم کیا جائے اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ حمل کی صورت میں کسی وارث کو حصہ نہ دیا جائے مگر خاص اس وارث کو جسکا حصہ بصورت تعدد حمل کے متغیر نہ ہو دیدیا جائے اگر عول متصور ہو تو عول کی تقدیر پر دیا جائے اور باقی ولادت کا حال منکشف ہونے تک روک دیا جائے۔ اسلئے کہ حمل اس قبیل سے ہے جسکا حصہ احاطہ ضبط میں نہیں آسکتا چنانچہ مروی ہے کہ شعبیؒ سے جنیں لڑکے اس طرح پیدا ہوئے کہ ہر حمل سے پانچ لڑکے پیدا ہوتے تھے۔ کشکول میں ایک عورت کا قصہ لکھا ہے کہ اس کے سات بیٹے یک حمل سے پیدا ہوئے ۱۲ ۵۲ قولہ و یوخذ الکفیل الخ یعنی قاضی اور وارثوں سے اس بات پر ضامن لے لے کہ اگر ایک سے زیادہ متولد ہوں مثلاً دو بیٹے پیدا ہوں یا دو بیٹیاں پیدا ہوں تو انکا استحقاق اس مقدار سے جو حمل کے لئے محفوظ رکھا گیا ہے زیادہ ہوگا پس ضامن اس امر کا کفیل ہوکہ جس قدر زائد استحقاق حمل کا ہوگا وارثوں سے واپس کر دیگا۔ مذکورہ بالا کفیل لینے کی بات خصافؒ کی روایت سے امام ابو یوسف رہ کے قول کے موافق ہے اور حق یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ و محمد رہ کے نزدیک بھی بطور احتیاط کے کفیل کا لینا مناسب ہے جبکہ خنثیٰ کے معاملے میں امام ابو حنیفہؒ و محمد رہ کفیل کا لینا مناسب سمجھتے ہیں

توحمل میں اس بات کی زیادہ ضرورت ہے بلکہ امام ابو یوسف رحہ بھی پہلے یہی فرماتے تھے کہ جب کسی میت نے ایک بیٹا اور خنثیٰ چھوڑا تو قاضی کو چاہیئے کہ ایک تہائی مال خنثیٰ کو اور دو تہائی لڑکے کو دلا کر ضمانت لیلے کہ اگر خنثیٰ میں علامت ذکورت پیدا ہوجائے توجقدر نصف سے زیادہ بیٹے کو ملا ہے وہ اس سے واپس کرا کر خنثیٰ کو دلا دیگا۔ ۱۲ ۵۳ قولہ فان کان الحمل الخ یعنی اگر حمل میت کا ہے اس طرح کہ میت نے حاملہ عورت چھوڑی اور عورت نے اختتام اکثر مدت کے بعد کہ دو برس ہیں یا اقل مدت کے بعد کہ چھ ماہ میں بچہ جنا اور اس نے مدت مذکور میں عدت کے گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو تو یہ بچہ میت کا وارث مانا جائیگا اور اسیطرح میت کے رشتہ داروں کا وارث ہوگا اور میت کے رشتہ دار اسکے وارث ہونگے یعنی اسکا نسب اس میت سے ثابت ہو کر اس میت کا فرزند قرار پائیگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ بچہ کو اس میت سے میراث ملے گی اور اس قرابت کے اعتبار سے اوروں کو اس سے میراث ملے گی اس لئے کہ استحقاق میراث میں میت کی موت کے وقت رحم میں نطفہ کا وجود شرط ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ معدوم معدوم کا وارث نہیں ہوتا اور جبکہ عورت حاملہ نے باوجود ثبوت حمل کے اقرار انقضائے عدت کا نہ کیا تو اسوقت میں موجود ہونیکا حکم کیا جائیگا اور اگر عورت اکثر مدت حمل سے بھی زیادہ عرصہ میں بچہ جنے گی تو وہ بچہ میت کا وارث نہ مانا جائیگا اور نہ اس سے اس قرابت کے اعتبار سے کسی اور کو میراث ملیگی اور اسکا نسب اس میت سے ثابت نہ ہوگا اس لئے کہ اکثر مدت حمل گزر چکنے کے بعد جننا اس کی دلیل ہے کہ میت کی موت کے بعد اسکا نطفہ رحم مادر میں قرار پایا ہے اسی طرح اگر عورت نے مدت حمل کے درمیان عدت کے گزر جانے کا اقرار کرلیا ہو اور اس مدت میں عدت کا گزرنا متصور بھی ہو اور اقرار کے بعد مدت حمل میں بچہ جنے تو وہ بچہ بھی وارث نہیں ہوسکتا اسلئے کہ عورت کے اقرار سے معلوم ہوا کہ میت کا نطفہ نہیں ہے ۱۲ ۵۴ قولہ وان کان الخ یعنی اگر حمل اپنے کسی عزیز کا چھوڑے مثلاً میت نے اپنے باپ کی عورت کو حاملہ چھوڑا اور اس سے بچہ چھ ماہ یا اس سے کم کے بعد جنا تو وہ میت کا وارث ہوگا اسلئے کہ اسکا وجود میت کی موت کے وقت ماں کے شکم میں متحقق تھا اور اگر اس حاملہ نے کمتر مدت حمل سے کہ چھ ماہ ہیں زیادہ عرصہ میں بچہ جنا تو ایسا بچہ میت کا وارث نہیں ہوسکتا اور نہ کسی اور کو اس قرابت کے اعتبار سے اس سے میراث مل سکتی ہے اسلئے کہ اسکا نطفہ رحم مادر میں میت کی موت کے وقت متیقن نہیں ہے اور موت کے وقت تقدیر وجود نطفہ کے لئے کوئی ضرورت داعی نہیں ہے اسلئے کہ اسکا نسب غیر میت سے ثابت ہے برخلاف اسکے کہ اگر حمل میت سے ہوتا اسلئے کہ ایسی حالتیں مرنیکے بعد نکاح مرتفع ہونے کی وجہ سے موت کے وقت اسکے وجود کی تقدیر اثبات نسب کیلئے ضروری ہے۔ یا در کھو کہ ولادت کے وقت حیات حمل کے پہچاننے کے دو طریق ہیں ایک یہ کہ زندگی کی ہر علامت سے حیات ثابت ہو جیسے رونا دودھ پینا، سانس لینا، چھینکنا وغیرہ یہی حنیفہ رح اور شافعیہ کا قول ہے دوسرے یہ کہ سوائے استہلال یعنی چلا کر رونے کے کسی علامت سے زندگی کا حکم نہ دیا جائیگا اور یہی مذہب مالک کا اور امام احمد کی

روایت ہے ابو داؤدؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اِذَا اسْتَهَلَّ الْمَوْلُوْدُ وُرِّثَ یعنی جب بچہ آواز کرے تو وارث کیا جاتا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ نے سعید بن مسیبؒ سے اپنے بیٹے عبداللہ کی روایت میں کہا ہے قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَرِثُ الصَّبِیُّ حَتّٰی یَسْتَهِلَّ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ بچہ جبتک آواز نہ کرے وارث نہیں ہوتا۔ یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بچہ جبکہ آواز کرے یا اس قسم کی کوئی بات بچہ سے پائی جانے کے بعد وہ مرجائے تو اسکے قریبی رشتہ دار اسکے وارث ہوتے ہیں اور وہ انکا وارث ہوتا ہے اسمیں کسی کا اختلاف نہیں ہے ہاں اس کی زندگی کی شناخت میں جیساکہ ہمنے اوپر بیان کیا ہے اختلاف ہے اہلِ فرائض کہتے ہیں کہ اسکی حیات آواز یا حرکت سے معلوم ہوسکتی ہے اور یہی قول کرخیؒ کا ہے اور حضرت علیؓ اور زفرؒ و شافعیؒ سے بھی یہی مروی ہے اور ابن عباسؓ، جابر بن عبداللہ اور شریحؒ و نخعی اور مالکؒ و اہلِ مدینہ سے روایت کی گئی ہے کہ بچہ جبتک چلاکر آواز نہ کرے وہ وارث نہیں ہوتا۔ اور شرح ابانہ میں حادی وغیرہ کے نزدیک استہلال حرکت یا آواز ہے اور ناصر اور امام مالکؒ کے نزدیک فقط آواز ہے اور امام ابو حنیفہ اور ابو شالبؒ سے بھی یہی روایت ہے اور اس کے ثبوت کے لئے بادویہ کے نزدیک ایک عادل عورت کی خبر کافی ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک دو عادلوں کی شہادت ضروری ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک چار آدمیوں کی شہادت سے ثابت ہوگا۔ ۱۲

۵۵ قولہ فان خرج الخ یعنی اگر ولادت کے وقت بچہ کا نصف بدن سے کم نکلا ہو اور مرجائے اگرچہ علامات مذکورہ مثلاً سانس لینا یا رونا یا کوئی حرکت کرنا ظاہر بھی ہوتی ہوں تو وہ وارث نہ ہوگا کیونکہ جبکہ اکثر بدن موت کے بعد نکلا تو اس کو مردہ اور غیر وارث سمجھنا چاہیئے اور اگر نصف بدن سے زائد نکل آئے یا پورا نصف نکل آئے اور مذکورہ علامات میں سے کوئی ایک علامت ظاہر ہوتی ہو تو اسکو زندہ اور وارث سمجھنا چاہئے کیونکہ اکثر کو کل کا حکم ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے جسکو جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جبکہ بچہ آواز دے تو اسکو وارث کیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے۔ ۱۲

۵۶ قولہ فان خرج اولی مستقیماً الخ یہاں سے مصنفؒ اکثر و اقل کے خروج میں ایک تفصیلی قاعدہ بیان فرماتے ہیں وہ یہ کہ اگر بچہ سیدھا پیدا ہوا ہو یعنی پہلے اسکا سر نکلا ہو پھر باقی بدن تو ایسی صورتمیں تمام سینہ نکلنا معتبر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سینہ نکلنے تک زندہ رہ کر مرگیا تو ایسی حالت میں وہ بچہ وارث مانا جائیگا بشرطیکہ علامات مذکورہ میں سے کوئی علامت ظاہر ہو تمام سینہ کا نکلنا نصف بدن نکل آنا تصور کیا جائیگا۔ اور اگر اُلٹا پیدا ہوا ہو یعنی پہلے اسکے پیر نکلے پھر باقی بدن تو ایسی صورتمیں ناف تک نکلنا معتبر ہے مطلب یہ ہے کہ ناف تک نکلنے تک زندہ ہو اسکے بعد مرجائے تو وہ وارث ہوگا بشرطیکہ علامات مذکورہ میں سے کوئی علامت پائی جائے اگر ناف تک نہ نکلے یا تمام سینہ باہر نہ آئے تو وارث نہ ہوگا اگرچہ علامات مذکورہ میں سے کوئی علامت بھی ظاہر ہو لیکن وارث قرار دینے پر یہ اثر مرتب ہوگا کہ جو حصہ اس کے لئے موقوف ہوگا اسکو

ثُمَّ تَنظُرُ بَيْنَ تَصْحِيحَي الْمَسْأَلَتَيْنِ فَإِنْ تَوَافَقَا بِجُزْءٍ فَاضْرِبْ وَفْقَ أَحَدِهِمَا فِي جَمِيعِ الْآخَرِ وَإِنْ تَبَايَنَا فَاضْرِبْ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي جَمِيعِ الْآخَرِ فَالْحَاصِلُ تَصْحِيحُ الْمَسْأَلَتَيْنِ ثُمَّ اضْرِبْ نَصِيبَ مَنْ كَانَ لَهُ شَيْءٌ مِنْ مَسْأَلَةِ الذُّكُورَةِ فِي مَسْأَلَةِ الْأُنُوثَةِ أَوْ فِي وَفْقِهَا وَمَنْ كَانَ لَهُ شَيْءٌ مِنْ مَسْأَلَةِ الْأُنُوثَةِ فِي مَسْأَلَةِ الذُّكُورَةِ أَوْ فِي وَفْقِهَا كَمَا فِي الْخُنْثَى ثُمَّ انْظُرْ فِي الْحَاصِلَيْنِ مِنَ الضَّرْبِ أَيُّهُمَا أَقَلُّ يُعْطَى لِذَلِكَ الْوَارِثِ وَالْفَضْلُ الَّذِي بَيْنَهُمَا مَوْقُوفٌ مِنْ نَصِيبِ ذَلِكَ الْوَارِثِ فَإِذَا ظَهَرَ الْحَمْلُ فَإِنْ كَانَ مُسْتَحِقًّا لِجَمِيعِ الْمَوْقُوفِ فِيهِمَا وَإِنْ كَانَ مُسْتَحِقًّا لِلْبَعْضِ فَيَأْخُذُ ذَلِكَ وَالْبَاقِي مَقْسُومٌ بَيْنَ الْوَرَثَةِ فَيُعْطَى لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْوَرَثَةِ مَا كَانَ مَوْقُوفًا مِنْ نَصِيبِهِ كَمَا إِذَا تَرَكَ بِنْتًا وَأَبَوَيْنِ وَامْرَأَةً حَامِلًا فَالْمَسْأَلَةُ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ وَتَصِحُّ عَلَى تَقْدِيرِ أَنَّ الْحَمْلَ ذَكَرٌ مِنْ سَبْعَةٍ وَعِشْرِينَ وَعَلَى تَقْدِيرِ أَنَّهُ أُنْثَى فَإِذَا ضَرَبْتَ وَفْقَ أَحَدِهِمَا فِي جَمِيعِ الْآخَرِ صَارَ الْحَاصِلُ مِائَتَيْنِ وَسِتَّةَ عَشَرَ إِذْ عَلَى تَقْدِيرِ الذُّكُورَةِ لِلْمَرْأَةِ سَبْعَةٌ وَعِشْرُونَ وَلِلْأَبَوَيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ سِتَّةٌ وَثَلَاثُونَ وَعَلَى تَقْدِيرِ الْأُنُوثَةِ لِلْمَرْأَةِ أَرْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْأَبَوَيْنِ اثْنَانِ وَثَلَاثُونَ

ر تیرہ یہ منو سابق، پھر کرا کا مسئلہ ذکورت پر اور مسئلہ کے ذا راؤ تین پر تقسیم ہو وا تیسرا جب وارث نہ تو بعد

ترجمہ :۔ پھر اس کے بعد دونوں مسئلوں کی تصحیحوں کے درمیان غور کرو پس اگر وہ دونوں کسی جزء میں متوافق ہیں تو (اس صورت میں) ان دونوں میں سے ایک (تصحیح) کے وفق کو دوسری (تصحیح) کے تمام میں ضرب دو اور اگر وہ دونوں (تصحیحین) متباین ہیں تو ان دونوں میں سے ہر ایک (پوری تصحیح) کو دوسری تمام تصحیح میں ضرب دو پس حاصل ضرب مسئلہ (حمل) کی تصحیح ہوگی۔ پھر جس وارث کو اس (حمل) کے مسئلہ ذکورت سے جو کچھ پہنچا ہے اس کو اس (حمل) کے مسئلہ انوثت میں تباین کی۔ تقدیر پر یا اس کے وفق میں (توافق کی تقدیر پر) ضرب دو اور جس وارث کو اس (حمل) کے مسئلہ انوثت سے جو کچھ ملا ہے اس کو اس (حمل) کے مسئلہ ذکورت میں (تباین کی صورت میں) اور اسکے وفق میں۔ توافق کی صورت میں ضرب دو جیسا کہ خنثیٰ میں کیا گیا، پھر دونوں حاصل ضرب میں غور کرو ان دونوں میں سے کونسا کمتر ہے وہ اس وارث کو دیدیا جائے اور جو کچھ ان دونوں (حاصلوں) کے درمیان زیادہ ہو اسکو اس وارث کے حصہ میں موقوف رکھا جائے پھر جب حمل ظاہر ہو (یعنی بچہ پیدا ہو) تو اگر وہ تمام (رکے ہوئے مال) کا مستحق ہے تو بہتر ہے (وہ اس کو لیلے گا) اور اگر وہ بعض (رکے ہوئے مال) کا مستحق ہے تو اس (بعض) کو لے لیگا اور باقی دوسرے ورثاء کے درمیان تقسیم کر دیا جائیگا وارثوں میں سے ہر ایک کو وہ حصہ دیا جائیگا جو اسکے حصہ سے روکا گیا تھا مثلاً میت نے ایک بیٹی اور ماں باپ اور زوجہ حاملہ کو چھوڑا پس حمل کو مذکر فرض کرنے پر مسئلہ چوبیس سے ہوگا اور مسئلہ ستائیس سے ہوگا اس تقدیر پر کہ وہ (حمل) مونث ہے پس جب ان دونوں (مسئلوں) میں سے ایک مسئلہ کے وفق کو دوسرے کے تمام میں ضرب دیا تو حاصل ضرب دو سو سولہ ہوئے (جس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی) اس لئے اس (حمل) کے مذکر اعتبار کرنے کی تقدیر پر عورت کو ستائیس سہام اور ماں باپ کے انیس سے ہر ایک کے چھتیس سہام ہیں اور اسی (حمل) کے مونث اعتبار کرنے کی تقدیر پر عورت کے چوبیس سہام اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے بتیس سہام ہیں۔

لـه قوله ثم تنظر الخ اس سے پہلے مصنف رہ نے مسائل حمل کی تصحیح میں یہ ضابطہ بیان کیا تھا کہ اولاً مسئلہ حمل کی دونوں اعتبار سے یعنی حمل کے مذکر ہونے کے اعتبار سے بھی اور اس کے مونث ہونیکے اعتبار سے بھی تصحیح کرو اب یہاں سے آئندہ عمل کرنے کی کیفیت بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ پھر مسئلہ حمل کی دونوں اعتبار سے تصحیح کرنے کے بعد ان دونوں تصحیحوں کے درمیان غور کرو کہ کونسی نسبت ہے اگر

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

پائیگا تو وہ حصہ موقوفہ پہلی میت کے وارثوں پر مسترد ہو جائیگا اور اس پہلی میت سے اس کے سہام کے اعتبار سے ان پر تقسیم کیا جائیگا۔ ـــه قوله والاصل الخ یہاں سے مصنف رہ تصحیح مسائل حمل کا یہ قاعدہ کلیہ بیان فرماتے ہیں۔ اولاً مسئلہ حمل کی تصحیح دو اعتبار سے کی جائے ایک ذکورت حمل کے اعتبار سے اور دوسرے انوثت حمل کے اعتبار سے اور پھر حسب قاعدہ مذکورہ متن عمل کرے حاصل تصحیح مسئلہ ہوگا۔

ان دونوں میں توافق کی نسبت ہو تو اس صورت میں ایک تصحیح کے وفق کو دوسری تمام تصحیح میں ضرب دو۔ اور اگر ان دونوں میں تباین کی نسبت ہو تو پوری ایک تصحیح کو دوسری تمام تصحیح میں ضرب دو تو دونوں صورتوں کے حاصل ضرب سے مسئلہ حمل کی تصحیح ہو جائے گی۔ مثلاً میت نے بیٹا اور زوجہ حاملہ چھوڑی تو اس مسئلہ میں حمل کو مذکر فرض کرنے کی تقریر پر مسئلہ کی تصحیح سولہ پر ہوتی ہے اور اس کو مونث قرار دینے پر مسئلہ کی تصحیح چوبیس ۲۴ سے ہوتی ہے ان کی شکل یہ ہے۔

حمل بیٹی کا	بیٹا	بیوی	حمل بیٹے کا	بیٹا	بیوی
مسئلہ ۲۴			مسئلہ ۸ تا ۱۶		
۷	۱۴	۳	۷	۷	$\frac{1}{2}$

اسکے بعد ہم نے دونوں مسئلوں کی تصحیح یعنی سولہ اور چوبیس میں غور کیا تو ان میں توافق بالثمن پایا پس ہم نے تصحیح مسئلہ اولی کے وفق کو کہ دو ہیں مسئلہ ثانیہ کی تمام تصحیح یعنی چوبیس میں ضرب دیا تو ۴۸ حاصل ہوئے یہی مسئلہ حمل کی تصحیح ہے ۱۲

۵۲ قولہ ثم اضرب الخ مصنف رہ یہاں سے اس تصحیح سے ہر وارث کا حصہ معلوم کرنیکا طریقہ بتلاتے ہیں فرماتے ہیں پھر مسئلہ حمل کی تصحیح کے بعد ہر وارث کے حصہ کو جو اس کو مسئلہ ذکورت سے ملا ہے تباین کی صورت میں تمام مسئلہ انوثت میں ضرب دو اور توافق کی صورت میں مسئلہ انوثت کے وفق میں ضرب دو اور جو کچھ ہر وارث کو مسئلہ انوثت سے ملا ہے اسکو تباین کی صورت میں کل مسئلہ ذکورت میں اور توافق کی صورت میں مسئلہ ذکورت کے وفق میں ضرب دو جیسا کہ ہم خنثی کی میراث کے بیان میں ذکر کر چکے ہیں پھر ہر وارث کے دونوں حاصل ضربوں میں غور کرو۔ پس جونسا ان دونوں میں سے کم ہو وہ اس وارث کو دیدیا جائے اس لئے کہ وارث کا استحقاق کم کے لئے یقینی ہے۔ ان دونوں حاصل ضربوں کے درمیان جو بچا ہے وہ اس وارث کے حصہ سے روک لیا جائے اسلئے کہ وضع حمل سے پہلے پتہ نہیں چلتا کہ اس زائد کا مستحق حقیقت میں کون ہے آیا کہ یہ حمل ہے یا اسکا غیر۔ پس جب وضع حمل ہوکر اشتباہ دور ہو جائے تب اگر اس حمل سے ویسا بچہ پیدا ہو کہ وہ تمام روکے ہوئے مال کا مستحق ہے تو بہتر ہے کہ وہ کل روکا ہوا مال لے لیگا۔ اور عمل کرنے کی ضرورت نہ پڑے گی اور اگر ایسا بچہ پیدا ہوا کہ اس کو کچھ نہیں ملتا مثلاً بھائی کے بیٹے کے لئے حصہ چھوڑا تھا اور بھائی کی بیٹی پیدا ہوئی جس کی شکل یہ ہے۔

حمل بھائی کے بیٹے کا	بھائی کا بیٹا	بیوی
مسئلہ ۸		
۳	۳	۲

پس یہ کل حصہ وارثوں پر منقسم ہو جائیگا اس بچہ کو کچھ نہ ملیگا مسئلہ مذکورہ میں بھائی کا بیٹا عصبہ ہے اور بھائی کی بیٹی ذی رحم ہے بیوی کو چوتھائی ترکہ دینے کے بعد باقی پون ترکہ بھائی

کے بیٹے کو بطور عصوبت کے مل جائیگا۔ بھائی کی لڑکی محروم رہے گی اور اگر ایسا بچہ پیدا ہوا ہے کہ بعض رکے ہوئے مال کا مستحق ہے تو وہ بچہ کو دیکر باقی کو دوسرے وارثوں پر تقسیم کر دیں گے ۱۲

سلہ قولہ کما اذا ترکت الخ یہاں سے مصنف رح مسئلہ حمل کی ایک مثال قاعدہ کی وضاحت کیلئے لکھتے ہیں۔ مثلاً میت نے ایک بیٹی اور ماں باپ اور حاملہ بیوی کو چھوڑ کر وفات پائی۔ جس کا یہ مسئلہ ذکورت اور انوثت کے درمیان توافق ہونے کی مثال ہے پس یہ مسئلہ حمل کو مذکر فرض کرنے کی تقدیر پر ثمن اور دو سدس جمع ہونے کی وجہ سے چوبیس سے ہوگا اسلئے کہ بیوی کو آٹھواں کہ تین ہیں اور ماں باپ کا چھٹا چھٹا حصہ کہ چار چار ہیں ہے اور بیٹی کو حمل مذکر کے ساتھ ما بقی کہ تیرہ ہیں اس طرح تقسیم ہوگا کہ مرد کو دو چند عورت سے ملیگا اور حمل کو مؤنث فرض کرنیکی تقدیر پر ثمن اور دو سدس اور دو ثلث جمع ہونیکی وجہ سے چوبیس سے مسئلہ ہو کر ستائیس کیطرف عول کریگا کہ مسئلہ منبریہ بن جائیگا۔ لہٰذا ستائیس سے مسئلہ ہوگا اسلئے بیوی کا آٹھواں کہ تین ہے اور ماں باپ کا چھٹا چھٹا حصہ کہ چار چار ہے اور دو بیٹیوں کا دو تہائی حصہ کہ سولہ ہے ہے اور جب ہمنے دو تصحیح کے درمیان کہ چوبیس اور ستائیس ہے غور کیا تو توافق بالثلث کی نسبت پائی پس جب کہ ایک مسئلہ یعنی چوبیس کے وفق کو کہ آٹھ ہیں دوسرے مسئلہ یعنی ستائیس کے تمام میں ضرب دیا تو دو سو سولہ حاصل ہوئے اس سے مسئلہ حمل کی تصحیح ہوگی اس تصحیح سے حمل کے مذکر اعتبار کرنے کی تقدیر پر بیوی کو ستائیس سہام اور ماں کو چھتیس سہام اور باپ کو چھتیس سہام پہنچتے ہیں اس لئے کہ بیوی کے مسئلہ ذکورت سے تین سہام تھے جب ان کو وفق تصحیح مسئلہ انوثت یعنی نو میں ضرب دیا تو ستائیس سہام ہوگئے اور ماں باپ کے ہر ایک کے چار چار سہام تھے جب چار کو نو میں ضرب دیا تو چھتیس ہوگئے اور حمل کے مونث اعتبار کرنے کی تقدیر پر بیوی کو چوبیس سہام اور ماں باپ میں سے ہر ایک کو بتیس بتیس سہام پہنچتے ہیں اسلئے کہ مسئلہ انوثت سے بیوی کے تین سہام تھے جب ان کو مسئلہ ذکورت کے وفق کہ آٹھ ہوتے ہیں ضرب دیا تو چوبیس ہوگئے اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے چار چار سہام تھے جب چار کو وفق یعنی آٹھ میں ضرب دیا تو بتیس ہوگئے ۱۲

سکہ قولہ للحاصل الخ مسئلہ کی صورت حمل کے مذکر ہونے کی تقدیر پر اس طرح ہے

مسئلہ ۲۴ تصحیح ۲۱۶

بیوی	ماں	باپ	بیٹی	حمل بیٹے کا
۳	۴	۴	۱۳	

مؤنث ہونے کی تقدیر پر اس طرح ہے

مسئلہ ۲۴ عول ۲۷

بیوی	ماں	باپ	بیٹی	حمل بیٹی کا
۳	۴	۴	۱۶	

جب ہم نے چوبیس کے وفق یعنی آٹھ کو ستائیس میں ضرب دیا تو دو سو سولہ ہوگئے ۱۲

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) سہ قولہ وعند محمد۔ محمد رح کے نزدیک تین بیٹوں یا تین بیٹیوں میں سے جو زیا

فَتُعْطَى الْمَرْأَةُ أَرْبَعَةً وَّعِشْرُوْنَ وَتُوْقَفُ مِنْ نَصِيْبِهَا ثَلٰثَةُ أَسْهُمٍ وَّمِنْ
نَصِيْبِ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الْأَبَوَيْنِ أَرْبَعَةُ أَسْهُمٍ وَّتُعْطَى لِلْبِنْتِ ثَلٰثَةَ
عَشَرَ سَهْمًا إِلَّا أَنَّ الْمَوْقُوْفَ فِيْ حَقِّهَا نَصِيْبُ أَرْبَعَةِ بَنِيْنَ عِنْدَ أَبِيْ
حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَإِذَا كَانَ الْبَنُوْنَ أَرْبَعَةً فَنَصِيْبُهَا أَسْهُمٌ وَّ
أَرْبَعَةُ أَتْسَاعِ سَهْمٍ مِّنْ أَرْبَعَةٍ وَّعِشْرِيْنَ مَضْرُوْبٌ فِيْ تِسْعَةٍ فَصَارَ
ثَلٰثَةَ عَشَرَ سَهْمًا وَّهِيَ لَهَا وَالْبَاقِيْ مَوْقُوْفٌ وَّهُوَ مِائَةٌ وَّخَمْسَةَ عَشَرَ
سَهْمًا فَإِنْ وَلَدَتْ بِنْتًا وَّاحِدَةً أَوْ أَكْثَرَ فَجَمِيْعُ الْمَوْقُوْفِ لِلْبَنَاتِ
وَإِنْ وَلَدَتْ إِبْنًا وَّاحِدًا أَوْ أَكْثَرَ فَيُعْطَى لِلْمَرْأَةِ وَالْأَبَوَيْنِ مَا
كَانَ مَوْقُوْفًا مِّنْ نَّصِيْبِهِمْ فَمَا بَقِيَ تُضَمُّ إِلَيْهِ ثَلٰثَةَ عَشَرَ وَتُقْسَمُ
بَيْنَ الْأَوْلَادِ وَإِنْ وَلَدَتْ وَلَدًا مَّيِّتًا فَيُعْطَى لِلْمَرْأَةِ وَالْأَبَوَيْنِ
مَا كَانَ مَوْقُوْفًا مِّنْ نَّصِيْبِهِمْ وَتُثْبِتُ إِلٰى تَمَامِ النِّصْفِ وَهُوَ خَمْسَةٌ
وَّتِسْعُوْنَ سَهْمًا وَّالْبَاقِيْ لِلْأَبِ وَهُوَ تِسْعَةُ أَسْهُمٍ لِأَنَّهُ عَصَبَةٌ

(حواشی: من مائتین وستة عشر۱۲ — فی انتظار زوال الاشتباه وانتفاء الحمل۱۲ — من مائتین وستة عشر — للبنت۱۲ — الحامل۱۲ — کما بینا ۲۴ — ای ثلثة عشر من المائتین وستة عشر۱۲ — ای ذلک الباقی۱۲ — لان المعلوم۱۲ — زوجة الحامل۱۲ — ای ثلثة البنت — نعطی البنت ۳۹ والاب ۶۸ — بعد تکمیل نصف۱۲)

ترجمہ:۔ پس عورت کو ان دونوں حاصلوں میں سے چوبیس سہام دیئے جائیں گے اور اس کے حصہ سے تین سہام روک لئے جائیں گے اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے حصہ سے چار سہام روکے جائیں گے، اور بیٹی کو تیرہ سہام دیئے جائیں گے دیہ، اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس زیش،

بقیہ حاشیہ نمبر۵

حصہ بھی زیادہ ہو وہ حمل کے لئے محفوظ رکھا جائے جیسا کہ ان سے لیث بن سعدؒ نے روایت کی ہے لیکن یہ روایت نہ امام محمدؒ کی مبسوط کی شروح میں موجود ہے، اور نہ عام روایات میں اسکا پتہ ہے۔

کے حق میں چار لڑکوں کے حصے موقوف رہتے ہیں اور جبکہ لڑکے چار ہوئے تو اس (بیٹی) کا حصہ جو بیس میں سے ایک سہم اور ایک سہم کے نو ٹکڑوں میں سے چار ٹکڑے ہیں جو (مسئلہ التوشت کے دفق) نو میں ضرب دیا گیا پس تیرہ سہام حاصل ہوئے اور وہ (تیرہ) سہام اس (بیٹی) کے لئے ہیں اور باقی موقوف رہے گا اور وہ (باقی) ایک سو پندرہ سہام ہیں۔ پس اگر اس (زوجہ حاملہ) نے ایک لڑکی یا ایک سے زیادہ (لڑکیاں) جنی تو تمام روکا ہوا مال لڑکیوں کے لئے ہے اور اگر اس (حاملہ) نے ایک لڑکا یا اس سے زیادہ (لڑکے) جنے تو بیوی اور ماں باپ کو جو ان کے حصوں میں سے روکا گیا تھا وہ دے دیا جائیگا اور (ان لوگوں کے دینے کے بعد) جو باقی رہ گیا اس کی طرف تیرہ کو ملایا جائیگا اور اولاد کے درمیان (لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ) تقسیم کر دیا جائیگا اور اگر وہ (حاملہ) مردہ بچہ جنی تو بیوی اور ماں باپ کو وہ دیدیا جائیگا جو انکے حصوں میں سے روکا گیا ہے اور بیٹی کے لئے باقی میں سے اتنا لیا جائے کہ تمام (ترکہ) میں سے آدھا (کہ ایک سو آٹھ سہام ہوتے ہیں) اسکو مل جائے اور وہ جو باقی میں سے اس کیلئے لئے جائیں) پچانوے سہام ہیں اور باقی باپ کیلئے ہے اور وہ نو سہم ہیں اس لئے کہ وہ باپ عصبہ ہے۔

لے قولہ فتعطی الخ پس بیوی کو ان دونوں حاصلوں میں سے کہ ایک حمل کے مذکر ہونے کی تقدیر پر جو بیس ہے اور دوسرا حمل کے مؤنث ہونے کی تقدیر پر ستائیس ہے چوبیس دیئے جائیں گے اسلئے کہ وہ کمتر ہے اور تین سہام ان دونوں حاصلوں کے درمیان بچے ہیں حمل کے انکشاف حال تک روک لئے جائیں گے اور ماں باپ میں سے ہر ایک کو ایک میں سے مذکر ہونے کی تقدیر پر چھتیس اور دوسرا حمل کے مؤنث ہونے کی تقدیر پر بتیس ہے۔ بتیس بتیس سہام دئے جائیں گے اس لئے کہ وہ کمتر حصہ ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے حصہ سے چار چار سہام جو انکے دونوں حاصلوں کے درمیان بچے ہیں حمل کے انکشاف حال تک روک لئے جائیں گے اور حمل کو زوجہ اور ماں باپ کے حق میں لڑکی اعتبار کیا جائیگا اور دو سو سولہ سہام میں سے تیرہ سہام بیٹی کو دیئے جائیں گے یہ اس لئے کہ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک بیٹی کے حق میں چار لڑکوں کے حصے موقوف رہتے ہیں کیونکہ امام موصوف کے نزدیک کمتر حصہ بیٹی کا اسی تقدیر پر متحقق ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۹

لے قولہ وفی روایۃ الخ یعنی محمد رح سے دوسری روایت یہ ہے کہ دو لڑکی یا دو لڑکے کے حصہ میں سے جونسا بھی حصہ زیادہ ہو وہ حمل کے لئے اٹھا کر محفوظ رکھا جائے اور یہی قول حسن بصری کا ہے اور اس امر میں امام ابو یوسف رح کے دو قول میں سے ایک قول یہی ہے کہ دو لڑکوں یا دو لڑکیوں کا حصہ جونسا بھی ان دونوں کے حصہ میں سے زیادہ ہو وہ اٹھا رکھا جائے۔ اس قول کو امام محمد رح سے ہشام نے روایت کیا ہے یہ اسلئے کہ ایک شکم میں چار یا تین بچوں کی پیدائش ایک ساتھ نہایت نادر الوجود ہے پس اس پر حکم مبنی نہ ہوگا بلکہ اس پر مبنی ہوگا جو اغلب متعارف ہے کہ وہ دو کی پیدائش ہے۔ ۱۲

نہ چار دختروں کی تقدیر پر اور جبکہ لڑکے چار ہوئے تو اسکا حصہ چوبیس میں سے ایک سہم اور ایک سہم کے نو ٹکڑے کرکے ان میں سے چار ٹکڑے (۱ ۴/۹) ہونگے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اول چوبیس میں سے ذوی الفرض کے حصہ نکل جائیں گے اس طرح کہ بیوی کو تین سہم اور ماں کو چار سہم اور باپ کو چار سہم پہنچیں گے تو یہ گیارہ حصے نکل جانیکے بعد تیرہ سہم باقی رہ جائینگے ان تیرہ میں سے ایک سہم پورا اور ایک سہم کے نو حصہ کرکے ان نو حصوں میں سے چار حصہ پہنچیں گے اسلئے کہ جب تیرہ میں سے دو دو سہم چاروں لڑکوں کو اور ایک سہم لڑکی کو دیا گیا تو اسکے بعد چار سہم باقی رہے جن کو اس طرح تقسیم کیا کہ ایک ایک سہم کے نو نو حصہ کرکے آٹھ آٹھ حصے چار لڑکوں میں سے ہر ایک کو دیئے اور بقیہ چار نویں ۴/۹ حصہ لڑکی کو دیئے پس بیٹی کے حصہ کا مجموعہ مسئلہ ذکورت سے کہ چوبیس سہام میں ایک ۱ اور ۴/۹ سہم ہے جو نو میں کہ انوثت کے مسئلہ کا وفق ہے۔ ضرب دیا گیا تو حاصل ضرب تیرہ سہام ہوئے جس کی ترکیب یہ ہے کہ اول ایک کو نو میں ضرب دیا تو نو ہی حاصل ہوئے پھر ایک سہم کے نو حصوں میں سے چار حصوں کو ضرب دینے سے چھتیس نوے حصے حاصل ہوئے جب ان چھتیس کسور کو عدد صحیح بنایا جائیگا تو چھتیس کو نو پر تقسیم کرنے سے چار عدد صحیح حاصل ہونگے ان چار کو نو میں جمع کرنے سے مجموعی تعداد تیرہ ہو جائیگی اور یہی تیرہ دو سو سولہ میں سے بیٹی کا حق ہے یہاں پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ بیٹی کے حق میں تو حمل کو متعدد قرار دیا اور دوسرے وارثوں کے حق میں ایسا نہیں کیا۔ بلکہ دوسروں کے حق میں صرف ایک ہی بچہ قرار دیتے ہیں اسکی کیا وجہ ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ دوسرے وارثوں کے حصہ بچہ کے ایک اور متعدد ہونے کی صورتمیں متفاوت نہیں ہو سکتے بخلاف بیٹی کے اسلئے یہاں ایسا کیا۔۱۲

۹۲ قولہ والباقی الخ یعنی دو سو سولہ میں سے ماں باپ بیوی اور بیٹی کے ایک سو ایک سہام دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ روکا جائیگا اور یہ باقی روکے ہوئے سہام ایک سو پندرہ ہیں اسلئے کہ دو سو سولہ میں سے ایک سو ایک سہام نکالنے کے بعد ایک سو پندرہ سہام باقی رہتے ہیں پس اگر زوجہ حاملہ نے ایک بیٹی جنی یا ایک سے زیادہ لڑکیاں جنیں تو تمام روکا ہوا ترکہ لڑکیوں کو پہنچ جائے گا اسلئے کہ ماں باپ اور زوجہ کے حق میں حمل کو لڑکی فرض کرکے ہر ایک کا حصہ مسئلہ انوثت سے دیدیا تھا ان کا کچھ حق باقی نہ رہا تھا اور جو کچھ ان کے حق کے بعد باقی ہے اور وہ ایک سو اٹھائیس ہے یہ لڑکیوں کا حق ہے اسلئے کہ بیٹیوں کا حق مسئلہ انوثت سے کہ ستائیس ہے سولہ ہوتا ہے اور جب ان کو مسئلہ انوثت کے وفق یعنی آٹھ میں ضرب دیا تو ایک سو اٹھائیس ہوئے اور موجودہ بیٹی کو تیرہ سہام پہنچے تھے ان کو جب موقوفہ سہام یعنی ایک سو پندرہ میں جمع کیا تو مجموعہ ایک سو اٹھائیس سہام ہوا ان کو لڑکیوں پر برابر بانٹ دیں گے پس اگر ان پر بلاکسر پوری پوری تقسیم ہو جائے تو بہتر ہے اور اگر بلاکسر پوری پوری تقسیم نہ ہو سکے تو لڑکیوں کے سہام اور رؤس میں غور کرو اگر ان کے درمیان توافق ہو تو وفق رؤس کو اصل مسئلہ دو سو سولہ میں ضرب دو جو کچھ حاصل ہوگا اس سے مسئلہ کی تصحیح ہو جائیگی اور اگر ان دونوں کے درمیان تباین ہو تو تمام عدد رؤس

فَصْلٌ فِي الْمَفْقُوْدِ

اَلْمَفْقُوْدُ حَيٌّ فِيْ مَالِهٖ حَتّٰى لَا يَرِثَ مِنْهُ اَحَدٌ وَّمَيِّتٌ فِيْ مَالِ غَيْرِهٖ حَتّٰى لَا

من لم يرث الشيء بحكم ؛ مات مدل فقدانه ؛

يَرِثَ مِنْ اَحَدٍ وَّيُوْقَفُ مَالُهٗ حَتّٰى يَصِحَّ مَوْتُهٗ اَوْ تَمْضِيَ عَلَيْهِ مُدَّةٌ وَّاخْتَلَفَتِ

[illegible] من فقدانه ؛ في يد ثقة اذا امين ؛ ببينة او شهرة او غيرة ؛ تعذب [illegible]

الرِّوَايَاتُ فِيْ تِلْكَ الْمُدَّةِ فَفِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ اِذَا لَمْ يَبْقَ اَحَدٌ مِّنْ

اي حكم فيما بين الرجل مفقودا ؛

اَقْرَانِهٖ حُكِمَ بِمَوْتِهٖ وَرَوَى الْحَسَنُ بْنُ زِيَادٍ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ

اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَّ تِلْكَ الْمُدَّةَ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ سَنَةً مِّنْ يَّوْمِ وُلِدَ فِيْهِ

اعمان الاستقراء ؛

الْمَفْقُوْدُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِائَةٌ وَّعَشْرُ سِنِيْنَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ

[illegible]

اللّٰهُ تَعَالٰى مِائَةٌ وَّخَمْسُ سِنِيْنَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ تِسْعُوْنَ سَنَةً وَّعَلَيْهِ الْفَتْوٰى ـ

هذا من الروايتين توجد من ذا المعتبرات ؛ قيل هو الشيخ الامام محمد بن حامد البخاري ؛

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

کو دو سو سینتالیس میں ضرب دو جو کچھ حاصل ہوگا اس سے مسئلہ کی تصحیح ہو جائے گی ۔ ۱۲

؎ قولہ وان ولدت الخ یعنی اگر زوجہ حاملہ ایک لڑکا یا ایک سے زیادہ لڑکے جنے تو بیوی اور ماں باپ کو جو سہام دیدیئے چاہئیں جو ان کے حصے میں سے روک رکھے تھے یعنی بیوی کو تین سہام کہ مسئلہ ذکورت سے اسکے حصہ میں سے روک لئے گئے تھے دیدیئے جائیں تاکہ اسکا اکثر حصہ کہ ستائیس ہے پورا ہو جائے اور ماں باپ میں سے ہر ایک کو چار چار سہام دیدیئے جائیں جو مسئلہ ذکورت میں انکے روک لئے گئے تھے تاکہ ہر ایک کا اکثر حصہ جو چھتیس چھتیس سہام ہیں مل جائے اور بیوی اور ماں باپ اور لڑکی کو ملانے کے بعد جو کچھ باقی رہا ہو کہ وہ ایکسو چار سہام ہیں اس کیساتھ بیٹی کے حصہ کو جو اسکو پہلے دیدیا گیا تھا یعنی تیرہ سہام ملانا چاہیے جسکا مجموعہ ایکسو سترہ ہوگا اسکو اولاد پر اس طرح تقسیم کیا جائے کہ مرد کو عورت سے دوچند ملے اگر پوری پوری تقسیم نہ ہو سکے تو اولاد کے رؤس اور سہام کی نسبت دیکھ کر مسئلہ کی تصحیح کرکے تقسیم کریں اب لڑکی کو انتالیس اور لڑکے کو اٹھتر سہام پہنچیں گے ۔ ۱۲

؎ قولہ وان ولدت ولدا میتا الخ یعنی اگر زوجہ حاملہ نے مرا ہوا بچہ جنا تو بیوی اور ماں باپ کو جو کچھ روکا ہو ستہ دیدیا جائے بیوی کے تین سہم اور ماں باپ کے چار سہم روک رکھے ہوئے تھے تو بیوی کے چوبیس پہلے اور تین یہ روک رکھے ہوئے مل کر ستائیس سہام ہو گئے اور ماں باپ کے بتیس بتیس سہام پہلے اور چار چار سہام روکے

(۳۔) فصل مفقود (یعنی لاپتہ شخص کی میراث) میں ہے

ترجمہ، مفقود اپنے مال میں زندہ ہے یہانتک کہ اس سے کوئی وارث نہ ہوسکے گا اور اپنے غیر کے مال میں مردہ ہے یہانتک کہ وہ کسی سے وارث نہ ہوسکے گا اور اسکا مال رکھا رہے یہانتک کہ اسکی موت کی صحت ہو جائے یا اس پر مدت مقررہ گزر جائے اور اس مدت کے بارے میں مختلف روایتیں وارد ہوئی ہیں ظاہر الروایہ میں یہ ہے کہ جبکہ اسکے ہم عمروں میں سے کوئی باقی نہ رہے تو اس کے مرنیکا حکم کیا جائے۔ اور حسنؒ بن زیاد نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ وہ مدت اس دن سے جسمیں مفقود پیدا ہوا ہے ایکسو بیس سال ہے اور محمدؒ نے ایک سو دس سال کی مدت بتلائی ہے اور ابو یوسف رحؒ نے فرمایا ہے کہ ایکسو پانچ سال ہیں اور ان مجتہدین میں سے بعض نے کہا ہے کہ نوے برس ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔

سلہ قولہ فصل الخ۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے مفقود کی میراث کے احکام حمل کی میراث کے احکام کے بعد اسلئے بیان کئے کہ جس طرح حمل کا بچہ مورث کے مرنے کے وقت موجود نہیں ہوتا اسی طرح مفقود بھی موجود نہیں ہوتا لیکن ان دونوں کا وجود مظنون ہے مگر چونکہ حمل میں آثار و علامت کی وجہ سے اسکے وجود کا گمان غالب ہے بخلاف مفقود کے اسلئے حمل کی میراث کا بیان مقدم کیا اور مفقود کی میراث کا بیان مؤخر لائے ۱۲

سلہ قولہ المفقود۔ مفقود اسم مفعول کا صیغہ ہے جو فَقَدَ (ض) سے مشتق ہے جسکے لغوی معنی گم کرنا اور تلاش کرنا ہے چنانچہ محاورہ میں کہتے ہیں فَقَدْتُہٗ میں نے اسکو گم کر دیا میں نے اسکو تلاش کیا۔ یہ دونوں لغوی معنی مفقود کے اصطلاحی معنی میں متحقق ہیں اس لئے اس کو اس کے گھر والوں نے گم کر دیا ہے اور وہ اس کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں اصطلاح شرع میں مفقود اس غائب شخص کو کہتے ہیں جو گھر سے نکل کر لاپتہ اور گم ہو جائے اور یہ نہ معلوم ہو کہ زندہ ہے یا مُردہ۔ مفقود بھی اگرچہ ایک قسم کا غائب ہے مگر غائب عام ہے اور مفقود خاص۔ مفقود افراد غائب سے ہے جس طرح زوجہ غائب کے لئے غائب پر

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

ہوئے مل کر چھتیس چھتیس سہام ہوگئے اور جیٹی کو باقی میں سے اسقدر دیا جائے کہ وہ سو سونہ کے تمام ترکہ میں سے آدھا ایک سو آٹھ سہام ہوتے ہیں مل جائے اور وہ جو اسکو دیا جائیگا بہتّر سہام ہیں۔ تیرہ بیٹے اور یہ بہتّر جمع کرنیسے ایک سو آٹھ سہام ہو جائیں گے جو اسکا نصف حصّہ ہے اب جو بیٹی کو دینے کے بعد نو سہام باقی رہے وہ باپ کو بطور عصبیت کے دیدیئے جائیں گے اسلئے باپ بیٹی کے ساتھ فرض و تعصیب دونوں رکھتا ہے ۱۲

تنبیہ:۔ یہ جو کچھ لکھا گیا اس حالت میں ہے کہ حمل کے ساتھ وارثوں کا فرض متغیر ہوتا ہو اور اگر میت ایسے وارث چھوڑے جن کا فرض حمل کے ساتھ متغیر نہیں ہوتا تو کل حصہ دیدیا جائیگا مثلاً میت دادی اور حاملہ زوجہ چھوڑے تو دادی کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملجائیگا یا میت حاملہ بیوی کیساتھ بیٹا چھوڑے تو حاملہ کو پورا آٹھواں حصہ مل جائیگا۔ ۱۲

نفقہ کا حکم اور ادھار لینے کا قاضی کرسکتا ہے اسی طرح زمن نفقہ اور استدانت کا حکم زوجہ مفقود کے لئے کرسکتا ہے۔ ۱۲

۵۳ قولہ حتی لایورث منہ الخ یعنی مفقود چونکہ جس طرح اپنی ذات کے ...... حق میں زندہ ہے اسی طرح وہ اپنے مال کے حق میں بھی زندہ ہے اسلئے مال ذات کے تابع ہے کیونکہ استصحاب کی وجہ سے اس کی زندگی ثابت مانی جائے گی وہ اپنے مفقود ہونے سے پہلے موجود تھا تو اب اسکے موجود ہونے پر کیوں خیال دوڑایا جائے جب تک کوئی خارجی اور قطعی ثبوت اس کے معدوم ہونیکا نہ ملے لہذا جب تک اس کی خبر معلوم نہ ہو یا مدت معینہ نہ گزر جائے اسکا مال تقسیم نہ کیا جائیگا نہ اسمیں سے قرضے ادا کئے جائیں گے نہ اس کی عورت کو کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے کا حق حاصل ہوگا ۱۲

۵۴ قولہ من احد۔ یعنی مفقود چونکہ اپنے غیر کے مال میں مردہ اعتبار کیا جاتا ہے لہذا وہ اپنے اقربار میں سے کسی کا وارث نہ ہوگا بلکہ اسکا حصہ امانت رکھا رہے گا یہانتک کہ اس کی موت کی تحقیق ہوجائے یا اس پر مدت معینہ گزر جائے۔ ۱۲

۵۵ قولہ واختلفت الروایات الخ یعنی مفقود الخبر کی مدت میں بہت اختلاف ہے زائد سے زائد ایک سو بیس ۱۲۰ برس کا قول ہے اور کم سے کم چار برس کا قول ہے تمام اقوال کا مجموعہ بارہ تک پہنچتا ہے۔ (۱) ہم عمروں کی موت۔ اسمیں دو شقیں ہیں یا تمام شہروں کے اعتبار سے موت اقران لیجائیگی یا خاص اس شہر کے اعتبار سے موت اقران لی جائے گی جہاں کا مفقود باشندہ ہے (۲) ایکسو بیس سال (۳) ایک سو دس برس (۴) ایک سو پانچ برس (۵) سو برس (۶) نوے سال (۷) اسی برس (۸) ستر برس (۹) ساٹھ سال (۱۰) تیس برس۔ ان اقوال میں سے بعض اقوال مشہور ہیں اور بعض غیر مشہور اور یہ تمام اقوال حنفیہؒ سے منقول ہیں (۱۱) یوم نقدان سے چار برس یہ قول ائمہ ثلاثہ شافعی، مالک، احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے (۱۲) قاضی اور امام کی رائے پر موقوف ہے یہ قول مذاہب اربعہ میں منقول ہے۔ مصنفؒ نے پہلے، دوسرے، تیسرے، چوتھے، چھٹے قول کو ذکر کیا۔

۵۶ قولہ اذالم یبق الخ یعنی ظاہر الروایہ میں یہ ہے کہ جبکہ اسکا کوئی ہم عمر باقی نہ رہے تو اسکا حکم میت کا ہے لیکن ہم عمروں کی موت کی بنا پر اس زمانے میں حکم ناممکن ہے اس لئے کہ یہ جب ہوسکتا ہے کہ مفقود کی پیدائش کا سال معلوم ہو اور یہ معلوم ہوجائے کہ اس مفقود کے تمام ہم عمر مرگئے کوئی باقی نہ۔ بایں نکہ ایک شخص بھی مفقود کا ہم عمر باقی رہے گا تو اقران کی موت کا حکم نہیں کرسکتے لیکن تمام دنیا کے شہروں کے ہم عمروں کی موت وحیات کا حال معلوم کرنا بداہتہ ناممکن ہے لہذا اس صورت پر عمل نہیں ہوسکتا رہا دوسرا احتمال کہ مفقود کے شہر و قریہ کے ہم عمروں کی اعتبار کیا جائے یہ بظاہر آسان معلوم ہوتا ہے لیکن اس زمانے میں کوئی ذریعہ اس کے معلوم ہونیکا نہیں

اگرچہ میونسپلٹی وغیرہ میں ولادت اور موت لکھی جاتی ہے لیکن بہت سے آدمی باہر کو چلے جاتے ہیں۔ جن کے مرنے کا حال معلوم ہونا دشوار تر ہے چنانچہ الاصلاح والایضاح میں جو فقہائے محققین کی کتب معتبرہ میں سے ہے لکھا ہے والتفحص عن حال الاقران انهم ماتوا او لا غیر ممکن نیز جواہر اخلاطی میں ہے بناء الاحکام علی الاتساع لان التفتیش عن حال الاقران امر غیر ممکن او فیہ حرج یعنی بناء احکام شرع کی ایسے امر پر ممکن ہوتی ہے جس میں آسانی ہو اور حرج نہ ہو چونکہ مفقود کے ہم عمروں کا تمام شہروں کے اعتبار سے تلاش سے معلوم کرنا کہ وہ مرگئے یا نہیں مرے ناممکن ہے اور اس کے شہر کے اعتبار سے اس کے ہم عمروں کو تلاش سے معلوم کرنے میں حرج عظیم ہے۔

۵۷ قولہ روی الخ یعنی حسنؒ نے ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ وہ مدت اس کی پیدائش کے دن سے ایک سو بیس [۱۲۰] سال ہے اس کو صاحب قدوری نے ذکر کیا ہے اس روایت کے بارے میں محققین کہتے ہیں کہ یہ اکاذیب مشہورہ میں سے ہیں۔

۵۸ قولہ قال محمدؒ یعنی محمدؒ نے ایک سو دس [۱۱۰] کی مدت بیان کی ہے اور ابو یوسفؒ نے ایک سو پانچ بتائی ہے۔ لیکن کتب معتبرہ میں یہ دونوں روایتیں نظر سے نہیں گزریں شاید صاحبینؒ سے یہ روایت شاذہ ہوں محمدؒ کی روایت ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے۔ ابو العلائی شارح سراجی اپنی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ محمدؒ سے یہ روایت غریب ہے اور ابو یوسفؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب مفقود کی ولادت کے وقت سے سو سال گزر جائیں تو اس کی موت کا حکم کیا جائیگا اس لئے کہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں کوئی آدمی سو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہتا محمد بن سلمہ اسی روایت کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے لیکن جس وقت وہ خود ایک سو سات سال کی عمر کو پہنچے تو ان کو معلوم ہوا کہ سو سال کی عمر مفقود کے لئے قائم کرنی غلطی تھی، سیوطیؒ نے اپنے رسالہ رایح الشذرین فیمن من الصحابۃ مائۃ وعشرین میں متعدد صحابیوں کے نام لکھے ہیں جو ایک سو بیس [۱۲۰] سال اور اس سے زیادہ بھی عمر کو پہنچے ہیں چنانچہ (۱) حسان بن ثابت شاعر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ایک سو بیس [۱۲۰] سال زندہ رہے۔ (۲) حکیم ابو خالد بن حزام ایک سو بیس [۱۲۰] سال (۳) حمنن برادر عبد الرحمٰن بن عوف ایک سو بیس [۱۲۰] سال (۴) حویطب یا حویہ یا حیطاب محمد یا ابو الاصبع بن عبد العزی ۱۲۰ سال (۵) سعد ابو عمر بن ایاس الشیبانی البکری ۱۱۷ سال (۶) سعد بن عبادۃ العوفی الانصاری ۱۲۰ سال (۷) سعید ابا ہود یربوع بن عنکثہ ۱۲۰ سال (۸) ابو شداد النمانی ۱۲۰ سال (۹) عاصم بن عدی بن زید بن عجلان ۱۲۰ سال (۱۰) عبد خیر ابو عمارہ بن یزید اور بقول بعض ابن یحمد الکوفی ۱۲۰ سال (۱۱) اللجلاج القطفانی ۱۲۰ سال (۱۲) مخرمہ بن میسور بن نوفل ۱۲۰ سال اور بقولے ۱۲۵ سال (۱۳) نافع بن سلیمان العبدی ۱۲۰ سال (۱۴) نابغۃ الجعدی دو سو بیس سال جیئے انھوں نے اپنے ایک شعر میں کہا ہے ۵۹

ثلثۃ اھالیہ افنیت بنی ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ تم نے کتنا زمانہ ہر بیوی کے ساتھ بسر کیا جواب دیا ساٹھ سال ۔ اس حساب سے ۱۸۰ سال ہوتے ہیں اس کے بعد ابن زبیر کے ایام تک زندہ رہے اسی طرح صحابہ میں سے لبید بن ربیعہ اور اوس بن معتر السعدی اسی عمر کو پہنچے اور ابن سعد کا بیان ہے کہ عدی بن حاتم الطائی اور ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ نوفل بن معاویہ بھی اسی طرح طویل العمر ہوئے ۔

۹۹ قولہ بعضہم الخ بعض مجتہدین نے کہا ہے کہ نوے برس کے بعد مردہ قرار پائیگا اسی لئے کہ ہمارے زمانے میں اس سے زیادہ زندہ رہنا نہایت درجہ نادر ہے اور احکام شریعت کا مدار نوادرات پر نہیں بلکہ اغلب پر ہے مصنفؒ نے جو ایک سو بیس، ایک سو دس، ایک سو پانچ یا نوے سال کا قول اختیار کیا ہے یہ ظاہر مذہب کے خلاف معلوم ہوتا ہے حالانکہ ابو حنیفہؒ کے مقلدین پر ظاہر مذہب کا اتباع لازم ہے لیکن چونکہ اقران کا تفحص ناممکن تھا یا اسمیں حرج عظیم تھا لہٰذا نقہاؒ نے مفقود کی عمر کا تخمینہ لگایا تاکہ اس مدت کے گزرجانے کے بعد موت کا حکم کیا جائیگا بلکہ محقق شامی کے قول سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ان تخمینوں اور ظاہر مذہب میں مخالفت نہیں بلکہ یہ تفسیر ہیں ظاہر الروایۃ کی موت اقران کی ہیں لیکن باہم اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ بعض نے زائد عمر والوں کا لحاظ کیا اور بعض نے کم عمر والوں کا یعنی بعض نے انتہائی عمر طبعی ایک سو بیس برس قرار دیکر موت کا حکم دیا اور بعض نے ایک سو دس اور بعض نے ایک سو پانچ کو اور بعض نے نوے کو منتہائے عمر قرار دیا اس سے زیادہ جینے والے شاذونادر ہی ہوتے ہیں جو معدوم کے حکم میں ہیں بہر صورت مصنفؒ کے آخری قول کے مطابق جب مفقود کی عمر تاریخ پیدائش سے نوے برس کی ہوجائے اسوقت شرعاً اسکی موت کا حکم لگادیں گے اور جو وارث اسوقت زندہ موجود ہیں وہ حصہ دار اور مستحق ہونگے اور جو اسوقت سے پہلے مرگئے وہ محروم رہے کیونکہ شرعاً گویا اب اس کی موت واقع ہوئی ہے ۱۲

۱۰۰ قولہ وعلیہ الفتویٰ ۔ یعنی اصحاب حنفیہؒ کے نزدیک اسی پر فتویٰ ہے جس کو کافی اور ذخیرہ صاحب مجمع الانہر نے نقل کیا ہے اسی طرح علامہ فاضل بہشتی نے کہا ہے مسئلہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مفقود کے انتظار کی حد نوے برس ہے جب تک اس کی عمر کے نوے سال پورے نہ ہوجائیں اسوقت تک نہ اس کے مال کو تقسیم کیا جائے نہ اس کی عورت کے لئے نکاح ثانی جائز ہے میراث کے تقسیم نہ ہونے سے کوئی حرج تکلیف اور بڑی دقت پیش نہیں آتی لیکن زوجہ کو اسقدر طویل عرصہ تک انتظار کرنا بعض دفعہ بوجہ مفلسی اور ناداری کے مشکل ہوتا ہے اور کبھی بوجہ نو عمر و جوان ہونے منکوحہ کے اندیشہ فساد عظیم اور بے عزتی کا ہوتا ہے اس لئے بہت سے محققین علمائے حنفیہ

وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَالُ الْمَفْقُوْدِ مَوْقُوْفٌ اِلَى اجْتِهَادِ الْاِمَامِ وَمَوْقُوْفُ

الْحُكْمِ فِيْ حَقِّ غَيْرِهٖ حَتّٰى يُوْقَفَ نَصِيْبُهٗ مِنْ مَالِ مُوْرِثِهٖ كَمَا فِي الْحَمْلِ

فَاِذَا مَضَتِ الْمُدَّةُ فَمَالُهٗ لِوَرَثَتِهِ الْمَوْجُوْدِيْنَ عِنْدَ الْحُكْمِ بِمَوْتِهٖ

وَمَا كَانَ مَوْقُوْفًا لِاَجَلِهٖ يُرَدُّ اِلٰى وَارِثِ مُوْرِثِهِ الَّذِيْ وُقِفَ مِنْ

مَالِهٖ وَالْاَصْلُ فِيْ تَصْحِيْحِ مَسَائِلِ الْمَفْقُوْدِ اَنْ تُصَحَّحَ الْمَسْئَلَةُ عَلٰى تَقْدِيْرِ

حَيٰوتِهٖ ثُمَّ تُصَحَّحَ الْمَسْئَلَةُ عَلٰى تَقْدِيْرِ وَفَاتِهٖ وَبَاقِي الْعَمَلِ مَاذَكَرْنَا فِي الْحَمْلِ

ترجمہ:۔ اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ مفقود کا مال اجتہاد امام تک روکا جائے اور اپنے غیر کے حق

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

نے خاص نکاح کے جائز ہونے میں امام مالکؒ کے قول پر فتوی دیدیا ہے کہ جس دن سے وہ مفقود الخبر اور لاپتہ ہوا ہے اس تاریخ سے چار سال چار ماہ دس روز کے بعد زوجہ کو نکاح ثانی جائز ہے گویا چار سال کے انتظار کے بعد گم شدہ کی موت کا حکم دیا گیا اور پھر چار ماہ دس روز عدت گذارنے کے بعد نکاح ثانی جائز ہوگا یہ مسئلہ شامی جلد سوم کتاب المفقود میں اور دیگر کتب فقہ میں موجود ہے ضرورت میں اس پر عمل کرلینا چاہیئے لیکن چونکہ فقہاء نے اس پر قضائے قاضی کی شرط لگائی ہے یعنی جب تک حاکم حکم نہ دیدے اسوقت تک اسکو میت سمجھ کر نکاح جائز نہ ہوگا علاوہ ازیں بعض مرتبہ شوہر زندہ واپس آجاتے ہیں اور جھگڑا کرکے نوبت بعدالت پہنچاتے ہیں اس لئے یہ ضرور ہے کہ اپنے نواح کے علماء سے فتوی لیکر اس کو عدالت میں پیش کرکے نکاح کی اجازت لے لیں یہ درخواست ایسے منصف اور جج وغیرہ حاکم کے اجلاس میں پیش کریں جو مسلمان ہو اسکا فیصلہ بمنزلہ شرعی قاضی کے سمجھا جائیگا اور شرعاً و قانوناً ہر طرح نکاح جائز ہوجائیگا اور دنیا و آخرت کے مواخذہ کا خوف اور اندیشہ فساد نہ رہے گا لیکن اگر پہلا شوہر زندہ واپس آجائے تو زوجہ اس کو دی جائے گی البتہ اگر پہلا شوہر واپس آکر طلاق دیدے تو زوجہ شوہر ثانی کے پاس رہ سکتی ہے لیکن طلاق کی عدت گزرنے کے بعد دوبارہ نکاح کرنا پڑیگا اور اگر شوہر ثانی سے کوئی اولاد ہوگئی تو وہ اپنی اولاد کا ہر صورتمیں مستحق ہے یاد رکھو

میں موقوف الحکم ہے یہانتک کہ اس کے مورث کے مال میں سے اسکا حصہ اٹھا رکھا جائے جیسا کہ حمل
میں حال ہے پس جبکہ مدت (معینہ) گزرجائے اور اس کی موت کا حکم کیا جائے تو اس کا مال اسکے ان
وارثوں کے لئے ہے جو اس کی موت کا حکم کرنے کے وقت موجود ہیں اور جو حصہ (اسکے مورث کے
مال میں سے) اس کے لئے اٹھا رکھا گیا تھا اس کو اس مورث کے وارثوں کی طرف واپس کیا جائے
جس کا مال روکا گیا تھا اور مسائل مفقود کی تصحیح کے باب میں (یہ) قاعدہ ہے کہ (ایک بار، مسئلہ
(مفقود) کی اس کی حیات کی تقدیر پر تصحیح کی جائے پھر دوسری بار اس کی موت کی تقدیر پر تصحیح کی جائے
اور باقی عمل وہ (کیا جاتا) ہے جسکو ہم نے حمل (کے بیان) میں ذکر کیا ہے۔

سلہ قولہ وقال بعضہم الخ یعنی مجتہدین اور مقلدین میں سے بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ تا اجتہاد
حاکم وقت مفقود کا مال روکنا چاہیئے اسکا مطلب یہ ہے کہ حاکم شرع ایک مدت گزرجانے کے بعد
جب تک یہ حکم نہ دیدے کہ ایسا مفقود اس سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا اسوقت تک اس کی موت کا حکم
نہ دیا جائیگا اور مال اس کا وارثوں پر تقسیم ہوگا یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے چنانچہ انھوں نے فرمایا ہے
جبکہ قاضی اپنی رائے سے یہ حکم کردے کہ اس جیسا مفقود اس مدت سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا تو اس
کی موت کا حکم کیا جائیگا۔ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ قاضی کی رائے کی طرف تفویض کیا جائے پس وہ جونسا
وقت مصلحت دیکھے مفقود کی موت کا حکم دے اور اس کی زوجہ وفات کی عدت گزارے گویا وہ
مفقود اس وقت میں زوجہ کے سامنے مرگیا اس لئے یہ موت جو قاضی کے حکم سے ہوئی ہے احکام
کے مرتب ہونے میں مثل حقیقی موت کے معتبر ہے۔ اس روایت کو بہت سے مشائخ محققین مرجحین متقدمین
ومتاخرین نے ترجیح دی ہے اور اختیار کیا ہے صاحب فتح القدیر نے تقدیر بالسنین کے بعد یہ بھی کہا ہے کہ الیق
طریق فقہ میں یہ بات ہے کہ تقدیر نہ کی جائے اس لئے کہ قائم کرنا مقادیر کا شرع میں نہیں ہے ان سب
کے بعد اس روایت کو لائے کہ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ قاضی کی رائے کی طرف تفویض کیا جائے پس وہ
جونسا وقت مصلحت دیکھے مفقود کی موت کا حکم دے اور اس کی زوجہ وفات کی عدت گزارے گویا وہ مفقود
اس وقت زوجہ کے سامنے مرگیا اس واسطے کہ یہ موت جو قاضی کے حکم سے ہوئی ہے مثل موت حقیقی
کے احکام کے مرتب ہونے میں معتبر ہے ابن ہمام کا اس روایت کو آخر میں لانا اور اس کے ساتھ عدت کو
بیان کرنا کہ اس کو موت کے حکم پر مرتب کیا ہے صاف دلالت کرتا ہے کہ اہل تحقیق کا مختار یہی ہے اور امام
شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے حموی کمال الدرایہ عینی، فتح القدیر، زیلعی، تعلیہ، کافی، مبسوط، مضمرات
تبیین، بحرالرائق، ینابیع، ردالمحتار اور فتاوی انقرویہ وغیرہ میں اسی روایت کو ترجیح دی ہے حتی کہ بعض

بقیہ صفحہ ۳۲۱

میراث کی نسبت نوّے سال کا انتظار امام مالک اور ابو حنیفہؒ دونوں ضروری فرماتے ہیں ۱۲

نے اس کو ظاہر الروایۃ کہا ہے۔ ۱۲
۵۲ قولہ وموقوف الحکم الخ یعنی اگر مفقود کے گم ہونے کے بعد ایسے شخص کا انتقال ہو جس کے مال سے اس گم شدہ کو حصہ مل سکتا ہے تو جس قدر اس گم شدہ کا حق ہو وہ امانت رکھا جائے یہاں تک کہ اسکی موت کی بابت کوئی آخری تصفیہ ہو جائے جیسا کہ حمل میں حال ہے۔ پس اگر گم شدہ موجودہ وارثوں کو حجب حرمان محجوب کرتا ہے تو ان کو کچھ نہ دیا جائے گا بلکہ کل متروکہ مال امانت رکھا جائے اور اگر حجب نقصان محجوب کرتا ہے تو موجودہ وارثوں کو وہ حصہ دیا جائے جو موت اور زندگی کی تقدیر پر حصوں میں سے کمتر ہو۔ یعنی دو مسئلے کئے جائیں ایک مفقود کی حیات کے لحاظ سے دوسرا اس کی ممات کے لحاظ سے پس جس میں اُن وارثوں کا حصہ کم آتا ہو وہ دیا جائے اور جب قاضی یا حاکم اس کی موت کا حکم دیگا تو جو حصہ اسکا امانت رکھا گیا ہے وہ وارثوں پر رد کیا جائیگا اور اُس کے مال میں بھی میراث جاری ہوگی اگر مفقود کی موت کی خبر ایسی معلوم ہو کہ مورث کی موت کے بعد فوت ہوا ہے تو اس کا وارث مناسخے کے طریق پر وارثوں پر قسمت کیا جائے اگر کوئی وارث قبل حکم موت مفقود کے مرجائے تو اسکو کچھ نہ دیا جائے
۵۳ قولہ فاذا مضت الخ جب مدت گزر جائے یعنی حساب کی رو سے تاریخ پیدائش سے نوّے برس کی عمر ہو جائے اور حاکم اس کی موت کا حکم دیدے تو اسکا مال اس کے ان وارثوں کیلئے ہے جو اس کی موت کے حکم کے وقت زندہ موجود ہیں اور جو اس کی موت کے حکم سے پہلے مرگئے وہ محروم رہیں گے کیونکہ شرعاً گویا آج اس کی موت واقع ہوئی ہے گو درحقیقت وہ اسوقت سے آٹھ دس برس پہلے مرگیا ہو یا اب بھی زندہ ہو لیکن چونکہ کسی کو معلوم نہیں لہٰذا جس روز نوّے سال کی عمر ہو گئی شریعت نے اسکے انتقال کا حکم دیدیا یہاں تک تو خود اس کے مال کا حال تھا اب اس کے حصہ موقوفہ کا حال سنئے جو اس کے مورث کے ترکہ سے اسکا حصہ امانت رکھا گیا تھا۔ مصنفؒ فرماتے ہیں اور جو حصہ اس گمشدہ کے واسطے کسی مورث کے ترکہ سے رکھا گیا ہے تو اس کو مفقود کی موت کے حکم کے بعد اسی مورث کے وارثوں پر واپس کیا جائے گا اور گمشدہ کے وارثوں کو اس میں سے کچھ نہ ملے گا اس لئے کہ اس حصہ کی نسبت گم شدہ کو ایام غیبت میں حکم مردہ کا ہے پس گویا کہ وہ مورث بحالت موت مفقود کے مرا یاد رکھو اگرچہ گم شدہ کی مدت معینہ ختم ہو جائے لیکن تقسیم وراثت بجز حکم حاکم جائز نہیں اور جو وارث درصورت موجودگی مفقود کے محروم ہو جاتے ہوں اُن کو حصہ بجز حکم حاکم کے نہ دیا جائیگا۔ نیز حصہ موقوفہ جو گمشدہ کی موت کے حکم کے بعد اس کے مورث کے ورثا پر لوٹایا جاتا ہے اگر وہ ورثا موجود نہ ہوں تو اس کو مورث کے ورثا کے وارثوں پر تقسیم کیا جائے ۱۲
۵۴ قولہ یرد الخ یہ بھی مثل حمل کے ہے کہ اگر زندہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنے حصہ کا حقدار ہوتا ہے۔ اور اگر مردہ پیدا ہوتا ہے تو ہر وارث اپنا حصہ موقوفہ لے لیتا ہے ایسے ہی اس جگہ اگر گمشدہ زندہ واپس

آجائے تو وہ اپنا حق لے لیگا اور اگر گزر جانے مدت معینہ کے اس کی موت کا حکم کیا گیا تو اپنے حصہ موقوفہ
کا مستحق نہ ہوگا بلکہ وہ حصہ اس کے مورث کے وارثوں پر واپس کیا جائے گا ۔۱۲

۵ قولہ وَالْاَصْلُ الخ یعنی مسائل مفقود کی تصحیح کا طریقہ مسائل حمل کی طرح ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اول
مسئلہ مفقود کی تصحیح اس کی حیات کی تقدیر پر کی جائے پھر دوسری بار مسئلہ کی تصحیح اس کی وفات کی
تقدیر پر کیجائے اس کے بعد دونوں مسئلوں میں نظر کی جائے کہ ان کے درمیان چار نسبتوں تماثل، تداخل اور
توافق اور تباین میں سے کونسی نسبت ہے تماثل کی صورت میں دونوں میں سے ایک پر اور تداخل کی صورت
میں اکثر پر اکتفا کریں اور توافق کی صورت میں ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں اور تباین کی صورت میں
ایک کے کل کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں اور حاصل ضرب کو تصحیح مسئلہ تصور کریں پھر جس وارث
کو جو کچھ مسئلہ وفات سے ملا ہے اسکو مسئلہ حیات میں بصورت تباین ضرب دیا جائے اور بصورت توافق
اس کے وفق میں ضرب دیا جائے اور جس وارث کو جو کچھ مسئلہ حیات سے ملا ہے اسکو مسئلہ وفات میں بصورت
تباین ضرب دیا جائے اور بصورت توافق اس کے وفق میں ضرب دیا جائے پھر ان دونوں ضربوں کے دونوں
حاصلوں میں نظر کی جائے ہر دو ضرب کے حاصل سے جو کمتر ہو وارث موجود کو دیں اور جو کچھ ان دونوں حاصلوں
میں سے باقی رہے وہ اس وارث کے حصہ سے موقوف رکھا جائے یہانتک مفقود کا حال ظاہر ہو جائے
مثلاً ایک عورت کا انتقال ہوا اس نے شوہر دو حقیقی بہنیں موجود اور ایک برادر حقیقی مفقود چھوڑا۔ بر تقدیر
حیات مفقود نصف کہ حصہ شوہر کا ہے دو سے مسئلہ ہو کر ایک سہم شوہر کو اور ایک سہم دو حقیقی بہنوں
اور برادر حقیقی کو ملے گا چونکہ ایک رؤس اربعہ پر پورا تقسیم نہیں ہو سکتا لہٰذا چار کو اصل مسئلہ میں ضرب دیکر آٹھ سے
تصحیح کیجائیگی انہیں سے چار سہام شوہر کو اور دو سہام برادر حقیقی کو اور ایک ایک سہم دونوں حقیقی بہنوں میں سے
ہر ایک کو ملیں گے بر تقدیر وفات مفقود نصف شوہر کا اور دو تہائی دونوں حقیقی بہنوں کا ہے مسئلہ چھ سے
ہوگا لیکن سات کی طرف عول ہو جائیگا جس میں سے تین سہام شوہر کو اور دو دو سہام ہر ایک حقیقی بہن کو ملیں گے۔
پھر تصحیح اول یعنی آٹھ کو تصحیح ثانی یعنی سات میں ضرب دیکر حاصل ضرب چھپن تصحیح مسئلہ مفقود ہو گئے
شوہر کے لئے مسئلہ حیات سے چار سہام تھے ان کو مسئلہ وفات میں ضرب دینے کے بعد اٹھائیس حاصل ہوتے
ہیں اور مسئلہ وفات سے اس کے لئے تین سہام تھے ان کو مسئلہ حیات میں ضرب دینے کے بعد چوبیس حاصل
ہوتے ہیں۔ دو حصوں میں سے یہی کمتر حصہ ہے جو اس کو دیا جائے گا اور چار سہام اس کے حصہ میں
سے روک لئے جائیں گے اور دونوں حقیقی بہنوں کے لئے مسئلہ حیات سے دو سہم تھے ان کو مسئلہ وفات
میں ضرب دینے کے بعد چودہ سہام حاصل ہوتے ہیں اور ان کے لئے مسئلہ وفات سے چار سہام تھے جنکو
مسئلہ حیات میں ضرب دینے کے بعد بتیس سہام حاصل ہوتے ہیں دونوں حصوں میں ان کا کمتر حصہ
چودہ سہام ہیں دونوں بہنوں کو دیدیئے جائیں اور اٹھارہ سہام ان کے حصہ سے روک لئے

فَصْلٌ فِي الْمُرْتَدِّ

إِذَا مَاتَ الْمُرْتَدُّ عَلٰى ارْتِدَادِهٖ اَوْ قُتِلَ اَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ وَحَكَمَ

بشهادة عدلين على لحاقه بدار الحرب ۱۲ على ارتداده ۱۲ فان رجع الينا قبل الحكم فانه لم يرتد ۱۲

الْقَاضِيْ بِلِحَاقِهٖ فَمَا اكْتَسَبَهٗ فِيْ حَالِ اِسْلَامِهٖ فَهُوَ لِوَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِيْنَ وَمَا

لان حكمه يكون كالبرهان على لحاقه اما قبل حكمه يكون لحاقه بها مشكوكا ۱۲ بعد قضاء دين اسلامه ۱۲ حتى لزوجته ايضا

اكْتَسَبَهٗ فِيْ حَالِ رِدَّتِهٖ يُوْضَعُ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى

م الحالة كانه مرض مرض الموت ۱۲ قبل الحاق ۱۲ بعد قضاء دين ردته ۱۲ هذا حكمه ۱۲ لان نحلل الملك مستندا الى وقت الردة

(یہ) فصل مرتد (کی میراث کے احکام کے بیان) میں ہے

ترجمہ:- اگر مرتد مرجائے یا مارا جائے یا دار الحرب میں مل جائے اور قاضی (دار الحرب میں) اسکے ملجانے کا حکم کردے پس جو (مال) کہ اس کو اس نے اپنی حالت اسلام میں کمایا ہے تو وہ اسکے مسلمان وارثوں کیلئے ہے اور جو (مال) کہ اسکو اسنے اپنی ارتداد کیحالت میں کمایا ہے تو وہ بیت المال میں داخل کیا جائے (یہ حکم) ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔

۵۱ قولہ فصل - مرتد کی فصل کو مفقود کی فصل کے بعد اس لئے ذکر کیا کہ جس طرح مفقود کا مال مسلمان وارثوں میں اس وقت تک تقسیم نہیں ہو سکتا جب تک قاضی اس کی موت کا حکم نہ دے اسیطرح مرتد کا مال اسوقت تک مسلمان وارثوں کو نہیں مل سکتا جب تک قاضی اس کے الحاق دار الحرب کا حکم نہ دے ۱۲ **۵۲ قولہ المرتد** - مُرتد لغت میں مطلقاً پھر جانیوالے کو کہتے ہیں خواہ ایمان سے پھر جائے خواہ غیر ایمان سے اور اصطلاح شرع میں دین اسلام سے پھر جانیوالے کو مرتد کہتے ہیں اور ارتداد کا رکن ایمان کے بعد کلمۂ کفر کا زبان پر جاری کرنا ہے یہ ارتداد کی ظاہری تعریف ہے اور ارتداد قلبی تکلم لسانی پر موقوف نہیں فتح القدیر میں مذکور ہے کہ جس نے خوش طبعی یا مسخرے پن سے کلمۂ کفر کہا اگرچہ کفر کا معتقد نہ ہو لیکن وہ خفیف جاننے کی وجہ سے مرتد ہوگیا بحر الرائق میں بھی یہی آیا ہے کہ اگر کوئی شخص کلمۂ کفر ہزل کے طور پر زبان سے کہدے تو وہ سب کے نزدیک کافر ہے اور اس کے اعتقاد کا کچھ اعتبار نہیں اور جس نے معلوم کر کے قصداً تکلم کیا وہ بھی بالاتفاق کافر ہے اور جس شخص نے کلمۂ کفر بخوشی ادا کیا لیکن اس کے کفر ہونے سے جاہل ہے تو اسکے بارے میں اختلاف ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق) جائیں گے پس اگر مفقود کا زندہ ہونا ظاہر ہو جائے تو شوہر کے چار سہام موقوفہ اسکو واپس کردیئے جائیں گے تاکہ اس کے نصف حصہ کہ ۲۸ سہام ہیں پورا ہو جائے اور چودہ سہام باقی رہے ہوئے مفقود کو ملیں گے تاکہ دوسرا نصف ایک حقیقی بھائی اور بہنوں میں للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہو جائے اور اگر مفقود کی موت کا حکم نافذ ہو جائے تو دونوں بہنوں کو اٹھارہ سہام موقوفہ دیدیئے جائیں اور شوہر کو کچھ نہ دیا جائے گا کیونکہ اس نے اپنا کامل حصہ کہ چوبیس سہام تھے پہلے پالئے۔

صحت ارتداد کی شرطیں عقل و ہوشیاری اور خود مختاری ہے اس صورت میں مرتد ہونا مجنون بیہوش و خبطی اور
طفل نافہم دست کا اور جس پر جبر و زبردستی کی گئی ہو صحیح نہیں اور بالغ ہونا اور مرد ہونا ارتداد کی شرط نہیں۔ جو
شخص مرتد ہو جائے تو حاکم اس پر اسلام پیش کرے یعنی اسلام قبول کرائے اور یہ عرض اسلام بطور استحباب کے ہے نہ بطور وجوب
کے اسلئے کہ اس کو دعوت اسلام پہنچ چکی ہے پس ایسے شخص پر عرض اسلام واجب نہیں اور اسلام پیش کرنیکا فائدہ
یہ ہے کہ اگر کوئی شبہ پڑ گیا ہو تو اس کو دفع کیا جائے اور اگر وہ مہلت مانگے تو حاکم اسکو تین دن کی مہلت دیدے
اور اگر نہ مانگے تو فی الفور قتل کر دے ورنہ تین دن کے بعد اسلام قبول نہ کرنے پر قتل کر ڈالے اسلئے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ جو شخص اپنے دین کو بدل ڈالے تو اس کو قتل کر دو جیسا کہ احمد
اور بخاری نے روایت کیا ہے۔ حدیث میں دین سے مراد اسلام ہے امام سرخسی نے سیر صغیر اور سیر کبیر میں ذکر کیا ہے
کہ ذمی جبکہ نقض عہد کرے اور دار الحرب میں ملجائے تو اسکا حکم بھی مثل اس مسلمان کے ہے جو مرتد ہو جائے اور دار الحرب
میں ملجائے اور یہ اس لئے کہ اس پر ہمارے اہل دار ہونیکی وجہ سے مسلمانوں کے احکام جاری ہونگے عورت مرتدہ قتل
نہیں کی جائے گی۔ مرد کا مرتد ہونا اسکا خون اسوجہ سے مباح کرتا ہے کہ مرتد ہونا ایک سخت جرم ہے پس اسکی سزائے
سخت یعنی قتل کرنا اس کیلئے لازم ہے اور عورت کو قتل کرنے سے چونکہ آنحضرتؐ نے منع فرمایا ہے اسلئے وہ قتل
نہیں کیجائیگی کیونکہ عورتوں کی ذات سے لڑائی کی امید نہیں اسلئے ان کی خلقت میں جنگ کی صلاحیت نہیں ہے
بخلاف مردوں کے کہ ان سے جنگ کا امکان ہے اسلئے ان کو مرتد ہونے پر قتل کیا جائیگا۔ پس مرتدہ کافرہ بھی اصلیہ
کافرہ کی طرح قتل نہیں کیجائے گی لیکن قید خانہ میں رکھی جائیگی یہانتک کہ مسلمان ہو جائے اسلئے کہ وہ خدائے تعالیٰ
کا اقرار کرکے ادا کرنے سے انکار کرتی ہے تو قید کرکے اس کے ادا کرنے پر مجبور کیجائیگی جیسا کہ بندوں کے حقوق میں ہوتا ہے
یہ ہمارے نزدیک ہے لیکن ائمہ ثلاثہ اور لیث، زہری، نخعی، اوزاعی، مکحول اور حماد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتدہ
بھی قتل کیجائیگی اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول مَنْ بَدَّلَ الخ میں مَنْ کا لفظ عام ہے جو مردوں اور
عورتوں دونوں کو شامل ہے حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کیطرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ حدیث میں مَنْ سے مراد محارب ہے
اسلئے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے غیر محاربات عورتوں کے قتل کرنیسے منع فرمایا ہے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ
مرتد کی ملکیت مال سے زائل ہو جاتی ہے اسلئے کہ مرتد مثل ایک کافر حربی کے ہے جو ہمارے ہاتھ میں مقہور و گرفتار
ہے تاکہ قتل کیا جائے اور قتل بدون لڑائی کے نہیں ہوتا یعنی وہ بالفعل حربی ہے اسیوجہ سے اسکا قتل جائز
ہے پس یہ بات اسکی ملک اور ملکیت زائل ہونے کو واجب کرتی ہے۔ ہاں صرف اتنی بات ہے کہ مرتد پر جبر کرکے
اس کو اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اُمید ہے کہ وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے لہٰذا اس سے معاملہ میں اسوقت
تک توقف کیا جائیگا کہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ وہ اسلام لائیگا یا نہیں پس اگر وہ مسلمان ہو گیا تو یہ مرتد
ہو جانا زوال ملک کے حق میں کالعدم ٹھہرایا جائیگا۔ گویا وہ برابر مسلمان رہا اور ملک زائل ہونیکا سبب یعنی
ارتداد نہیں کیا اور اگر وہ مرگیا یا اپنے مرتد ہونے کی بنا پر قتل کیا گیا یا بھاگ کر دار الحرب میں داخل ہو گیا

اور قاضی نے اسکے کفار میں ملحق ہونیکا حکم دیدیا تو اس پر کفر کا حکم قائم ہوگیا اب ارتداد اپنا عمل کریگا۔
اور اسکی ملک زائل ہوجائیگی۔ صاحبین کے نزدیک مرتد کی ملکیت اسکے مال سے زائل نہیں ہوتی کیونکہ وہ
مکلف محتاج ہے اور قتل ہونے تک اسکی ملکیت باقی رہتی ہے مثل اس شخص کے جس پر رجم یا قصاص کا حکم دیا
گیا ہو تا وقت قتل یا رجم اپنی چیزوں کا مالک رہتا ہے ۳۵ قولہ وحکم الخ یعنی قاضی مرتد کے دارالحرب میں لاحق
ہونیکا حکم کردے اس لئے کہ قاضی کا حکم دارالحرب میں لاحق ہونے پر مثل برہان کے ہوجائیگا اور اسکے حکم
کرنے سے پیشتر اسکا دارالحرب میں لاحق ہونا مشکوک ہے لیکن لحاق کا حکم قصداً صحیح نہیں ہوسکتا اسلئے کہ لحاق موت کی
مانند ہے اور موت کا درن داخل تحت قضا نہیں ہے ۳۶ فما اکتسبہ الخ یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے
کہ مرتد نے جو مال حالت اسلام میں پیدا کیا ہے تو وہ اس کے مسلمان وارثوں کے درمیان تقسیم کیا جائے رہی
یہ بات کہ کون شخص اسکا وارث ہوگا تو حسنؒ نے ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ اس وارث کا اعتبار ہے جو ارتداد کے وقت
اسکا وارث تھا اور اسکی موت تک زندہ رہا اور جو کوئی اس کے بعد پیدا ہو وہ وارث نہیں بن سکتا یہانتک کہ
مرتد کے بعض قرابتی اسکے ارتداد کے بعد حلقہ اسلام میں آئے یا ارتداد مرتد کے بعد اسکا نطفہ قائم ہوا تھا اور بچہ پیدا
ہو تو دونوں مرتد کے مال کے وارث نہ ہونگے اور ابو یوسفؒ نے ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ وارث کا وجود ارتداد
کے وقت معتبر ہے اور اگر یہ وارث مرتد کی موت سے قبل مر بھی جائے تو اسکی وراثت کا استحقاق باطل نہیں ہوسکتا
بلکہ اسکے وارث اسکی جگہ مرتد کے مال کے وارث ہونگے اسلئے کہ مرتد ہونا بمنزلہ موت کے ہے اور محمدؒ نے ابو حنیفہؒ
سے روایت کی ہے کہ وہ وارث معتبر ہے جو مرتد کے قتل یا موت کے وقت وارث ہو عام اس سے کہ مرتد کے ارتداد
کے وقت موجود ہو یا اسکے بعد حادث ہو اسلئے کہ سبب منعقد ہونے کے بعد اس سبب کے پورا ہونے سے پہلے جو
وارث پیدا ہوا گویا وہ سبب منعقد ہونے سے پہلے پیدا ہوا مثلاً باندی مبیعہ سے قبضہ سے پہلے بچہ پیدا ہو یعنی
وہ قبل بیع کے قرار دیا جاتا ہے اور مرتد کی مسلمان زوجہ بھی وارث ہوگی بشرطیکہ جس وقت مرتد مرا یا قتل کیا
گیا ہے اس وقت یہ عورت عدت میں ہو کیونکہ شوہر مرتد فرار کرنیوالا ہوجائیگا اگرچہ شوہر مرتد ہونیکے وقت تندرست ہو ۱۲
۳۷ قولہ وما اکتسبہ الخ یعنی جو مال مرتد ہونیکے بعد اس نے ردت کی حالت میں کمایا ہے وہ بیت المال میں
داخل کیا جائیگا اور مصالح مسلمین میں صرف ہوگا اسلئے کہ وہ مال غنیمت ہے واضح ہے کہ مرتد کے حالت اسلام
کی کمائی اسکے مسلمان وارثوں میں تقسیم کیا جانا اور اس کی حالت ردت کی کمائی بیت المال میں داخل کیا جانا جو
ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے مرتد کے دیون کی ادائیگی کے بعد ہے اور مرتد کے مال سے کیفیت ادائے ...... دیون
میں ائمہ کے اختلاف ہے حضرت امام اعظمؒ سے مروی ہے کہ مرتد کی حالت اسلام کے دیون لاحقہ اسکی حالت
اسلام کی کمائی سے ادا کئے جائیں اور حالت ارتداد کے دیون لاحقہ اسکی حالت ارتداد کی کمائی سے ادا کئے جائیں یہ
روایت امام اعظمؒ سے امام زفر کی ہے اور حسن بن زیاد نے امام صاحب موصوف سے روایت کی ہے کہ کل دیون
لاحقہ مرتد کی حالت اسلام کی کمائی سے ادا کئے جائیں۔ اگر حالت اسلام کی کمائی سے تمام دیون ادا نہ ہوں تو

وَعِنْدَهُمَا الْكَسْبَانِ جَمِيعاً لِوَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ
ای کسب حال الردۃ وکسب حال الایمان ۱۲ ای کسب المرتد ۱۲ لان زوال ملکہ عندھما مقصور علی الحال ۱۲
تَعَالٰی الْكَسْبَانِ جَمِيعاً يُوْضَعَانِ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ وَمَا اكْتَسَبَهُ بَعْدَ اللُّحُوْقِ
کسب الاسلام والردۃ ۱۲ فی احد قولیہ بطریق انہ فیئ وفی الثانی بطریق انہ مال ضائع ۱۲
بِدَارِ الْحَرْبِ فَهُوَ فَيْءٌ بِالْإِجْمَاعِ وَكَسْبُ الْمُرْتَدَّةِ جَمِيعاً لِوَرَثَتِهَا
ما یحصل من الکفار بلا تعب وکد ۱۲ ای فی حال الاسلام والارتداد ۱۲
الْمُسْلِمِيْنَ بِلَا خِلَافٍ بَيْنَ أَصْحَابِنَا وَأَمَّا الْمُرْتَدُّ فَلَا يَرِثُ مِنْ
ای علمائنا ۱۲ کما لا یرث ۱۲
أَحَدٍ لَا مِنْ مُسْلِمٍ وَلَا مِنْ مُرْتَدٍّ مِثْلِهِ وَكَذٰلِكَ الْمُرْتَدَّةُ إِلَّا
ای من احد ۱۲ میت ۱۲ رجلا کان او امراۃ ۱۲ میت ۱۲ لا ترث من احد ۱۲
إِذَا ارْتَدَّ أَهْلُ نَاحِيَةٍ بِأَجْمَعِهِمْ فَحِيْنَئِذٍ يَتَوَارَثُوْنَ
یرث بعضھم من بعض لانھم مرتدین ۱۲ ... دارھم صارت دار الحرب ... لظھور احکام الکفر ... فیقتل رجالھم ... نساءھم وصبیانھم ۱۲

ترجمہ ۔ اور ان دونوں (ابو یوسفؒ و محمدؒ) کے نزدیک دونوں حالتوں کا مال اسکے مسلمان وارثوں پر تقسیم کیا جائیگا اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں حالتوں کا مال بیت المال میں رکھا جائیگا اور جو مال اس مرتد نے دار الحرب میں مل جانے کے بعد کمایا ہے تو وہ باتفاق فئی (جو کفار سے بغیر قتال کے حاصل ہوتا ہے) اور مرتدہ عورت کا تمام مال (خواہ اسلام کی حالت میں کمایا ہو یا ارتداد کی حالت میں) بلا اختلاف ہمارے علماء کے درمیان اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گا اور مرتد کسی کا بھی وارث نہیں ہو سکتا نہ مسلمان کا نہ اپنے جیسے دوسرے مرتد کا اور یہی حکم مرتدہ عورت کا ہے (نہ وہ کسی مسلمان کی وارث ہو سکتی ہے نہ کسی مرتد کی) مگر جب ایک بستی کے سب لوگ مرتد ہو جائیں تو وہ اس وقت آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہونگے۔

سلہ قولہ عندھما الخ یعنی صاحبینؒ کا یہ قول ہے کہ دونوں حالتوں کا مال اسکے مسلمان وارثوں پر تقسیم کیا جائے اور اس زمانے میں بیت المال نہ ہونے پر اسی قول پر فتویٰ ہے۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مرتد کی دونوں قسم کی کمائی مرتد ہونے کے بعد اس کی ملک میں باقی ہیں جیسا کہ صاحبین کا مذہب اوپر بیان ہوا تو اس کی موت کے بعد اس کی ملک اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہو جائے گی اور یہ مرتد ہونے سے کچھ پہلے کی طرف مستند ہوگی اسلئے کہ مرتد ہونا اسکی موت کا سبب ہے تو مسلمان کا میراث پانا مسلمان ہی سے ہوا اور امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ اسلام کی

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

بقیہ دیون حالت ارتداد کی کمائی سے ادا کئے جائیں محقق شامی نے بدائع سے نقل کیا ہے کہ یہی قول صحیح ہے اور ابو یوسفؒ نے امام صاحبؒ سے روایت کی ہے کہ ادائے دیون کی ابتداء ارتداد کی حالت کی کمائی سے کی جائے اگر تمام دیون حالت ارتداد کی کمائی سے ادا نہ ہو سکیں تو بقیہ دیون حالت اسلام کی کمائی سے ادا کئے جائیں۔

حالت کی کمائی کو اس طرح مستند کرنا ممکن ہے کیونکہ وہ مرتد ہونے سے پہلے موجود تھی اور ارتداد کی کمائی کو
اس طرح مستند کرنا ممکن نہیں اسلئے کہ وہ مرتد ہونے سے پہلے موجود نہ تھی حالانکہ مستند ہونے کے واسطے یہ شرط
ہے کہ اسوقت موجود ہو پس اگر ارتداد کی حالت کی کمائی میں بھی مرتد کے مسلمان وارثوں کے لئے توریث کا حکم
جاری کیا جائے گا تو مسلمان کا کافر سے میراث پانا لازم آجائیگا اور یہ اس حدیث لَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ مِنَ الْکَافِرِ
(مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا) سے غیر جائز ہے ۱۲ ؁ قولہ وعند الشافعیؒ الخ یعنی امام شافعیؒ کا یہ
قول ہے کہ مرتد کی دونوں حالتوں کی کمائی بیت المال میں داخل کیجائے اسلئے کہ وہ بحالت کفر مرا اور کافر
کا وارث مسلمان نہیں ہو سکتا اور پھر یہ مال ایسے حربی کا ٹھہرا جس کے لئے امان نہیں ہے لہٰذا مال فیٔ یعنی
غنیمت ہو جائیگا یہی امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا ہے یہ یعنی مرتد کا مال بیت المال میں رکھا جانا بطریق
فیٔ امام شافعیؒ کے ایک قول کے اعتبار سے ہے اور دوسرے قول کے اعتبار سے بیت المال میں داخل کیا جانا
اس طریق پر ہے کہ وہ مال ضائع ہے چنانچہ مزنیؒ نے مذہب شافعی پر مختصر میں تصریح کی ہے واضح رہے کہ مال
غنیمت وہ مال ہے جو کافروں سے قتال اور غلبہ و قہر سے حاصل ہو اور فیٔ وہ مال ہے جو کفار سے بغیر قتال
کے حاصل ہو جیسے زمین کا خراج اور جزیہ غنیمت میں پانچواں حصہ نکالکر باقی مال غازیوں کا حق ہے۔
فیٔ میں خمس نہیں ہے اور وہ سب مسلمانوں کا حق ہے ؁ قولہ وما اکتسبہ الخ یعنی جو مال مرتد نے دارالحرب میں پہنچنے کے
بعد کمایا ہے وہ فیٔ ہے اسمیں سب کا اتفاق ہے بہر صورت جب کوئی مرتد ہو کر دارالحرب میں مل گیا اور حاکم نے اسکے
ملجانے کا حکم دیدیا تو اسکے مملوک مدبر و ام ولد سب آزاد ہو گئے مدبر تو ثلث مال سے آزاد ہوگا اور اسکی ام ولد
کل مال سے آزاد ہوگی اور اس پر جو میعادی قرضے تھے وہ فی الحال واجب الادا ہو جائیں گے اور امام شافعیؒ نے
فرمایا ہے کہ اسکا مال اس کی ملکیت میں بطور توقف کے رہے گا جیسے دارالحرب میں جانے سے پہلے یہی حکم تھا کیونکہ
دارالحرب میں ملجانا گویا سفر میں غائب ہونیکے مشابہ ہے تو ایسا ہوا کہ گویا دارالاسلام میں سفر کے لئے غائب ہوا اور
امام ابو حنیفہؒ کیطرف سے دلیل یہ ہے کہ وہ حربیوں سے ملکر مرتد ہو گیا اور اسلامی احکام کے حق میں حربی لوگ
بمنزلہ مردوں کے ہیں کیونکہ ان پر کوئی بات لازم کرنے کی ولایت منقطع ہے جیسے یہ ولایت مردہ سے منقطع ہوتی ہے۔
لیکن بات یہ ہے کہ اسکے دارالحرب میں ملنے کا حکم نہ دیا جائیگا مگر جبکہ قاضی حکم دے کیونکہ مسلمانوں کی طرف پھر
آنیکا احتمال ہے تو حکم قاضی ضروری ہوا اور جب اسکی موت متقرر ہو گئی تو اسکے مرنے کے ساتھ جو احکام وابستہ
تھے وہ ثابت ہو گئے یعنی اسکے مدبر و ام ولد کا آزاد ہونا وغیرہ وغیرہ جیسے حقیقتاً مر جانے میں ہوتا ہے اور
اسکا مال وارثوں میں تقسیم کیا جائیگا اور اسکا مکاتب بدل کتابت کو اس کے وارثوں کو ادا کریگا اور ولاء
مرد مرتد ہی کے واسطے ہوگی اسلئے کہ وہی آزاد کرنے والا ہے۔
اسکا مطلب یہ ہے کہ اسکے وارث ابتداءً ولاء کے وارث نہ ہونگے بلکہ عصبہ بنفسہ اسکو وراثت میں پائیگا
اور اگر ولاء میں وارثوں کا حق ہوتا تو عورت بھی اسمیں داخل ہوتی پھر امام محمدؒ کے نزدیک وارث ہونا مرتد
کے دارالحرب میں ملنے کے وقت معتمد ہے کیونکہ یہی مناسب میراث ہے اور حکم قاضی اسکو ٹھیک ثابت
کرتا ہے تاکہ احتمال جاتا رہے حاصل کلام یہ ہے کہ دارالحرب میں ملجانے کے وقت جو وارث پیدا ہو وہ بھی

وارث ہے اور امام ابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ حکم قاضی کے وقت وارث ہونا معتبر ہے کیونکہ اسکا حربیوں میں ملنا بوجہ حکم قاضی کے موت ہو جائیگا حتیٰ کہ اسکے حربیوں میں ملنے کے بعد حکم قاضی سے پہلے جو بچہ پیدا ہوا وہ بھی وارث ہوگا۔ ۱۲ ؎ قولہ وکسب المرتدۃ الخ مرتدہ عورت کا مال خواہ اسلام کی حالت کا ہو یا ارتداد کی حالت کا دارالحرب میں اسکے پہنچ جانے سے قبل اسکے مسلمان وارثوں کا ہے اسمیں ہمارے تمام علماء کا اتفاق ہے اسلئے کہ عورت کیطرف سے جنگ کی اُمید نہیں ہے تو کوئی ایسا سبب نہیں پایا گیا جس سے اسکی کمائی مال غنیمت ہو جائے۔ بخلاف مرد مرتد کے کہ اسکی ارتداد کی حالت کی کمائی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مال غنیمت ہے اور مرتدہ کا مسلمان شوہر اسکا وارث ہوگا بشرطیکہ مرتدہ مذکورہ مرتد ہونے کے وقت مریضہ ہو اور عدت گزر جانے سے پہلے مر گئی ہو کیونکہ اس نے شوہر کا حق میراث مٹانا چاہا پس وہ مرتدہ فارہ مریضہ کی مانند ہوگئی اور اگر وہ مرتد ہونے کے وقت مریضہ نہ ہو تو شوہر مسلمان اسکا وارث نہوگا اسلئے کہ مرتدہ محض مرتد ہونے کے اپنے شوہر سے بائنہ ہوگئی اور نہ عورت قتل کیجاتی ہے پس اسکے مرتد ہونیسے اسکے مال کے ساتھ شوہر کا کوئی حق متعلق نہیں ہوا بخلاف مرد مرتد کے یعنی چونکہ وہ قتل کیا جاتا ہے پس اسکے مال سے وارثوں کا حق متعلق ہو جاتا ہے اور اگر مرتدہ عورت بھاگ کر دارالحرب میں پہنچ گئی تو اسمیں بھی مرد مرتد کے دارالحرب میں ملجانے کا سا اختلاف ہے یعنی امام محمدؒ کے نزدیک وہی وارث معتبر ہونگے جو دارالحرب میں ملنے کے وقت موجود ہیں اور امام یوسفؒ کے نزدیک قاضی کا حکم ہونے تک جو موجود ہیں وہ وارث معتبر ہونگے۔ واضح رہے اگر مرتد دارالحرب میں اپنے مال کے ساتھ چلا گیا اور اہل اسلام کو اس پر غلبہ حاصل ہوا تو اسکا مال غنیمت ہے نہ اسکی ذات اس لئے کہ مرتد غلام نہیں بن سکتا اور ارتداد کا حکم ایک پشت جاری رہتا ہے نہ دو پشت تک ۱۲

؎ قولہ واما المرتد الخ یعنی مرتد کسی کا بھی وارث نہیں ہو سکتا اسلئے کہ مرتد سے سخت گناہ (ارتداد) صادر ہوا ہے اسلئے وہ ارث کا کہ ایک صلہ رحمی ہے مستحق نہیں ہو سکتا بلکہ سزا کے طور پر بالکل محروم کر دیا جائیگا جیسے کوئی شخص اپنے مورث کو ناحق قتل کر ڈالے تو وہ محروم ہو جاتا ہے علاوہ اسکے مرتد کا کوئی مذہب بھی تو نہیں ہے۔ کیونکہ جس مذہب کو مرتد نے اختیار کیا ہے اس پر وہ باقی نہیں رہے گا یا مجبور کر کے مسلمان بنایا جائیگا یا قتل کر ڈالا جائیگا اور میراث کے لئے ملت کا ہونا شرط ہے یہی وجہ ہے کہ اسکا نکاح بھی کسی مسلمان عورت سے کیا جا سکتا ہے نہ کافرہ اصلیہ سے نہ کافرہ مرتدہ سے کیونکہ نکاح کے لئے بھی کسی ملت کی پابندی شرط ہے اور مرتد کے لئے کوئی ملت قائم نہیں ۱۲ ؎ قولہ وکذلک المرتدۃ الخ یعنی یہی حال مرتدہ عورت کا ہے کہ نہ وہ مسلمان کی وارث ہو سکتی ہے نہ مرتد مورث کی کیونکہ ارتداد سخت گناہ ہے پس صلہ شرعیہ کی کہ ارث ہے مستحق نہیں ہو سکتی بلکہ بوجہ عقوبت کے میراث سے محروم ہوگی علاوہ ازیں اس کے لئے کوئی ملت ثابت نہیں ہے ۱۲ ؎ قولہ الا اذا ارتد الخ یعنی جبکہ ایک بستی کے سب لوگ مرتد ہو جائیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہو جائیں گے کیونکہ انکی بستی میں کفر کے احکام جاری ہو جائیں گے اور اسی وجہ سے وہ دارالحرب

فَصْلٌ فِي الْأَسِيْرِ

حُكْمُ الْأَسِيْرِ كَحُكْمِ سَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ فِي الْمِيْرَاثِ مَا لَمْ يُفَارِقْ دِيْنَهُ (ای ما دام ۱۲) فَإِنْ فَارَقَ دِيْنَهُ (فی ایدی الکفار ۱۲) فَحُكْمُهُ حُكْمُ الْمُرْتَدِّ فَإِنْ لَّمْ تُعْلَمْ رِدَّتُهُ وَلَا (ای ان الاسیر ارتد ام لا ۱۲) حَيَاتُهُ وَلَا مَوْتُهُ (هو حی ام لا ۱۲) فَحُكْمُهُ حُكْمُ الْمَفْقُوْدِ (فی سائر احکامه ۱۲)

ترجمہ:۔ (یہ) فصل قیدی (کے میراث کے احکام کے بیان میں) ہے۔ قیدی کا حکم (میراث کے بارے میں سب مسلمانوں کے حکم کی طرح ہے جب تک کہ (قیدی) اپنے دین سے جدا نہ ہو پس اگر وہ اپنے دین سے جدا ہو جائے تو اسکا حکم مرتد کے حکم کی طرح ہے اور اگر اس کا مرتد ہونا معلوم نہ ہو اور نہ اس کی زندگی اور نہ اسکی موت کا (پتہ چلے) تو اسکا حکم مفقود کے حکم کی طرح ہے۔

۱ قولہ فصل ۔ اس فصل میں اسیر کی میراث کے احکام کا بیان ہے مصنفؒ نے اسیر کی میراث کے احکام کو مفقود اور مرتد کی میراث کے احکام کے بعد اسلئے ذکر کیا کہ بعض صورتوں میں اسیر مفقود اور مرتد کے حکم میں ہوتا ہے ان صورتوں کے احکام مفقود اور مرتد کے احکام معلوم ہونے پر موقوف ہیں لہٰذا پہلے دونوں کے احکام کا ذکر کرنا ضروری ہوا ان کے بعد اسیر کے احکام کا بیان کرنا کیونکہ موقوف موقوف علیہ پر مقدم ہوتا ہے ۲ قولہ اسیر (قیدی) یہ فعیل بمعنی مفعول ہے اسیر وہ شخص ہے جسکو دشمن گرفتار کرکے لیجائیں خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر لیکن اس جگہ اسیر سے مراد وہ مسلمان ہے جس کو دارالاسلام سے کافروں نے پکڑ کر قید کرلیا ہو ۱۲ ۳ قولہ الحکم الخ یعنی اسیر کے تین حال ہیں ایک حال یہ ہے کہ جس وقت تک وہ مسلمان رہے اسوقت تک اسکا حکم سب مسلمانوں کے حکم کی طرح ہے یعنی وہ دوسروں کا وارث ہوگا اور دوسرے اس کے وارث ہونگے کیونکہ وہ جس جگہ بھی ہوگا دارالاسلام کے مسلمانوں ہی میں سے شمار کیا جائیگا دیکھو اسکی بیوی جو دارالاسلام میں ہے اسکی زوجیت سے خارج نہیں ہوتی پس جس طرح اسکا قیدی ہونا عصمت نکاح کے قطع کرنے میں اثر انداز نہیں ہوتا اسی طرح اس کی عصمت میراث کے قطع کرنے میں اثر

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

قرار پائیگی اور ان سے مسلمانوں کا قتال کرنا روا ہوگا۔ اگر مسلمان ان پر غالب آجائیں تو ان کی عورتیں اور ذریات لونڈی غلام بن جائیں گی اس کی نظیر بنی حنیفہ کا حال ہے کہ جب وہ مرتد ہوگئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی اور ان کی عورتوں وغیرہ کو گرفتار کرکے لونڈی غلام بنایا ان میں سے ایک عورت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ملی تھی جس سے ان کے ایک بیٹا پیدا ہوا جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہے اسی طرح جب بنی ناجیہ مرتد ہوگئے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی ذریات کو لونڈی غلام بنالیا تھا پھر ان کو مصقلہ بن ہبیرہ کے ہاتھ ایک لاکھ درم کو فروخت کردیا۔ ناجیہ سے متن میں مراد بستی یا پرگنہ یا ضلع ہے ۱۲

اندازہ نہ ہوگا ۱۲ ؎ قولہ فان فارق الخ یہ دوسرا محل ہے کہ اگر قیدی اپنے دین کو ترک کردے تو اسکا حکم مرتد کا حکم ہے یعنی وہ کافروں کی طرح اہل اسلام کی میراث سے محروم رہیگا اور اگر اسکا مال اہل اسلام کے قبضہ میں ہو تو اس کے مسلمان وارثوں کو تقسیم کر دیا جائے اسلئے کہ اسکے دارالاسلام میں مرتد ہو کر دارالحرب میں ملجانے اور اس کے دارالحرب میں مرتد ہو کر وہیں سکونت اختیار کرنے میں کچھ فرق نہیں ہے کیونکہ وہ دونوں صورتوں میں حربی ہو جائیگا ۱۲

؎ قولہ فان لم تعلم الخ یہ تیسرا محل ہے یعنی اگر قیدی کے مسلمان اور مرتد ہونیکا کوئی علم نہیں اور اسکے مرنے اور زندہ رہنے کی کوئی اطلاع نہیں تو اسوقت میں وہ تمام احکام میں مثل مفقود کے ہے یعنی وہ اپنے مال کے اعتبار سے زندہ ہے پس اسکا مال اسکے ورثاء میں تقسیم نہیں کیا جائے اور اسکی عورت کا دوسرے سے نکاح نہ کرایا جائے جبتک اسکی خبر معدوم نہ ہو جائے یا اسکی پیدائش کے دن سے نوے برس کی مدت نہ گزرجائے اور اپنے غیر کے مال میں موقوف الحکم ہے یعنی اگر ایسے شخص کا انتقال ہوا جس کے مال میں سے اسکو حصہ مل سکتا ہے تو جسقدر اسکا حق ہو وہ امانت رکھا جائے اور اسکا پتہ چلنے کا انتظار کیا جائے اگر پتہ چل جائے کہ وہ بحالتِ اسلام زندہ ہے تو بہتر ہے اپنا حصہ پالیگا اور اگر اسکا پتہ نہ چلا تو جس روز اسکی عمر کے نوے برس گزرجائیں اور حسب قاعدہ سابق اسکے فوت ہونیکا حکم دیا جائے اسی روز وہ حصہ واپس کر دیا جائے جو اسکے لئے اسکے مورث کے مال میں سے امانت رکھا تھا اور جس میت کے مال میں سے یہ حصہ امانت رکھا گیا تھا اسی کے وارثوں کو دیا جائے لیکن اسوقت کے موجودہ وارثوں کا اعتبار نہیں بلکہ ان وارثوں پر لوٹایا جائے جو اسوقت موجود تھے جبکہ مورث کا انتقال ہوا تھا اور اس مجہول حال کے لئے حصہ امانت رکھا گیا تھا جو وارث زندہ ہونگے وہ خود اس مال کو لے لیں گے اور جو مرگئے ہوں تو انکے پسماندوں اور مستحق وارثوں کو دیدیا جائے۔ اگر اس قیدی کے وارثوں نے دعویٰ کیا کہ وہ دارالحرب میں مرتد ہو گیا ہے تو دو مسلمان عادلوں کی شہادت کے بغیر یہ دعویٰ قابلِ قبول نہ ہوگا پس جب دو مسلمان عادل گواہی دیدیں تو قاضی وحاکم اسکے اور اسکی بیوی کے درمیان تفریق کا حکم نافذ کردے اور اسکا مال اسکے وارثوں میں تقسیم کردے کیونکہ وہ اسیر حاکم کے حکم کرنے کے وقت مردہ کے حکم میں ہو جائیگا۔ اگر حاکم کے اس حکم نافذ کرنیکے بعد قیدی آیا اور اس نے اپنے مرتد ہونیکا انکار کیا تو حاکم کو چاہیئے کہ اپنا حکم واپس نہ لے پس نہ اس کی عورت اسکو دلائی جائے گی نہ اسکا مال واپس کیا جائیگا ہاں ! جو مال اسکے وارثوں کے پاس بعینہ موجود ہو تو مرتد معروف کی طرح جبکہ وہ تائب ہو کر آئے وہ مال اسکو واپس دلایا جائیگا اور اگر قاضی نے دو عادل گواہوں کی شہادت سے قیدی کے مرتد ہونے کی سماعت کی لیکن ہنوز اس پر اسکے مرتد ہونیکا حکم نہیں کیا تھا کہ اچانک وہ تائب ہو کر آگیا یا مرتد ہونے سے اس نے انکار کیا تو اسکا قول معتبر ہے اسکا مال اسکو دیا جائیگا کیونکہ ابھی قاضی کا حکم نافذ نہیں ہوا لیکن قاضی دونوں گواہوں کا تزکیہ کرے پس اگر دونوں گواہ عادل ہیں تو اس صورت میں اس کے اور اسکی عورت کے درمیان جدائی کرادی جائے کیونکہ یہ حکم محض مرتد ہونے سے ثابت ہو جاتا ہے مگر اسکو تجدید نکاح کا اختیار ہے اور اس قیدی کے مدبر اور ام ولد کی آزادی کا حکم نہ کیا جائے کیونکہ یہ حکم موت

فَصْلٌ فِی الْغَرْقٰی وَالْحَرْقٰی وَالْهَدْمٰی

بالفتح بمعنی غریق بمعنی مفعول ای الجماعۃ الغریقۃ فی البحر ۱۲ ای الانقاض

اِذَا مَاتَتْ جَمَاعَۃٌ وَلَا یُدْرٰی اَیُّھُمْ مَاتَ اَوَّلًا جُعِلُوْا کَاَنَّھُمْ (ذات قرابۃ ۱۲) مَاتُوْا مَعًا فَمَالُ کُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمْ لِوَرَثَتِہٖ الْاَحْیَاءِ (علی حسب استحقاقہم ۱۲) وَلَا یَرِثُ بَعْضُ الْاَمْوَاتِ مِنْ بَعْضٍ ھٰذَا ھُوَ الْمُخْتَارُ (والشافعی عند مالک — عندنا و)

ترجمہ :۔ (یہ) فصل ڈوبنے والوں اور جلنے والوں اور دبنے والوں (کی میراث کے بیان) میں ہے۔ اگر چند شخص (جن کے درمیان قرابت داری تھی) مرگئے ہوں اور (یہ) معلوم نہ ہو کہ ان میں سے پہلے کون مرا ہے؟ تو (انکو) اس طرح قرار دیا جائیگا گویا کہ وہ لوگ ایک ساتھ ہی مرے ہیں پس انمیں سے ہر ایک کا مال اسکے زندہ وارثوں کے لئے ہے اور ان مُردوں میں سے بعض مُردہ بعض کا وارث نہ ہوگا۔ یہی قول مختار و پسندیدہ ہے۔

ا قولہ فصلٌ۔ یہ فصل ان لوگوں کی میراث کے احکام کے بیان میں ہے جن کے مرنیکا وقت بہت ہی مشتبہ ہو کسی طرح یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ان میں سے کون پہلے مرا ہے اور کون بعد کو جیسے غرقیٰ (وہ لوگ جو ایک ساتھ ہی ڈوب گئے ہوں) یا حرقیٰ (وہ لوگ جو ایک ساتھ ہی آگ میں جل گئے ہوں یا ھدمیٰ (وہ لوگ جو دیوار یا چھت گرنے سے ایک ساتھ دب کر مرگئے ہوں) یا قتلیٰ (وہ لوگ جو کسی معرکۂ جنگ میں قتل ہو گئے اور یہ نہ معلوم ہوا کہ کون پہلے قتل ہوا اور کون بعد کو) یا ورثہ کی جماعت جو دور دراز شہروں میں متفرق ہو کر مرکھپ جائیں اور یہ نہ معلوم ہو سکے کہ ان میں سے کون پہلے مرا ہے اور کون بعد کو علیٰ ہذا القیاس اور بہت سی صورتیں ہیں۔
اس فصل کو اسیر کی فصل کے بعد اس لئے ذکر کیا کہ غریق و حریق وغیرہ مقتول ہیں ان کا ذکر اسیر کے بعد لائق ہے کیونکہ موجب دونوں کا مال ہے قتل میں دیت دیجاتی ہے اور قید میں فدیہ دیا جاتا ہے جیسا کہ منور السراج میں مذکور ہے یہ لوگ مرنے کے وقت کی تعیین نہ ہونے کی وجہ سے اسیر و مفقود وغیرہ کی طرح مجہول الحال ہیں لیکن فصول سابقہ میں خنثیٰ سے لیکر اسیر تک میں جہالت احوال افراد میں ہے اور اس جگہ جماعت میں ہے لہٰذا ان کا ذکر سب سے بعد میں لانا لازم ہے (کذا فی حاشیۃ الشریفیۃ للعلامۃ محمد شاہ الفناری ۱۲)
۲ قولہ الغرقیٰ الخ۔ ان تینوں لفظوں میں سے غرقیٰ غریق کی جمع اور حرقیٰ حریق کی جمع ہے جو فعیل کے وزن پر ہیں۔ ردالمحتار میں لکھا ہے کہ یہاں فعیل مفعول کے معنی میں ہے یعنی وہ جماعتیں جو پانی میں ڈوب گئی ہوں

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

سے ثابت ہوتا ہے اور مرتد کو موت کا حکم اسی وقت ہوتا ہے جبکہ قاضی کا حکم اس کے ساتھ متعلق ہو۔ واضح رہے کہ حضرات شیعہ کے نزدیک بھی اسیر کے یہی تینوں حال ہیں یعنی اگر وہ مسلمان رہے تو میراث میں مسلمانوں کا سا حال ہے اور اگر اسنے اپنا دین چھوڑ دیا تو اسکا حکم مرتد کا سا ہے اگر کچھ معلوم نہیں کہ وہ مرتد ہو گیا یا مرگیا یا زندہ ہے تو اسکا حکم مفقود کا سا ہے ۱۲

اور آگ میں جل گئی ہوں اور کسی چیز کے تلے دب کر مرگئی ہوں کسی لغت کی کتاب سے یہ نہ معلوم ہوا کہ ہَدْمٰی کس لفظ کی جمع ہے یہاں تک کہ لسان العرب اور المنجد میں بھی اسکا ذکر نہیں البتہ مولوی عبد الحئی صاحب لکھنوی نے شریفیہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ہَدْمٰی ہدیم کی جمع ہے جو فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے ۱۲

۳۵ قولہ اذا ماتت الخ یعنی اگر چند شخص جو آپسمیں ایک دوسرے کے رشتہ دار تھے اسطرح مرگئے ہوں کہ یہ معلوم نہ ہو کہ انمیں سے پہلے کون مرا ہے اور پیچھے کون ! مثلاً ایک جہاز میں بہت سے رشتہ دار غرق ہوگئے یا کہیں جل گئے یا مکان اوپر آپڑا اور سب دب کر مرگئے یا وبائے طاعون میں ہلاک ہوگئے یا ریل گاڑیاں لڑجانے سے مرگئے تو ایسی صورتمیں ہر ایک مردہ دوسرے مردے کا وارث نہ ہوگا جبتک تقدیم و تاخیر کا ثبوت نہیں ہوا تو سمجھا جائے گا کہ سب ایک ساتھ ہی مرے ہیں پس ان میں سے ہر ایک کا مال اسکے اور ورثار موجودین کو دیا جائیگا۔ ہاں! اگر ان کی موت کی ترتیب معلوم ہوجائے تو متاخر متقدم کا وارث ہوجائیگا۔ یاد رکھو اکابر علمار نے اس مسئلہ کی پانچ صورتیں ارقام فرمائی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ انمیں سے میت سابق بالیقین معلوم ہو اسکا صریح حکم یہ ہے کہ لاحق سابق کا وارث ہوجائیگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ میت سابق پہلے تو علی التعیین معلوم ہوگئی تھی پھر بعد کو اسمیں شبہ پڑگیا اسکا حکم یہ ہے کہ اسکی میراث موقوف رہے گی تا وقتیکہ شبہ زائل ہو کر یقین حاصل ہوجائے یا وارث باہم صلح کرلیں کیونکہ میت مذکورہ میں یاد آجانے سے مایوسی نہیں ہے تیسری صورت یہ ہے کہ میت سابق بلا تعیین معلوم ہو۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ سب کی موت ساتھ ہو۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ سبقیت اور معیت کچھ نہ معلوم ہو تو ان پچھلی تین صورتوں میں کوئی شخص ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا ۱۲

۳۶ قولہ لیوزث ترکتہم الخ یعنی جبکہ اموات مذکورین کی ترتیب معلوم نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک میت کا مال اسکے زندہ وارثوں کے لئے ہے اور وہ باہم ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے اسلئے کہ اموات مذکورین کا باہم وارث ہونا شک کے سبب سے نہ ہوگا کیونکہ استحقاق میراث کے سبب میں یہاں شک واقع ہوا ہے وجہ یہ ہے کہ استحقاق کا سبب ایک کی زندگی دوسرے کی موت کے بعد ہے اور وہ بالیقین معلوم نہیں اور جبتک سبب متعین نہ ہو میراث کا استحقاق محقق نہیں ہوتا کیونکہ سبب کا ثبوت شک سے متصور نہیں ہوتا جیسا کہ طحطاوی میں مجمع زلو محشی شریفیہ سے مذکور ہے ہمارے علمار کے نزدیک یہی مختار ہے کہ ڈوب کر یا جل کر یا دب کر مرنیوالوں میں باہم وراثت نہیں ہوتی یعنی ان میں سے ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوتا اور یہی امام شافعیؒ کے نزدیک مختار ہے۔ یہی امام مالکؒ کا مذہب ہے جیسا کہ انھوں نے مؤطا میں تصریح کی ہے۔ یہی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور حضرت علیؓ کی مشہور تر روایت اور حضرت ابن مسعودؓ کی ایک روایت میں بھی یہی ہے اور اسی طرف عمر بن عبد العزیزؒ رہ گئے ہیں اس کی مثال بسیط میں یہ بیان کی ہے کہ ایک شخص اور اسکا بیٹا دریا میں ڈوب کر مرگئے اور یہ معلوم نہیں ہوا کہ پہلے کون مرا ہے اور پیچھے کون؟ ان دونوں میں سے ہر ایک نے ایک ایک لڑکی چھوڑی۔ پس صورت مذکورہ میں نہ باپ بیٹے کا وارث ہوگا نہ بیٹا باپ کا بلکہ باپ کی وارث اس کی بیٹی اور پوتی ہوگی اور بیٹے کی وارث اس کی بیٹی اور بہن ہوگی۔

مذہب حنفیہ کے ثبوت قوت غلبہ پر بطور استشہاد یہ روایات پیش کی جاتی ہیں کہ زید بن ثابت رضؓ نے

وَقَالَ عَلِيٌّ وَابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَرِثُ[1] بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ

(فی روایۃ عنہ ۱۲) (فی احدی الروایتین عنہما ۱۲)

اِلَّا فِيْمَا وَرِثَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ مِنْ صَاحِبِهٖ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

(ای المال الذی ۱۲) (لان الحرمان اثبت فیہ لاجل الضرورۃ ۱۲) (ای الا ای توفی معہ علی الاعیان ۱۲)

وَاِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَاٰبُ ؁

ترجمہ :- اور (ایک روایت میں) حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ بعض ان (اموات) میں سے بعض (دوسری اموات) کے وارث ہوتے ہیں مگر اس چیز میں (وارث نہیں ہوتے) کہ ایک ان میں سے اپنے ساتھی کا وارث ہوا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

[1] قولہ یرث الخ یعنی ایک روایت میں حضرت علی اور ابن مسعود رضؓ سے آیا ہے کہ ان مردوں میں سے بعض مردے بعض دوسرے مردوں کے وارث ہوتے ہیں مگر اس مال میں وارث نہیں ہوتے کہ ہر ایک انہیں سے اپنے مورث کا وارث ہو چکا ہے اسلئے کہ اگر اسمیں بھی ارث ایکدوسرے کی جاری ہو تو لازم آتا ہے کہ ہر ایک وارث اپنے ذاتی مال کا وارث ہو اور اسکے بطلان میں شبہ نہیں اور ابن ابی لیلےٰ کا یہی مذہب ہے ثمرہ اختلاف کا اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے مثلاً دو حقیقی بڑے چھوٹے بھائی یکبارگی ڈوب جائیں اور ہر ایک کے وارث ماں اور ایک بیٹی اور ایک آزاد کرنیوالا آقا ہو اور ہر ایک کا ترکہ نوے روپے ہو تو علماء حنفیہ کے نزدیک ہر ایک بھائی کا ترکہ اسطرح ہوگا کہ ہر ایک کی ماں کو چھٹا حصہ کہ پندرہ روپے ہوتے ہیں دیا جائیگا اور ہر ایک کی بیٹی کو نصف کہ پینتالیس روپے ہوتے ہیں ملیں گے اور باقی ماندہ کہ تیس روپے ہیں ہر ایک کے آزاد کرنے والے آقاؤں کو ملیں گے ایک روایت کے اعتبار سے حضرت علی اور ابن مسعود رضؓ کے نزدیک ترکہ مذکورہ اس طور پر تقسیم کیا جائیگا کہ اولاً بڑے بھائی کی موت کا حکم کیا جائیگا اور ترکہ اسکا اس طرح تقسیم ہوگا کہ ماں کو چھٹا حصہ ترکہ کہ پندرہ روپے ہوتے ہیں ملیگا اور بیٹی کو آدھا ترکہ کہ پینتالیس روپے ہوتے ہیں پہنچیگا اور چھوٹے بھائی کو باقی تیس روپے دیئے جائینگے اسکے بعد چھوٹے بھائی کی موت کا حکم کیا جائیگا اور بڑے بھائی کو زندہ مانا جائیگا اور اسکا ترکہ اسی طرح تقسیم ہوگا جس طرح بڑے بھائی کا ترکہ تقسیم ہوا تھا یعنی چھٹا ترکہ جسکے پندرہ روپے ہوتے ہیں ماں کو اور نصف جسکے پینتالیس روپے ہوتے ہیں بیٹی کو اور باقی ۲

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

فرمایا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اہل یمامہ کے مقتولین کے بارے میں مجھ کو اس طرح حکم دیا کہ میں زندوں کو مردوں کی میراث دلاؤں اور ایک میت کو دوسری میت کا وارث نہ بناؤں۔ ان ہی زید بن ثابت رضؓ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ جب (ملک شام کے مقام) عمواس میں دبار طاعون سے لوگ مرگئے تو عمر فاروق رضؓ نے مجھ کو اسی طرح حکم دیا پس میں نے زندوں کو مردوں کی میراث دلائی اور ایک میت کو دوسری میت کا وارث نہ بنایا اسی طرح حضرت عثمان رضؓ سے منقول ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی جنگ جمل و صفین کے مقتولین کے بارے میں بھی یہی حکم جاری فرمایا۔ ۲

مانده که تیس روپے ہوتے ہیں بڑے بھائی کو ملیں گے پس دونوں بھائیوں کے ترکہ سے تیس تیس روپے باقی رہتے ہیں کہ جن کو ایک نے دوسرے سے میراث میں پایا ہے۔ پس ان دونوں بھائیوں میں سے ہر ایک بھائی کے ترکہ سے ماں کو چھٹا حصہ کہ پانچ پانچ روپے ہوتے ہیں ملیں گے اور ہر ایک کی بیٹی کو نصف کہ پندرہ پندرہ روپے ہوتے ہیں پہنچیں گے اور باقی مانده که دس دس روپے ہوتے ہیں ہر ایک کے آقا کو ملیں گے اسلئے کہ یہ لوگ اس چیز میں کہ ایک کو دوسرے سے میراث میں پہنچی ہو باہم وارث نہیں ہوتے پس صورت مذکورہ میں ہر ایک بیٹے کے ترکہ میں سے ماں کو بیس بیس روپے پہنچتے ہیں اور ہر ایک کی بیٹی کو ساٹھ ساٹھ روپے اور ہر ایک کے آزاد کرنے والے کو دس دس روپے ملتے ہیں اور کل رقم ان کی چالیس روپے ہو جاتی ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ بڑے کے ترکہ میں سے اسکو پندرہ روپے ملے پھر چھوٹے کے ترکہ میں پندرہ روپے پائے یہ تیس روپے ہوئے دوبارہ بڑے کے بقیہ ترکہ یعنی تیس روپے میں سے پانچ روپے ملے اسی طرح چھوٹے کے بقیہ ترکہ یعنی تیس روپے میں سے پانچ روپے ملے تو بڑے بیٹے کی جانب سے کل بیس روپے پہنچے اور اسی طرح چھوٹے کی جانب سے بھی بیس روپے ملے اور بڑے کی بیٹی کو اسکے باپ کے ترکہ میں سے پینتالیس روپے ملے تھے اور چھوٹے کی بیٹی نے بھی باپ کے ترکہ میں سے پینتالیس روپے پائے تھے پھر بڑے کے بقیہ ترکہ یعنی تیس روپے میں سے دوبارہ اسکی بیٹی نے پندرہ روپے پائے اسی طرح چھوٹے کے بقیہ ترکہ میں سے اسکی بیٹی نے دوبارہ پندرہ روپے پائے تو ہر ایک کے جو کچھ ہاتھ آیا وہ ساٹھ ساٹھ روپے ہیں اور مجموعی رقم دونوں کی ایک سو بیس روپے ہوتی ہے - اور بڑے بھائی کے آقا کو اسکے بقیہ ترکہ یعنی تیس روپے میں سے دس روپے ملے تھے اور اسی طرح چھوٹے بھائی کے آقا کو اسکے بقیہ ترکہ یعنی تیس روپے میں سے دس روپے پہنچے تھے ان تمام وارثوں کے حصے چالیس اور ایکسو بیس اور بیس ہوتے ہیں جو دونوں بھائیوں کے تمام ترکہ کے مساوی ہیں۔ حضرات شیعہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ جو لوگ دریا میں ڈوب کر یا مکان گرنے سے دب کر مرے ہوں اور انمیں سے ایک کا دوسرے سے پہلے یا ساتھ ساتھ مرنا معلوم نہ ہو اور جانبین سے وراثت کا علاقہ ہو اسلئے کہ موت کا تقدم و تاخر معلوم ہو تو مؤخر مقدم کا وارث ہوگا اور ساتھ ساتھ مرنے کا یقین ہو تو ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا بلکہ ہر ایک کا ترکہ اسکے ورثا پر تقسیم ہو جائیگا اور اگر جانبین سے وراثت کا علاقہ نہ ہو مثلاً دو بھائی ڈوب کر مر گئے کہ ہر ایک ان میں سے صاحب اولاد ہے تو ایک بھائی دوسرے بھائی کا وارث نہ ہوگا ۔ ۲ قولہ فی ما ورثاہ یعنی بعض مُردے دوسرے بعض مردوں کے اس مال میں وارث نہیں ہوتے جس کو انمیں سے ہر ایک نے اپنے مورث سے میراث میں پایا ہے مثلاً بیٹا اور باپ یکبارگی ڈوب گئے اور بیٹے نے ایک بیٹا چھوڑا اور باپ نے بھی ایک بیٹا چھوڑا پس باپ بیٹے کے مال سے چھٹے حصہ کا وارث ہوگا اور باقی مال بیٹے کے بیٹے کو ملے گا اور بیٹا باپ کے مال سے آدھے حصہ کا مالک ہوگا اور آدھا مال دوسرے زندہ بیٹے کو ملیگا اسلئے کہ باپ کے دو بیٹے وارث ہیں جن میں سے ہر ایک کو آدھا آدھا مال ملیگا لیکن بیٹا باپ کے اس نصف مال یعنی سدس کا وارث نہ ہوگا جس کو اُس نے بیٹے کے ترکہ میں سے حاصل کیا ہے بلکہ باپ کے اصل مال کے نصف کا وارث ہوگا اسی طرح باپ بھی بیٹے کے اس مال (یعنی نصف) کے چھٹے حصہ کا وارث نہ ہوگا جسکو بیٹے نے باپ کے ترکہ میں سے پایا ہے بلکہ بیٹے کے اصل مال کے چھٹے حصہ کا وارث ہوگا - ۱۲

اس میں علم فرائض کے طالبین کی بصیرت کے لئے اس علم کے بعض مسائل ملقبہ کو ذکر کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ بعض مسائل کا ایک ہی لقب ہے اور بعض کئی القاب سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔ جن کو ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے۔

(۱) **مسئلہ اکدریہ** جس کو مربعۃ الجماعۃ، غراء اور غالبہ بھی کہتے ہیں۔ اور بقول بعض مشترکہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل مقاسمۃ الجد میں گذر چکی وہاں دیکھ لو۔

(۲) **مسئلہ اخ مشؤم** جو مسئلہ برادر نامبارک کے لقب سے بھی بولا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک عورت کا انتقال ہوا اور اپنے مرنے کے بعد اس نے شوہر، ایک حقیقی بہن اور ایک علاتی بہن وارث چھوڑے۔ اصل مسئلہ چھ سے ہو کر نصف کر تین ہوتے ہیں۔ شوہر کو اور نصف تین حقیقی بہن کو اور چھٹا کہ ایک ہوتا ہے علاتی بہن کو ملے گا۔ تاکہ دو تہائی جو بہنوں کا حق ہے پورے ہو جائیں۔ پس اس مسئلہ کا عول سات کی طرف ہو جائے گا۔ اگر حقیقی بہن کیساتھ حقیقی بھائی ہو تو علاتی بہن محروم الارث ہو جائے گی۔ اس وجہ سے اس مسئلہ کو اخ مشؤم کہتے ہیں کہ حقیقی بھائی علاتی بہن کے لئے نامبارک واقع ہو گیا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے شوہر، ماں باپ اور پوتی وارث چھوڑ کر انتقال کیا اصل مسئلہ ربع و نصف اور دو سدس کے جمع ہونے کی وجہ سے بارہ سے ہو کر تیرہ کی طرف عول کرے گا۔ اس میں سے شوہر کو تین اور ماں باپ میں سے ہر ایک کو دو دو اور پوتی کو چھ ملیں گے۔ اگر پوتی کے ساتھ اس کا بھائی یعنی متوفی کا پوتا بھی ہوتا تو اس کا عصبہ ہے تو پوتی ذی فرض ہونے سے ساقط ہو کر اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ بن جاتی اور زفیت کے حصہ سے عصبہ ہونے پر اس کو کم ملتا گویا بھائی اپنی بہن کے حق میں نامبارک ہو گیا کہ اس کا حصہ کم کر دیا اس لئے کہ اس وقت مسئلہ بارہ سے ہو کر تین شوہر کو اور دو دو ماں باپ میں سے ہر ایک کو ملتے باقی پانچ پوتے پوتی کے درمیان للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہو کر مسئلہ کی تصحیح چھتیس سے ہوتی اور ان میں سے نو شوہر کو اور چھ چھ ماں باپ میں سے ہر ایک کو دس پوتے کو اور پانچ پوتی کو مل جاتے اور ظاہر ہے کہ چھتیس میں سے پانچ تیرہ میں سے چھ سے کم ہیں۔

(۳) **مسئلہ امتحان**۔ وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے چار بیویاں، پانچ دادیاں اور سات لڑکیاں اور نو علاتی بہنیں وارث چھوڑے اصل مسئلہ ثمن و سدس اور دو ثلث جمع ہونے کی وجہ سے چوبیس ۲۴ سے ہوا ان میں سے آٹھواں یعنی تین سہام بیویوں کو اور چھٹا چار سہام دادیوں کو اور دو تہائی سولہ سہام لڑکیوں کو اور باقی ایک سہام بہنوں کو ملا جس کی شکل یہ ہے ———

مسئلہ ۲۴ ۳۰۲۴۰

زوجات ۴	جدات ۵	بنات ۷	اخوات ب ۹
۳	۴	۱۶	۱
۳۷۸۰	۵۰۴۰	۲۰۱۶۰	۱۲۶۰

یہاں نہ رؤس و سہام میں موافقت ہے اور نہ

رؤس اور رؤس کے درمیان موافقت بلکہ مباینت ہے۔ لہٰذا تصحیح کے قاعدے کی موافق بعض رؤس کو بعض میں ضرب دینے کی ضرورت پڑی۔ پس جب چار کو پانچ میں ضرب دیا تو بیس حاصل ہوئے پھر بیس کو سات میں ضرب دیا تو ایک سو چالیس حاصل ہوئے پھر ایک سو چالیس کو نو میں ضرب دیا تو ایک ہزار دو سو ساٹھ ہوئے اب اگر اصل مسئلہ چوبیس میں ضرب دیا تو تیس ہزار دو سو چالیس ہوئے جس سے مسئلہ کی تصحیح ہو جائے گی۔

اور بعض نے روضہ میں اس مسئلہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ اس مسئلہ کو مسئلہ امتحان اس لئے کہتے ہیں کہ ایک شخص نے چند قسم کے وارث چھوڑے جن میں ہر گروہ کی تعداد دس سے کم تھی اور اس مسئلہ کی بجز ایسے عدد کے جو تیس ہزار سے زائد ہو تصحیح نہیں ہو سکتی۔

(۴) **مسئلہ ام الارامل**۔ وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے تین بیویاں، دو دادیاں، چار اخیافی بہنیں اور آٹھ حقیقی یا علاتی بہنیں چھوڑیں اصل مسئلہ ربع اور سدس و ثلث اور دو ثلث جمع ہونے کی وجہ سے بارہ سے ہو کر سترہ کی طرف عول ہو گا۔ ان میں سے تین سہام تینوں بیویوں کو دو دو سہام دونوں دادیوں کو چار سہام چار اخیافی بہنوں کو۔ اور آٹھ سہام آٹھوں حقیقی یا علاتی بہنوں کو ملیں گے۔ جن کا مجموعہ سترہ ہو گیا۔ ارامل منازل کے وزن پر ارملہ کی جمع ہے جس کے معنی بیوہ عورت اور محتاج عورت کے ہیں اسی لئے اس مسئلہ کو ام الارامل کہتے ہیں کہ اس میں عورتوں کی کثرت ہے اور کل وارث اس کی عورتیں ہیں نیز اس کو سبعہ عشریہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا عول سترہ کی طرف ہوتا ہے اور غایۃ الوصول میں سبعہ عشریہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ ایک شخص نے سترہ عورتیں وارث اور سترہ ہی دینار ترکہ میں چھوڑے تھے کہ ہر ایک کو ان میں سے ایک ایک دینار ملا تھا۔ ترکہ میں فقط دینار ہونے کی وجہ سے دیناریہ صغریٰ بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ دیناریہ کبریٰ ایک علیحدہ مسئلہ ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

(۵) **مسئلہ ام الفروخ**۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے شوہر، ماں، دو حقیقی یا علاتی بہنیں اور دو اخیافی بھائی وارث چھوڑے اصل مسئلہ نصف، سدس اور ثلث و دو ثلث جمع ہونے کی وجہ سے چھ سے ہو کر دس کی طرف عول ہو گا ان میں سے تین سہام شوہر کو ایک سہم ماں کو اور چار سہم دو حقیقی یا علاتی بہنوں کو دو سہم دو اخیافی بھائیوں کو پہنچے جن کا مجموعہ دس ہوتا ہے اس مسئلے کو ام الفروخ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے اندر عول میں بہت سے اختلافات واقع ہوئے ہیں۔ اور اس میں ایسی ماں کے ساتھ تشبیہ لگی ہے جس کے ساتھ بہت سے چوزے ہوں (کذا فی تفا المطالب والمغرب) غایۃ الوصول میں اس کی صورت یہ لکھی ہے کہ ایک عورت نے شوہر، ماں، دو حقیقی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑیں۔ اس کو مسئلہ شریحیہ بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ قاضی شریحؒ کے اجلاس میں جب یہ واقعہ پیش ہوا تھا آپ نے دس سے تقسیم کی قاضی صاحب موصوف سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے دس سہام میں سے شوہر کو تین سہام دلائے شوہر اس فیصلے پر قاضی صاحب موصوف سے ناراض ہو کر شہر بہ شہر دریافت کرتا پھرتا تھا کہ کسی عورت نے شوہر چھوڑا اور نہ اولاد چھوڑی نہ پوتا پوتی چھوڑی سب یہی جواب دیتے کہ شوہر کا نصف ہے۔ اس پر یہ شخص کہتا کہ شریحؒ نے مجھ کو نصف دلوایا نہ تہائی۔ حضرت شریحؒ کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے اس کو بلا کر سزا دی اور فرمایا کہ مجھ سے پیشتر امام عادل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایسا حکم صادر فرما چکے ہیں اس مسئلہ کو بلجاء کے لقب سے بھی بولتے ہیں جو بلج سے مشتق ہے جس کے معنی ظہور صبح کے ہیں چونکہ یہ بہت واضح ہے۔ اس لئے یہ نام رکھا گیا اس لئے اس نے

ثلثین کی طرف عول کیا ہے۔ اور اکثر فرائض کا عول ادھر ہوتا ہے۔

(۶) **مسئلہ برادر مبارک** ۔ اس کی صورت یہ ہے کہ میت نے دو حقیقی بہنیں اور ایک علاتی بہن چھوڑی تو کل ترکہ بطور فرض ورد کے دونوں حقیقی بہنوں کو مل جائے گا اور علاتی بہن ترکہ پانے سے محروم رہے گی اور اگر علاتی بہن کے ساتھ اس کا بھائی بھی ہو تو وہ عصبہ ہو جائے گی۔ تو دونوں حقیقی بہنوں کو دو ثلث مال بطور فرض کے ملے گا۔ اور باقی جو ایک ثلث رہا وہ علاتی بھائی بہن کے درمیان للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہو جائے گا۔ دو حصے بھائی کو اور ایک حصہ بہن کو ملے گا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ میت نے دو بیٹیاں اور ایک پوتی چھوڑی تو کل متروکہ مال بطور فرض ورد کے دونوں بیٹیوں کو مل جائے گا۔ اور پوتی محروم رہے گی۔ اور اگر پوتی کے ساتھ پوتا بھی ہے تو عصبہ ہو جائے گی اور دونوں بیٹیوں کو بطور فرض دو تہائی دینے کے بعد باقی ایک تہائی پوتے اور پوتی کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ پوتے کو دو حصے اور پوتی کو ایک حصہ مل جائے گا۔ ان صورتوں میں بھائی بہن کے لئے مبارک ہو گیا کہ بہن کو ترکہ میں حصہ پانے کا حقدار کر دیا۔

(۷) **مسئلہ تسعینیہ زید** ۔ وہ اس طرح ہے کہ میت نے ماں، دادا، حقیقی بہن، دو علاتی بھائی اور ایک علاتی بہن چھوڑی۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک اصل مسئلہ چھ سے ہوگا اور چھ کو تین میں کہ تہائی کا مخرج ہے بسط کے لئے ضرب دینے کے بعد اٹھارہ حاصل ہوئے جس سے مسئلہ ہذا کی تصحیح ہوگی ان میں سے چھٹا حصہ یعنی تین سہم ماں کو اور باقی کا تہائی پانچ دادا کو نصف یعنی نو حقیقی بہن کو ایک باقی رہا اسکو علاتی بہن بھائی کے درمیان مرد کو عورت کے دو چند کے حساب تقسیم کیا جائے گا ظاہر ہے کہ ایک سہم علاتی بھائی بہن کے عدد دس پر پورا پورا تقسیم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کے عدد رؤس پانچ ہیں اس لئے کہ دو بھائی بمنزلہ چار بہنوں کے ہیں۔ اور ایک بہن خود ہے جبکہ پانچ عدد رؤس اور ایک سہم میں تباین کی نسبت ہے تو پانچ عدد رؤس کو اٹھارہ میں ضرب دیا تو نوے حاصل ہوئے جس سے اس مسئلہ کی تصحیح ہوتی ہے۔ ماں کے تین سہم تھے ان کو پانچ میں ضرب دیا پندرہ حاصل ہوئے اور دادا کے پانچ سہم تھے ان کو پانچ میں ضرب دیا تو پچیس حاصل ہوئے۔ حقیقی بہن کے نو تھے ان کو پانچ میں ضرب دیا تو پینتالیس حاصل ہوئے علاتی بہن بھائیوں کے لئے ایک سہم تھا اس کو پانچ میں ضرب دیا تو پانچ ہی حاصل ہوئے انمیں سے ہر بھائی کو دو دو سہم اور بہن کو ایک سہم ملے گا۔ تسعینیہ زید اس مسئلہ کا نام رکھنے کی وجہ یہی ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس مسئلہ کی تصحیح تسعین یعنی نوے سے ہوتی ہے۔

(۸) **مسئلۃ التشبیب** ۔ اس مسئلہ کا بیان مع وجہ تسمیہ ذات کے بیان میں گذر چکا ہے۔

(۹) **مسئلہ حمزیہ** ۔ وہ یہ ہے کہ میت نے تین متساوی درجہ کی دادیاں، ایک دادا اور تین متفرق بہنیں وارث چھوڑے حضرت ابوبکر صدیق وابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس صورت میں دادیوں کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی ماندہ دادے کا حق ہے اصل مسئلہ چھ سے ہو کر اٹھارہ سے تصحیح ہوگی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صورت ہذا میں نصف حقیقی بہن کو اور چھٹا علاتی بہن کو تکملہ دو تہائی پورے ہو جائیں اور دادی کو چھٹا اور دادا کو بھی چھٹا حصہ پہنچے گا۔ یہی قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے اور یہی ایک روایت شاذہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جدہ صحیحہ نانی کا چھٹا حصہ باقی دادا کا ہے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے نزدیک دادی کا چھٹا اور باقی دادا اور حقیقی و علاتی بہن کے درمیان چار سہام پر تقسیم ہوگا پھر علاتی بہن کو جو ملا ہے وہ اس کو حقیقی بہن کو واپس کرنا پڑے گا۔ اصل مسئلہ چھ سے ہو کر ستر سے تصحیح ہوگی جو بوجہ اختصار کے چھتیس کی طرف عود کرے گی ان میں سے چھ سہام

دادیوں کو اور پندرہ سہم دادا کو اور پندرہ سہم حقیقی بہن کو اور اس کا اور علاتی بہن کا حصہ ہے ملیں گے اس مسئلہ کو حمزیہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ حمزہ زیات سے مسئلہ کے بارے میں سوال کرکے گئے تو انھوں نے یہی جواب دیا۔

(۱۰) **مسئلہ خرقاء** وہ اس طرح ہے کہ ایک میت نے ماں، دادا اور حقیقی یا علاتی بہن چھوڑی اس مسئلہ میں مشہور صحابہ سے بہت اختلاف واقع ہوا ہے اس وجہ سے اسکا یہ نام تجویز ہوا نیز اس میں پانچ صحابہ حضرت عثمان، علی، زید بن ثابت، ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مختلف روایات منقول ہونے کی وجہ سے اسکو مخمسہ بھی کہتے ہیں مخمسہ شعبی کے نام سے بھی موسوم ہے اس لئے شعبی ؒ اس مسئلہ کو ان پانچ صحابیوں کے علاوہ کسی اور سے روایت نہیں کرتے اور بعض کا بیان ہے کہ اس مسئلہ میں ایک وقت میں پانچ صحابیوں کے مختلف اقوال وارد ہوئے ہیں بعض کہتے ہیں کہ شعبی ؒ سے حجاج نے اس بارے میں سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اس میں پانچ صحابیوں نے اختلاف کیا ہے اور جب ان کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اضافہ کیا جائے تو مسدسہ ہو جائیگا اسی وجہ سے اس کا نام دادا اور بہن کے درمیان برابر تقسیم کرنے کی بنا پر عثمانیہ، مثلثہ اور مثلثہ عثمانیہ کے نام سے بھی نامزد کیا جاتا ہے چونکہ شعبی نے اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے اس لئے اس کو شعبیہ بھی کہتے ہیں اور چونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسکی تقسیم چار سہام سے کرکے نصف دو سہم بہن کیلئے اور ایک ایک سہم دادا اور ماں کے لئے تجویز کئے تھے۔ اس لئے اس کو مربعہ اور مربعہ ابن مسعود کہا جاتا ہے۔ نیز اس میں سات قول (جنکی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے) وارد ہونیکی وجہ سے اسکو مسبعہ کہتے ہیں۔

(۱) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ماں کو تہائی ملے گا۔ اور باقی دو تہائی مال کے تین حصے ہو کر دادا اور بہن کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگی کہ دادا کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ ملے گا نو سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔

یہاں زبر علامہ سید حسین نے شرح دیوان حضرت علی ؓ کے دیباچہ میں جس کا نام فواتح سبعہ ہے حضرت زید ؓ کے اتباع کرنے پر جو یہ وجہ تراشی ہے کہ یہاں امام شافعی ؒ نے حضرت زید ؓ کی اتباع کی ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے افرضکم زید یعنی تم میں سب سے زیادہ فرائض جاننے والے زید ہیں جسکو احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے بہ الفاظ ابی قلابہ کے حضرت انس ؓ سے روایت کیا ہے سفیان ثوری احمد ابو عبیدہ، ابو یوسف، محمد، زفر رحمہم اللہ اور اہل مدینہ و اہل شام کا اسی پر فتوی ہے۔ اس سے ان کی توجیہ [illegible] کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ بہت سے مسائل میں امام شافعی ؒ نے حضرت زید ؓ کے خلاف کیا ہے اور حضرت ابو حنیفہ ؒ نے انکی موافقت کی ہے۔

(۲) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ماں کو تہائی اور باقی (دو تہائی) دادا کے لئے ہے اور بہن محروم ہے حضرت ابن عباس، معاذ بن جبل، ابو ہریرہ، ابو موسیٰ اشعری، ابو درداء، جابر، عمار، ابی بن کعب، عمران بن حصین، عائشہ صدیقہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے تابعین ؒ کی ایک جماعت مثلاً ابو حنیفہ ؒ، مزنی وغیرہ نے بھی اسی پر عمل کیا ہے کہ ماں کو تہائی باقی دادا کا ہے اور بہن محروم ہے۔

(۳) حضرت ابن مسعود ؓ نے فرمایا ہے کہ بہن کو آدھا باقی آدھے کا تہائی ماں کا اس کے بعد جو باقی رہے وہ دادا کو ہے اور چھ سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی

(۴) ابن مسعود ؓ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ماں کو چھٹا اور بہن کو آدھا اور باقی دادا کا ہے یہ قول پہلے قول سے لفظاً مخالف اور معناً متحد ہے اسی وجہ سے اکثر علماء نے دونوں قولوں کا مآل ایک قرار دیا ہے پس بہ اعتبار اقوال درحقیقت چھ قول ہوئے۔

(۵) حضرت ابن مسعود ؓ کا یہ قول بھی ہے کہ بہن کو آدھا باقی نصف میں سے آدھا ماں کا اور آدھا دادا کا ہے شرح فصول البدیہ فی مواریث لاما در غایۃ الوصول میں اسی طرح ہے لیکن ضوء السراج کے مصنف فرماتے ہیں کہ یہ ابن عباس ؓ کا قول ہے۔

(۶) حضرت علی ؓ نے فرمایا ہے کہ بہن کو نصف ماں کو تہائی اور دادا کو چھٹا حصہ ہے دوسری عبارت میں یوں ہے کہ بہن کو نصف ماں کو اصل مال سے تہائی اور باقی دادا کا ہے۔

(۷) حضرت عثمان ؓ فرماتے ہیں ماں کو کل مال سے تہائی باقی بہن اور دادا میں نصفا نصف تقسیم ہوگا۔

بعض اس مسئلہ کو مثمنہ بھی کہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ سات قول تو اوپر گذر چکے آٹھواں قول حضرت عثمانؓ کا یہ بھی ہے کہ ماں کا تہائی بہن کا تہائی دادا کا تہائی ہے۔ یعنی مال کے تین حصے کرکے ہر ایک کو ایک ایک حصہ ملے گا

(۱۱) مسئلہ دیناریہ اکبریٰ وہ یہ ہے کہ میت نے ایک بیوی، ماں، دو بیٹیاں اور بارہ حقیقی بھائی اور ایک حقیقی بہن چھوڑی اصل مسئلہ چوبیس سے ہو کر تین بیوی کو چار ماں کو سولہ دونوں لڑکیوں کو باقی ایک بہن بھائیوں کے درمیان مرد کو عورت سے دو چند کے حساب سے تقسیم ہو جائے گا۔ بارہ بھائی اور ایک بہن کے عدد دو ۲۵ ہوتے ہیں ان میں اور ایک سہم میں مباینت ہے پس ۲۵ کو ۲۴ میں ضرب دی گئی تو چھ سو حاصل ہوئے ان میں سے پچھتر بیوی کے سو ماں کے چار سو دونوں لڑکیوں کے چوبیس بارہ بھائیوں کے اور ایک بہن کا ہوا اس مسئلہ کا نام شاکیہ اور رکابیہ بھی ہے۔ داؤدیہ بھی کہتے ہیں اس لئے کہ داؤد طائی کے زمانہ میں ایسا واقعہ پیش آیا تھا۔

(۱۲) عمر تین اس کا ذکر ماں کی توریث میں گذر چکا ہے۔ (۱۳) مسئلہ غرائین اس کا حال بھی ماں کی توریث میں گذر چکا ہے۔

(۱۴) غراء وہ یہ ہے کہ ایک عورت نے شوہر، دو حقیقی یا علاتی بہنیں، اور دو اخیافی بھائی چھوڑے اصل مسئلہ چھ سے ہو کر نو کی طرف عول کریگا۔ اور ان میں سے تین شوہر کو دو حقیقی یا علاتی بہنوں کو دو سہم دو اخیافی بھائیوں کو ملیں گے۔ اس مسئلے کو غراء کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بنی مروانیہ کی خلافت کے زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا۔ شوہر عول پر راضی نہ تھا وہ نصف لینا چاہتا تھا۔ علماء نے اس سے اختلاف کیا اس سے لوگوں میں یہ مسئلہ بہت مشہور ہو گیا۔ زیادہ شہرت کی بناء پر اغراء کہلایا جو غرہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی پیشانی کی سفیدی کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے متوفیہ کا نام غرہ تھا۔ اس مسئلے کو مروانیہ بھی کہتے ہیں۔

(۱۵) دوسرا مروانیہ۔ یہ ہے کہ ایک شخص نے چار بیویاں، دو حقیقی یا علاتی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑیں اصل مسئلہ بارہ سے ہو کر پندرہ کی طرف عول کرے گا۔ جس میں سے تین۔ چار بیویوں کو آٹھ دو حقیقی یا علاتی بہنوں کو اور چار دو اخیافی بہنوں کو ملیں گے عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

(۱۶) مسئلہ ناقضیہ وہ یہ ہے کہ عورت نے شوہر، ماں اور دو اخیافی بھائی چھوڑے۔ اصل مسئلہ چھ سے ہو کر تین شوہر کو ایک ماں کو اور دو سہم دو اخیافی بھائیوں کو ملے۔ ناقضیہ نقض سے مشتق ہے اس وجہ سے اس کو ناقضیہ کہتے ہیں۔ کہ اس مسئلہ میں ابن عباسؓ کی دو اصلوں میں سے ایک اصل ٹوٹتی ہے اس لئے کہ اگر ماں کو تہائی دلاتے ہیں تو اس کا عول سات کی طرف لازم آتا ہے اور اگر چھٹا دلاتے ہیں تو بھائیوں کی وجہ سے محجوب ہونا لازم آتا ہے اور وہ ان دونوں کو منع کرتے ہیں اس مسئلے کو الزامیہ بھی بولتے ہیں اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ کو اس سے الزام ہوتا ہے۔

(۱۷) مسئلہ نصیفتان وہ یہ ہے کہ میت نے شوہر اور حقیقی یا علاتی بہن چھوڑی ان میں سے ہر ایک کو نصف ترکہ بطور فرض کے ملے گا۔ اس کو یتیمتان بھی کہتے ہیں۔

(۱۸) مسئلہ مامونیہ اس کی صورت اس طرح ہے کہ میت نے باپ، ماں اور دو لڑکیاں چھوڑیں ان میں سے ایک لڑکی تقسیم ترکہ سے پہلے انتقال کر گئی اور دوسرے تین وارث موجود ہے۔ اس کو مامونیہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مامون خلیفہ بغداد کا کسی کو بصرے کا قاضی مقرر کرنیکا ارادہ ہوا اس عہدہ قضا کے لئے یحییٰ بن اکثم کو پیش کیا گیا۔ خلیفہ موصوف کی نظر میں وہ جب معصوم ہوئے تو ان کی لیاقت کا اندازہ کرنے کے لئے مامون نے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ اس پر یحییٰ نے کہا امیر المؤمنین! پہلے یہ بتلائیے کہ میت مرد تھی یا عورت مامون تاڑ گئے کہ شخص مسئلے سے واقف ہیں اور کہا کہ جب تم نے فرق سمجھ لیا تو جواب بھی سمجھ لیا ہوگا۔ تفصیل یہ ہے کہ اگر میت اول مرد ہو تو دوسرے مسئلہ میں باپ وارث ہوگا اور اگر عورت ہے تو وارث نہیں اس لئے کہ وہ دوسری میت کا نانا ہوا۔

(۱۹) مسئلہ مختصرہ زیدؓ وہ یہ ہے کہ میت نے ماں، دادا اور ایک حقیقی بہن اور ایک علاتی بھائی اور بہن چھوڑی زیدؓ کے نزدیک

اصل مسئلہ چھ سے ہو کر ایک ماں کو ملے گا۔ باقی پانچ دادا بھائی بہنوں پر بطور مقاسمہ تقسیم ہوں گے چونکہ پانچ ان پر پورے پورے
تقسیم نہیں ہو سکتے اس لئے ان کے عدد روس چھ کو اصل مسئلہ چھ میں ضرب دینے سے چھتیس ہوئے ان میں سے ماں کو چھ دادا کو باقی ماندہ
تیس میں سے تہائی دس اور حقیقی بہن کو نصف اٹھارہ ملے اب دو باقی رہے جو علاتی بھائی بہن پر بلا کسر تقسیم نہ ہونے کی وجہ سے
ان کے عدد روس کو چھتیس میں ضرب دینے سے ایک سو آٹھ حاصل ہوئے جن کو سہام میں تقسیم کے بعد توافق بالنصف ہونے کی وجہ سے نصف
یعنی چون کی طرف رد کیا جائے گا ان میں سے ماں کو نو دادا کو باقی پینتالیس میں سے پندرہ حقیقی بہن کو ستائیس علاتی بھائی
کو دو اور علاتی بہن کو ایک ملے گا جن کا مجموعہ چون ہو گیا۔ اس اختصار کی وجہ سے مسئلہ کا نام مختصرہ ہوا۔

(۲۰) مسئلہ مربعات ابن مسعودؓ وہ یہ چار مسئلے ہیں (۱) میت نے ایک بیٹی، ایک حقیقی یا علاتی بہن اور دادا
چھوڑا۔ چار سے مسئلہ کی تصحیح ہو کر دو بیٹی کو ایک دادا کو اور ایک بہن کو مل جائے گا۔ یہ قول ابن مسعودؓ کا ہے لیکن زیدؓ
اور جمہور کے نزدیک نصف بیٹی کو اور باقی نصف دادا بہن میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ دادا کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ ملے
گا امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ابو بکر فرماتے ہیں۔ بیٹی کو نصف اور دادا کو چھٹا باقی بہن کو ملے گا۔ اب مسئلہ چھ سے صحیح ہوگا (۲)
میت نے شوہر، ماں اور دادا چھوڑا ابن مسعودؓ کے نزدیک چار سے مسئلے کی تصحیح ہو کر دو شوہر کو ایک ماں کو اور ایک دادا کو
ملے گا۔ جمہور کے نزدیک نصف شوہر کو تہائی ماں کو اور باقی چھٹا دادا کو بطور فرض کے ملے گا اور مسئلہ چھ سے صحیح ہوگا۔ (۳) میت نے
بیوی، ماں، حقیقی یا علاتی بھائی اور دادا چھوڑا ابن مسعودؓ کے نزدیک مال کے چار حصے کر کے چاروں کو ایک ایک حصہ دیا جائے گا۔ اور
جمہور کے نزدیک مسئلہ چوبیس سے ہو کر چھ بیوی کو اور آٹھ ماں کو دادا و بھائی میں سے ہر ایک کو پانچ پانچ ملیں گے (۴) میت نے
بیوی، دادا اور حقیقی یا علاتی بہن چھوڑی ابن مسعودؓ کے نزدیک بیوی کو چوتھائی بہن کو آدھا اور باقی دادا کو ملے گا۔ یہی حضرت
عمرؓ کا قول ہے اور حضرت ابو بکرؓ کے نزدیک بیوی کو چوتھائی اور باقی دادا اور بہن کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ دو
حصے دادا کو ایک حصہ بہن کو ملے گا۔ ہر صورت میں مسئلہ چار سے ہوگا اگرچہ حصوں میں اختلاف ہے۔

(۲۱) مسئلہ مثمنہ وہ یہ ہے کہ میت نے ایک بیوی، ماں، دو حقیقی یا علاتی بہنیں، دو اخیافی بہنیں اور ایک بیٹا جو غلامی
وغیرہ کی وجہ سے وارث نہ ہوا چھوڑا اس کو مثمنہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں آٹھ قول واقع ہوئے ہیں۔

(۲۲) مسئلہ مشترکہ وہ اس طرح ہے کہ میت نے شوہر، ماں، دو اخیافی بھائی بہن اور چند حقیقی بھائی بہن چھوڑے
مسئلہ چھ سے ہو کر تین شوہر کو ایک ماں کو دو اخیافی بھائی بہن کو ملیں گے اور باقی وارث محروم رہیں گے اور یہی حکم اس وقت
ہے جبکہ ماں کی جگہ دادی ہو۔ یہ قول حضرت ابو بکر و عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے اور اصحاب حنفیہ کا یہی مذہب
ہے۔ اور ابن مسعودؓ اور زید بن ثابتؓ کے نزدیک حقیقی بھائی بہنوں میں سے جو عصبہ ہیں وہ اخیافیوں کے تہائی حصہ میں
شریک ہوں گے اور یہی حضرت عمرؓ کا آخری قول ہے۔ اس کو مشترکہ اور تشریکیہ بھی کہتے ہیں حماریہ اور حجریہ اور یمیہ
کے نام سے بھی بولا جاتا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

احقر العباد محمد صابر امروہوی غفرلہ
۱۲/ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ

تمت